حضرت سید عبداللہ باشیبان اکیڈمی، باگام کا سالانہ مذہبی، علمی، تہذیبی و ادبی مجلّہ

باشیبان

(شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی :شخص اور عکس نمبر)

© صدر نشین حضرت سید عبداللہ باشیبان اکیڈمی، بلگام

نام مجلّہ	:	**باشیبان**
مدیر اعلی (اعزازی)	:	**پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر**، صدر شعبۂ اردو و فارسی، گلبرگہ یونیورسٹی، گلبرگہ
ماہ و سنہ اشاعت	:	جنوری ۔ ۲۰۱۵ء
سرورق	:	محمد امتیاز احمد اشرفی، بلگام
کمپوزنگ و	:	اکرم فہمید بھاگلپور
پرنٹر	:	
ناشر	:	حضرت سید عبداللہ باشیبان اکیڈمی بلگام
تعداد	:	1100
قیمت	:	450 روپیے
ملنے کے پتے	:	1. حضرت سید عبداللہ باشیبان اکیڈمی بلگام
		2. ایم۔ اقبال بک ڈپو کھڑے بازار ، بلگام
		3. برکاتی بک ڈپو عقب خواجہ بازار، روضہ خرد، گلبرگہ۔ ۵۸۵۱۰۴

فہرست

عرضِ ناشر

مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ حضور شیخ الاسلام سید شاہ محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ النورانی کی شخصیت اوران کے افکار عالیہ پر ایک تین روزہ شیخ الاسلام کل ہند سمینار 14,13 اور 15 جنوری 2015ء کو ہمارے شہر بلگام کی سرزمین پر منعقد ہونے جارہا ہے۔اس سلسلے میں ہماری خوشی دوبالا ہوگئی ہے کہ سمینار کے انعقاد سے پہلے معزز مقالہ نگاران نے اپنے اپنے مقالے ارسال کر چکے ہیں اور وہ سب یکجا ہوکر کتابی شکل میں مذہبی، علمی، تہذیبی اور ادبی مجلّہ ''باشیبان'' کے نام سے شائع ہوکر سمینار کے افتتاحی اجلاس میں رسمِ اجراء کے مرحلے میں ہیں۔

میں اس سمینار کے انعقاد اور مجلّے کی اشاعت میں جن اربابِ علم وادب نے جس جس طور پر بھی حصہ لیا ہے اُن کی خدمات میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔اور دعا کرتا ہوں کہ مولائے عز وجل اپنے حبیب مکرم ﷺ کے صدقے اور تمام اولیائے کرام بالخصوص حضرت سید عبداللہ باشیبان علیہ الرحمہ کے توسط سے ان کے علم میں ترقیٔ درجات اور عمل میں اخلاص وکمال عطا کر دے۔آمین بجاہِ سید المرسلین۔

فقط

سید منیر پاشاہ باشیبان انعامدار ایم،اے،ایم،فل

صدر نشین حضرت سید عبداللہ باشیبان اکیڈمی، بلگام

اداریہ

دین اسلام کے آغاز ہی سے اللہ رب العزت ایسی نفوسِ قدسیہ کو پیدا فرتا رہا جو اپنے اپنے زمانے میں اعلم الناس اور افقہ الناس کہلائے جانے کے مستحق ہوئے اور وہ اپنی اپنی استعداد و صلاحیت کے اعتبار سے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات کریمانہ سے کائنات عالم میں اپنے علمی و روحانی فیوض و برکات سے مخلوقِ خدا کو مستفیض و مستنیر ہونے کی سعادت بخشتے رہے ۔جن میں علم و ادب اور عمل و اخلاص اور روحانی فیوض و برکات سے مزین ایک شخصیت حضور شیخ الاسلام سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی کی بھی ہے، جو اپنے علم وعمل ،مجاہدے و مشاہدے کی درخشانی سے ہند و بیرونِ ہند کو منور کرتے آ رہے ہیں، اور اپنے خطابات اور تحریرات سے دنیائے علم و عرفان کے اذہان و قلوب کو روشن و منور بھی فرما رہے ہیں۔

ہزاروں خطابات ، بیسیوں تصانیف میں سے کچھ خطابات اور تصنیفات اور شعری اثاثے کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔ان کے اسی علم و ادب کے سرمایے پر موضوعاتی اور اسلوبیاتی مطالعے کے بعد تحریر کرنے والے صاحبانِ علم و نظر کے رشحاتِ قلم جمع کئے گئے ہیں۔ان اربابِ علم و دانش و بینش میں علمائے کرام اور یونی ورسٹی کے پروفیسر صاحبان کے مختلف عنوانات پر لکھے گئے مقالات مثلاً : ''تفسیرِ اشرفی'' کے دینی ،لسانی و ادبی محاسن، شیخ الاسلام کی حدیث دانی اور فقہی بصیرت ،تصوف ، عشقِ رسول کے علاوہ حضرت کا فن خطابت،ان کی تحریر کردہ کتابوں پر تبصروں کے علاوہ ان کے مجموعۂ کلام '' تجلیاتِ سخن '' میں شامل حمدیہ، نعتیہ، غزلیہ اور نظمیہ

شاعری پر تبصراتی مضامین کے علاوہ ان کے کلام کا فکری و فنی جائزہ وغیرہ شامل ہیں۔ جو چالیس سے زائد مقالات کا احاطہ کرتے ہیں۔تقریباً سبھی مقالات شامل مجلّہ ہیں۔حتی المقدور مسودہ بینی کے دوران مذکورہ مقالات کی ضروری تصحیح کر دی گئی ہے۔ اور کچھ مضامین عین وقت پر موصول ہو ئے ہیں۔تنگئی وقت کی باعث ممکن ہے کچھ کمزوریاں راہ پا گئی ہوں۔ اربابِ علم ونظر سے اُمید ہے کہ انہیں صرفِ نظر کرتے ہوئے مفید مشوروں سے نوازیں گے، تاکہ طبع ثانی میں ان اُمور کا لحاظ رکھا جا سکے۔

فاضل مقالہ نگاران شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے متعینہ وقت پر اپنے موضوع سے متعلق حضور شیخ الاسلام کی کتابوں کا مطالعہ کرنے اور مقالہ تحریر کرنے کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا اور مقالہ ارسال کیا۔ گویا سمینار کے افتتاحی اجلاس میں ان مقالوں کو مجلّے کی شکل میں پیش کرنے کے لئے ’’حضرت سید عبداللہ باشیبان اکیڈمی‘‘ کے ارادوں کی تکمیل میں ممد ومعاون ثابت ہوئے۔

حضور شیخ الاسلام کی خدمت میں حصول دعا کے لئے کچھ اس طرح درخواست کی گئی تھی، کہ حضرت کی شخصیت کے مختلف زاویوں کو اربابِ سمینار سمجھنا اور سمجھانا چاہتے ہیں۔تو حضور شیخ الاسلام نے مختصر اور مکمل یہ دعا فرمائی کہ’’ اللہ اخلاص عطا فرمائے، آگے بڑھیے اللہ کی مدد شامل رہے گی۔‘‘ تو آج ہم حضرت کی دعاء کا ایسا اثر دیکھتے ہیں کہ یہ تین روزہ کل ہند سمینار حضور شیخ الاسلام کے شایانِ شان انعقاد پذیری میں نہایت اخلاص اور مکمل انہماک کے ساتھ سید منیر پاشاہ باشیبان انعامدار اور ان کے رفقائے کار اس سمینار کی کامیابی کے لئے شب و روز کوشاں اور سرگرداں رہے، اور شاداں وفرحاں بھی۔ اللہ رب العزت ان کو اجرِ عظیم عطا کرے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مدیرِ اعلیٰ (اعزازی)
پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر

۲۸۶
۹۲

گرامی قدر!   سلام و رحمت

① — تقریباً چار ماہ کچھوچھا شریف سے کراچی اور حیدرآباد آیا۔ ڈاک میں آپ کا والا نامہ
نظر نواز ہوا۔ بانی جامعہ نظامیہ عارف باللہ اعلیٰ حضرت مولانا انوار اللہ شاہ صاحب
قدس سرہ العزیز شہر حیدرآباد کے بیٹے خاص طور پر بارگاہ رسالت پناہ
سے منظور سے رکیب شاہ محبوب تھے۔ جو آپ انہیں خیال تھے۔ والد سفر آ
رواداری کے عالم میں درایں تقلید اللہ اعتبار شخصیت کے تعلق سے
مولانا تاثیر ہیں کہ لکھا ہے کہ دستور ان کا نہیں بلکہ دستور اثر سے
آپ نے معروف ہے کہ آپ حضور رشید کا حق گزار رتقا ہیں کہلاتے
رجوع فرما تھے۔ تحریر العصائف بزرگوں کو سمجھنے کے لئے مطالعہ کی بس
فرد کے درمیان مشکوٹ مرتد کر دیا ہے کہ فرد خبیث نہیں بلکہ یہی گراں قدر
تقاریر شریف کافی ہیں اس کے حدود حال اور قدر و قامت سمجھنے کے لئے۔

دیا ازاں

② — اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور اعلیٰ حضرت فاضل حیدرآبادی علیہما الرحمۃ والرضوان
ان دو بزرگوں میں جمع کی اذان دینا ان کے قول سے جو اختلاف سے
وہ ظاہر ہے۔ اول الذکر اس اذان کو دوسری وقتیہ اذانوں کی طرح
مسجد میں مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں اور حدیث شریف سے استنباط سند
پیش فرماتے ہیں۔ اور موخر الذکر اس اذان کے حکم کو دوسری اذانوں

مولانا سید شاہ محمد مدنی اشرفی الجیلانی کچھوچھہ شریف کے مکتوب کا عکس
بنام پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر گلبرگہ شریف

۲

کے کلام سے جدا قرار دیتے ہیں اور خاص کر کے اس اذان ثانی کو مسجد کے
اندر خطیب کے روبرو دینا جائز قرار دیتے ہیں اور تعامل الناس کو
حجت اور دلیل قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ تعامل الناس ملحق بالاجماع۔
ہے نیز۔ لا تجتمع امتی علی الضلالۃ ہے بایں ہمہ اس بات پر دونوں بزرگوں کا
اتفاق ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی (خطبہ کی اذان) خطیب کے روبرو مسجد کے
دروازے پر مسنون ہے۔ حدیث شریف سے اسکی مسنون ہونے کی
صاف نشاندھی ہوتی ہے ——— کہ بے بضاعت کیلئے زیب نہیں
دیتا کہ اس طرح کے بزرگوں کے ارشادات کے مابین محاکمات
کے فرائض ادا کروں۔ ہر اہلیت والا ان کی تحریرات سے
حسب استعداد فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

(۳)۔ شناختی کو سرٹیفیکیٹ سے ممتاز کر دینے کے بعد سے کفر و اسلام
کے درمیان کوئی شناخت باقی نہیں رہ گئی۔ اب جو مسلم نہیں وہ
یقیناً کافر ہے اور جو کافر نہیں وہ بلاشبہ مسلم ہے۔ رہ گئے
وہ گروہ جن کی گمراہی درکفر تک نہیں پہونچی ہے وہ مسلمان ہی
سمجھے جائیں گے اور مغفرت خداوندی کے مستحق قرار دیئے جائیں گے
وہ ضال و مضل اور اہل بدعت تو ہوں گے مگر کہے جائیں گے
مسلمان ہی ——— ہر مسلمان امت اجابت کا فرد ہے خواہ وہ
اہلسنت سے ہو یا اہل بدعت سے۔ اور ہر کافر امت دعوت

ہے کہ [illegible] خواہ وہ پہلے ہی سے کافر رہا ہو یا مسلمان ہو کر
کافر ہو گیا ہو ـــــ جب فرد کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جا سکے وہ فرد اُمتِ دعوت ہی کا فرد
کہلائے گا - وہ گیا مسلمان تو وہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو گیا - مگر کیجیے کسی طرح کی گمراہی میں مبتلا ہو
اُسے اسلام قبول کرنے کی دعوت نہیں دی جا سکتی اس لیے کہ [illegible] اسلام موجود ہے اور تحصیلِ حاصل
محال ہے - اور [illegible] امتِ اجابت کا فرد ہمیشہ کیلئے کافر نہیں ہے ـــــ بلاشبہ تفریقِ امت
والی حدیث شریف میں امتِ اجابت ہی کا ذکر ہے جن میں ایک ہیں اہلسنت اور باقی ہیں اہلِ بدعت۔
اور وہ بھی ایسے اہلِ بدعت جن کی گمراہی حدِ کفر تک نہ پہنچی ہو ـــــ رسالہ عقائد میں مَیں نے یہی صراحت
کی ہے کہ حدیثِ تفریقِ امت میں امت سے مراد امتِ اجابت ہے ـــــ امتِ اجابت کے اہلِ بدعت
کا بھی مخلد فی النار نہ رہنا ہی رحمتِ الٰہی کو منظور ہے وھو الغفور الرحیم ـــــ اب اگر خدانخواستہ
کسی اہلِ بدعت کی گستاخانہ [illegible] اسے حدِ کفر تک پہنچا کر اسے مرتد بنا دے تو اب وہ امتِ اجابت
سے نکل کر امتِ دعوت کا فرد بن جائے گا اور [illegible] ہو جائے گا کہ اسے دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت
دی جائے ـــــ میری تحریر میں وضاحت سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ حدیثِ تفریقِ امت کی جو تشریح و ترجمہ [illegible]
[illegible]
وہ امتِ اجابت میں رہے ہی کب ؟ ہاں [illegible] امتِ اجابت ہی
میں ہوگا ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم [illegible]
[illegible]

786
92

سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی

پوسٹ کچھوچھا شریف، ضلع فیض آباد، یوپی، (انڈیا)

SYED MOHD. MADNI ASHRAFI AL-JILANI

POST KICHHOCHHA SHARIF, DIST. FAIZABAD, U. P. (INDIA)

REF. NO.................... ۲۸۷/۹۲ DATE.........................198

عزیز القدر سلمہ ! دعائیں

خوب مبارک ہے۔ مخدوم الملت حضرت محدث اعظم قدس علیہ الرحمہ کی روح پاک کو ہر سبب ایصال ثواب نذرانہ عقیدت پیش کرتے رہئے۔ کم از کم کوئی جمعرات اور جمعہ اس سے خالی نہ ہو ——

—— احباب و اہل خانہ کو سلام و دعا فقط

والسلام

مدنی

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہ

6/9/85

الجواب ـــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب

سوال نمبر ۱ کا جواب ـ اس صورت میں دونوں کو غسل دیا جائے۔ البتہ
دفن اور نماز جنازہ میں اختلاف ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے کہ جب مسلمانوں اور کافروں
کی لاشیں مل جائیں تو اگر کوئی علامت معلوم ہو تو اسی پر عمل کیا جائے گا ورنہ اگر مسلمانوں کی لاشیں زیادہ ہوں
تو سب کو غسل دے کر سب پر نماز پڑھی جائے گی اور نیت صرف مسلمانوں کیلئے کی جائے گی
اور کافروں کی لاشیں زیادہ ہوں تو غسل سب کو دیا جائے گا اور نماز نہ پڑھی
جائے گی اور اگر مساوی ہوں تو بعضوں کے نزدیک نماز پڑھی جائے گی اور بعضوں
کے نزدیک نہ پڑھی جائے گی اور دفن میں بھی اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک
مسلمانوں کے مقبرے میں دفن ہونگے اور بعضوں کے نزدیک مشرکوں کے مقبرے میں
اور بعضوں کے نزدیک الگ قبر میں علیحدہ بنا کر زمین کے برابر کر دی جائیں گی
اور کوہان نہ کی جائیں گی ــ (عبارت کا ترجمہ) ـــ اور حلیہ شرح منیہ میں ہے ینبغی
الصلوٰۃ علیھم فی الاحوال الثلثۃ وبہ قالت الائمۃ الثلثۃ
وھو اوجہ ـ ترجمہ ـ تینوں حالتوں میں نماز پڑھنا چاہئے ائمہ ثلثہ نے ایسا
ہی کہا ہے اور یہی درست ہے۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

سوال نمبر ۲ کا جواب ـ صورت مسئولہ میں طلاق نہیں ہوا۔ لہذا عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔
نفقہ [illegible] مفقود الخبر [illegible]
سوال میں ذکر کردہ صورت کا مفقود الخبر والی صورت سے کوئی واسطہ نہیں۔ ھذا
ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مولانا محمد اقبال اشرفی ـ پونہ کے ایک استفتاء
کا جواب

”شخص و عکس“ ایک پیغام

(از : مولانا سید نور پاشاہ باشیبان انعامدار قادری اشرفی بلگام)

فیضانِ باشیبان ٹرسٹ کے زیر اہتمام حضرت سید عبداللہ باشیبان رحمتہ اللہ علیہ اکیڈمی کی جانب سے دنیائے سُنیت کی نامور شخصیت تاجدارِ اہلِ سُنت ، مظہرِ اشرفیت ، مفسرِ قرآن ، عمدۃ المحدثین ، زینُ الفقہا ، مفتی سوادِ اعظم ، امام المتکلمین ، رئیس المحققین ، حضور شیخ الاسلام والمسلمین ، حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی کچھوچھوی دامت برکاتہم القدسیہ ”شخص و عکس“ کے موضوع پر تین روزہ کُل ہند سمینار کے انعقاد کی غرض و غایت کیا ہے؟ اُمتِ مسلمہ دنیائے سُنیت کے لئے کیا پیغام ہے؟

اس بات کو اُجاگر کرنا ہے کہ حضور شیخ الاسلام والمسلمین عہدِ حاضر میں منفرد حیثیت اور مرتبہ و مقام کے حامل ایک مخلص اور ذی شعور دینی عہد ہیں جن کو حق سبحانہ تعالیٰ نے بیک وقت بے پناہ صلاحتوں اور خوبیوں سے نواز رہا ہے۔ وہ بے مثال محدث ، مفسر ، فقیہ ، خطیب ، سنجیدہ اور متین قلمکار ، غیر جانبدار محقق ، منصف مزاج مفتی ، بیسیوں کتب کے مصنف ، حاضر جواب مناظر ، دردِ دل رکھنے والے مبلغ و مصلح اور قادر الکلام شاعر ہیں۔

وہ اس سرزمین ہندوستان پر سُنیت کا پرچم لہرانے ، اتحاد اہلِسُنت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے ، اصلاحِ معاشرہ اور مسلمانوں کو مغربی تہذیب اور نام نہاد روشن خیالی کی یلغار سے محفوظ رہنے کے لئے ہمہ وقت مصروفِ جہد رہتے ہیں۔ حضور شیخ الاسلام والمسلمین بلاشبہ ایک ہشت پہلو شخصیت کے مالک ہیں۔ میں نے انہیں بہت قریب سے تو نہیں لیکن خاصا قریب سے دیکھا ہے ، وہ بالکل ویسے ہی ہیں جیسا دین کے کسی حقیقی نمائندے کو ہونا چاہیے۔

وہ شاعر بھی ہیں اور اس فن میں کُلی مہارت بھی رکھتے ہیں ، اس بات سے کوئی انکار نہیں کرے گا کہ شعری لطافتوں کو چھوڑ کر حکمت و دانش کی ریاضتوں کو شعر کی خصوصیت بنانا کوئی معمولی کام نہیں جبکہ حضرت یہ کام بخوبی اور کثرت کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں بلکہ میرا خیال ہے وہ اپنے شعبے کے بنجر ماحول میں بادِ صبا کے دلکش جھونکے کی طرح ہیں۔ اس کام میں عشقِ رسول اور تصوف

کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ان کے کلام میں تغزل غالب ہے یعنی عشقِ رسول ﷺ ۔تقریر سے قبل مشاعرے کا سا سماں بر پا کر دینا اور مدینہ کی گلیوں میں گھمانا کوئی معمولی بات نہیں ۔جس طرح زمین پر سورج طلوع ہوتا ہے پھر اس سے روشنی کی کرنیں پھوٹتی ہیں ان کرنوں میں حدت، بیداری ،جلال اور جمال سب کچھ ہوتا ہے،حضرت کے پُر جلال کلام میں بھی سب کچھ محسوس ہوتا ہے۔

حضور شیخ الاسلام والمسلمین دورِ حاضر کے عظیم مفسرِ قرآن ہیں آپ نے فہم زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھ کر تمام تفاسیر کو ہمیں سمجھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ پیغام ہے کہ ''سید التفاسیر'' کا محققانہ مطالعہ کیا جائے تا کہ قرآنِ مجید کا ظاہر و باطن اپنے میں عیاں ہو جائے۔

آپ نے بلا شبہ سینکڑوں موضوعات پر قلم اُٹھایا اور علمی مواد کو جمع کیا۔تحقیق کا حق ادا کیا اور مذہبِ مہذب اہلِسُنت والجماعت کی وکالت کا فریضہ ادا کیا اور نبھایا۔آپ نے متعدد ممالک کے تبلیغی دورے کیئے اور آپ کے خطبات سے خلق خدا کو دور دور تک فائدہ ہوا جس میں برطانیہ، امریکہ ،ساؤتھ آفریقہ،سرِ فہرست ہیں۔

آپ کا وجود اہلسنت بلکہ اہلِ اسلام کی عزت ہے، ہمارا معاشرتی ماحول خاصا افسوس ناک ہے ۔آج جبکہ کسی باعزت شخصیت کے وقار کو بحال رکھنا ایک مسئلہ ہے خدا خیر کرے ،بدگمانیاں،الزام تراشیاں،حسد،بغض وکینہ، پتہ نہیں کیا کیا گل کھلائے ،ایسے ماحول میں حضور شیخ الاسلام والمسلمین کا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔میرے الفاظ میں نہ تو بناوٹ ہے اور نہ ہی یہ الفاظ کسی تکلف کا ثمرہ ہے، بلکہ میرے دل کی آواز ہے جو قلم کے ذریعے قرطاس پر بکھر رہی ہے۔خدا تعالیٰ اس عظیم فرد کو ہر حاسد کے حسد اور بدنیتوں کے شر سے محفوظ و مامون رکھے۔آمین ثم آمین

شیخ الاسلام کے نام

——محمد افروز قادری چریاکوٹی، دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، افریقہ

جہانِ علم ودانش، دنیائے سلوک ومعرفت، کائناتِ فقہ وبصیرت، اور میدانِ اِفتاو مناظرہ کا ایک معتبر نام اور ممتاز حوالہ ہے شیخ الاسلام علامہ سید شاہ محمد مدنی اَشرفی جیلانی کچھوچھوی۔ آپ کی مثالی شخصیت ملک وبیرونِ ملک میں اب کسی تعارف کی محتاج نہیں رہی۔ خدائے بخشندہ نے انھیں جو عظمت وکرامت بخشی ہے اور علم وتحقیق کا جو ستھرا ذوق عطا کیا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے، معاصرین میں اُس کی نظیر کم دکھائی دیتی ہے۔ سچ پوچھیں تو ایسی مقتدر شخصیتیں صدیوں میں جنم لیتی ہیں اور اپنے فضل وکمال کی ضیا بخشیوں سے پوری صدی کو روشن ومنور کردیا کرتی ہیں۔

اس ایک شخص میں پنہاں ہیں خوبیاں کیا کیا
ہزار لوگ ملیں گے مگر کہاں یہ شخص!

یہ ایک تلخ بات ہے؛ مگر ہے حقیقت لگتی، سو کہے دیتا ہوں کہ ہم میں ایسے اَفراد کی تعداد کچھ کم نہیں جو عمل کی سوکھتی ہوئی رگ کو اپنے کردار سے سینچنا نہیں جانتے، محض اپنے نامور آباؤ اَجداد کی بزرگی کی آڑ لے کر اور اپنے اکابر ومشاہیر کی شہرت کی بیساکھی کے سہارے خود کو متعارف کرانا اور سماج میں اپنا سستا مقام بنانا چاہتے ہیں؛ لیکن حضرت شیخ الاسلام کی شخصیت اس سے یکسر مختلف ہے۔ آپ کی ذات گرامی کو جس چیز نے بام شہرت اور منارۂ عظمت پر فائز کر رکھا ہے، میں نہیں کہتا کہ اس میں آپ کی نسبت پدری کا ایک ذرا حصہ نہیں تاہم ان کے علم وعمل، فقہ وبصیرت، زہد وورع اور تقویٰ وطہارت کا اس میں زیادہ دخل ہے۔ اور یہی حضرتِ انسان کا وہ گنج گراں مایہ ہوتا ہے جو اسے پورے قد سے کھڑے ہونے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔

لٰہذا محض بزرگوں کے نام سے اپنے مستقبل کو روشن کرنے والے حضرات کو ان بزرگوں کے نام کو روشن کرنے والے اَعمال وکردار کو بھی اِختیار کرنے کی جدوجہد اور بے لوث جتن

کرنی چاہیے، اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگوں کے لیے حضرت شیخ الاسلام کی بے غبار شخصیت بطورِ خاص نمونۂ عمل اور لائق صد تقلید ہے۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ 'حضرت شاہ عبداللہ باشیبان اکیڈمی بلگام' کے زیرِ اہتمام مستقبل قریب میں 'شیخ الاسلام حضرت مدنی میاں دامت برکاتہم' کی ہمہ جہت شخصیت پر ایک عظیم الشان تاریخی سمینار منعقد ہونے والا ہے، جس میں حضرت شیخ الاسلام کی علمی وجاہت وجلالت، فقہی تیقن وبصیرت، مناظراتی دبدبہ وہیبت اور بزرگانہ عظمت وکرامتکے بہت سے منفرد گوشوں پر ایک معرکۃ الآرا نمبر بھی منصۂ شہود پر جلوہ آرا ہوا چاہتا ہے، تو میں نے اس نمبر کے کسی گوشے میں جگہ پا جانے کو اپنے لیے اعزاز و افتخار سمجھتے ہوئے 'شیخ الاسلام کے نام' کے عنوان سے ایک مبسوط منظوم خراجِ عقیدت لے کر ثنا گرانِ شیخ الاسلام کی صف میں شامل ہونے کی تمنا لیے حاضر ہوں۔ ع

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

مجھ سے اَحباب مُصر ہیں کہ قصیدہ لکھوں
'شیخ اِسلام' کے اَوصافِ حمیدہ لکھوں

بات اُس کی ہے جو ہر درد کا درماں ٹھہرا
کیا لکھوں اُس کو جو مجموعۂ خوباں ٹھہرا

قلبِ سمناں کا سکوں، سبط پیمبر ٹھہرا
گلشنِ فاطمہ زہرا کا گل تر ٹھہرا

ایک بچہ جو کچھوچھہ کی زمیں سے اُٹھا
علم کی کوکھ میں پھر ناز سے پروان چڑھا

اَچھی صحبت میں رہا خوب لکھا خوب پڑھا
بن کے اِک نیر تاباں وہ سرِ عام اُٹھا

بچپنے ہی سے ہویدا تھا ذکاوت کا اَثر
ایسا لگتا تھا کہ یہ ذرّہ بنے گا کوئی مہر

دیکھ کے ورطۂ اَفکار میں ہردَم گم صم
لوگ کہتے تھے کہ یہ قطرہ بنے گا قلزم

کارواں عمر کا جب اَور بھی کچھ آگے بڑھا
شوکت وشہرت ورفعت میں کئی چاند لگا

بڑی محنت سے مکمل کیا علم اور کمال
جامِ حلم اور اَدب پی کے ہوا خوب نہال

علم وحکمت کی ہر اِک شاخ پہ ہے گھر اُس کا
فکر وفن، شعر وسخن میں نہیں ہم سر اُس کا

اَمن عالم کو کیا عام وہ شخص ایسا ہے
خوب دعوت کا کیا کام وہ شخص ایسا ہے

بڑا مسلک کا کیا نام وہ شخص ایسا ہے
کفر فکروں کو کیا رام وہ شخص ایسا ہے

اُس کے اخلاق کو اخلاقِ پیمبر کہیے
اُس کے کردار کو آئینہ شبر کہیے

عارفِ حق بھی ہے، شیدائی عرفا بھی ہے — مرشدِ کامل و سرکردۂ علما بھی ہے
نادرِ عہد بھی اور نابغۂ دہر بھی ہے — خوگر اَمن واَماں مُفتخرِ عصر بھی ہے
وہ مزکّیٰ و مجلّیٰ و مصفّیٰ بھی ہے — پیکر خُلقِ حسیں، حامل تقویٰ بھی ہے
وہ مناظر بھی ہے، داعی بھی، مفسر بھی ہے — وہ مفکر بھی، محدث بھی، مدبر بھی تھا
نازشِ شعر و اَدب، رونقِ محفل بھی ہے — ناصر دین بھی، اور رہبر منزل بھی ہے
وہ ولی بھی ہے، ولی گر بھی ہے، معمار بھی ہے — اہل سنت کا وہ اِک قافلہ سالار بھی ہے
مجمعِ علم و عمل، منبع اَنوار ہے وہ — مجلس فقہ و تصوف کا شہریار ہے وہ
علم وتحقیق کا اِک ٹھوس حوالہ ہے وہ — فضل واِکرام کا اِک کوہِ ہمالہ ہے وہ
اُس کے اَشعارِ حکیمانہ خدا بھاتے ہیں — جن سے گم کردۂ رہ' راہِ خدا پاتے ہیں
علم وعرفان کی برہان کتابیں اُس کی — بہجت ونور کا سامان کتابیں اُس کی
درد کے ماروں کا درمان کتابیں اُس کی — ہیرا ولولو ومرجان کتابیں اُس کی
اس کی تفسیر' تفاسیر کی سید ٹھہری — علم وتحقیق میں، سائنس میں، جید ٹھہری
ردّ و اِبطال ہے ممتاز حوالہ اُس کا — شخصیت سازی میں کردار نرالا اُس کا
اُس کی تحریر سے باطل کو پسینہ آجائے — اُس کی تقریر سے بے ڈھنگوں کو جینا آجائے
اُس کی تقریر میں جادوئی اَثر ہو جیسے — اُس کی تصنیف میں تاثیر سحر ہو جیسے
بولے تو بولتا جائے وہ خطیب ایسا ہے — بول سے پھول جھڑائے وہ خطیب ایسا ہے
سامعیں اُٹھنا نہ چاہیں وہ خطیب ایسا ہے — سُن کے بس اُسکے ہوجائیں وہ خطیب ایسا ہے
رہ گیا کون کہ دم خم ہو، اَثر ہو، جس میں — خضر راہیِ جماعت کا ہنر ہو جس میں
یوں تو کہنے کو زمانے میں مبلغ ہیں بہت — داعی وناصح ومفتی ومناظر بھی بہت
پَر کوئی اُس سا کہاں داعیِ اسلام ہوا — جس سے اِسلام کا ہر چار طرف نام ہوا
چین، انگلینڈ ہو، یورپ ہو کہ اَمریکہ ہو — انڈونیشا ہو، ملیشا ہو کہ اَفریقہ ہو
شرق تا غرب کیا جس نے بہت دورہ ہو — ایسے محسن کا ہر اِک شخص نہ کیوں شیدا ہو
نام سے اس کے اِداروں کو منور دیکھا — کام سے اس کے جہانوں کو مسخر دیکھا
فکر سے اس کی دماغوں کو معطر دیکھا — فیض سے اُس کے دل وروح مطہر دیکھا
اہل سنت وجماعت کی اُسے جاں کہیے — ہاں، اُسے کشتی ملت کا نگہباں کہیے

مایۂ فخر ہوا کرتی ہے ہستی ایسی　　زینت دہر ہوا کرتی ہے ہستی ایسی
حضرت شاہ محمد مدنی نام اُس کا　　چار سو پھیلا ہوا دیکھئے ہے کام اُس کا
شیخ الاسلام زبانوں پہ لقب ہے اُس کا　　تختی دل پہ لکھا نام نصب ہے اُس کا
شخصیات ایسی زمانے کو رہیں ملنے سے　　مائیں بھی ایسے سپوتوں کو رہیں جننے سے
اِس قصیدے کو کس عنواں سے معنون میں کروں　　اپنے ممدوح کا 'فیضان وتصرف' ہی کہوں
ورنہ کچھ روز تو لگ جاتے اِسے لکھنے میں!　　عمر کھپ جاتی ہے قطرے کو گہر ہونے میں!
میرے مولا کی جماعت پہ نگہبانی رہے　　فضل واِنعام وعنایت کی بھی اَرزانی رہے
تازگی زندگیِ نَو کی جو ہرسو بانٹے　　ذکر اُس کا بھی خدا روشن و پائندہ رکھے
پھونک سے اپنی جو روحوں کو منور کردے　　تذکرہ اُس کا خداوندا تو گھر گھر کردے

اُس کے بیٹوں کو خدا قافلہ سالار کرے
فیض اَشرف سے زمانے کو گراں بار کرے

بانئی خانوادۂ اشرفیہ -ایک تحقیقی مطالعہ

——ڈاکٹر سید سجاد حسین ،صدر، شعبۂ اردو، مدراس یونی ورسٹی

ہندوستان میں خانوادۂ اشرفیہ کے بانی حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ اوائل آٹھویں صدی کے ایک بلند پایہ صوفی اور صاحب طریقت بزرگ تھے جنھوں نے اپنی ساری زندگی تحصیل علم، عبادت و ریاضت، تزکیۂ نفس اور رشد و ہدایت کے لئے وقف کردی تھی۔ آپ کا شمار ان تین جلیل القدر صوفیوں اور بلند مرتبت اولیاء کرام میں ہوتا ہے جو محبوب یزدانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ایک محبوب سبحانی حضرت عبدالقادر جیلانیؒ دوسرے محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور تیسرے محبوب یزدانی حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ ہیں۔ آپ کی پیدائش کی صحیح تاریخ کے بارے میں کوئی تحقیقی ثبوت فراہم نہیں ہوسکا البتہ مورخین کی متفقہ رائے ہے کہ آپ ۷۰۹ھ اور ۷۱۲ھ کے درمیان سمنان میں پیدا ہوئے جہاں اس وقت حسینی سادات ایک بڑی تعداد میں آباد تھے۔

سمنان ایران کا ایک نہایت قدیم شہر ہے جس کے چاروں طرف قلعے اور پراسرار غاروں کے علاوہ خوبصورت باغ وہاں پر آنے والے سیاحوں کو دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ سمنان کا نام قبل از اسلام کی تاریخی کتابوں میں نہیں ملتا لیکن یہاں کے قدیم تاریخی آثار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جگہ قدیم الایام سے آباد رہی ہے۔

مولف تاریخ سمنان رقم طراز ہیں کہ سمنان کے قدیم تاریخی آثار اس شہر کی قدامت پر آج بھی گواہی دے رہے ہیں اور بہت سے آثار ایسے بھی ہیں جو قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں زبان حال سے سنا رہے ہیں اس لئے سمنان کے تاریخی آثار کو دیکھ کر اسے ایران کا عجائب خانہ کہنا غلط نہ ہوگا۔

سمنان میں قلعوں کی کثرت اور اس کی جغرافیائی طرز وضع سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علاقہ مختلف ادوار میں مختلف خود مختار حاکموں کے زیر تسلط منقسم ہوتا رہا ہے سمنان میں خلفائے راشدین کے دور ہی سے اسلام کی اشاعت شروع ہوگئی تھی۔ چنانچہ یہاں کی پہلی مسجد جو جامع

مسجد سمنان کے نام سے مشہور ہے حضرت علی کے دور سے منسوب کی جاتی ہے جس میں مختلف حکمرانوں نے اپنے اپنے دور میں ترمیم واضافے کرتے رہے۔اس لئے اس میں مختلف دور کے تعمیری نمونے ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں۔مولف تاریخ سمنان نے ایک اور بات کا پتہ لگایا ہے کہ یہاں قرن اول ہجری ہی سے سادات کی آمد شروع ہوگئی تھی۔ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ سمنان کے محفوظ قلعے اور یہاں کی سازگار آب و ہوا نے عباسی دور میں بہت سے حسینی سادات کے لئے جائے پناہ کا کام دیا ہے۔اس لئے یہاں سادات بکثرت آباد ہوتے چلے گئے۔

کہا جاتا ہے کہ سمنان کے سادات کا حسب نسب حضرت عمر اشرف بن علی بن حسین سے ملتا ہے۔سمنان میں اشرفیہ سلسلہ آج بھی سلوک ومعرفت اور دینی علوم کی ترویج واشاعت میں سرگرم عمل ہے۔اسی سرزمین پر آٹھویں صدی ہجری کی ابتدا میں سادات حسینی کے ایک فرزند سید اشرف پیدا ہوئے جو آگے چل کر قدوۃ الکبریٰ، محبوب یزدانی، غوث العالم، اوحدالدین، جہانگیر اور چشتی کے القاب سے ملقب ہوئے۔

حضرت سید عبد الرزاق نور العین مولف مکتوبات اشرفی کے مطابق آپ کے والد ابو السلاطین حضرت سید ابراہیم سمنانیؒ نہ صرف سلطان تھے بلکہ ایک خدارسیدہ بزرگ بھی تھے۔خود حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے والد سلوک ومعرفت کے سارے مراحل طئے کر کے روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو چکے تھے۔مکتوبات اشرفی میں حضرت سید اشرف سمنانیؒ نے اپنے والد بزرگوار کے روحانی فیوض وکمالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کوشغان، خوارزم، اسفنجان، وامغاں اور نوشیروان سے نہ جانے کتنے طالبین معرفت آپ کی زیر تربیت منزل مقصود تک پہنچے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت سید اشرف سمنانی نے اپنے والد بزرگوار کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے آپ کی روحانی شخصیت اور ذات نورانی صفات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

> ”ایک شخص کو نوشیروان میں علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد داعیہ معرفت الٰہی پیدا ہوا اور اس نے راہ سلوک طئے کرنا چاہی۔حضرت خضر علیہ السلام نے بشارت دی کہ حضرت سید ابراہیم سمنانیؒ کا دامن پکڑو جو روسائے نور بخشیہ میں سے ہیں آخر وہ شخص آپ کی ارادت میں آکر حصول علم اور سلوک ومعرفت میں مشغول ہوا اور منزل مقصود تک پہنچا۔“

حضرت سید ابراہیم سمنانیؒ کے دور سلطنت میں سمنان کی خوش حالی اور تعلیم عامہ کا ذکر

'لطایف اشرفی' میں جس شد و مد کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کے حدود سلطنت میں عام طور سے لوگ خوشحال تھے اور علم کا زیادہ چرچا تھا۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کی ماں کا سلسلہ نسب بنی سامان کے شاہی خاندان سے ملتا ہے اور وہ خود بھی حضرت سید احمد یسویؒ کی نسل سے تھیں۔ ان کا نام خدیجہ تھا وہ نہایت عبادت گذار بی بی تھیں اس طرح حضرت سید اشرف سمنانیؒ نے ایسے ماحول اور ایسی آغوش میں تربیت پائی جہاں ہر لمحہ دنیا پر دین غالب تھا۔

سمنان کی سلطنت کے بارے میں حضرت سید اشرف سمنانیؒ خود فرماتے ہیں کہ یہ سلطنت ماں کی طرف سے انہیں ترکے میں ملی تھی سلطان ابراہیم کے بعد حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی وارث سلطنت ہوئے۔ بارہ سال حکومت کرنے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام کی ہدایت پر سلطنت ترک کر کے ہندوستان کی طرف چل پڑے۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کی ابتدائی تعلیم والد بزرگوار کے زیر سایہ ہوئی۔ بعد ازاں حضرت شیخ علاؤ الدولہ سمنانیؒ سلوک و معرفت میں آپ کے پہلے استاد مقرر ہوئے انہیں کی صحبت میں آپ نے راہ سلوک کی منزلیں طے کی تھیں۔ بچپن ہی سے حضرت سید اشرف سمنانیؒ نہایت منکسر المزاج، پاک باز راست گو اور حلیم الطبع واقع ہوئے تھے۔ سلوک و معرفت سے ان کا رشتہ چولی دامن کا ساتھا۔ ماں بھی خدا ترس خاتون تھیں اور والد محترم تو اپنے زمانے کے بلند پایہ صوفی بزرگ۔ اللہ نے حضرت سید ابراہیم سمنانیؒ کو سید اشرف کے روپ میں ایک نیک اور صالح اولاد عطا کی جس کے آپ آرزومند تھے۔ ایک دن خواب میں حضرت رسالت مآبؐ نے آپ کو دو بیٹوں کی خوش خبری دی اور ہدایت کی کہ پہلے کا نام اشرف اور دوسرے کا نام محمد رکھنا اور یہ بھی بتایا کہ اشرف ظاہری اور باطنی دونوں سلطنتوں کا سلطان ہوگا۔ حضرت رسالت مآبؐ کی اس بشارت نے سلطان ابراہیم کی زندگی کی کائنات کو سلوک و معرفت کے خزانوں سے مالا مال کر دیا۔

حضرت سید اشرف سمنانیؒ نے بہت کم عمری میں قرآن ہفت قراۃ کے ساتھ حفظ کر لیا اس وقت آپ کی عمر سات سال کی تھی۔ چودہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے آپ نے مروجہ علوم منقول و معقول کی تکمیل کر لی۔ پندرہ سال کی عمر میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے اور حکومت کا کاروبار آپ کو سنبھالنا پڑا۔ دس بارہ سال تک آپ فرمانروائی کرتے رہے لیکن آپ کا دل شروع ہی سے خدا کی محبت میں گرفتار تھا۔ محبت کی یہ آگ سلگتی رہی اور تیز سے تیز ہوتی گئی۔ تصوف کی کتابوں سے آپ

کی دلچسپی بڑھنے لگی جس کے نتیجہ میں تصوف کی بیشتر کتابیں آپ کے مطالعے میں آئیں جن میں شیخ فریدالدین عطار کی منطق الطیر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ایام حکمرانی میں جب چنگیزی قزاقوں اور منگولوں کے حملوں سے حسینی سادات کے بیشتر افراد اور سامانیہ سلسلے کے بہت سے پاکبازوں نے جام شہادت نوش کیا تو ان خون ریز واقعات نے حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے دل پر ایسا اثر ڈالا کہ آپ نے سلطنت ترک کر کے معرفت الٰہی کو مقصد حیات بنالیا اور ہر وقت خدا کی یاد میں مستغرق رہنے لگے۔ اس وقت شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی اور وہ آپ سے قریب بھی تھے اس لئے آپ نے اول شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ سے اکتساب فیض کیا ایک اور بزرگ شیخ عبدالرزاق کاشانی کا بھی بڑا شہرہ تھا جو وحدت الوجود کے قائل تھے آپ نے شیخ کاشانی سے 'خصوص الحکم' پڑھی اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی حقیقت سے پوری واقفیت حاصل کی۔ اس اثنا میں حضرت خضر علیہ السلام نے بشارت دی کہ تمھاری آرزو پوری ہوچکی اب ترک سلطنت کا وقت آ گیا ہے لہذا ہندوستان کا رخ کرو وہاں ایک بزرگ یحیٰی صادق، عیسیٰ نفس، موسیٰ آثار، خلیل انوار، یوسف روی، محمد خلق موسوم بہ حضرت علاؤالحق والدین گنج نبات پنڈویؒ اقامت گزیں ہیں ان کے دامن سے وابستہ ہوجاؤ۔ صبح کو آپ نے اپنے چھوٹے بھائی شاہ محمد کو کاروبار سلطنت سونپ کر والدہ سے رخصت کی اجازت چاہی تو والدہ نے کہا بیٹا جاؤ خدا مبارک کرے لیکن جاؤ تو اس طمطراق سے کہ ایسا معلوم ہو کہ گویا تم ملک فتح کرنے جارہے ہوتا کہ میرے لئے تمھاری جدائی کا غم تھوڑی دیر کے لئے کم ہوجائے۔ چنانچہ ایک بڑی جمیعت آپ کے ہمراہ ہوئی اور شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ بھی کچھ دور آپ کے ساتھ گئے۔ حضرت سید اشرف سمنانیؒ سراپا جذب و شوق کے عالم میں وارفتہ تھے۔ اس وقت آپ کی عمر پچیس سال کی تھی۔ ترک سلطنت، ماں کی مفارقت، بھائی سے جدائی اور راہ کی صعوبتیں آپ کے لئے صبر و رضا کی پہلی منزل تھی۔

دوران سفر جب مختلف منزلوں سے گذر رہے تھے تو راستے میں صوفیا اور اولیاء کرام سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں جنھوں نے یہ خبر دی کہ بنگال میں شیخ علاؤالدین پنڈویؒ آپ کے منتظر ہیں۔ الغرض دو سال تک راہ طے کرنے کے بعد آپ بہار کی سرزمین کو عبور کرتے ہوئے بنگال میں وارد ہوئے جہاں سلطان العارفین شیخ علاؤالحق والدین پنڈویؒ پہلے ہی سے آپ کے منتظر تھے۔، یہی وہ ذات بابرکات ہے جن کے فیض تربیت سے حضرت سید اشرف سمنانیؒ، قطب العالم، غوث العالم، جہانگیر اور محبوب یزدانی کے مراتب تک پہنچے۔ حضرت سید اشرف سمنانیؒ شیخ

کی خانقاہ پہنچتے ہی اپنے سر کو شیخ کے قدموں میں ڈال دیا۔ سلطان العارفین شیخ نے فرزند معنوی کا سر قدموں سے اٹھا کر سینے سے لگایا اور فرمایا جس دن سے تم گھر سے نکلے ہو میں منزل بہ منزل تمھارا نگراں تھا۔ آخر شیخ نے حضرت سید اشرف سمنانیؒ کو بہت سارے تبرکات اور خرقے عنایت کئے اور اپنے سر سے پگڑی اتار کر ان کے سر پر رکھی۔ اس کے بعد حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ اپنے شیخ کی زیر تربیت روحانی فیوض و برکات سے بہرور ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ بقول سید وحید اشرف دو سال سے بھی زیادہ مدت تک جاری رہا۔ روحانی فیوض اور معرفت الٰہی کے اسرار و رموز سے سرفراز کرتے ہوئے شیخ نے آپ کو جونپور کا رخ کرنے کی ہدایت دی جسے آپ نے بسر و چشم قبول کیا اس سفر کے دوران آپ کے رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی جاری رہا اور وعظ و نصیحت کے ساتھ تبلیغ دین کی اشاعت بھی ہوتی رہی۔ غرض کچھوچھہ شریف پہنچنے تک سینکڑوں لوگ (جن میں ہندو، سکھ عیسائی) سبھی شامل تھے نہ صرف مشرف بہ اسلام ہوئے بلکہ آپ کے حلقہ بگوش اور مرید ہو گئے۔ ان میں حضرت ملک محمودؒ کا شمار آپ کے اجلہ خلفاء میں ہوتا ہے۔ یہی وہ مرید تھے جنھوں نے اپنے پیر و مرشد کے لئے کچھوچھہ شریف میں خانقاہ تعمیر کروائی جہاں پر آپ کا مزار آج بھی عقیدت مندوں اور زائرین کے لئے مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

یہ بات اب پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت سید اشرف سمنانیؒ تین مرتبہ ہندوستان تشریف لائے تھے۔ مولف مکتوبات اشرفی کے مطابق آپ کا ورود پہلی بار ہندوستان میں ارادت شیخ کے لئے ہوا تھا دوسری بار ورود میں آپ شیخ شرف الدین یحیٰی منیریؒ کی نماز ہ جنازہ پڑھائی اور حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے خلیفہ حضرت سید جلال بخاریؒ سے ہم گریاں ہوئے۔ تیسری بار جب آپ ہندوستان تشریف لائے تو آپ کو حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ سے باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ اسی اثنا میں خواجہ بندہ نوازؒ کے پوتے حضرت شاہ یداللہؒ آپ کے اتنے گرویدہ ہوئے کہ انہیں کے اصرار پر حضرت سید اشرف سمنانیؒ کئی ماہ تک گلبرگہ شریف میں اقامت گزیں رہے۔ اس کے بعد آپ بنگال سے جونپور اور ظفر آباد ہوتے ہوئے کچھوچھہ شریف پہنچے یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہیں پیوند خاک ہو گئے۔

آپ کے ملفوظات کا گراں بہا ذخیرہ 'لطائف اشرفی' آپ کی عملی زندگی کا آئینہ دار ہے اس لئے کہ آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا عملی نمونہ بھی اپنی زندگی سے پیش کر کے دکھا دیا۔ آپ کے پاس آئے دن امراء اور بادشاہوں کے تحفے اور نذرانے کثرت سے پہنچتے تھے لیکن آپ انہیں

اپنے مریدین میں تقسیم کر دیتے تھے۔آپ کی ذات علوم وفنون اور سلوک ومعرفت کا سرچشمہ تھی۔ آپ کی تصانیف اور خطوط آپ کے روحانی فیوض وکمالات اور علمی قابلیت پر شاہد عادل ہیں۔ 'لطایف اشرفی' خود آپ کی وسعت علم اور علمی بصیرت کا پتہ دیتی ہے یہ کتاب تصوف اسلامی کی تمام بنیادی کتابوں کا نچوڑ ہے اس میں تصوف کے مختلف مسائل کو عالمانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔لطائف اشرفی میں رودکی،فردوسی، نظامی، رومی، شیخ سعدی، حافظ شیرازی اور امیر خسرو کے اشعار موجود ہیں،۔آپ خود بھی زود گو باذوق اور صاحب دیوان شاعر تھے۔آپ کا دیوان اگرچہ دستیاب نہیں ہے لیکن آپ کے سینکڑوں اشعار لطائف اشرفی اور ان کی دوسری تصانیف میں موجود ہیں آپ کے تمام اشعار شعری لطافت اور سوز وگداز میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔آپ کو نثر پر بھی دسترس حاصل تھی۔ 'نحو اشرفیہ' شرح ہدایہ، فوائد العقائد، فتاوائے اشرفیہ، ارشاد الاخوان، فوائد الاشرف وغیرہ کے مطالعے سے ان کی انشاء پردازی کے نہایت عمدہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔امرا اور سلاطین کو لکھئے گئے خطوط سے حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے قلم کی روانی اور طبیعت کی بے ساختگی زبان پر بے پناہ قدرت اور جودت طبع کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔آپ کی بعض تحریروں میں انشاء پردازی کا وہ جوہرا ابھرآیا ہے کہ ہر عبارت دلکش اور جاذبیت کا جیتا جاگتا نمونہ معلوم ہوتی ہے۔حضرت سید اشرف سمنانیؒ کی تحریروں کی یہ خصوصیت ان کے ہم عصر نثر نگاروں کی تصانیف میں بہت کم ملے گی۔اس لحاظ سے نثر میں بھی آپ کا مقام اپنے دور میں ممتاز ومنفرد نظر آتا ہے۔

آپ کا وصال ۲۸ رمحرم ۸۳۰ھ کو ۱۱۷ سال کی عمر میں ہوا۔آپ کے بعد حضرت عبد الرزاق نور العینؒ آپ کے پہلے سجادہ نشین ہوئے جن سے سلسلہ اشرفیہ کی ترویج واشاعت ہوتی رہی اور یہی وہ بزرگ تھے جنھیں حضرت سید اشرف سمنانیؒ ہر وقت اپنے ساتھ سفر وحضر میں شامل رکھتے تھے۔اگرچہ حضرت سید اشرف سمنانیؒ کو وفات پائے چھ سو سال سے بھی زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن روحانی فیوض وبرکات، رشد وہدایت اور علوم ظاہری وباطنی کا سلسلہ آج بھی خانوادہ اشرفیہ میں جاری وساری ہے۔اس شمع ہدایت کو شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی دامت برکاتھم نہ صرف برصغیر ہند وپاک بلکہ ساری دنیا میں روشنی پھیلائے ہوئے ہیں

شیخ الاسلام شخصیت کی چند سوانحی جھلکیاں

——ڈاکٹر محمد ضیاء اللہ، میسور (کرناٹک)

حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی اپنی گوناگوں صفات کی وجہ سے خانوادۂ اشرفیہ کی عبقری شخصیت ہیں۔ خانوادۂ اشرفیہ کی مختلف شاخوں میں، محدثِ اعظم کے خاندان کو امتیاز و اختصاص حاصل ہے۔ مسلکِ اہلِ سُنّت کی ترویج و اشاعت میں محدثِ اعظم کے خاندان کی مساعیٔ جمیلہ اوراس خانوادے کے افراد کا تبحرِ علمی اس کی شناخت ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کے تذکرے میں ان کے سوانحی حالات بہت اہمیت و افادیت رکھتے ہیں۔ آپ کا نام سید محمد مدنی اشرفی جیلانی، شیخ الاسلام، رئیس المحققین القاب ہیں۔ آپ کی ولادت ضلع فیض آباد کے مقام کچھوچھہ شریف میں یکم رجب المرجب ۱۳۵۷ھ بمطابق ۲۸ راگست ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔ آپ کے والدِ بزرگوار حضرت سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ محدثِ اعظمِ ہند قدس سرہ اور آپ کی والدہ محترمہ مخدومہ سیدہ فاطمہ بنتِ سُلطان الواعظین عالمِ ربانی حضرت علامہ مولانا سید احمد اشرف اشرفی جیلانی قدس سرہ ہیں۔

کچھوچھہ شریف علم وعرفان اور طریقت ومعرفت کے اعتبار سے ایک ایسا علاقہ ہے جہاں ایک سے ایک صوفی و عارف پیدا ہوئے جن کے فیوض و برکات کے قصے آج بھی زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ اسی سرزمین سے سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی کی شخصیت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کا سلسلۂ نسب حضرت غوثُ الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے ہوتا ہوا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا گھرانہ ولیوں کا گھرانہ ہے، جہاں ظاہری علوم کے بے شمار ہمالیہ اور باطنی علوم کے انگنت بحرِ بیکراں موجود ہیں۔ شجاعتِ حیدری، وفائے حسینی، شانِ دستگیری، قوتِ جہانگیری، وصفِ بادشاہی، تاجِ سلطانی، کلاہِ سمنانی، سیاحت کے انداز اور اشرفی لقب جہاں وراثت میں ملتے ہیں۔ خانوادۂ اشرفیہ کے ہر فرد میں

حقیقت کی روشنی میں ان کے فضائل وکمالات عیاں ہوتے ہیں۔اشرفی گھرانہ ہمیشہ ہی غیر معمولی طور پر روحانی اور علمی اہمیت وافادیت کا حامل اور تصوف وطریقت اور معرفت وحقیقت کا مرکز رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کے دین کی خدمت کے لئے کسی کا انتخاب کر لیتا ہے تو ان کو مددگار و معاون رفیقِ حیات بھی عطا فرماتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ کو محدث صاحب سے جب دین کی وہ خدمت لینا منظور ہوئی جس میں وہ شروع سے لے کر حیات کے آخری لمحہ تک مصروف رہیں گے تو آپ کو ایک ایسی رفیقہء حیات عطا فرمائی کہ آپ کی اولادِ امجاد کی اس طرح تربیت و پرورش پاسکیں۔ والدۂ محترمہ کی آغوش میں حضرت شیخ الاسلام کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ کی والدۂ محترمہ انتہائی پارسا اور فضل و کمال والی خاتون تھیں۔شہزادگان کی تعلیم وتربیت اور نظم وضبط کی پاسداری میں مخدومہ سیدہ فاطمہ صاحبہ کا کلیدی رول رہا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام تبلیغی سرگرمیوں کے تحت زیادہ وقت سفر میں یعنی گھر سے باہر رہتے مگر بچوں کی نگہداشت اور تربیت میں محترمہ مخدومہ صاحبہ نے کبھی کمی نہ آنے دی۔

جہاں تک آپ کی تعلیم کا ذکر ہے آپ نے ابتدائی تعلیم جامعہ اشرف کچھوچھہ شریف میں پائی اور پھر چودہ سال کی عمر میں والدِ بزرگوار نے دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں داخل کروایا۔ یہاں آپ نے درسِ نظامی کے علاوہ عربی، فارسی، اردو کی بے شمار کتابیں پڑھیں اور اپنے استادِ محترم مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پورا پورا اکتساب فیض کیا۔ آپ نے معقولات (منطق وفلسفہ) کی منتہی کتابیں بکمالِ جانفشانی وقت کے ماہر اساتذہ سے پڑھیں۔ اس فن میں جامع معقولات حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمہ اور مفکرِ اسلام علامہ مظفر حسن ظفر ادیبی صاحب آپ کے اُستاد رہے۔ طالبِ علمی کے زمانے کا ہر لمحہ آپ نے گہرے مطالعے میں صرف کیا اور دوسرے غیر ضروری معاملات سے کوئی خاص شغف نہیں رکھا۔ شعبان و رمضان کی چھٹیوں میں گھر آجانے کے باوجود آپ کے مطالعہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ماہِ رمضان میں اپنے والدِ محترم محدثِ اعظم ہند کی گھر میں موجودگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان کی زیرِ نگرانی تحصیلِ علم ہی میں اپنا وقت گزارتے تھے۔

آپ کے والدِ بزرگوار نے آپ کو اپنی سُنت پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہوئے آپ کے ماموں نبیرۂ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ مخدوم المشائخ حضرت سید مختار اشرف اشرفی جیلانی

المعروف بہ سرکارِکلاں سجادہ نشین آستانۂ اشرفیہ سرکارِکلاں سے بیعت کا حکم دیا۔ اس بیعت کی بشارت خود حضرت شیخ الاسلام خواب میں پا چکے تھے۔ حضرت سرکارِکلاں نے آپ کو خلافت سے نوازا۔ تھوڑے ہی عرصے میں حضرت شیخ الاسلام کی شخصیت سے ان دو عظیم ہستیوں محدثِ اعظم اور سرکارِکلاں (ماموں) کی تعلیم تربیت اور پرورش کے نورانی اثرات ظاہر ہونے لگے۔

حضرت شیخ الاسلام کی طالبِ علمی کا آخری زمانہ تھا کہ آپ کے والدِ ماجد کا انتقال ہوگیا۔ یہ ایک بڑا سانحہ تھا، مگر صبر و رضا کے پیکر بنے حضرت شیخ الاسلام نے آغوشِ مادر میں ایک مرتبہ پھر پناہ لیتے ہوئے نہ صرف اپنے کو سنبھالا بلکہ پورے خانوادۂ محدثِ اعظم ہند کی سرپرستی کو بخیر وخوبی انجام دیا۔ آپ اپنی تعلیم کی تکمیل کے لئے جامعہ اشرفیہ مبارکپور لوٹے اور جنوری ۱۹۶۳ء میں وہاں سے فراغت پر سند حاصل کی۔ آپ کی رسمِ کتخدائی ۲۷؍دسمبر ۱۹۶۴ء میں دوست پور ضلع سُلطان پور کے سید اختر حسین صاحب کی بیٹی سیدہ شمیمہ خاتون صاحبہ سے نکاح کے طور پر انجام پذیر ہوئی۔ آپ کا نکاح ماموں جان و پیر و مرشد حضرت سرکارِکلاں علیہ الرحمۃ نے پڑھایا۔ حضرت شیخ الاسلام نے اپنے والدِ بزرگوار کی طرح اپنی زندگی کا ہر لمحہ دینِ اسلام کے لئے وقف کردیا۔

حضرت شیخ الاسلام ایک ہی وقت میں منقولات ومعقولات پر کامل دسترس رکھنے والے عالم، بین الاقوامی سطح کے خطیب، مسند رشد و ہدایت کی زینت اور معتبر ادیب وشاعر بھی ہیں۔ جب آپ نے تبلیغ اسلام و خدمتِ مسلکِ حقہ کی غرض سے دنیائے خطابت میں قدم رکھا تو فنِ خطابت کو کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کیا اور جلد ہی صفِ اوّل کے خطیبوں میں شمار کروالیا۔ خانقاہی ذمہ داریاں، انتظاماتِ معمولاتِ آستانۂ عالیہ، اندرونِ وبیرون ملک جس میں امریکہ، کینڈا، برطانیہ، ہالینڈ، ساؤتھ افریقہ وغیرہ ممالک شامل ہیں کے سفر کے سالانہ مصروفیات، مریدین و معتقدین کے ایک جمِ غفیر کی ظاہری و باطنی تربیت کے انتظامات تمام تر خوش اسلوبیوں کے ساتھ انجام دیا جو بفضلِ خداوندی بوسیلہءحُبِّ رسول ﷺ آپ کو حاصل ہے۔

آپ کی تصنیف ''ویڈیو اور ٹی وی کا شرعی استعمال'' کے سلسلے میں غزالئ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ نے آپ کو ''رئیس المحققین'' کے خطاب سے نوازا ہے۔ ۱۹۷۴ء میں آپ نے برطانیہ کا تبلیغی دورہ شروع کیا۔ برسہا برس کی انتھک کوشش ومحنت کے بعد دینِ اسلام کے تعلق سے برطانیہ کے بے آب و گیاہ صحرا کو سُنت و اہلِ سُنت کے ایک نخلستان میں تبدیل

کر دیا۔ جہاں سُنیوں کی ایک مسجد اور مرکز بھی نہیں تھا وہاں آپ نے ہزاروں نہیں لاکھوں کے دلوں کو پھر سے حضور ﷺ کی محبت کا گنجینہ بنا دیا اور ان کا رشتۂ غلامی ہمیشہ کے لئے مضبوطی سے گنبدِ خضریٰ سے منسلک کر دیا۔ آج سُنّی مراکز و مساجد جگہ جگہ بے شمار نظر آتے ہیں۔ انگلینڈ میں رہنے والے اور اس کوشش سے متاثر ہو کر یورپ کے دوسرے ممالک کے مسلمان اور ان کی نسلیں تا دمِ زیست حضرت شیخ الاسلام کی مرہونِ منت رہیں گی۔ آپ کی سرپرستی میں دینِ اسلام کی مختلف شاخیں انگلینڈ میں خدمت میں لگی ہوئی ہیں جن کے ذریعے محدث صاحب کا فیضانِ نظر آپ کی دور اندیش تربیت کے وسیلے سے آپ کے مریدین و معتقدین تک پہنچتا رہے گا۔

ہر مسلمان کو چاہئے کہ حضرت شیخ الاسلام کی خطابت سے دل کو منوّر و مجلیٰ فرمانے کے ساتھ آپ کی کتابوں سے استفادہ کرے اور اپنے ایمان و عقیدہ کو تقویت بخشے۔

سید السادات حضرت شیخ الاسلام مد ظلہ
تجلیات حیات و خدمات

——محمد ایوب اشرفی شمسی، امام وخطیب مسجد نورالاسلام انگلینڈ

مرجع العلماء والمشائخ، سید السادات، واقف رموز طریقت، حامل علوم شریعت، مدبر زمانہ، مرشد یگانہ، مفسر قرآن عظیم، شارح احادیث نبی کریم، حضور محدث اعظم ہند کے سچے جانشین، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت پیر سید شاہ محمد مدنی میاں صاحب قبلہ اشرفی جیلانی مدظلہ النورانی (سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ حضور محدث اعظم ہند کچھوچھا شریف) کی ذات عظیم البرکت سے آج کون واقف نہیں؟ مشرق ومغرب، شمال وجنوب میں آج ان کے نام وکام کی شہرت عامہ ہے۔ یوں تو شہرت مطلقاً یعنی بنفسہ کچھ قابل تعریف نہیں ہاں! مگر جس میں عزت نفس، آبروئے خودی، عظمت خانقاہ ودرسگاہ، وقار علم وعمل اور شرافت دینی کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہو ایسی باعظمت شہرت یقیناً رب کا ایک انعام ہے جو ہر کسی کے نصیب میں نہیں آتا۔ خدا کے فضل اور صاحب ورفعنا لک ذکرک کے طفیل جو شہرہ حضرت شیخ الاسلام کے حصہ میں آیا وہ اسی شجر طوبی کی ایک شاخ ہے۔

خیال رہے کہ حضرت شیخ الاسلام کے نام وکام کا یہ شہرہ آج کے اسلامی کہے جانے والے ٹی وی چینلز کا مرہون منت بھی نہیں کہ جن کے ذریعہ کل کے نہ معلوم کتنے ایسے ویسے آج کے نہ معلوم کیسے کیسے بن گئے۔ بلکہ ان کا یہ شہرہ اسطرح کے ٹی، وی چینلز کے رواج پانے سے پہلے کا ہے۔ یقیناً ان کے رب کا ان پر یہ انعام کریمانہ ہے کہ وہ جہاں گئے اپنی خطابت، اپنی شخصیت اور اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعے لوگوں کے قلب وجگر پر چھا گئے ان کی فکر ونظر میں سما گئے : کتنے مقامات ایسے ہیں کہ جب وہ وہاں آئے تو بے شمار دلوں کو چین ملا، ان گنت بے سکون ذہنوں کو قرار ملا، اہل سنت و جماعت کا بول بالا ہوا فرحت ومسرت کا ماحول پیدا ہوا۔ میرے ممدوح مکرم مدظلہ العالی نے یہ شعر کسی اور کے لئے کہا ہے مگر موقع کی مناسبت سے ان کا یہ شعر میں

خود انہیں کے لئے پیش کرتا ہوں ۔

اپنے چمن کی بات نہیں اخترؔ ! وہ جہاں بھی جا پہنچیں
ہر شاخ خوشی سے جھوم اٹھے ہر پھول غزل خواں ہو جائے

تاریخ اسلام سے شغف رکھنے والوں کو بخوبی اس بات کا علم ہوگا کہ قدرت کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ جس کسی سے اپنے دین کا کام لیا چاہتی ہے اس کو گونا گوں خوبیوں سے نواز دیا کرتی ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ رب قادر و قیوم نے حضرت شیخ الاسلام کو شروع ہی سے کچھ ایسی خوبیوں سے نوازا تھا کہ جدھر بھی گئے لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتے گئے ۔ ان خوبیوں میں سے کچھ تو کسبی ہیں اور کچھ عطائی اور رب چاہے تو ایک ہی فرد میں بہت سی خوبیوں کو اکٹھا فرمادے اور یہ اسکی رحمت سے کچھ بعید نہیں ۔

حضرت شیخ الاسلام کی کچھ ایسی ہی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فقیر راقم السطور نے اسی سال محدث اعظم مشن بلیک برن یو۔ کے، میں اپنی ایک تعارفی تقریر کے دوران یوں عرض کیا تھا۔

حسب ونسب کی عظمت ——————— حضرت شیخ الاسلام کے پاس
صدیوں سے مشہور و معروف خاندان اشرف سے نسبت ——— حضرت شیخ الاسلام کے پاس
علم وفن کا کمال ——————— شیخ الاسلام کے پاس
خاندانی وجاہت کا جمال ——————— حضرت شیخ الاسلام کے پاس
حضور محدث اعظم ہند کی سچی نیابت کا وقار ——— حضرت شیخ الاسلام کے پاس
حضرت سرکار کلاں کی عظمتوں کی بہار ——— حضرت شیخ الاسلام کے پاس
فکر ونظر کی لطافت ——————— حضرت شیخ الاسلام کے پاس
شریعت وطریقت کے اسرار پر واقفیت ——— حضرت شیخ الاسلام کے پاس
فن شاعری میں حسن ادا ——————— حضرت شیخ الاسلام کے پاس
بے مثال خطابت کا جوہر لطیف ——— حضرت شیخ الاسلام کے پاس
انداز تکلم کا انوکھا پن ——————— حضرت شیخ الاسلام کے پاس
تحریر وقلم کی ریاست ——————— حضرت شیخ الاسلام کے پاس
دور اندیشی و مستقبل بینی ——————— حضرت شیخ الاسلام کے پاس
الجھے مسائل کو سلجھانے کا سلیقہ ——— حضرت شیخ الاسلام کے پاس

ان تمام تر اوصاف کو اکٹھا کر دو تو پھر کہیں جا کر محدث اعظم ہند کے اس جانشین کا عکس جمیل بنتا ہے۔

خیر! یہ تو تقریر کا ایک حصہ تھا اور مجھے اس وقت کوئی تقریر نہیں سنانی ہے بلکہ اس وقت میرا مقصد صرف حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی حیات و خدمات پر ایک انتہائی مختصر تعارف پیش کرنا ہے۔ تفصیلی حالات آپ حضرات ان شاء اللہ العزیز آنے والی کتاب سے بروجہ احسن ملاحظہ کر سکیں گے۔

حالات

اسم گرامی: سید محمد مدنی

القاب : شیخ الاسلام، رئیس المحققین ،

تاریخ پیدائش: یکم رجب المرجب بروز یکشنبہ ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۸، اگست ۱۹۳۸ء

جائے پیدائش: کچھوچھہ مقدسہ ضلع امبیڈکر نگر یو۔ پی، انڈیا۔

والد گرامی قدر : مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند سید شاہ محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمتہ والرضوان

والدہ ماجدہ : حضور شیخ المشائخ اعلیحضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمتہ والرضوان کی حقیقی پوتی یعنی مخدومہ معظّمہ سیدہ فاطمہ بنت حضور سلطان المناظرین علامہ سید احمد اشرف اشرفی جیلانی علیہا الرحمتہ والرضوان۔

خاندان وسلسلہءنسب: حضور سیدنا قدوۃ الکبریٰ، سلطان الاولیاء، محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ النورانی کی ذات بابرکات سے منسوب خاندان اشرفیہ اور حضور مخدوم پاک کے حقیقی بھانجے حضور سیدنا مخدوم نور العین قدس سرہ العزیز کی نسل میں حضرت شیخ الاسلام کی ولادت ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب چھتیس ۳۶ واسطوں سے حضور سیدنا غوث پاک سید عبدالقادر جیلانی سے ہوتا ہوا حضور سیدنا باب العلم حیدر کرار علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے جاملتا ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

بیعت و ارادت : اپنے حقیقی ماموں شیخ المشائخ حضرت سید شاہ محمد مختار اشرف [سرکار کلاں] اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمتہ والرضوان سے حاصل ہے۔

اساتذہ کرام: والد گرامی مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند، شمس العلماء حبر صمصام حضرت علامہ قاضی شمس الدین جعفری جونپوری [مصنف قانون شریعت]، جلالتہ العلم حافظ ملت حضرت علامہ

عبد العزیز مرادآبادی ثم مبارک پوری، صدر الصدور حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی، جلالتہ العلم حضرت علامہ عبد المصطفی اعظمی، جامع معقولات ومنقولات حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف صاحب بلیاوی،، مفکر اسلام حضرت علامہ مظفر حسن ظفر ادیبی، حضرت علامہ سید شمس الحق صاحب اعظمی، اشرف العلماء حضرت علامہ سید حامد اشرف صاحب کچھوچھوی۔ بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)

جانشینی: والد گرامی حضور مخدوالملت محدث اعظم ہند علیہ الرحمتہ والرضوان کے عرس چہلم کے موقع پر اکابر علمائے وقت ومشائخ زمانہ کی موجودگی میں اور ہزاروں عقیدت مندوں اور ارادت کیشوں کے اجتماع میں بماہ شوال المکرّم ۱۳۸۱ھ مطابق مارچ ۱۹۶۲ء حضرت شیخ الاسلام کو حضور محدث اعظم ہند کا جانشین منتخب فرمایا گیا۔

آغاز خطابت: دنیا جانتی ہے کہ حضرت شیخ الاسلام زمانہ طالب علمی میں خطاب نہیں فرمایا کرتے تھے مگر جانشینی کے بعد ان کے عالمانہ ومحققانہ، جامع ترین خطابات نے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ اگر یہ بات صحیح ہے اور ضرور صحیح ہے کہ ''ان من البیان لسحر ''تو پھر مجھے یہ کہنے میں بالکل ڈر نہیں کہ حضرت شیخ الاسلام کی خطابت کا جادو سر چڑھ کر بولا ہے۔ اور وہ جدھر بھی گئے لوگ جوق در جوق عقیدت مندانہ ان کے ساتھ ہوتے گئے، وہ جہاں بھی گئے باطل کی تاریکیوں میں حقانیت کے چراغوں کو جلایا۔ لوگوں کو عقائد حقہ کا پابند بنایا، عقائد باطلہ کے چہروں سے فریب کاری کے پردوں کو ہٹا کر ان کا اصلی چہرہ دکھایا، آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے غلاموں کے تعلق خاطر کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا، اولیائے کاملین اور علمائے ربانیین کی محبتوں کو قلب وجگر میں بٹھایا، جس خطے میں بھی گئے غیروں کو اپنا بنایا اور اپنوں کو غیر ہونے سے بچایا:

سنیت کی ترویج واشاعت کے جذبہ سے بھرپور اور حق وصداقت پر مشتمل ان کی پر اثر خطابت نے نہ معلوم کتنے مقامات پر حالات کی بالکل کایا ہی پلٹ دی۔ محبت خدا ورسول اور آداب اولیائے کرام کا ایک نیا ماحول پیدا ہوا اور ایک انقلاب رونما ہوا۔ میں اگر یہ کہدوں تو بیجا نہ ہوگا کہ اے میرے ممدوح مکرم ع

حیرتی ہوں میں تری تقریر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا

خطابات تو راقم السطور نے بھی بہت سنے ہیں مگر بخدا سرزمین ہند پر اور یہاں برطانیہ

میں بھی میں نے بڑے بڑے علماء کو ان کی تقریر کے دوران عالم وارفتگی میں اپنی رانوں پر ہاتھ پٹختے اور اچھلتے ہوئے دیکھا ہے

ابھی تو آپ نے بتقاضۂ عمر خطابت کو ترک فرما دیا ہے مگر اس دور میں وہ جب کرسی خطابت پر بیٹھتے تو ہزاروں کے مجمع میں بھی چاروں طرف سناٹا چھا جاتا پبلک ہمہ تن گوش ہو جاتی اور ان پر سمندر کا سا سکوت طاری ہو جاتا ایسا لگتا کہ جیسے کوئی کہنے والا ان سب کے کانوں میں کہہ گیا ہو کہ ع

ٹھہرا اے گردش دوراں کہ وہ لب جنبش میں آتے ہیں
سراپا گوش ہو کر سن کہ کیا ارشاد ہوتا ہے

استاذ گرامی قدر جلالتہ العلم حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے جب پہلی بار سرزمین بمبئی پر وہ عظیم خطاب سماعت فرمایا تو کس طرح سے داد و تحسین دی اور کس انداز پر استاذ ہو کر عزت بخشی اس کا بیان انشاء القدیر میں آنے والی کتاب میں کرونگا۔

تبلیغ وارشاد: حضرت شیخ الاسلام نے ہندو پاک کے علاوہ تقریباً ۱۴،۱۵ ممالک میں تبلیغی دورے فرمائے اور رشد و ہدایت کا کام سرانجام دیا جن میں امریکہ و ساؤتھ افریقہ، سرینام و ماریشش، فرانس و بیلجیم، ملاوی و موزنیک، کینیڈا و ہالینڈ وغیرہ اور ان میں سرزمین برطانیہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

تصنیفات: آپ کی تصنیفات کا بالتفصیل تذکرہ تو بعد میں پیش کیا جائیگا۔ فی الحال اسماء کتب و رسائل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) تفسیر قرآن کریم بنام ''سید التفاسیر'' جو بڑی مختصر اور جامع۔ عوام کے لیے ایک انمول خزانہ ہے۔ الحمد للہ اس فقیر راقم السطور کو اس تفسیر کی از اول تا آخر پروف ریڈنگ کرنے کا بھی شرف حاصل ہوا۔

(۲) تفہیم الحدیث کہ جس کے اکثر حصہ کو ''الاربعین الاشرفی'' کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔

(۳) ویڈیو۔ ٹی وی کا شرعی استعمال۔

(۴) نظریہ ختم نبوت اور تحذیر الناس۔

(۵) مقالات شیخ الاسلام۔

(۶) اسلام کا تصور الہ اور مودودی صاحب۔

(۷) دین اور اقامت دین۔

(۸) فریضہ دعوت و تبلیغ۔

(۹) مسلم پرسنل لاء یا اسلامک لاء۔

(۱۰) محبت رسول روح ایمان۔

(۱۱) تجلیات سخن۔

(۱۲) خطبات برطانیہ۔

(۱۳) امام احمد رضا اور اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ۔ وغیرہ کتب ورسائل۔

خلفاء ومریدین: اس وقت مختلف ممالک میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے خلفاء اتنی تعداد میں موجود ہیں کہ ان کو شمار کرنا میرے بس کی بات نہیں۔ اور جب خلفاء کا یہ حال ہے تو پھر مریدین کے اعداد وشمار کو بھلا میں کیسے یقین سے بیان کرسکتا ہوں۔ البتہ بعض لوگوں کے اندازے کے مطابق مریدین کی تعداد ۲۵، ۳۰ لاکھ کے آس پاس بتائی جاتی ہے جن میں تقریباً ۸، ۹ لاکھ تو گجرات وسوراشٹر وغیرہ ہی کے علاقے میں بیان کئے جاتے ہیں [واللہ تعالی اعلم بالصواب]

میرے لیے یہ بڑی خوشی کی بات ہے، نہ صرف میرے لیے بلکہ ہر وابستۂ دامن شیخ الاسلام کے لیے مژدۂ جانفزا ہے کہ انکے ایک مشہور ترین خلیفہ، مدبر وقت، رئیس الخطباء، پیر طریقت حضرت علامہ ومولانا پیر سید منیر پاشا باشیبان انعامدار مدظلہ العالی نے اپنی سرپرستی میں بعنوان "حضرت سید محمد مدنی میاں، شخص اور عکس" ایک عظیم الشان کل ہندسہ روزہ قومی سیمینار کا اہتمام فرمایا ہے اور پھر موصول ہونے والے مقالاجات کو ایک خوشنما مجلّہ کی شکل میں منظر عام پر لانے کا ارادہ کیا ہے جس کیلیے وہ ہم سب کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کو دونوں جہاں میں اس کا اجر عطاء فرمائے۔ اور اس کام میں انکے جتنے بھی معاونین ہیں سب کو دارین کی لازوال نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

فقیر راقم السطور بھی ایک تفصیلی مقالہ بعنوان "حضور شیخ الاسلام اور انکے ایک عظیم استاذ جلیل حضور شمس العلماء جونپوری (مصنف قانون شریعت)" تحریر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر یہاں کی بیجا مصروفیات کی بنا پر اسکو اسوقت حاضر نہ کرسکا اور اپنے اس مختصر مضمون ہی کو ارسال کرنے پر اکتفاء کیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر رہے اور حضور شیخ الاسلام کے فیضان کو اپنے حبیب کے صدقے عام سے عام تر فرمائے اور انکو صحت، امن، عافیت کیساتھ عمر خضر عطاء فرمائے (آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین ﷺ)

شیخ الاسلام کی شخصیت پیغام امن ہے

——ڈاکٹرمحمد آدم رضا،شولا پور

مختلف موضوعات پر حضرت شیخ الاسلام محمد مدنی میاں صاحب اشرفی و جیلانی مدظلہ العالی نے اہل اسلام کو اپنے علم وفضل اور عقل وبصیرت سے مستفیض کیا ہے۔ ہندوستان کی سرزمین پر علمائے کرام صوفیاء ومشائخ نے اسلام کی حقانیت کو عام کرنے میں علم وحکمت کے موتی بکھیرے ہیں اور گمراہ فرقوں سے متشنا کیا ہے۔حضرت شیخ الاسلام نے موجودہ ترقی یافتہ دور کے لحاظ سے ''اسلام اور امن وسلامتی'' کے پیغام کے ساتھ اسلام کے قوانین کو روشناس کرایا ہے۔ آیتِ قرآن کی تشریح میں آپ فرماتے ہیں۔

> ''تم پورے طور پر اسلام میں داخل ہو جاؤ ایسا نہیں کہ اسلام کی بعض چیزوں کو اپناؤ اور بعض چیزوں کو چھوڑ دو جب تم اسلام کو اپنا دین مان چکے ہو اور رسول عربی ﷺ کی رسالت سے راضی ہو چکے ہو خدا کی ربوبیت کا اقرار کر چکے ہو، قرآن کریم کو اپنا امام وپیشوا یقین کر چکے ہو تو اب تمہاری یہ شان ہو نی چاہیے کہ تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ سر سے پیر تک کو مسلمان بنالو۔'' (ماخذ۔امن وسلامتی صفحہ۵)

شیخ الاسلام کی نظر موجودہ دور کے فتنہ انگیز تہذیب وتمدن پر رہی ہے۔ ہر بدلتے حالات کو انہوں نے نوٹ کیا ہے۔ شیطانی وسوسے ہو یا تحریکیں جنھوں نے زندگی کو متنذلزل کیا ہے۔ آپ نے اس کی عکاسی کرتے ہوئے اسلامی تہذیب کو باوقار لہجے میں پیش کیا ہے ایک مفکر کی حیثیت سے آپ نے شیطان کے مکروفریب کو منکشف کرتے ہوئے اصلاح سے پامال کیا ہے۔حضرت شیخ الاسلام نے اسلام کی اصل قدروں سے آشنا کراتے ہوئے اخلاقی قدروں کو اجاگر کیا ہے۔فرماتے ہیں:

''عبادت یہ ہے جس میں خالق ومخلوق دونوں کے حقوق کالحاظ رکھا جائے ،عزیزوں رشتہ داروں سے نیک سلوک کرو، بیوی بچوں کے حقوق ادا کرو، یتیموں غریبوں بیکسوں کی امداد کرو، حلال کی روزی کماؤ، دنیا کی نعمتوں سے لذت حاصل کرو، عمدہ اورصاف کپڑے پہنو، اچھے اور پاک کھانے کھاؤ اور خدا کے حضور پانچ وقت حاضر ہو جاؤ اور اللہ کے حقوق بھی ادا کرو یہ ہی عبادت ہے اور یہ ہی انسان کا کمال ہے۔ اسلام نے جو عبادت کا مفہوم پیش کیا ہے وہ دراصل ایک فطری چیز ہے جس کو سلیم طبیعت فوراً قبول کر لیتی ہے۔ (ماخذ۔امن وسلامتی صفحہ نمبر۲)

حضرت شیخ الاسلام نے سماجی زندگی پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جذبۂ عاجزی و انکساری کے ساتھ اسقدر گفتگو فرمائی ہے کہ بڑے بڑے سخت دلوں کے دل موم کی طرح نرم ہو جائیں۔دستہ بستہ مذہبی اخوت کا واسطہ دے کرحق کی طرف ان کے دلوں کو مائل کرنا چاہا ہے۔

شیخ الاسلام کی خصوصیت کا کمال یہ ہے کہ اختصار وجامعیت کے ساتھ قرآنی مفہوم کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ ہرشخص لفظ کا معنی بآسانی سمجھ جاتا ہے لفظی اور معنوی پیچیدگی سے آپ نے پرہیز کیا ہے آپ نے عوام کی اصلاح میں عوام کے نظریہ اور قلب کو چھونے کی کوشش کی ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔

''اسلام میں عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مومن کا ہر کام عبادت ہے۔اس کا سونا جاگنا کمانا تجارت کرنا وغیرہ سب ہی عبادت ہیں جب کہ اس سے مقصود اللہ رب العزت جل مجدہ کی خوشنودی اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنا ہو۔''(ماخذ۔ امن و سلامتی صفحہ ۲۱)

حضرت شیخ الاسلام نے نیک لوگوں کی صحبت کی تلقین کی ہے علماء ومشائخ کی صحبت سے دوری نقصان کا باعث بتایا ہے۔ظلم و جرائم سے سماج و معاشرے کو محفوظ رکھنے والا صرف قانون اسلام بتایا ہے۔ فرماتے ہیں :

اسلامی حدود کے نفاذ کی برکت سے ہی جرائم کی تعداد صفر ہو کر رہ گئی تھی اور لوگوں میں خوفِ خدا' خوفِ آخرت اور یومِ حساب کی جواب دہی کا اتنا

شدید احساس زندہ ہو گیا تھا کہ فتنہ وفساد جرائم مفاسد اور برائیوں نے دم توڑ دیا تھا۔'' (ماخذ۔امن وسلامتی صفحہ نمبر ۴۴)

حضرت شیخ الاسلام کے اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے نتائج پر نظر جمائے ہوئے ہیں حالاتِ زمانہ سے باخبر ہو کر اصلاح فرمائی ہے،قوم کی گمراہی کو رہبری عطا کی ہے،علوم عقلیہ و نقلیہ کا جامع ثبوت دیا ہے۔اوصافِ حمیدہ کو نقش فرمادیا ہے،اخلاقِ جمیلہ کا حسن بکھیرا ہے۔ عشق رسالت ﷺ میں سرشار دینی حمایت پیش کی ہے سماجی فکر و سیاسی مدبر کی حیثیت سے آپ نے رہنمائی فرمائی ہے۔فرماتے ہیں۔

''اسلام ہی امن وسلامتی کا ضامن ہے۔ سرکار رسالت ﷺ مومن کی تعریف بیان فرماتے ہیں: مومن وہ ہے جسکا پڑوسی اسکے خطرات سے مامون رہے یعنی اس کے شر سے محفوظ رہے امن میں رہے۔''

شیخ الاسلام کی ہر بات میں گہرائی ہے، تعلیمی فراصت ہے۔

آج کے پر آشوب دور میں جب کہ مسلمان ہر محاذ پر پسپا ہو رہے ہیں۔سیاسی داؤ پیچوں کا شکار ہو رہے ہیں۔زندگی کے ہر شعبے میں پیچھے ہوتے نظر آتے ہیں ضرورت ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھل جائیں علم کے ہر میدان میں کود پڑیں۔ اپنی ایک شناخت بنائیں، قوم کے تعلیمی معیار کو بلند کرنے میں کوشاں رہے، جدوجہد کریں۔ سماج کے روشن وتابناک مستقبل کے لیے آمادہ ہو جائیں۔شیخ الاسلام نے ایک حدیث پاک کی روایت سے ساری دنیا کو امن وامان وسلامتی کا ضابطہ بتادیا ہے۔فرماتے ہیں

؎ تمھارے پڑوسی چاروں طرف ہیں پڑوسی سے پڑوسی محلّہ ،محلّہ کا پڑوسی دوسرا محلّہ اس طرح گاؤں کا دوسرا گاؤں پڑوسی ۔ گاؤں سے گاؤں تعلقہ پھر ضلع پھر صوبہ اور پھر ملک ،اس ملک کا دوسرا ملک پڑوسی۔

شیخ الاسلام کی فراصت کا کمال دیکھیئے فرماتے ہیں۔

اگر یہی ایک بات مان لو کہ ہم پڑوسی کو نہیں ستائیں گے تو ساری دنیا میں امن ہو جائے گا ساری دنیا میں شانتی ہو جائے گی۔(ماخذ۔امن وسلامتی صفحہ نمبر ۴۶)

حضرت شیخ الاسلام نے قرآن مقدس کی آیت کریمہ **الملک القدّوسُ السّلام**

المومن المُهیمِن کی تشریح کے سہارے ایک واضح ذہن دیا ہے جو اسلام کی حقانیت کی واضح دلیل ہے، پیغام امن کا واضح ثبوت ہے۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پیغام امن کا نازل کرنے والا۔ رسول ﷺ پیغام امن لانے والے اور ہم پیغام امن کے ماننے والے ہیں۔ لہٰذا شیخ الاسلام کی شخصیت پیغام امن ہے۔

ترجمۂ محدث اعظم و

تفسیر اشرفی کی اہمیت و معنویت

محمد عارف اللہ مصباحی ستاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ ضلع مئو (یو پی)

اگر محدث اعظم کا ترجمۂ قرآن -مختصر لفظوں میں -معتبر و مستند تفسیروں سے ماخوذ قرآن کا ایک قابلِ اعتبار ترجمان ہے تو سید التفاسیر معروف بہ "تفسیر اشرفی "معتمد کتبِ تفاسیر سے ماخوذ ایک خوبصورت و دل آویز علمی و تحقیقی گلدستہ ہے جس میں گونا گوں مضامین و فوائد کو بڑے اختصار و جامعیت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔اس میں مقاصدِ قرآن کی وضاحت ہے تو آیاتِ قرآنی سے مُستنبط اَحکامِ شرعی کا بیان بھی۔اللہ و رسول کی عظمت و تقدس اور عزت و حرمت کا پاس و لحاظ ہے تو متوارث عقائد اہل سنت کا اثبات بھی۔صوفیاے کرام کے ایمان افروز و جاں نواز روحانی فرمودات کا خلاصہ و نچوڑ ہے تو قرآنِ کریم کے پیغامِ حیاتِ بخش کی طرف حکیمانہ دعوت بھی۔دشمنان اسلام کے اعتراضات و اتہامات کے دنداں شکن جوابات ہیں تو اذہان انسانی میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کا ازالہ بھی۔اہل اسلام کی صلاح و فلاح کے اصول و مبادیِ ہیں تو ان کی کج روی و بے راہ روی کی اصلاح کے نسخہاے کیمیا اثر بھی۔قرآن کے راز ہاے سر بستہ کا انکشاف ہے تو اس کی بے نظیر حکمتوں سے نقاب کشائی بھی۔فصاحت و بلاغت کی شیرینی ہے تو سلاست و روانی کا آبشار بھی۔غرض کہ اس نافع و مفید تفسیر میں وہ سب کچھ ہے جو فہمِ قرآن کے لیے لازم و ضروری ہے۔

یوں تو حضرت محدثِ اعظم ہند- رحمہ اللہ تعالیٰ -کے ترجمۂ قرآن سے ہی قرآنِ کریم کے معنی و مفہوم کی ایک حد تک وضاحت ہو جاتی ہے۔لیکن بعد میں ترجمہ کو قوسین میں لکھ کر دوسرے الفاظ و جملوں سے اس کی مزید تشریح و توضیح کر دینے سے مفہومِ قرآن اور واضح و آئینہ ہو جاتا ہے۔

تشریح کے بعد- زیادہ تر -متعلقہ آیت کے بارے میں وہ ساری اہم باتیں اختصار و جامعیت کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں جن کا تعلق اس آیت سے ہوتا ہے۔

ذیل میں ہم اس کی چند خوبیاں نذر قارئین کر رہے ہیں:

مقصود قرآن کا بیان

قرآن کریم میں ایسی آیات بھی آئی ہیں جن کے ظاہر معنی کا اطلاق ذاتِ خداوندی پر محال ہے مگر چوں کہ قرآنِ کریم عربوں کے رائج اسلوب اور ان کے مخصوص طرزِ تعبیر کے مطابق نازل ہوا اس لیے اس میں ان تمام امور کی رعایت کی گئی جو ان کی زبان کے حسن و جمال میں اضافہ اور اس میں سلاست و زورِ بیان پیدا کرنے کا سبب تھے۔

ایسی چند آیات یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے: **یُخٰدِعُونَ اللّٰہَ وَالَّذِینَ اٰمَنُوا وَمَا یَخْدَعُونَ اِلَّا اَنفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُونَ** ﴿پ ۱/ ۹]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

(۲) **اِنَّ الْمُنٰفِقِینَ یُخٰدِعُونَ اللّٰہَ وَھُوَ خٰدِعُھُمْ** ﴿نساء ۱۴۲/ ۴﴾

(۳) **اَفَاَمِنُوا مَکْرَ اللّٰہِ ج فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُونَ** ﴿اعراف ۹۹/ ۷﴾

(۴) **وَ اُمْلِی لَھُمْ ط اِنَّ کَیْدِی مَتِینٌ** ﴿اعراف ۱۸۳/ ۷﴾

(۵) **اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ** ﴿بقرہ ۱۵/ ۲﴾

پہلی دونوں آیات کے پہلے جز میں "یُخٰدِعُونَ" کا لفظ آیا ہے جو بابِ مفاعلت کے مصدر "مخادعۃ" سے بنا ہے اور باب مفاعلت کی ایک خاصیت "مشارکت" ہے جس سے مراد ہے فاعل اور مفعول بہ کا فاعل اور مفعول بہ ہونے میں شریک ہونا یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے پر فعل کو واقع کرنا اگرچہ لفظاً ایک فاعل مرفوع اور دوسرا مفعول بہ منصوب ہوتا ہے۔ جیسے: "قاتَلَ زیدٌ عمراً" زید و عمرو نے باہم جنگ کی یعنی زید نے عمرو سے جنگ کی اور عمرو نے زید سے۔

فصول اکبری میں ہے: "خاصیتِ مفاعلَت مُشارکت ست یعنی شریک بودن فاعل ومفعول در فاعلیت ومفعولیت ای ہر یک مر دیگرے را نحو: "قاتَلَ زیدٌ عَمراً"۔

اب "یُخٰدِعُونَ اللّٰہ" کے معنی ہوئے: منافقین، اللہ کو دھوکا دیتے ہیں اور اللہ منافقین کو" دوسری آیت کے دوسرے جز "وھو خٰدعھم" اور تیسری اور چوتھی آیت میں بھی اللہ کی طرف "دھوکا اور مکر و فریب کرنے" اور پانچویں آیت میں اس کی طرف ہنسی مذاق کرنے کی نسبت کی

گئی۔

اس طرح یہاں دو اعتراض وارد ہوئے:

اعتراض اول: کسی کے ساتھ دھوکا اور فریب کرنا اور کسی کی ہنسی اڑانا صفاتِ نقص وعیب ہیں اور اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف ہر صفتِ نقص وعیب سے پاک ہے بلکہ وہ ایسی صفات سے بھی مُنَزَّہ ہے جن میں نہ کوئی نقص ہو نہ کمال۔

مسامرہ شرح مسائرہ میں ہے: **(یستحیل علیه) سبحانه [سمات النقص کا لجهل والکذب] بل یستحیل علیه کل صفة لا کمال فیها و لا نقص لأن کلا من صفات الالٰه صفت کمال** [ص ۳۹۳] "صفات نقص وعیب جیسے جہل وکذب ہی اللہ سبحانہ پر محال نہیں بلکہ ایسی ہر صفت بھی اس پر محال ہے جس میں نہ کوئی کمال ہو نہ کوئی نقص کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات، صفت کمال ہیں"۔

فتاویٰ رضویہ میں شرح مقاصد کی مبحث کلام کے حوالے سے ہے:

"الکذب محال بإجماع العلماء لأن الکذب نقص باتفاق العقلاء وهو علی اللہ تعالی محال" (فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۱۵ ص ۳۳۳) "باجماع علما" اللہ تعالیٰ پر کذب محال ہے اس لیے کہ کذب، باتفاقِ عقلا، صفت نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے"۔

اعتراض دوم: کوئی شخص، اللہ تعالیٰ کو کیسے دھوکا دے سکتا ہے جب کہ وہ بندوں کے راز ہائے سربستہ اور ان کے دلوں کے خطرات سے بھی آگاہ ہے۔

ارشاد ہے: **لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْض ﴿سبا ۳/۳۴﴾**

"آسمانوں اور زمینوں میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس سے پوشیدہ ہو"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: **وَلِیُمَحِّصَ مَا فِی قُلُوبِکُمْ وَاللّٰهُ عَلِیمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿آل عمران ۳/۱۵۴﴾**

"اور تا کہ چھانٹ کر رکھ دے جو تمھارے دلوں میں ہے اور اللہ سینوں (دلوں) کی بات کو جانتا ہے"۔

(ترجمہ، حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ۔ تفسیر اشرفی دوم/ص ۸۶)

جواب اعتراض اول: "یُخٰدِعُونَ اللّٰہ" کے تعلق سے پہلے سوال کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں لفظ "مخادعۃ" معنیٰ مشارکت میں استعمال ہی نہیں کیا گیا ہے کیوں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ

مفاعلت،فعل ثلاثی مجرد اور اَفعلَا و رفعّلَاو رتَفَاعَلَ کے معنیٰ موافق ہوتا ہے۔جیسے سافرت بمعنی سَفَرتُ "میں نے سفر کیا" باعَدَ ہ بمعنی أبعَدَہ،"اسنے اسکو دور کیا" ضاعَفتُ بمعنی ضَعَّفتُ" میں نے دو چند کیا" اور شاتَمَا بمعنی تَشَاتَمَا" دونوں نے گالی گلوچ کی"۔

فصول اکبری میں ہے: وموافقتِ مجرد و اَفعَلَ و فَعَّلَ و تَفَاعَلَ (ص /۴۴)

خازن میں ہے:قلتُ:المفاعلة قدترد لاعلیٰ وجه المشارکة،تقول:عافاک اللہ، وطارقتُ النّعلَ،وعاقبتُاللِّصّفالمخادعة ھٰھناعبارة عن فعل الواحد،واللہ تعالیٰ منزہ عن أن یکون منه خداع۔(باب ۹ جز ۱ /ص ۲۳)

"مفاعلت کبھی کبھار مشارکت کے طور پر نہیں آ تا جیسے: تم کہتے ہو: عافاک اللہ !اللہ تجھے صحت وعافیت سے نوازے ۔صحت دینااللہ ہی کا کام ہے۔طارقت النعل میں نے جوتے پر چمڑے کی دوسری پرت چڑھائی۔پَرت چڑھانا صرف متکلم کا کام ہےاور عاقبت اللص: میں نے چور کوسزا دی،سزا دینا متکلم(حاکم)ہی کا کام ہے"۔

محدث اعظم نے اسی جواب کو مدنظر رکھتے ہوئے یوں ترجمہ فرمایا:

"(منافقین)دھوکا دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور مسلمانوں کو" اورنہیں دھوکا دیتے مگراپنے آ پ کو اور محسوس نہیں کرتے۔(تفسیر اشرفی اول ص ۱۷)

"بے شک منافقین دھوکا دینا چاہتے ہیں اللہ کو" (تفسیر اشرفی دوم/ص ۲۶۲)

اب پہلی دونوں آ یتوں کے پہلے جز پر اعتراض اول واردنہ ہوگا۔مگر دوسری آیت کے جز دوم" وھوخٰدعھم" اور بعد کی آیتوں پر پہلا اعتراض اب بھی وارد ہے۔

مفسرین نے "وھوخٰدعھھم" کاایک جواب یہ دیاکہ یہاں"خداع" سے مراد ہے دھوکے کا بدلہ دینا"۔

تفسیر سمرقندی میں ہے:ثم بین حال المنافقین فی الدنیاو خداعھم فقال تعالیٰ "ان المنٰفقینیخٰدعون اللہ وھو خادعھم أیظنون أنھم یخادعون اللہ "وھو خادعھم" أییجازیھم جزاء خداعھم۔(بحرالعلوم ج ۱ /ص ۹ ۴ ۳)"پھر اللہ نے دنیا میں منافقوں کا حال اور ان کی فریب دہی کا بیانکر نے لیےفرمایا: منافقین گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ کودھوکا دے لے جائیں گے حالاں کہ وہی انھیں دھوکے میں ڈالے گا یعنی انھیں ان کی فریب کاری کا بدلہ دے گا"۔

التفسیر المیسر میں ہے: ان المنٰفقینیخدعون اللہ وھو خادعھم" إن طریقۃ ھولاء المنافقین مخادعۃ اللہ تعالیٰ بمایظھرونہ من الأمورومایبطنونہ من الکفر، ظناًمنھم أنہ یخفی علی اللہ والحال أن اللہ خادعھم ومجازیھم بمثل عملھم(جز ۲/ص ۱۴۰)"ان منافقوں کا طریقہ ایمان کا اظہار اور کفر کا اخفا کر کے اللہ تعالیٰ کو فریب دینا ہے کیوں کہ ان کا گمان یہ ہے کہ ان کا کفر اللہ سے مخفی ہے حالاں کہ اللہ انھیں فریب میں ڈالے گا اور ان کے ایسے عمل کا انھیں بدلہ دے گا"۔

حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اسی تاویل کو اختیار کرتے ہوئے ترجمہ کیا:"اور وہ (اللہ) دھوکے کا بدلہ دینے والا ہے"۔

"حضرت شیخ الاسلام معتبر مفسرین کے اقوال کی روشنی میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "(اور وہ) خداے عزوجل ان کو (دھوکے کا بدلہ دینے والا ہے) ان کے مکروفریب کی جزا دنیا میں تو یہ کہ ان کے راز کو فاش کر دیا جائے گا، ایسا کہ وہ اپنا نفاق چھپا نہ سکیں گے اور سب کے روبرو رسوا ہو جائیں گے اور قیامت میں اس کی جزا یہ ہوگی کہ مومنوں کے ساتھ ساتھ ان کو جو نور دیا جائے گا پل صراط پر قدم رکھتے ہی وہ نور غائب ہو جائے گا اور وہ اندھیرے میں رہ جائیں گے، پھر ان کے پاؤں لغزش کھائیں گے اور وہ دوزخ میں گر پڑیں گے۔ان کے برعکس مومنوں کو جو نور دیا جائے گا وہ باقی رہ جائے گا اور اسی نور میں مومنین پل صراط پر سے گذر جائیں گے"۔(تفسیر اشرفی دوم/ص۲۸۶)"مکر" کی ایک تاویل"استدراج"یعنی مہلت اور ڈھیل دینے سے بھی کی گئی ہے۔

امام ابوجعفر طبری لکھتے ہیں: یقول تعالیٰ ذکرہ:أفأ من یا محمد ھؤلاء الذین یکذبون اللہ ورسولہ ویجحدون آیاتہ، استدراج اللہ إیاھم بماأنعم بہ علیھم فی دنیاھم من صحۃ الأبدان ورخاء العیش کمااستدرج الذین قص علیھم قصصھم من الأمم قبلھم، فإن مکر اللہ لایأمنہ، یقول: لایأمن ذلک أن یکون استدراجا، مع مقامھم علیٰ کفر ھم وإصرارھم علیٰ معصیتھم(الاالقوم الخٰسرون)وھم الھالکون۔(جامع البیان فی تاویل القرآن ج ۱۲/ص ۵۷۸)"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے محمد(ﷺ) اللہ ورسول کی تکذیب اور دانستہ اس کی آیتوں کا انکار کرنے والے یہ باشندگان مکہ اور آس پاس کے لوگ کیا اس وجہ سے مطمئن ہو گئے کہ اللہ نے ان کی دنیا میں انھیں صحت ابدان اور فراخیٔ

زندگانی کی نعمتوں سے نواز کر انھیں مہلت عطا فرمائی ہے جس طرح اس نے ان سے پہلے کی ان امتوں کو مہلت دی تھی جن کی داستانیں اس نے اِن اہل مکہ اور قرب و جوار کے لوگوں کو سنائیں تو ان کے اپنے کفر پر قائم رہنے اور اپنی معصیت پر مصر رہنے کے باوجود اللہ کی اس مہلت اور ڈھیل سے وہی لوگ بے خوف رہتے ہیں جو نقصان اٹھانے والے یعنی ہلاک ہو جانے والے ہیں"۔

المفردات فی غریب القرآن میں ہے:**وقال بعضهم :من مكر الله إمهال العبدوتمكينه من أعراض الدنياولذٰلک قال أمير المؤمنين علي رضي الله عنه:من وسع عليه دنياه ولم يعلم أنه مكر به فهو مخدوع عقله** (باب کتاب الخاء۔ جز ۱/ص ۱۷۴) بعض نے کہا:"بندے کو مہلت دینا اور متاع دنیا پر قدرت دینا بھی اللہ کا مکر ہے"۔اسیلیے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:"جس پر اس کی دنیا فراخ کر دی گئی (اور اسے خوب مال و منال سے نوازا گیا) اور اس نے یہ نہ جانا کہ اسے ڈھیل دی گئی ہے تو وہ عقل کا فریب خوردہ ہے"۔

البحر المحیط میں ہے:**وقيل :مكرُه: استدراجه وأخذه علىٰ غِرَّة**(ج۵/ص۱۲۱)"کسی کو ڈھیل دینا اور اچانک اس کی گرفت فرمانا اللہ کا مکر ہے"۔

حضرت محدث اعظم علیہ الرحمہ نے تیسری آیت کے ترجمہ میں اسی تاویل کو ترجیح دی ہے۔پیش ہے ترجمہ وتشریح:

"(کیا مطمئن ہو گئے اللہ) تعالیٰ (کی ڈھیل سے؟) یعنی اس کی ناگہانی پکڑ سے (تو) سن لو کہ (اللہ) تعالیٰ (کی ڈھیل سے مطمئن نہیں ہوتے ،مگر تباہ ہو جانے والی قوم)(تفسیر اشرفی سوم/ص ۲۶۲)

چوتھی آیت میں لفظ"کید" اللہ کی طرف منسوب ہو کر وارد ہوا اور کید اور مکر ہم معنی ہیں اس لیے مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہونے پر اس کی جو تاویلات کی گئیں وہیہاں بھی جاری ہوں گی چناں چہ ایک تاویلیہ بھی کی گئی کہ مکر سے مراد (خفیہ) تدبیر ہے۔

تفسیر خازن میں ہے:والمکر:"**والتدبير وهو من الله تعالىٰ التدبير بالحق**"(آل عمران ج ۲/ص ۲۶۲)"مکر کے معنی ہیں: تدبیر اور جب یہ اللہ کی طرف سے ہو تو اس سے مراد تدبیر حق ہوتی ہے"۔

روح المعانی میں ہے: وقال غير واحد: انه عبارة عن التدبير المحكم وهو ليس بممتنع على الله تعالىٰ وفي الحديث: اللهم امكر لي ولا تمكر بي۔(جز ۳/ص ٦٢)" کثیر مفسرین نے کہا کہ مکر سے مراد" تدبیر محکم" ہے اور یہ معنی اللہ تعالیٰ پر ممتنع نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ: "اے اللہ! تو میرے لیے ایسی محکم تدبیر فرما جو میرے حق میں نافع ہو اور ایسی تدبیر نہ فرما جس میں میرا ضرر ہو"۔

کشاف میں ہے: (ویمکرون) ويخفون المكايد له (ويمكر الله) ويخفي الله ما اعد لهم حتيياتيهم بغتة۔ "وہ (کفار مکہ) مکر کرتے اور رسول کے خلاف اپنی خفیہ چالیں چلتے ہیں اور اللہ مکر کرتا اور ان کے خلاف ایسی خفیہ تدبیر فرماتا ہے جو اچانک انھیں اپنی گرفت میں لے لے گی"۔(جز ۲/ص ۲۰۵)

سلسلۃ التفسیر لمصطفی العدوی میں ہے (ان کیدی متین) ان تدبیری محکم واخذی شدید۔" بے شک میری تدبیر محکم اور میری گرفت سخت ہے"۔(جز ۲۷/ص ۲)

اسی تاویل کالحاظ کرتے ہوئے حضرت محدث اعظم نے یہ ترجمہ فرمایا:" اور ان (کافروں) کو مہلت دوں گا۔ بے شک میری مکر توڑ تدبیر مضبوط ہے"۔

اور اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا: (اور ان کو مہلت دوں گا) اب اگر اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اور توبہ و استغفار کر کے ایمان والے نہیں ہو جاتے اور اپنی بے راہ روی پر قائم رہتے ہیں تو پھر ہم انھیں لے لیں گے اپنی پکڑ میں۔ پھر ان کا کوئی مکر ان کے کام نہ آ سکے گا اس لیے کہ (بے شک میری مکر توڑ تدبیر) بہت ہی (مضبوط ہے) چناں چہ میری خفیہ تدبیر پر کسی کی بھی تدبیر غالب نہیں آ سکتی (تفسیر اشرفی سوم/ص ۱۸۳)

پانچویں آیت میں وارد کلمۂ "استہزا" کی ایک تاویل یہ ہے کہ یہاں استہزا بول کر اس کا لازم معنی "حقیر و بے قدر اور ذلیل وخوار کرنا" مراد ہے کیوں کہ استہزا کرنے والے کا سب سے بڑا مقصد اس شخص کو ذلیل کرنا ہوتا ہے جس کا وہ استہزا کرتا ہے۔

تفسیر ابی السعود میں ہے: الله يستهزئ بهم: أوينزل بهم الحقارة والهوان الذي هو لازم الإستهزاء۔(ج ۱/ص ۴۷)"اللہ یستہزئ بھم" کے معنی ہیں: اللہ ان پر ذلت وحقارت نازل کرتا ہے جو استہزا کا لازم معنی ہے"۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے: فإن قيل: الإستهزاء جهالة "قالو أتتخذنا هزوا قال اعوذ بالله ان

اکون من الجاھلین۔(البقرہ/٦٧)فمامعنی استھزاء اللہ بھم؟قلنا:معناہ:إنزال الھوان والحقارۃبھم وھو المقصدالاقصیٰ للمستھزئ.........أوعاملھم اللہ معاملۃ المستھزئ فی الدنیالأنہ کان یطلع الرسول علی أسرارھم مع کونھم مبالغین فی إخفاء ھا،وفی الآخرۃ علی ماروی عن ابن عباس:"إذادخل المؤمنون الجنۃ والکافرون النار،فتح اللہ من الجنۃ باباعلی الجحیم فی الموضع الذي ھومسکن المنافقین،فإذارأی المنافقون النار مفتوحاًأخذوایخرجون من الجحیم ویتوجھون إلی الجنۃ -وأھل الجنۃینظرون إلیھم- فإذاوصلواإلیٰ باب الجنۃ فھناک یغلق دونھم الباب ،فذلک قولہ تعالیٰ :فالیوم الذین آمنوا من الکفار یضحکون علی الأرائک ینظرون۔(المطففین ٣٤)فھذاھو الإستھزاء۔(ج ١/ص ١٦٢)

"اگرکہا جائے کہ استہزا جہالت ہے کیوں کہ (جب حضرت موسیٰ نے عامیل کے قاتل کا پتہ لگانے کے لیے یہودیوں کو گاے ذبح کرنے کا حکم دیا) توانھوں نے کہا: کیا آپ ہم سے ٹھٹا کرتے ہیں؟ جواب میں حضرت موسیٰ نے فرمایا: میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہوں"۔تو اب منافقوں سے اللہ کے استہزا فرمانے کا کیا مطلب ہے؟اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اس کا مطلب ہےان پر ذلت وخواری نازل کرنا۔اور مذاق کرنے والے کا منتہاے مقصود یہی ہوتا ہے۔یامراد یہ ہے کہ دنیامیں اللہ تعالیٰ نے ان سے مذاق کرنے والے کی طرح معاملہ فرمایا کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اپنے رازہاے سربستہ کومخفی رکھنے میں بہت زیادہ کوشاں رہنے کے باوجودان کے اسرار وخفایا سے اپنے رسول کوآگاہ فرماتا رہتا تھا۔اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کے مطابق یہی معاملہ آخرت میں اس وقت فرمائے گا جب ایمان والے جنت میں اور کفار جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گےتو اللہ تعالیٰ جہنم کےقریب اسی مقام کے سامنے جنت کا ایک دروازہ کھول دے گا جوجہنم میں منافقوں کا مسکن ہوگا۔یوں جب وہ باب جنت وادیکھیں گےتو جہنم سےنکل کر جنت کا رخ کریں گے۔اس وقت ساکنان جنت انھیں دیکھ رہے ہوں گے لیکن جیسے ہی وہ جنت کے دروازے پر پہنچیں گےدروازۂ جنت بند کردیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ نے اسی کا بیان اپنےاس ارشادمیں فرمایاہے: آج ایمان والےکافروں پرہنس رہےہیں اور اپنےاپنےمزین وآراستہ تخت پر ان کا منظر دیکھ رہےہیں ۔استہزا کا یہاں یہی مطلب ہے۔

تفسیر بغوی میں ہے:وقال الحسن:معناه:أن الله يظهر (يُطلِعُ)المؤمنين علىٰ نفاقهم۔"حسن نے کہا اس کے معنی ہیں :اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ان کے نفاق سے مطلع فرما دیتا ہے"۔(ج ا/ص ۸۹)

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اسی تاویل کو اختیار فرمایا۔ملاحظہ ہو دریا کو کوزہ میں سمونے کا کمال اس مختصر و جامع ترجمہ و تشریح محدث علیہ الرحمہ میں :

"حالاں کہ (اللہ خود ذلیل کرتا ہے انھیں) کہ دنیا میں مسخرے (ٹھٹے باز) کہلائیں اور آخرت میں مسلمانوں کی جنت دیکھ دیکھ کر ذلیل ہوں"۔(تفسیر اشرفی اول/ص ۷۳)

جواب اعتراض دوم :یخادعون اللہ پر دوسرا یہ اعتراض کہ"اللہ کو کیسے دھوکا دیا جا سکتا ہے"تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم ﷺ کی رفعت قدر و عظمت شان کا اظہار فرمانے کے لیے نام تو اپنا ذکر فرمایا ہے مگر مراد لیا ہے اپنے رسول کو اس بنا پر کہ رسول کا معاملہ اللہ کا معاملہ ہے اس لیے کہ وہ اس زمین پر اللہ کے خلیفۂ اعظم و نائب مطلق اور اس کی جانب سے اس کے بندوں سے تعلق رکھنے والے اس کے اوامر و نواہی کے ترجمان و شارح ہیں یوں اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا درجہ اتنا بلند فرما دیا کہ نبی کو دھوکا دینا،خود اپنی ذات کو دھوکا دینا قرار دیا۔

تفسیر خازن میں ہے:إن الله تعالىٰ ذكر نفسه وأراد به رسوله وذلك تفخيم لأمره وتعظيم لشأنه۔(بقرہ،جز ا/ص ۳۳)

تفسیر روح البیان میں ہے:بل المراد إما مخادعة رسوله علىٰ حذف المضاف أو علىٰ أن معاملة الرسول،معاملة الله من حيث أنه خليفته في أرضه،والناطق عنه بأوامره ونواهيه مع عباده ففيه رفع درجة النبي صلى الله عليه وآله وسلم حيث جعل خداعه،خداعه۔(ج ا/ ۵۳)

تفسیر خازن میں ہے:وقیل:إن وبال ذلك الخداع راجع إليهم لأن الله يطلع نبيه علىٰ نفاقهم۔(جز ا/ص ۳۳)

حضرت محدث اعظم ہند نے مندرجہ بالا کتب تفاسیر کے مضامین کو اپنی تشریح میں یوں سمویا ہے۔

"وہ تو بس (دھوکا دینا چاہتے ہیں اللہ کو)اور سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے رسول پاک کو دھوکا دے دیا تو بس اللہ کو دھوکا دے دیا (اور مسلمانوں کو) صدیق اکبر،فاروق اعظم و دیگر صحابہ کو اور واقعہ یہ ہے کہ وہ (نہیں دھوکا دیتے مگر اپنے آپ کو)اپنے فریب میں خود ہی پھنسے ہیں

(اور) پرلے سرے کے احمق ہیں کہ وہ اس کو (محسوس) ہی (نہیں کرتے) کہ اللہ عالم الغیب والشہادہ ہے اس سے ان کے دل کی باتیں کیسے چھپ سکتی ہیں۔اپنے پیغمبروں کواس نے ان کے دلوں کے خطرے سے آگاہ کرر کھا ہے توانھیں بھی کیادھوکا ہوسکتا ہے،مسلمانوں کوان کے رسول ﷺ نے ان کا سارا حال بتادیا ہے تو جب وہ کچھ چھپاڈھکار کھتے نہیں تو دھوکا کس کودیں گے۔(تفسیر اشرفی اول/ص ۷۱)

تنزیہ باری تعالیٰ

علماے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ کذب باری تعالیٰ محال ہے کیوں کہ اس کی ذات کی طرح اس کی تمام صفات معنویہ ذاتیہ یعنی اس کا حی ہونا،قادر وعلیم ہونا،سمیع وبصیر ہونا،صادق وراست گو ہوناوغیرہ بھی واجب الوجود اور قدیم ہیں تو جو اس کے کذب کو ممکن مانے وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔

المعتقد میں ہے:**فأماواجب الوجود فلیس ھو إلاالباری فی جمیع ذاتہ وصفاتہ المعنویۃ الذاتیۃ القدیمۃ السنیۃ**(ص ۲۷/۲۸)

فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۱۵ میں ہے: حاش للہ! حاش للہ! ہزار بار حاش للہ! میں ہر گز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا ان مقتدیوں یعنی مدعیان جدید کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں اگرچہ ان کی بدعت وضلالت میں شک نہیں اور امام الطائفہ (اسماعیل دہلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہوجائے اور حکم اسلام کے لیے اصلاً کوئی ضعیف ساضعیف محمل بھی نہ رہے۔**فان الاسلام یعلو ولا یعلی**۔(سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح مشمولہ فتاویٰ رضویہ ص ۳۴۳)

حضرت شیخ الاسلام مدنی میاں مدظلہ العالی آیت کریمہ (ومن اصدق من اللہ قیلا) "اور کون بولی کا اللہ سے زیادہ سچاہے" کی روشنی میں امت کے اسی عقیدۂ اجماعی کا اثبات کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"خدائی ذات،وہ ذات جامع کمالات ہے جس کا صدق (سچا ہونا) واجب ہے اس لیے کہ وہ خود واجب الوجود ہے جس کی کوئی صفت ممکن نہیں اور جب صدق واجب ہوا تو اس کا کذب (جھوٹا ہونا) محال ہو گیا اس لیے کہ اگر بفرض محال اس کا کذب مان لیا جائے تو پھر اس کا

صدق واجب نہیں رہ جاتا۔ایسی صورت میں اس کے سارے وعدووعید اور اس کی ساری خبریں یہاں تک کہ دین اسلام کی حقانیت بھی شک کے دائرے میں آ جاتی ہے۔نعوذ باللہ من ذلک (تفسیر اشرفی دوم/ص ۲۶۴،۲۶۵)

حضور ﷺ کا مالک ومختاراور غیب داں ہونا عطائی ہے

ذیل کی دونوں آیتوں کو مخالفین اہل سنت اپنے اس باطل موقف کی تائید میں بڑے شدومد کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ مالک کونین دانائے غیوب حضور سرور عالم وعالمیاں ﷺ کسی چیز کے مالک ومختار نہیں اور انھیں جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل نہیں تھا حالاں کہ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا مقصود صرف مِلک واختیارِ ذاتی اور علم غیب ذاتی کا انکار کرنا ہے نہ کہ عطائی کا۔ پھر مفسرین کرام کی بعض تفاسیر واشگاف انداز میں اور بعض اشارۃً اسی مضمون ومراد کو بیان کر رہی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُل لا اَقُولُ لَکُمْ عِندِی خَزَآئِنُ اللّٰہِ و لَا اَعْلَمُ الْغَیبَ وَ لَا اَقُولُ لَکُمْ اِنِّی مَلَکٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوحیٰ اِلَیَّ ﴿پ ۷، انعام ۵۰/۷﴾

قُل لَّا اَمْلِکُ لِنَفْسِی نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَ لَوْ کُنتُ اَعْلَمُ الْغَیبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیرِ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوءُ ﴿پ ۹/اعراف ۷/۱۸۸﴾

پہلی آیت کے تحت تفسیر خازن میں ہے: قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ والمعنی لیس عندی خزائن رزق اللہ فأعطیکم منہا ماتریدون لأنہم کانوا یقولون للنبی ﷺ ان کنت رسولاً من اللہ فاطلب منہ أن یوسع علینا عیشنا ویغنی فقرنا فأخبر أن ذلک بید اللہ لا بیدی (ولا اعلم الغیب) یعنی فأخبرکم بما مضی وما سیقع فی المستقبل، وذلک أنہم قالو الہ: أخبرنا بمصالحنا ومضارنا فی المستقبل حتی نستعد لتحصیل المصالح ودفع المضار فأجابہم بقولہ: ولا اعلم الغیب فأخبرکم بما تریدون (ولا اقول لکم انی ملک) وذلک أنہم قالوا: مالھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الأسواق ویتزوج النساء؟ فأجابہم بقولہ: ولا اقول لکم انی ملک لأن الملک یقدر علی مالا یقدر علیہ البشر ویشاہد مالا یشاہدون فلست أقول شیأ من ذلک ولا أدعیہ فتنکرون قولی وتجحدون أمری۔

وإنما نفیٰ عن نفسہ الشریفۃ ہذہ الأشیاء تواضعا للہ تعالیٰ واعترافا لہ بالعبودیۃ وأن

لا یقترحوا علیه الآیات العظام (ان اتبع الا مایوحیٰ الی) یعنی ما اخبر کم الا بوحی من اللہ أنزل علیَّ۔آگے ہے: فما أخبر عنہ من غیب فبوحی اللہ إلیہ۔(لباب التاویل فی معانی التنزیل ج ۲ /ص ۱۱۴) ”کہہ دو (اے کفار مکہ) میں تم لوگوں سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے یعنی اللہ کے رزق کے خزانے ہیں کہ تم جو چاہو میں ان خزانوں سے تمھیں دیا کروں کیوں کہ وہ نبی کریم ﷺ سے کہتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو اس سے ہمارے اوپر ہمارے رزق کو کشادہ کرنے اور ہمارے فقر ومحتاجی کو مالداری میں تبدیل کردینے کی درخواست کیجیے تو آپ نے انھیں بتایا کہ یہ اللہ کے دست قدرت میں ہے میرے ہاتھ میں نہیں۔اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں غیب جانتا ہوں کہ تمھیں ان امور واقعات کی خبر دوں جو ماضی میں پیش آئے یا مستقبل میں رونما ہوں گے۔

اس قول کی وجہ یہ ہوئی کہ انھوں نے حضور سے کہا کہ آپ ہمیں مستقبل میں پیش آنے والے تمام مفید ومضر امور وواقعات سے باخبر کرایا کیجیے تا کہ ہم مفید چیزوں کی تحصیل اور مضر چیزوں کے دفعیہ کے لیے مستعد رہا کریں تو حضور نے جواب دیا کہ میں غیب نہیں جانتا کہ تم جو چاہو اس کی خبر میں دے دیا کروں۔اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔اس قول کا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے کہا: یہ کیسے رسول ہیں جو کھاتے پیتے، بازاروں میں چلتے پھرتے اور عورتوں سے شادی بیاہ کرتے ہیں؟ تو آپ نے انھیں جواب دیا کہ میں تم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں کیوں کہ فرشتے کو جن چیزوں پر قدرت ہوتی ہے ان پر بشر کو قدرت نہیں ہوتی اور جن چیزوں کا وہ مشاہدہ کرتا ہے بشر ان کا مشاہدہ نہیں کرتا یوں میں ان امور میں سے کسی کا قائل اور اس مدعی نہیں ہوں کہ تم میرے قول کا انکار کرو اور میرے امر کو یکسر مسترد کردو۔

حضور نے اپنی ذات شریفہ سے ان اشیا کی نفی اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی تواضع وخاکساری کے اظہار اور اس کی بارگاہ میں اپنی عبودیت وبندگی کے اعتراف میں کی اور اس لیے بھی نفی فرمائی کہ کفار مکہ آپ سے بڑی نشانیوں کا مطالبہ نہ کریں۔

میں انھیں باتوں کا اتباع کرتا ہوں جو بذریعہ وحی مجھ تک پہنچتی ہیں یعنی میں اپنے اوپر اللہ کی طرف سے نازل کی جانے والی وحی سے ہی تمھیں غیب کی خبریں دیتا ہوں۔تو حضور نے غیب کی جو بھی خبر دی اللہ کی وحی کی بدولت دی۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور نے اس میں مذکور تینوں امور کا کبھی دعویٰ نہیں کیا اور

اپنی ذات سے اِن کی نفی محض اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی تواضع وخاکساری کے اظہار اور اس کا بندہ ہونے کے اعتراف میں فرمائی اور اس لیے بھی نفی فرمائی کہ کفار مکہ آپ سے بڑے بڑے معجزات کا مطالبہ نہ کریں۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے: **أی لا أدعی القدرة علیٰ کل المقدورات والعلم بکل المعلومات** (جاء الحق حصہ اول/ص ۹۱ رضوی کتاب گھر دہلی) "یعنی میں تمام مقدورات الٰہیہ پر قدرت اور تمام معلومات ربانیہ کے علم کا دعویٰ نہیں کرتا"۔

تفسیر سمعانی میں ہے: **ولا اعلم الغیب) والغیب کل ماغاب عنک، ویکون ماضیا، ویکون فی المستقبل، والماضی منه یجوز أن یعلمه الانسان بخبر مخبر ونحوه، فأماالمستقبل فلایعلمه إلا اللہ ورسول ارتضاه کماقال فی سورة الجن۔ وقوله (لااعلم الغیب) فیه إضمار أی: ولا أعلم الغیب الاما أعلمنیه اللہ۔** (تفسیر العلامۃ السمعانی ج ۲ /ص ۱۰۵) "غیب سے مراد ہے: "ہر وہ چیز جو تمھاری نگاہوں سے غائب ہو۔" اس کی دو قسمیں ہیں: غیب ماضی، غیب مستقبل۔ غیب ماضی کا علم انسان کو کسی خبر دینے والے سے یا اسی قسم کے کسی اور ذریعہ سے ہوسکتا ہے۔ مگر غیب مستقبل کا علم صرف اللہ اور اس کے پسندیدہ رسول ہی کو ہے۔ جیسا کہ سورۂ جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول (لا اعلم الغیب) میں **الا ما اعلمنیه اللہ** مقدر ہے یعنی میں غیب کی وہی باتیں جانتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ مجھے آگاہ فرماتا ہے"۔

اب ان تفاسیر کی روشنی میں پہلی آیت کا ترجمہ اور شیخ الاسلام کی تشریح ملاحظہ کیجیے۔

"(کہہ دو کہ میں تم سے نہ یہ کہوں کہ میرے ہی پاس اللہ) تعالیٰ (کے خزانے ہیں) اور جب میرا یہ دعویٰ نہیں ہے تو تمھارا مجھ سے مال ودولت کا سوال کرنا بے محل ہے تو اب اگر میں اس کی طرف التفات نہ کروں تو تم میری رسالت کے منکر ہو جاؤ یہ تمھاری جہالت ہے (اور نہ) میرا (یہ) دعویٰ ہے (کہ میں) بذات خود (غیب ہی جانتا ہوں) تو جب میرا ذاتی غیب دانی کا دعویٰ ہی نہیں تو اب اگر میں تمھیں آئندہ کی خبریں نہ بتاؤں تو میری نبوت کے ماننے میں عذر کرسکو تمھارے لیے اس کی گنجائش نہیں۔ (اور نہ) ہی (میں تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں) کہ میرا کھانا پینا اور نکاح کرنا قابل اعتراض ہو جائے۔ الغرض میں نے جن چیزوں کا دعویٰ ہی نہیں کیا ان کا سوال بے محل ہے اور اس کا جواب دینا مجھ پر لازم نہیں۔ میرا دعویٰ نبوت اور رسالت کا ہے اور جب اس

پرزبردست دلیلیں اورقوی براہنیں قائم ہوچکیں توغیرمتعلق باتیں پیش کرنا کیامعنی رکھتا ہے۔اور غور سے سن لو کہ (نہیں ہے میرا کوئی فعل وقول،مگر جو وحی بھیجی گئی مجھ تک)(تفسیر اشرفی سوم/ص ۹۴)

یہاں"ان اتبع مایوحیٰ الیّ" کا ظاہرمفہوم اس بات پر دلیل ہے کہ حضور کسی بھی حکم شرعی میں اجتہاد نہ فرماتے تھے بلکہ حضور کےتمام اوامرونواہی وحیِ الٰہی کےہی تابع ہواکرتے تھےاس لیے اجتہاد جائزنہیں ۔اس کا جواب حضرت شیخ الاسلام نے یہ دیا کہ چوں کہ حضور کااجتہاد بھی مآل کےاعتبار سے وحی ہےاس لیے وہ بھی"وحی"میں داخل ہے۔

فرماتے ہیں:"نبی کریم کےاجتہاد کوبھی وحی کا مرتبہ حاصل ہے۔صرف فرق اتنا ہے کہ وحی از اول تا آخر وحی ہےاوراجتہاد ابتدا میں تو اجتہاد ہےاوراس کا مآل وحی اسے وہی مرتبہ حاصل ہوگا کہ گویا وہ ابتداءً ہی وحی ہے"۔(تفسیر اشرفی سوم/ص ۹۴)

دوسری آیت کےتحت امام اہل سنت ابومنصور ماتریدی رقم طراز ہیں:**وقال قائلون من أهل التأويل: لا أملك جر النفع إلىٰ نفسي ولا دفع الضر عنها (الاماشاءالله) إلا ان اقدرني الله على ذلك فاملك ذلك۔** (ج۵/ص ۱۰۹)"کچھ اصحاب تاویل نے کہا: نہ میں بذات خود اپنے آپ کوکوئی نفع پہنچانے کااختیار رکھتا ہوں اورنہ خود سے اپنی ذات سےکوئی ضرر دور کرنے کی مجھےکوئی قدرت ہے ہاں اگراللہ مجھےاس کی قدرت عطا کردے تو میں اس پرقدرت رکھتا ہوں"۔

تفسیرمظہری میں ہےقل **لا أملك لنفسي نفعاً ولا ضرا أى جلب منفعة ولا دفع مضرة دينية ولادنيوية، وهو اظهار للعبودية والتبرى عن دعوى العلم بالغيب الا ماشاءمن ذلك فيعلمني به وحيا جليا أو خفيا ويعطيني قدرةً على جلب النفع أو دفع الضرر۔** (تفسیر مظہری ج۳/ص۴۴۱)"کہہ دو! میں اپنی ہی ذات کونفع پہنچانے اوراس سےنقصان کودفع کرنے کااختیارنہیں رکھتا ہوں خواہ یہ دینی نفع ونقصان ہو یا دنیوی۔اس میں حضور کی طرف سے بندگی کا اظہار اور دعوی علم غیب سے اپنی براءت کا اعلان ہے۔"الا ماشاء اللہ" کامطلب یہ ہے کہ میں اُس جلب منفعت یادفع مضرت پرقدرت رکھتا ہوں جس پر وہ مجھے قدرت عطا کرتا ہےاوراس غیب پرمطلع ہوجاتا ہوں جس سے وہ آگاہ کرتا ہے۔خواہ وہ وحی جلی سے ہو یاوحی خفی سے"۔

تفسیر قرطبی ہے:"ولو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير" المعنى لو كنت اعلم مايريدالله عزوجل منى من قبل أن يعرفنيه لفعلته۔اسی میں ہے:وقيل وهو متصل :والمعنى لو علمت الغيب لمامسنى سوء ولحذرت"۔(ج ۷/ص ۳۳۶)"اگر میں اللہ کے آگاہ کرنے سے پہلے وہ تمام باتیں معلوم کرلیتا جن کا اللہ عزوجل مجھ سے ارادہ فرماتا ہے تو میں ایسا کرلیتا۔ایک قول یہ ہے کہ الا ماشاء اللہ میں استثنا متصل ہے اس لیے معنی ہوں گے"اگر میں غیب جان لیتا تو مجھے فقر ومحتاجی ،شدت وتنگی اوراذیت وتکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑتا اور میں اس سے بچ جاتا"۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:والأحسن في هذامارواه الضحاك عن ابن عباس:"ولو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير" أى من المال۔(ج ۳/ص ۵۲۳)"اس سلسلے میں بہتر ضحاک سے مروی حضرت ابن عباس کا یہ قول ہے:اگر میں غیب جان لیا کرتا تو بہت خیر یعنی مال جمع کرلیتا"۔

حضرت محدث اعظم ہند رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے اپنے ترجمہ وتشریح میں مفسرین کی درج بالا عبارتوں کی ترجمانی اس طرح فرمائی ہے:

"(کہہ دو کہ) بذات خود (نہیں مالک ہوں اپنے نفس)اور اپنی ذات (ہی کے نفع کا اور نہ ضرر کا مگر اللہ) تعالیٰ (کے چاہے سے) الغرض:جلبِ منفعت اور دفع مضرت دونوں میں سے کسی پر بھی میرا ذاتی اختیار نہیں مگر جو کچھ اور جتنا اللہ تعالیٰ چاہے اور مجھے تعلیم کردے تو جب ان دونوں باتوں پر خود اپنے لیے میرا ذاتی اختیار نہیں تو پھر میرے لیے دوسروں کو نفع پہنچانے یا ان سے تکلیف دور کرنے کا بذات خود کہاں سے اختیار ثابت ہوگا؟۔

اے کافرو!غور کرو(اور) سوچو کہ (اگر میں غیب ہی بتایا کرتا تو)اس کے عوض میں (اکٹھا کرلیتا خوب مال تم لوگوں کا) جس طرح کاہن وغیرہ وقتاً فوقتاً تم لوگوں کو چوستے رہتے ہیں اور پھر میرے پاس دنیاداروں کی طرح مال کی فراوانی ہوجاتی (اور مجھ کو چھو بھی نہ جاتی تمھاری) طرف سے کسی طرح کی (ایذا)اور تکلیف اور میری حالت ایسی نہ ہوتی جس کی تعبیر کم نظر اور بے شعور لوگ تنگ دستی اور محتاجی سے کرتے ہیں"۔(تفسیر اشرفی سوم/ص ۳۳۹،۳۴۰)

نوٹ:محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے"لوكنت أعلم الغيب" کا ترجمہ"اگر میں غیب ہی بتایا کرتا" کیا ہے کیوں کہ یہاں حضور سے صرف علم غیب ذاتی کی نفی کی گئی ہے علم غیب عطائی کی

نہیں لہٰذا حضور اللہ کی عطا سے دانائے غیوب ہیں اور جو غیب داں ہو وہی چاہے تو لوگوں کو غیب کی باتیں بتائے اور چاہے تو نہ بتائے۔

حضور اللہ کی عطا سے عالم ما کان و ما یکون ہیں

قرآنی آیات واحادیث اور علما و مفسرین کرام کے اقوال سے ثابت ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ اپنے رب کی عطا سے عالم ما کان و ما یا یکون ہیں۔ میں موقع کی مناسبت سے ذیل کی آیت کریمہ سے متعلق صرف ان اقوال مفسرین کو ذکر کروں گا جن سے ترجمۂ محدث اعظم اور ارشاد شیخ الاسلام کی پوری تائید ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ﴿نساء/۱۱۳﴾

اس آیت کریمہ کی بابت تفسیر طبری میں ہے: (وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ) منخبر الاولین والآخرین وما کان وماھو کائن۔ (تفسیر طبری ج۹/ص۱۹۷) "اور تم کو اولین و آخرین کی تمام خبروں اور ما کان و ما یکون کا علم عطا کیا جو تم پہلے نہ جانتے تھے"۔

تفسیر روح البیان میں ہے: **(وعلمک) بالوحی من الغیب وخفیات الا مور (مالم تکن تعلم) ذلک الا وقت التعلیم (وکان فضل اللہ علیک عظیما) اذلا فضل اعظم من النبوۃ العامۃ والریاسۃ التامۃ ومن ذلک الفضل عصمتہ وتعلیمہ مالم یعلم** (روح البیان ج۲/ص۲۸۲) "اور تمھیں بذریعہ وحی ان تمام غیوب اور مخفی امور کا علم دیا جو علم دینے کے وقت ہی تم نے جانا۔" اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے۔ اس لیے کہ آپ کی نبوت عامہ اور ریاست تامہ سے عظیم تر کوئی فضل ہے ہی نہیں اور اس فضل سے مراد حضور ﷺ کو معصوم بنانا اور آپ کو ان تمام مخفی امور سے آگاہ فرمانا ہے جو آپ کو معلوم نہ تھے"۔

تفسیر مظہری میں ہے: **(وعلمک) العلوم بالاسرار والمغیبات۔** (تفسیر مظہری ج۲/ص۲۳۴) "اور تمھیں تمام اسرار و خفیات اور تمام مغیبات کے علوم عطا کیے"۔

تفسیر نسفی میں ہے: **(وعلمک مالم تکن تعلم) من امور الدین والشرائع او من خفیات الامور و ضمائر القلوب۔** (تفسیر نسفی ج۱/ص۳۹۵) "اور تم کو تمام امور دین و شرائع یا تمام مخفی امور اور دلوں کی خفیہ باتوں پر آگاہ کیا جن سے تم آگاہ نہ تھے"۔

ان تفاسیر کی روشنی میں ملاحظہ فرمایئے حضرت محدث اعظم کا یہ ترجمہ: "اور سکھا دیا سب کچھ جو نہیں جانتے تھے"۔

اور شیخ الاسلام کا یہ ارشاد: اس مقام پر فضل عظیم سے آپ کو معصوم رکھنا اور ما کان و ما یکون کی تعلیم عطا فرمانا مراد ہے۔

پھر دیکھیے کہ یہ دونوں کس قدر تفاسیر معتبرہ کے مطابق ہیں۔

تعظیم رسول ﷺ

حضور سرور کائنات ﷺ کی تعظیم وتوقیر ظاہر و باطن اور تمام احوال میں فرض اور ان کی ادنیٰ توہین کفر ہے۔قرآن کی متعدد آیات اس پر شاہد اور اس کی مؤید ہیں:

ارشاد ہے: **لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا**[النور ۲۴ / ۶۳] اپنے درمیان رسول کو ان کا نام لے کر نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو اس کا نام لے کر پکارتے ہو۔**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ**﴿الحجرات ۴۹۔ آیت ۱﴾ گفتگو میں اللہ و رسول پر سبقت نہ کرو۔**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَهۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ**﴿الحجرات ۴۹۔آیت ۲ اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اور ان کے حضور اس طرح زور سے نہ بولو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو۔کیوں کہ ایسا کرنے پر تمھارے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور تمھیں اس کا شعور بھی نہ ہوگا۔

اسی لیے علماے امت نے قرآن وسنت کی روشنی میں حضور کے ادب واحترام کے کئی اصول مقرر فرمائے ہیں۔ایک ضابطہ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۴۶ نے بھی ہمیں عطا کیا ہے جسے حضرت شیخ الاسلام نے اپنے اچھوتے اسلوب میں بڑی جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاہم میں حضرت کا بیان فرمودہ یہ ضابطہ ذکر کرنے سے پہلے آیت اور حضرت محدث اعظم کا ترجمہ پھر آیت کا پس منظر لکھوں گا تاکہ ضابطہ بآسانی سمجھ میں آجائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **مِنَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ وَ یَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَ عَصَیۡنَا وَ اسۡمَعۡ غَیۡرَ مُسۡمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَیًّۢا بِاَلۡسِنَتِهِمۡ وَ طَعۡنًا فِی الدِّیۡنِ ؕ وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا وَ اسۡمَعۡ وَ انۡظُرۡنَا لَکَانَ خَیۡرًا لَّهُمۡ وَ اَقۡوَمَ ۙ وَ لٰکِنۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِکُفۡرِهِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِیۡلًا**﴿نساء ۴/۴۶﴾

"بعض یہودی الٹتے پلٹتے ہیں کلام کو اس کے مقام سے اور کہتے ہیں کہ سنا اور نہیں مانا اور تم سنو تمھاری نہ سنی جائے اور "راعنا" (کہتے ہیں) اپنی زبانوں کو اینٹھ کر اور دین میں چوٹ کرنے

کے لیے۔اور اگر انھوں نے کہا ہوتا کہ ہم نے سنا اور مانا اور ہماری سنیے اور ہم پر نظر کرم کیجیے تو بہتر ہوتا ان کے لیے اور بہت ٹھیک ،لیکن ملعون کر دیا ان کو اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے تو مانتے ہی نہیں مگر کچھ کچھ"۔

صحابۂ کرام کی عادت تھی کہ جب حضور انھیں کوئی علم کی بات بتاتے اور وہ ان کی سمجھ میں نہ آتی تو عرض کرتے :راعنا یارسول اللہ! یارسول اللہ !ہمارا خیال فرمائیں اور بات کو دوبارہ ارشاد فرمادیں۔یہ لفظ عربی زبان کے مصدر" مراعاۃ" سے مشتق ہے جب کہ یہود کی زبان میں" رعونۃ" بمعنی حماقت سے مشتق ہے اس لیے انھیں بڑی خوشی ہوئی کہ چلو اللہ کے رسول سے ٹھٹول کرنے کا اچھا موقع ملا اور انھوں نے رسول اللہ کو اس لفظ سے خطاب کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ایسا لفظ بولنے سے منع فرمادیا حالاں کہ وہ اس کا استعمال اچھی نیت سے اچھے معنی میں ہی کرتے تھے۔اور ایسے موقع پر اس کی جگہ" انظرنا" (ہم پر نظر کرم فرمائیں) کہنے کا حکم ہوا۔

اب اس تفصیل کی روشنی میں ضابطہ ملاحظہ کیجیے:

"اس مقام پر بارگاہ نبوی کے آداب سے متعلق ایک اہم ضابطہ سامنے آ گیا کہ اگر ایک کلمہ کے کئی معنی ہوں یا کوئی جملہ پہلودار ہو اس میں کچھ تو نبی کریم ﷺ کی شایان شان ہوں اور کچھ آپ کی شان کے لائق نہ ہوں اور ان سے آپ کی تخفیف شان ہوتی ہو تو نبی کی بارگاہ میں اور آپ کی ذات کے لیے ان کا بولنا اس کے لیے بھی حرام ہے جس کی نیت میں کوئی فتور نہ ہو اور اس کا نقطۂ نظر اور مقصود اچھا پہلو اور اچھا معنی ہی ہوتا کہ دشمنوں کے لیے اس کے برے پہلو کی نیت سے اسے بولنے اور در پردہ توہین کرنے کا سد باب ہو جائے۔ (تفسیر اشرفی دوم/ص ۱۹۲)

انبیا و صلحا کو وسیلہ بنانا جائز ہے

فرقۂ غیر مقلدین انبیا و اولیا کو وسیلہ بنانے اور ان سے طلب امداد کرنے کو شرک قرار دیتا اور اس کے جواز کا عقیدہ رکھنے والے مسلمانوں کو مشرک ٹھہرانے میں ذرہ برابر دریغ نہیں کرتا ہے۔حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے اس باطل فرقے کے اس بے بنیاد نظریے کے جواب میں سورۂ یونس کی آیت نمبر ۲۲ رکے تحت توسل اور امداد پر ایک مختصر مگر جامع ضابطہ اور تقریر ذکر فرمائی ہے۔جس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"کسی کے بھی اقوال و افعال کے کفریا غیر کفری ہونے کا فیصلہ خود اس کے نظریات

وخیالات کی روشنی میں کیا جائے گا"۔

چناں چہ منکر خدا دہریہ کا کسی فعل کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا کفر ہوگا کیوں کہ اس قائل کا منکر خدا ہونا اس بات پر واضح دلیل ہے کہ وہ اس غیر اللہ کو اس فعل کا مؤثر حقیقی مانتا ہے۔مثلاً اس کا "انبت الربیع البقلَ" "موسم بہار نے سبزیاں اگائیں" کہنا کلمۂ کفر ہے کیوں کہ اس کے نزدیک موسم بہار ہی خالق ومؤثر حقیقی ہے۔

کسی مسلمان کا یہی کلام اپنی زبان پر لانا کفر تو بڑی بات مکروہ بھی نہیں کیوں کہ قائل کا مسلمان ہونا روشن دلیل ہے کہ اس کے کلام کا مطلب صرف یہ ہے کہ "اللہ نے سبزیاں اگائیں موسم بہار کے ذریعے"۔اسی طرح اگر کوئی منکر خدا یہ کہے کہ پانی نے پیاس بجھادی، دوا نے اچھا کردیا، کھانے نے بھوک مٹادی، آگ نے جلادیا اور زہر نے ماردیا تو یہ جملے، کفر ہیں کیوں کہ اسے خدا پر ایمان نہیں اس لیے کہ وہ دوا، آگ، زہر اور کھانے ہی کو مؤثر حقیقی مانتا ہے۔لیکن مسلمان کا یہی کلمات بولنا مکروہ بھی نہیں کیوں کہ وہ اچھا کرنے، بھوک مٹانے، جلانے اور مارڈالنے وغیرہ تمام افعال میں موجد حقیقی اور مؤثر یقینی صرف اور صرف اللہ کو مانتا ہے اور اس کے نزدیک ان کلمات کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے بھوک مٹانے کا سبب کھانے کو، پیاس بجھانے کا سبب پانی کو، جلانے کا سبب آگ کو اور جان سے مارڈالنے کا سبب زہر کو بنایا ہے تو اس عقیدے کی روشنی میں مؤثر حقیقی اور مسبب الاسباب صرف اللہ ہی ہے اور باقی سب اسباب ہیں۔

اسباب کی طرف فعل کی نسبت کرنا صرف عوامی بول چال میں ہی نہیں بلکہ قرآن مجید واحادیث کریمہ میں بھی بے شمار جگہوں پر وارد ہے۔ہاں یہ بات اور ہے کہ فعل کی نسبت مسبب الاسباب کی طرف ہو تو وہ حقیقت ہے اور کسی سبب کی طرف ہو تو وہ مجاز ہے۔اب اس مختصر وضاحت کے بعد یہ بات روشن ہوگئی کہ مسلمانوں کے اقوال وافعال کو کافروں کے اقوال وافعال پر قیاس کرنا بالکل باطل ہے اور قیاس مع الفارق کی بدترین قسم ہے۔

مصائب وشدائد میں کافر کا خدا کو پکارنا اس کے ایمان اضطراری کا نتیجہ اور مسلمان کا خدا کو پکارنا اس کے ایمان اختیاری وصالح نظریات کا ثمرہ ہے۔یوں ہی کفار بے جان بتوں کو اپنا معبود جان کر ان کی عبادت کرتے، انھیں الوہی اختیارات کا حامل قرار دے کر اپنا خدا مانتے اور دنیاوی امور میں انھیں اپنا شفیع مانتے ہیں کہ وہ اللہ سے جو چاہیں ان کے لیے بالجبر کرا سکتے ہیں۔

ادھر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ انبیا و اولیا سے جب توسل اور طلب امداد کرتے ہیں تو انھیں معبود سمجھ کر نہیں بلکہ خدا کا محبوب سمجھ کر کرتے ہیں جن کی محبوبیت نص قرآن و سنت سے ثابت ہے، جنھیں دنیا و آخرت دونوں جگہوں کے لیے اذن شفاعت دیا جا چکا ہے، جن کا شفیع ہونا قرآن کریم واحادیث رسول نیز ارشادات علماے ربانیین سے ثابت ہے، جو خود مانگنے والے کے نزدیک بھی نصرت الٰہی اور عون ربانی کے مظہر ہیں۔ ان کی مدد درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی مدد ہے اور ان سے مدد مانگنی خود رب کریم ہی سے مدد طلب کرنی ہے۔ اس کی حقیقت صرف اسباب کی ہے نہ کہ مسبب الاسباب کی۔ ہر حال میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ محبوبان بارگاہ اس کے اطاعت شعار اور فرماں بردار اور خاص بندے ہیں۔ (تفسیر اشرفی چہارم/ص ۱۸۲، ۱۸۳)

کس جانور کا گوشت کھانا حلال ہے

قرآن کریم اور معتبر علما و مفسرین کے اقوال سے ثابت ہے کہ حلال جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت کھانا بے کراہت جائز و روا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: **ماأهل به لغير الله أى ذبح على اسم غيره تعالىٰ، والإهلال رفع الصوت وكانوا اير فعونه عندالذبح لاٰلهتهم** (جلالین بقرہ ۲، ص ۲۴) "ما اہل بہٖ لغیر اللہ کے معنی ہیں: (اس حلال جانور کا کھانا حرام کیا گیا) جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو"۔ لغت عرب میں "اہلال" کے معنی ہیں: آواز کو بلند کرنا تو یہاں ذبح کی جگہ اہلال اس لیے لایا گیا کہ مشرکین اپنے معبودوں کے لیے جانور ذبح کرتے وقت آواز بلند کیا کرتے تھے یعنی ذبح کرتے وقت بلند آواز سے بتوں کا نام لیتے تھے۔ جلالین سورۂ مائدہ میں ہے **وماأهل به لغير الله به: بان ذبح على اسم غيره**۔ (جلالین ص ۹۴) "وہ جانور حرام کیا گیا جو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو"۔

ماأهل به لغير الله: کے تحت حاشیہ نمبر ۳۳ پر ہے "**وقال الربيع بن انس و ابن زيديعنى ماذكرعليه غيراسم الله وهذاالقول أولىٰ لأنه أشدمطابقةًللفظ،قال العلماءُ:لوأن مسلماذبح ذبيحة وقصدبذ بحها التقرب إلى غير الله صارمرتداو ذبيحته ذبيحة مرتد،وهذاالحكم فى غيرذبائح أهل الكتاب أما ذبائح اهل الكتاب فتحل لنالقوله تعالىٰ:وطعام الذين اوتواالكتاب حل لكم**" (**بحوالۂ تفسیر کبیر - جلالین ص ۲۴**)

”ربیع بن انس اور ابن زید کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ ذکر کیا گیا ہو۔ یہی قول لفظ قرآن سے مطابق تر ہے۔ علما نے فرمایا: اگر کوئی مسلمان حلال جانور ذبح کرے اور اس کے ذبح سے غیر اللہ سے تقرب کا قصد کرے تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ، ذبیحۂ مرتد قرار پائے گا۔ یہ حکم غیر اہل کتاب کے ذبیحوں کا ہے۔ اہل کتاب کے ذبیحے اللہ کا نام لے کر ذبح کیے جانے کی صورت میں مسلمان کے لیے حلال ہیں۔ ارشاد ہے: **وَ طَعَامُ الَّذِینَ اُوتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُم** ”اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ذبیحے تمھارے لیے حلال ہیں۔

حضور محدث اعظم نے اسی قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ترجمہ فرمایا: ”اور وہ جس پر ذبح کے وقت نامزد کیا گیا غیر خدا“۔

حضرت شیخ الاسلام اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (اور) یونہی (جس) جانور (پر ذبح کے وقت نامزد کیا گیا غیر خدا) جس طرح ذبح کے وقت کفار کہا کرتے تھے ”باسم اللات والعزیٰ“ تو اس صورت میں مذبوحہ جانور حرام ہو جائے گا اور اگر ذبح کرتے وقت ”بسم اللہ اللہ اکبر“ ہی کہہ کر ذبح کرے مگر ذبح کرنے سے پہلے اس کو فلاں کے عقیقے کا جانور، فلاں کی قربانی کا جانور، فلاں کی ضیافت کا جانور اور فلاں کے ایصال ثواب کا جانور وغیرہ وغیرہ کہے تو اس سے وہ جانور حرام نہیں ہوتا بلکہ اگر - بالفرض - کافروں نے کسی جانور کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا ہو اس کو بھی اگر کوئی مسلمان ”بسم اللہ اللہ اکبر“ کہہ کر ذبح کر دے تو اس کا بھی گوشت کھانا حرام نہیں ہوگا۔

الحاصل اس مقام پر حلت و حرمت کا معیار ذبح کے وقت، خدا یا غیر خدا کا نام لے کر ذبح کرنا ہے۔ اب اگر خدا کے نام سے ذبح کیا تو حلال ہے ورنہ حرام ہے۔ (تفسیر اشرفی دوم/ص ۳۲۸)

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک

اسلام والدین کے ساتھ قرابت داروں، مسکینوں، رشتہ دار پڑوسیوں، اجنبی پڑوسیوں، پہلونشینوں، مسافروں اور مملوک غلاموں اور باندیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِکُوا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوٰلِدَیْنِ اِحْسٰنًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ﴿نساء ۴/۳۶﴾** ”اور پوجو اللہ کو اور نہ شریک بناؤ اللہ کا کسی کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور رشتہ دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی

اور پہلو نشین اور مسافر اور جن پر مالکانہ دسترس ہے"۔(ترجمۂ محدث اعظم)

مگران افراد واشخاص میں اس نے ماں باپ کو سب پر مقدم کیا ہے کیوں کہ والدین اپنے بچوں پر شفقت خداوندی اور رحمت الٰہی کا مظہر ہیں۔ وہ ان کی سب سے بڑی نعمت ،نعمتِ وجود وتربیت و پرورش کا ظاہری سبب ہیں۔وہ کسی عوض کی طلب کے بغیر انھیں اپنی نعمتوں سے نوازتے اور اس عطائے خسروانہ سے تھکتے نہیں۔اولاد نالائق ہوتو بھی اسے اپنی شفقت ومحبت سے محروم نہیں کرتے اور اس کو ضرر ونقصان سے بچانے کے لیے اپنی خیر خواہانہ نصیحتوں سے ہمیشہ نوازتے رہتے ہیں اسی لیے اسلام نے مسلمان اولاد کو نہ صرف والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا بلکہ ان کے حقوق بھی متعین فرمائے اوران میں ماں کو یہ امتیازی مقام عطا فرمایا کہ اس کے بلانے پر نفل نماز توڑ دینے کی بھی اجازت دے دی۔

حضرت شیخ الاسلام ان حقوق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱-اولاد کو چاہیے کہ اپنے والدین کی خدمت میں کمر بستہ رہے۔ ۲-ان کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے۔ ۳-ان کے ساتھ سختی سے بات نہ کرے۔ ۴-ان کے مطالبات پورے کرنے کی کوشش کرے۔۵- اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق ان پر اپنا مال خرچ کرے۔۶-ان کے ساتھ عاجزی اور تواضع کے ساتھ رہے۔۷-ان کی اطاعت کرے اوران کو راضی رکھنے کی کوشش کرے خواہ اس کے خیال میں وہ اس پر ظلم ہی کیوں نہ کررہے ہوں۔۸-ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دے۔۹-ماں کے بلانے پر نفل نماز توڑ دے۔البتہ فرض نماز کسی کے بلانے پر نہ توڑے۔(تفسیر اشرفی دوم/ص ۱۸۰)

انسانی جان کا احترام

اسلام کی نظر میں اگر کسی انسان کا قتل، قصاص یعنی دوسرے انسان کو عمداً ناحق قتل کرنے بدلے میں نہ ہو نہ زمین پر کسی مجرمانہ شورش مثلاً رہزنی ،ارتداد اور شادی شدہ کے زنا میں مبتلا ہونے کی سزا میں نہ ہوتو ایسا قتل ناحق گویا پوری انسانیت کا قتل ہے۔اور اگر کوئی انسان کسی بے گناہ کو موت کے چنگل سے بچالے تو یہ پوری انسانیت کو زندہ رکھنے کے مترادف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِکَ کَتَبۡنَا عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَنَّہٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَیۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِی الۡاَرۡضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیۡعًا ؕ وَ مَنۡ اَحۡیَاہَا فَکَاَنَّمَاۤ اَحۡیَا النَّاسَ جَمِیۡعًا ؕ﴿پ ۶ مائدہ/ ۳۲﴾** "اسی لیے ہم نے آل یعقوب پر لکھ دیا کہ جس نے کسی جان کو قتل کیا نہ جان

کے بدلے نہ زمین پر کسی مجرمانہ شورش کی سزا میں تو گویا اس نے قتل کر ڈالا سب لوگوں کو اور جس نے مرنے سے بچا یا ایک جان کو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا"۔(ترجمۂ محدث اعظم)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمداً ایک بے گناہ انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل اور ایک انسان کو مرنے سے بچانے لینا گویا پوری انسانیت کو زندہ رکھنے کے برابر کیوں کر ہے؟

پہلے سوال کا جواب دیتے ہوئے شیخ الاسلام مدنی میاں فرماتے ہیں:"اس لیے کہ ایک بے قصور انسان کا عمداً قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے جتنا تمام انسانوں کو قتل کر دینا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کو عمداً قتل کرنے کی سزا جہنم مقرر کی ہے،اس پر اپنا غضب نازل کیا،لعنت کی اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار کیا اور اگر کوئی شخص تمام انسانوں کو قتل کر دیتا تب بھی اس کی یہی سزا ہوتی۔نیز اگر تمام انسان کسی ایک بے قصور انسان کے قتل میں عمداً شریک ہوں تو ان سب کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا"۔

دوسرے سوال کا جواب حضرت موصوف مندرجہ ذیل مثالوں کے ذریعہ دیتے ہیں:"مثلاً کوئی شخص آگ میں جل رہا تھا،دریا میں ڈوب رہا تھا،یا بھوک سے مر رہا تھا،یا سردی میں ٹھٹھر کر مرنے والا تھا اور اگر کسی نے اس کو اس مصیبت سے نکال کر اس کی جان بچائی تو اللہ کے نزدیک اس کی یہ نیکی اتنی عظیم ہے جیسے کسی شخص نے تمام انسانوں کو موت کے چنگل سے آزاد کرا لیا ہو"۔(تفسیر اشرفی دوم/ص ۳۶۶)

اسلام کی معدلت گستری

اسلام اپنے ماننے والوں کو صرف اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ ہی عدل وانصاف کرنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ ان غیر مسلم دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے جنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کا بھی ارتکاب کیا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ: **وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى** [پ ٦ مائدہ ۵ /٨] (اے ایمان والو)"اور کبھی نہ ابھارے کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر کہ انصاف چھوڑ دو۔تم انصاف کرو وہ تقویٰ سے بہت نزدیک ہے"۔

حضرت مدنی میاں مدظلہ العالی مسلمانوں کو اس آیت کریمہ میں غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے ایک مسلمان کے ساتھ عدل کرنے کی اہمیت وضرورت کو اس طرح اجاگر فرماتے ہیں:"اس آیت میں غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم دیا ہے حالاں کہ وہ

اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور جب اللہ کے دشمنوں کے ساتھ عدل کرنا واجب ہے تو اللہ کے دوستوں کے ساتھ عدل کرنا کس قدر زیادہ مطلوب ہوگا“۔(تفسیر اشرفی دوم/ص ۳۳۹)

سماج دشمن عناصر کو عبرتناک سزا

اسلام ،اللہ ورسول کے احکام کی نا فرمانی کرنے اور زمین میں فساد برپا کرنے والے رہزنوں اور ڈاکوؤں کوخواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ان کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سخت سزا تجویز کرتا ہے چناں چہ وہ کہتا ہے کہ اگر ایسے لوگ کسی کو قتل کردیں مگر مال نہ لیں تو ان کو قتل کردیا جائے، قتل بھی کریں اور مال بھی لے لیں تو انھیں تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے، مال لے لیں مگر قتل نہ کریں تو ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری جانب کے پاؤں کاٹ دیے جائیں اور اگر لوٹ مار تو نہ کریں مگر لوگوں کو ڈرائیں دھمکائیں تو انھیں ان کی زمین سے نکال دیا جائے بلکہ اس صورت میں بہتر یہ ہوگا کہ انھیں قید خانے میں ڈال دیا جائے تا کہ دوسری جگہ کے مسلمان بھی ان کی شرانگیزیوں سے محفوظ رہیں۔

ارشادخداوندی ہے:اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِینَ یُحَارِبُونَ اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَن یُّقَتَّلُوا اَوْ یُصَلَّبُوا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیھِمْ وَ اَرْجُلُھُم مِّنْ خِلٰفٍ اَوْ یُنفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیمٌ ﴿پ ٦/مائدہ۵/ ۳۳” ان کا بدلہ جو جنگ کریں اللہ اور اس کے رسول سے اور کرتے پھریں زمین میں جھگڑے، یہ ہے کہ ایک ایک کر کے مار ڈالے جائیں یا پھانسی پر لٹکا دیے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ تراش لیے جائیں تو دوسری جانب کے پاؤں یا اپنی زمین سے نکال دیے جائیں۔ یہ تو ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے“۔(ترجمۂ محدث اعظم)(ماخوذ از تفسیر اشرفی دوم/ص ۳٦۷)

ایٹمی طاقت اور جدید علوم وفنون

قرآنی تعلیم کی رو سے دشمنان اسلام سے مقابلہ وجہاد کے لیے سائنس اور ٹکنالوجی میں مہارت حاصل کرنا اور اپنی بقا کے لیے ایٹمی طاقت بننا ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا خُذُوا حِذْرَکُمْ ﴿پ۵/نساء ۷۱/ ۴” اے وہ جو ایمان لاچکے اپنا بچاؤ بنالو“۔

اس آیت کریمہ میں کلمۂ حذر آیا ہے جس کے معنی ہیں: سامان جنگ، آلات

حرب، اسلحے۔اور یہ لفظ مطلق ہے اس لیے ہر قسم اور ہر دور کے آلات جنگ پر اس کا اطلاق ہوگا۔
تفسیر بغوی میں ہے: خذوا حذرکم ای عدتکم وآلتکم من السلاح۔ (ج ا ص ۶۶۱)
اس فرمان کے تعلق سے حضرت مدنی میاں صاحب مدظلہ لکھتے ہیں: اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ کفار سے دفاع اور اپنی حفاظت کے لیے اسلحے اور ہتھیار استعمال کریں اور دشمن جس طرح کے ہتھیار استعمال کر رہا ہے ویسے ہی ہتھیار استعمال کریں۔اب دنیا میں اپنی بقا کے لیے ایٹمی طاقت بننا ضروری ہے اور دشمنان اسلام سے مقابلہ وجہاد کے لیے سائنس اور ٹکنالوجی میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔ (تفسیر اشرفی دوم/ص ۲۱۱)

اسلام کسی غیر مسلم کو بے وجہ گرفتار کرنے یا قتل کرنے کا مخالف ہے

اسلام ایک مسلمان حکمراں کو ہدایت دیتا ہے کہ اگر وہ کسی غیر مسلم حکمراں سے یہ معاہدہ کرے کہ جو شخص اس غیر مسلم حکمراں کی پناہ میں آ جائے وہ خود اس مسلم حکمراں کے جوار و پناہ میں آ گیا تو ایسا شخص اسلامی حکومت کی طرف سے قید و بند اور قتل کیے جانے سے مستثنیٰ ہوگا۔اسی طرح وہ شخص بھی مستثنیٰ ہوگا جو اسلامی حکومت میں مسلمانوں یا اپنے ہم قوموں سے جنگ بندی کا اس طرح معاہدہ کر لینے کے بعد آئے کہ نہ وہ اپنی قوم کی مدد کے لیے مسلمانوں سے برسر پیکار ہوگا اور نہ مسلمانوں کی مدد کے لیے اپنے ہم قوموں سے جنگ کرے گا بلکہ وہ بالکل غیر جانب دار رہے گا اور اسلامی حدود سلطنت میں داخل ہونے والا وہ شخص بھی محفوظ رہے گا جو مسلمانوں کے خوف اور ان کی ہیبت کی وجہ سے ان سے جنگ نہ کرنا چاہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِلَّا الَّذِینَ یَصِلُونَ اِلٰی قَوْمٍ بَینَکُمْ وَبَینَھُم مِّیثٰقٌ اَوْ جَآءُوکُمْ حَصِرَتْ صُدُورُھُمْ اَن یُّقٰتِلُوکُمْ اَوْ یُقٰتِلُوا قَوْمَھُمْ [نساء ۴/۹۰] "مگر (ان غیر مسلموں کو گرفتار اور قتل نہ کرو) جو لگے ہیں ایسی قوم سے کہ تمھارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہے یا آئے تمھارے پاس کہ سینہ تنگ ہو چکا کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں"۔
اسلام کا یہ زریں فرمان قرآن کی دونوں دفتیوں کے درمیان صرف ایک قول کی حیثیت سے محفوظ نہ رہا بلکہ خود رحمت عالم و عالمیاں ﷺ نے اسے اپنی حیات طیبہ میں ہی عملی جامہ بھی پہنا دیا چناں چہ قبیلۂ بنی خزاعہ یا بنی بکر یا بنی اسلم کے ساتھ چوں کہ حضور کا یہ معاہدہ تھا کہ جو ان کی پناہ میں آ جائے وہ رسول کی پناہ میں آ گیا اس لیے اس شخص کی جان کی بھی حفاظت کی گئی جو ان کی پناہ میں آ گیا۔اسی طرح بنی مدلج کی جان و مال اور عزت و آبرو کی بھی حفاظت کی گئی جنھوں نے بالکل غیر

جانب دارانہ رویہ اختیار کیا تھا۔

نابالغ بچوں، بیٹیوں اور بہنوں کو ان کے حقوق عطا کرنا

عربوں میں قدیم زمانے سے یہ رواج چلا آ رہا تھا کہ وہ وراثت کا حق دار صرف اسی شخص کو سمجھتے تھے جو جنگ میں شریک ہو کر مال غنیمت حاصل کرے اسی لیے وہ عورتوں اور بچوں کو وراثت کا حق دار نہیں سمجھتے تھے مگر اسلام نے مرنے والے کی لڑکی اور اس کی بہن کو بھی وراثت کا حصہ دلوایا۔

اسی طرح ان کے درمیان یہ رواج بھی تھا کہ اگر میت کی لڑکی حسین وخوبصورت ہوتی تو اس کا سرپرست اس سے نکاح کر لیتا اور اگر خوبصورت نہ ہوتی تو اس سے نہ وہ خود نکاح کرتا اور نہ اِس خوف سے دوسرے سے نکاح کرنے کی اجازت دیتا کہ وہ اس کے مال کا واث نہ بن جائے بلکہ بعض روایت کے مطابق اس لڑکی کو پوری زندگی مجرد رہنے پر مجبور کر دیتا (تفسیر اشرفی) جیسے حضرت جابر کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے چچا کی وفات کے بعد اپنی چچازاد بہن کے سرپرست بنے۔ اس نے اپنے باپ کی وراثت سے کافی مال پایا تھا۔ یہ اس کے بدصورت ہونے کی وجہ سے اسے اپنے حبالۂ عقد میں لانے سے گریزاں تھے اور اس کی شادی کسی دوسرے مرد سے محض اس خوف سے نہیں کر رہے تھے کہ سارا مال اس کا شوہر لے لے گا اس لیے انھوں نے حضور ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی: **وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْهِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا کُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدٰنِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِهٖ عَلِیْمًا** [جلالین، پ۵/نساء۴/ ۱۲۷]

”اور دریافت کرتے ہیں تم سے عورتوں کے بارے میں کہہ دو کہ اللہ خود بتاتا ہے تم کو ان کے بارے میں اور جو تلاوت کیا جاتا ہے تم پر قرآن میں یتیم لڑکیوں کے بارے میں جن کو نہیں دیتے تم جو مقرر کیا گیا ہے ان کا حق اور بے رغبتی کرتے ہو کہ ان سے نکاح کر لو اور کمزور بچوں کے بارے میں یہ کہ قائم رہو یتیموں کے لیے انصاف پر اور جو کرتے رہو بھلائی تو بے شک اللہ اس کا علم رکھتا ہے“۔ (ترجمۂ محدث اعظم)

حضرت شیخ الاسلام اس حکم قرآنی کا خلاصہ یوں رقم فرماتے ہیں: ”الغرض ان کے مہر اور میراث کے تعلق سے عدل اور درستی والا طرز عمل اختیار کرو بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک

کرنے میں کچھ زیادہ ہی نیکی اور بھلائی کا مظاہرہ کرو"۔(تفسیر اشرفی دوم/ص ۲۷۲)

شوہروں کی حاکمیت کا مطلب

قرآن میں شوہر کو اس کی بیوی کا حکمراں قرار دیا گیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:اَلرِّجَالُ قَوّٰمُونَ عَلَی النِّسَآءِ(پ۵/نساء۴/۳۴)"مردلوگ حکمراں ہیں عورتوں پر"۔

چوں کہ موجودہ دور میں حکمراں کالفظ زبان پر آتے ہی ایک سخت دل اور ظالم وجابر انسان کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے اس لیے اعدائے اسلام اور مغربیت زدہ ذہن وفکر کے لوگ اس کو سن کر صید وحشی کی طرح بدکتے ہیں اور اسلام پر الزام عائد کرتے ہیں کہ اس کے نزدیک عورت مظلوم اور شوہر کی باندی ہونے کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتی مگر انھیں خبر نہیں کہ اسلام کا اصول حاکمیت سرتاسر خیر،رحمت اور برکت سے عبارت ہے نہ کہ بدسلوکی اور ظلم وجارحیت سے۔

حضرت شیخ الاسلام اسی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"مرد لوگ حکمراں ہیں عورتوں پر یعنی عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں۔ان کی ضروریات کو پوری کرنے والے ہیں اور ان کا خرچ برداشت کرنے والے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی عصمت وپاکیزگی کے محافظ ہیں"۔(تفسیر اشرفی دوم/ص ۱۷۵)

معلوم ہوا کہ اسلام میں حکمراں کا مطلب ہے:عورتوں کی عزت وعصمت کا محافظ،ان کے نان ونفقہ اور مکمل کفالت ونگرانی کا ذمہ دار نہ کہ کوئی ستم شعار حاکم وقت۔

بیویوں کو مارنا

بعض ناگزیر حالات میں اسلام شوہر کو اپنی بیوی کو ہلکی مار مارنے کی اجازت دیتا ہے۔دشمنان اسلام اس کی بھی نوعیت اور مقصد سمجھے بغیر محض اسلام دشمنی میں اس کی تشہیر اس طرح کرتے ہیں جیسے عورت پر ظلم وستم کا پہاڑ توڑ ڈالا گیا ہو۔

آیئے دیکھیں کہ اسلام کس ناگزیر حالت میں کس نوعیت کے ضرب کی صرف رخصت دیتا ہے اسے واجب یا فرض قرار نہیں دیتا۔

۱-جس عورت کے طرز عمل،طور طریقے اور باغیانہ اطوار سے نافرمانی وسرکشی کا خوف ہو مگر ابھی اس کا ظہور نہ ہوا ہو تو شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اس کو ایسے الفاظ سے سمجھائے جن سے اس کا دل نرم ہو جائے یا اسے تعلیم کرے اور آگاہ کرے کہ تمھارے اوپر شوہر کے بڑے حقوق ہیں۔اس کی نافرمانی دنیا وآخرت میں خسران ووبال کے سوا کچھ نہیں۔اب اگر عورت شریف طینت

ہےتو اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔اس میں شوہر کو تعلیم ہے کہ فوراً غصہ میں آ کر کوئی کارروائی نہ کرے۔ ۲-اگر اب بھی وہ اصلاح پذیر نہ ہو اور نافرمانی کا ظہور بھی ہو جائے تو کچھ عرصہ کے لیے اس سے بات چیت ترک کر دے، اس کی خواب گاہ میں اس کو تنہا رہنے دے۔ ۳-اگر وہ اتنی سرکش اور اُجڈ ہے کہ یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو اب علاج یہ ہے کہ اسے تادیباً ہلکی مار، مارے۔ یہ مار ایسی ہو کہ اس سے اس کی جلد پر نشان نہ بنے، نہ اس کی ہڈی ٹوٹے، نہ اس کا کوئی عضو بے کار ہو۔

حضرت شیخ الاسلام اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ اسلام کا تدریجی تربیتی نظام ہے اس کا مقصد بنیادی طور پر کسی کو اذیت پہنچانا نہیں ہے بلکہ ایک سرکش کے اصلاح حال کے لیے اور اس کو ادب وتہذیب کے دائرے میں لانے کے لیے اپنی حاکمانہ اور مربیانہ ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے"۔(تفسیر اشرفی دوم/ص ۱۷۶)

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں: "المختصر عورتوں کو بعض حالات میں تادیباً ہلکی ضرب لگانا، صرف ان کے اصلاح حال کے لیے اور ایک پورے گھریلو نظام کو چین وسکون سے بدلنے کے لیے ہے اسی لیے اس کو کسی نہج سے بھی برا نہیں کہا جا سکتا"۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مذکورہ بالا حالت میں بھی عورتوں کی ہلکی مار، مارنے کی صرف رخصت ہے اور مرد پر یہ واجب ولازم نہیں کہ وہ ایسا ہی کرے۔ بلکہ بیوی کی اذیتوں کو برداشت کرنا اور ان پر صبر کرنا مارنے سے افضل ہے۔الّا یہ کہ کوئی ناقابل برداشت معاملہ ہو۔

پھر جن ممالک میں استاذ کا شاگرد کو اور باپ کا بیٹے کو مارنا قانوناً جرم قرار دے دیا گیا ہے ان کے اخلاقی حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں: "آج کل جن جن ملکوں میں استاد کا شاگردوں کو مارنا یا باپ کا بیٹوں کو مارنا معیوب سمجھا جارہا ہے اور مارنے سے انھیں قانوناً روک دیا گیا ہے ان ملکوں کے ادب وتہذیب کا شیرازہ ہی بکھر گیا ہے، نہ شاگرد، استاد کا پاس ولحاظ کر رہا ہے اور نہ ہی بیٹا، باپ کا۔ ادب وتہذیب کے ایک مؤثر ذریعے پر غیر معقول پابندی لگا کر انسانیت ہی کا جنازہ نکال دینے کی راہ ہموار کر دی گئی ہے۔ذرا بھی عقل ہو تو یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے جو طریقہ اپنایا جاتا ہے وہ برا نہیں ہوتا۔اس کو برا سمجھنا فہم ودانش سے تہی دامن ہونے کی نشانی ہے"۔(تفسیر اشرفی دوم/ص ۱۷۶)

شراب کی حرمت میں تدریج کی حکمت

اسلام میں شراب کو حرام قطعی قرار دیا گیا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اسے یک بارگی حرام نہیں فرمایا بلکہ ایک دور میں شراب سازی اور شراب نوشی دونوں حلال تھیں۔ ارشاد ہوا: وَمِن ثَمَرٰتِ النَّخِیلِ وَالاَعْنٰبِ تَتَّخِذُونَ مِنۡهُ سَکَرًا وَّرِزۡقًا حَسَنًا ﴿نحل/۶۷﴾ "اور میوہ سے کھجوروں کے اور انگوروں کے، لیتے ہو تم اس سے نشہ کرنے والی چیزیں اور اچھا رزق"۔

پھر کہا گیا کہ: شراب اور جوے میں بڑا گناہ ہے اگر چہ ان سے کچھ منفعتیں بھی حاصل ہوجاتی ہیں۔ ارشاد ہوا: قُلۡ فِیهِمَا اِثۡمٌ کَبِیرٌ وَّ مَنٰفِعُ لِلنَّاسِ (بقرہ ۲/ ۲۱۹) "اے محبوب! فرمادو کہ شراب و جوے میں گناہ بڑا ہے اور کچھ منفعتیں ہیں لوگوں کے واسطے"۔

یہ سن کر کچھ لوگوں نے یہ خیال کر کے شراب نوشی ترک کردی کہ اس میں بڑا گناہ ہے اور بعض لوگ منفعتوں کے لحاظ سے شراب پیتے رہے۔

پہلے نشہ کی حالت میں بھی نماز پڑھنے کی اجازت تھی ۔ پھر روک دیا گیا۔ ارشاد ہوا: یٰاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَاتَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُکٰرٰی (پ۵/نساء ۴/ ۴۳) "نہ قریب جاؤ نماز کے اس حال میں کہ تم نشے میں ہو"

پھر آیت تحریم نازل ہوئی اور فرمایا گیا: یٰاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَ الۡمَیسِرُ وَ الۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلٰمُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیطٰنِ فَاجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُونَ ﴿مائدہ ۹۰/۵﴾ "اے ایمان والو! شراب اور جُوا اور بُت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ"۔

اس تدریج کی حکمت بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام لکھتے ہیں: "اللہ قادر مطلق، مختار حقیقی، عالم الغیب والشہادہ، اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنے بندوں کو کسی دشواری میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا بلکہ بندوں کے لیے آسانی پسند فرماتا ہے اسی لیے بہت سارے ایسے امور جن کو وہ حرام فرمانا چاہتا ہے یک بارگی حرام نہیں فرماتا ہے بلکہ بتدریج مرحلہ وار بندوں کی ذہن سازی فرماتے ہوئے ایسے وقت میں اس کی حرمت کا اعلان فرماتا ہے جو اس اعلان کا مناسب ترین وقت ہوتا ہے ایسا کہ اس پر عمل کرنا بندوں کے لیے دشوار نہیں رہ جاتا چناں چہ اعلان سنتے ہی بندے بلا کسی دشواری و دقت کے اس پر عمل کرنے لیے مستعد اور تیار ہوجاتے ہیں "۔ (تفسیر اشرفی سوم/ص ۲۰)

اسلام ہی نے غلامی کے رواج کو ختم کرنے کے اقدامات کیے

اگر آج پوری دنیا آزادی کی دولت سے بہرہ ور ہے تو اس میں اسلام کا کردار سب سے اہم اور بنیادی حیثیت کا حامل ہے کیوں کہ جس زمانے میں غلامی کا عام رواج تھا اور اسے انسانی معاشرہ کا ایک جز و لاینفک تسلیم کیا جاتا تھا اس وقت اسلام نے اس رواج کو ختم کرنے کے مؤثر اور پائیدار اقدامات کیے۔ حضرت مدنی میاں صاحب اس تعلق سے تحریر فرماتے ہیں:

”اسلام نے غلامی کے رواج کو ختم کرنے کے لیے بہت سارے اقدامات کیے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے بہت بشارتیں دی ہیں۔ انھیں اقدامات میں سے لونڈیوں کی آزادی کے لیے ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کا مالک ان سے مباشرت کرے جس کے نتیجہ میں وہ صاحب اولاد ہو کر ام ولد ہو جائے۔ یہ اولاد مالک کی حقیقی اولاد اور اس کی وارث ہوتی ہے اور اس مالک کے انتقال کے بعد وہ باندی آزاد ہو جاتی ہے“۔

پھر آج کی دنیا میں انسانی آزادی او ر انسانی حقوق کے تحفظ کے بلند بانگ دعوے اور شور آگیں نعرے لگانے والوں کی طرف سے جنگی قیدیوں پر روا رکھے جانے والے غیر انسانی مظالم اور اسلام کے رحم دلانہ اور منصفانہ طرز عمل کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”یہ اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ روس، جرمنی اور یورپی ممالک (بشمول امریکہ) میں جو وحشیانہ مظالم کیے جاتے رہے (اور کیے جارہے ہیں) ان سے جو جبری مشقتیں لی جاتی رہیں، اس کے مقابلے میں اسلام نے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کی ہدایت دی ہے اور ان کو آزاد کرنے میں جو اجر وثواب کی بشارتیں دی ہیں نیز ان کو آزاد کر دینے کو بہت سارے گناہوں کا کفارہ قرار دیا ہے، ان ہی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا سے لونڈی اور غلاموں کا چلن ختم ہو گیا۔ اسلام کا یہ حکیمانہ انداز تھا کہ اولاً: دستور زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے غلام اور باندی بنانے کا رواج باقی رکھا اور پھر اس طرح ان کو اپنے قریب رکھ کر اسلام کے انوار و برکات کا مشاہدہ کرنے کا موقع فراہم فرمایا جس کے نتیجہ میں وہ اسلام کی دولت سے مشرف ہوتے گئے اور ان کے بعض کو یہ اعزاز ملا کہ قریش کے فاروق اعظم نے انھیں اپنا سردار فرمادیا اور انھیں میں سے بعض کو خود رسول کریم ﷺ کا اہل بیت ہونے کا شرف حاصل ہو گیا“۔ (تفسیر اشرفی ج ۲/ ۱۶۱)

وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالیٰ

علیٰ خیر خلقہ وصحبہ وامتہ اجمعین۔

باسمہ تعالی والصلوۃ والسلام علی رسولہ الاعلی

عصر حاضر کی شاہ کار تفسیر۔: تفسیر اشرفی

——— پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر، صدر شعبۂ اردو و فارسی، گلبرگہ یونیورسٹی، گلبرگہ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسولہ المختار الکریم : امابعد!

تفسیر کا لغوی معنی کشف اور ظاہر کرنا ہے اور اصطلاحی معنی ہے واضح لفظوں کے ساتھ آیت کے معنی کو بیان کرنا، اس سے مسائل مستنبط کرنا، اس کے متعلق احادیث وآثار بیان کرنا اور اس کا شانِ نزول بیان کرنا.(کتاب التعریفات ص ۳۸ از علامہ میر سید شریف)

تفسیر اور تاویل کا فرق : جس لفظ کا صرف ایک معنی ہو اس کو بیان کرنا تفسیر ہے اور جس لفظ کے کئی معانی ہوں تو دلیل شرعی سے کسی ایک معنی کو بیان کرنا تاویل ہے امام ماتریدی نے کہا ہے کہ قطعیت سے بیان کرنا کہ اس لفظ کا یہ معنی ہے اور اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالی نے اس لفظ کے یہ معنی مراد لیا ہے' لہذا اگر کسی دلیل قطعی کی بنا پر یہ شہادت دی گئی ہے تو یہ تفسیر صحیح ہے ورنہ بالرائے ہوگی اور یہ منع ہے اور لفظ کے کئی محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو بغیر قطعیت اور شہادت کے متعین کرنا تاویل ہے۔(مقدمہ تبیان القرآن ص ۱۲۴ از علامہ غلام رسول سعیدی)

قرآنِ حکیم کی تفسیر اور اس کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی تفسیر نہیں جانتا تو وہ نہایت سرعت کے ساتھ اشعار پڑھنے والے کی طرح ہے۔

قرآن حکیم کی تفسیر کے لئے ضروری علوم سے متعلق علامہ آلوسی لکھتے ہیں : (۱) قرآن مجید کی تفسیر میں علم لغت کی ضرورت ہے کیونکہ علم لغت کا ذریعے مفردات قرآن کے وضعی معنی معلوم ہوتے ہیں۔ (۲) صرف ونحو کے قواعد کا علم ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعے قرآن مجید کی حرکات اور اعراب کا علم ہوتا ہے اور یہ پتا چلتا ہے کہ فلاں اعراب وحرکت کے لحاظ سے قرآن مجید کا کیا معنی ہیں۔معانی بیان اور بدیع (فصاحت وبلاغت) کے علم کی ضرورت ہے کیونکہ اس

کے ذریعے مقتضائے حال کے اعتبار سے معانی حقیقت، مجاز اور کنایات کے مختلف پیرایوں کے اعتبار سے قرآن کے معانی اور تحسین کلام کا علم ہوتا ہے۔ (۴) علم حدیث کی ضرورت ہے اس سے اسباب نزول کا علم ہوتا ہے۔ (۵) علم اصول فقہ کی ضرورت ہے اس سے قرآن مجید کے عام، خاص، مطلق، مقید اور امر و نہی کی دلالت کا علم ہوتا ہے۔ (۶) علم کلام کی ضرورت ہے تا کہ معلوم ہو کہ اللہ تعالی کے لئے کیا چیز جائز ہے اور کیا محال ہے اور نبی کی صفات اور اس کے مقام کا علم ہو۔ (۷) علم قرأت کی ضرورت ہے۔ تا کہ بعض قراءات پر راجح ہونے کی وجہ معلوم ہو سکے۔ (روح المعانی ج : اول، ص:۶)

مفسرین کے مختلف طبقات میں ایک ایک فن پر تفسیریں لکھی گئیں جن میں چند تفاسیر قابل ذکر ہیں : (۱) قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معتزلی عقائد کے حامل علامہ جار اللہ زمخشری کی تفسیر" تفسیر کشاف "ہے۔ جو دینی وعصری جامعات میں شریک نصاب بھی ہے۔(۲) لغوی معنی کے اعتبار سے امام راغب اصفہانی کی 'المفردات' اور ابوزکریا یحییٰ بن زیاد کی 'معانی القرآن' ہے (۳) صرفی ونحوی مباحث کے موضوع پر علامہ زجاج نے تفسیر 'معانی القرآن' لکھی جبکہ علامہ واحدی نیشاپوری کی 'البسیط' کے نام سے تفسیر ہے۔ نحو کے علاوہ دیگر علوم اور مباحث میں علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی کی 'البحر المحیط' نہایت عمدہ تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ (۴) فقہی مسائل کے استنباط اور تحقیق کی طرف توجہ دیتے ہوئے علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی نے 'احکام القرآن' تحریر کی اور علامہ قرطبی نے اس موضوع پر ۲۰ جلدوں میں جامع تفسیر لکھی علامہ احمد جیون حنفی نے احکام سے متعلق آیات کی ایک جلد میں مختصر تفسیر لکھی جو التفسیرات الاحمدیہ' کے نام سے دستیاب ہے۔ (۵) بعض مفسرین نے عقائد کے مباحث کے علاوہ اپنے زمانے کے گمراہ فرقوں کا رد کیا۔ ان میں امام فخر الدین رازی کی 'تفسیر کبیر' مشہور ترین تفسیر ہے. اس میں معتزلہ، جبریہ، قدریہ اور رافضیہ کا بہت رد کیا گیا ہے۔ اور آیاتِ قُرآنیہ سے بہت نفیس اور عمدہ نکات کا استنباط کیا ہے فقہ شافعی کو ترجیح دی گئی ہے۔ آیات کا شان نزول بیان کیا گیا ہے۔ اور احادیث بھی ذکر کئے گئے ہیں امام رازی سے پہلے ایسی جامع تفسیر کسی نے نہیں لکھی۔(۶) وعظ و نصیحت، ادب، اخلاق اور تصوف سے متعلق مباحث میں تفسیر روح البیان علامہ اسماعیل حقی کی تفسیر ہے۔ حقائقِ اشیاء، طریقت و معرفت کے رموز میں ابن عربی کی تفسیر 'عرائس البیان ہے۔ (۷) متاخرین میں علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ کی تفسیر 'روح

المعانی' بہت عمدہ اور جامع تفسیر ہے علامہ طنطاوی جوہری نے قرآن حکیم کی سائنسی تفسیر 'الجواہر فی تفسیر القرآن لکھی۔(۸) اردو تفاسیر میں مفتی احمد یار خان نعیمی اشرفی کی 'تفسیر نعیمی' بہت مبسوط تفسیر ہے(۹) پیر محمد کرم شاہ از ہری کی ضیاء القرآن ۵ جلدوں میں تفسیر کی عبارت اردو ادب کا بہترین شاہکار ہے اس میں مسلک صوفیہ کو ترجیح دی گئی ہے۔ (۱۰) علامہ غلام رسول سعیدی نے ۱۲ جلدوں میں تبیان القرآن' کے نام سے تفسیر لکھی جو اہل سنت و جماعت کی نمائندگی کرتی ہے۔ (۱۱) سید ابو الاعلی مودودی کی ''تفہیم القرآن'' (چھ جلدوں میں) وہابی عقائد کی ترجمان ہے (۱۲) مفتی محمد شفیع کی 'معارف القرآن' (۸ جلدوں میں) دیوبندیت کی علم بردار ہے۔ (۱۳) شیخ امین اصلاحی کی 'تدبر قرآن (۹ جلدوں میں) احمد فراہی کی فکر کے تابع ہے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں قرآن حکیم کا فارسی زبان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فتح الرحمٰن کے نام سے ترجمہ کیا ان کے فرزند شاہ عبدالقادر نے اردو میں اس کا ترجمہ ''موضح القرآن'' کے نام سے کیا ہے۔ دوسرے فرزند شاہ محمد رفیع الدین نے اردو میں ہی قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد پھر کچھ دوسرے ایسے تراجم سامنے آئے جو خدا اور رسول کے آداب کو ملحوظ خاطر نہیں رکھ سکے۔ طرفہ یہ کہ انہی دشمنان تقدس رسالت نے ولی اللٰھی خانوادوں کے ترجموں میں حسب منشا تحریف کی جس کے ذریعے انبیاء و اولیاء کی شان میں گستاخی ثابت ہوئی، اسطرح فہم قرآن کے ایک نئے مکتب فکر کی بنیاد رکھی گئی۔

ایسے دَورِ پُر آشوب میں قرآن حکیم کے صحیح اور منشائے الٰہی کی تکمیل جس ترجمہ سے ہو سکتی ہو وہ ترجمہ کیا جائے امام احمد رضا نے کنز الایمان کے نام سے قرآن حکیم کا با محاورہ ترجمہ کیا جسے اہل علم نے خوب سراہا۔ لیکن ربع صدی کے بعد مزید آسان اور عام فہم انداز کے ترجمہ کی ضرورت تھی۔ حضرت شیخ الاسلام سید شاہ محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ النورانی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

> اس ضرورت کو محدثِ اعظم ہند نے شدت کے ساتھ محسوس کیا اور اپنی تبلیغی مصروفیتوں کے باوجود قرآنِ مجید کے ترجمہ و تفسیر کا قصد فرمایا۔ ۶/ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ پورے قرآن پاک کا ترجمہ ختم فرما کر تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے۔

(محدثِ اعظمِ ہند اور تفسیر و ترجمہ قرآن مضمون مشمولہ ماہنامہ جامِ نور دہلی۔ ص ۱۵۲ اپریل ۲۰۱۱ء)

حضرت شیخ الاسلام آگے لکھتے ہیں :

حضرت محدثِ اعظم کے اس ترجمہ سے پہلے امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کا مبارک ترجمہ '' کنزالایمان '' ہمارے سامنے آچکا تھا جس نے قرآن فہمی کے سارے باطل اسکولوں کی دھجیاں اُڑا دی ہیں۔ اور ملت اسلامیہ پر ابر رحمت بن کر سایہ گستر رہا۔ لیکن ہمارے اس مجدد کی جملہ تصانیف کی طرح یہ ترجمہ بھی علماء کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا۔ (ایضاً ص:۱۵۴)

تفسیر کے بارے میں رقم طراز ہیں :

'' تفسیر صرف ۳ پارے اور چند رکوع ہی کی ہو سکی تھی کہ حضرت ہم غم نصیبوں کو داغِ مفارقت دے کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ گھر میں تلاش کرنے کے بعد صرف ایک پارے کی تفسیر مل سکی۔ بقیہ دو پارے کی تفسیر خدا ہی بہتر جانتا ہے کس کے ہاتھ لگی۔'' (ایضاً)

علم تفسیر میں محدثِ اعظم ہند کی صلاحیت و قابلیت سے متعلق حضرت علامہ مدنی میاں کچھ اس طرح اظہارِ خیال فرماتے ہیں :

'' لیکن اسی ایک پارے کی تفسیر سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں کہ حضرت اپنے اندر علم تفسیر میں ایک قوتِ راسخہ رکھتے تھے اور آپ کو علم تفسیر کے تمام فروعات پر پورا ملکہ حاصل تھا۔ سلاستِ بیان کا تو کیا پوچھنا زبان کے تو بادشاہ تھے ہی اندزِ بیان کچھ ایسا ہے کہ تفسیر پڑھنے والے پر ایک محویت طاری ہو جاتی ہے۔'' (ایضاً)

امام احمد رضا نے حضرت محدثِ اعظمِ ہند کے ترجمہ قرآن بنام ''معارف القرآن'' کی ابتدائی چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا اور کہا تھا کہ :

'' شہزادے ! آپ اُردو میں قرآن لکھ رہے ہو اگر وہ اس تفسیر (اشرفی) کو دیکھتے تو بلا شبہ کہتے کہ ''شہزادے آپ اُردو میں جلالین لکھ رہے ہو۔'' (شیخ الاسلام آبروئے علم وفن۔ مضمون از : مولانا سید سیف الدین اصدق مشمولہ ماہنامہ جامِ نور دہلی شمارہ اپریل ۲۰۱۱ء)

حضرت شیخ الاسلام علامہ سید شاہ محمد مدنی اشرفی جیلانی نے اپنے والدِ بزرگوار حضرت محدثِ اعظمِ ہند کے اس ترجمہ وتفسیر کے مطمحِ نظر کو اُجاگر کرتے ہوئے لکھا ہے :

''تفسیر و ترجمہ دونوں کا مطمحِ نظر ایک ہی تھا کہ خواندہ، ناخواندہ ہر شخص اس سے بحسن و خوبی فائدہ حاصل کر رو سکے۔ اسی لئے ترجمہ میں حتی الامکان عربی اور فارسی سے اجتناب کیا ہے اور آسان سے آسان ترین لفظ کو اپنایا ہے۔ مثلاً :

یتربصن بانفسهن ثلٰثة قُروء ، میں حضرت نے قروء کا ترجمہ حیض کی بجائے ''ماہواری ''فرمایا ہے۔ ایسے ہی **انا ارسلنک شاهداً** میں شاہد کا ترجمہ بجائے'' حاضر و ناظر'' کے'' چشم دید گواہ'' اختیار فرمایا ہے۔''

(محدث اعظم ہند اور تفسیر وترجمہ قرآن، مضمون مشمولہ ماہ نامہ جامِ نور ص۱۵۲ شمارہ اپریل ۲۰۱۱ء)

سورۂ فاتحہ میں و اياك نستعين کے ترجمہ وتفسیر میں محدث اعظم ہند لکھتے ہیں :

''یا اللہ ہمارا بھروسہ تجھ ہی پر ہے (اور تیری ہی مدد چاہیں) یہ ہمارا توکل ہے جو تو نے اپنے کرم سے عطا فرمایا ہر مدد کرنے والے ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہمیں صاف نظر آتا ہے۔ اولیاء، انبیاء نے جو کچھ مدد فرمائی ہے اور فرما رہے ہیں اور فرماتے رہیں گے، لیکن ہم نے ہر مدد میں تیری ہی مدد دیکھی۔ جس سے مدد مانگی تیرا سمجھ کر، تیری مدد کا مظہر جان کر۔ جو اس کے خلاف ہے تجھ پر توکل نہیں رکھتا۔ (سید التفاسیر معروف بہ تفسیر اشرفی جلد اول ص:٦٦)

محدثِ اعظم ہند کے ترجمہ وتفسیر کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے جانشینِ محدثِ اعظم ہند رقم طراز ہیں:

''ہر پچھلا جملہ آنے والے جملے کا اتنا منتظر بنا دیتا ہے کہ اس کو پڑھے بغیر (قاری کو) تسکین ہی نہیں ہوتی (حضرت نے) قرآن کے لفظی ترجموں کو تفسیر کی عبارتوں میں اسطرح سے ضم کر دیا ہے کہ پڑھنے والا احساس نہ کر سکے۔ اور تفسیر کے ساتھ ساتھ قرآن کے ترجموں کی تلاوت ہو

جائے۔ اور قُرآن کا صحیح مطلب سلیس اور واضح طور پر سامنے آجائے۔ قرون اولیٰ سے لیکر آج تک کے تمام تخریب پسند حضرات کے ذہنوں کے اختراعی اعتراضات تفسیر پڑھتے ہی ہوا، ہو جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کے حضرت علیہ الرحمہ نے علمائے متقدمین و متأخرین کی تفاسیر کے جوہر پاروں اوران کے لب لباب کوخطابت وسلاست کا جامہ پہنا کرنذر قرطاس کر دیا ہے۔ روایت و درایت کا ایسا حسین امتزاج جہاں اگرایک طرف سعدی کی زبان کی شیرینی ہے تو دوسری جانب رازی وغزالی کے حسن تدبر کے جلوے، اسی تفسیر کے مخصوصات میں سے ہیں۔

(محدثِ اعظمِ ہنداور تفسیر وترجمۂ قرآن، مضمون مشمولہ ماہ نامہ جامِ نور ص:۱۵۳ شمارہ اپریل ۲۰۱۱ء)

محدثِ اعظم ہند کے اسی منہج و اسلوبِ تفسیر کے پیش نظر گلبرگہ شریف میں راقم الحروف کے ایک سوال پر جانشین محدثِ اعظم ہند نے فرمایا تھا کہ ابھی تک مجھے حضرت کے اس تفسیری ڈھنگ کا اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا لیکن اب وہ طرز بیان میرے ادراک کا حصہ بن گیا ہے۔ اور اگر یہ جلسے والے مجھے میرے اس کام میں حائل نہیں ہوں گے تو سال بھر کے عرصے میں یہ کام ہوسکتا ہے ورنہ دو سال تو لگے لگے ہی۔ چنانچہ حضور شیخ الاسلام نے دس جلدوں میں اس کی تکمیل فرمائی اور سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی اس کا نام رکھا۔

حضور شیخ الاسلام کو تفسیر اشرفی کی تکمیل میں جہان دیگر کئی علماء و مشائخ اہلِ سلسلہ اور مریدین و معتقدین کی گزارشات و معروضات شامل رہیں وہیں ان سب سے بڑھ کر حضور شیخ الاسلام کی اہلیہ محترمہ کا اصرار بھی شامل معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں حضور مدنی میاں کے بھانجے ڈاکٹر طارق سعید لکھتے ہیں:

''اپنی شدید بیماری کے عالم میں جس کا دَور ڈھائی سے تین سال تک چلا ہوگا اور انجام کار سانحۂ ارتحال پر ختم ہوا۔ (وہ) حضرت مدنی میاں کے لئے تبلیغ دین کی شدید خواہش رکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ عین مرض الموت کے عالم میں تفسیر قرآن کی تاکید کرتیں اور بار بار تقاضا کرتیں کہ مولانا یہ کام میری زندگی میں نہ سہی لیکن اس کام کو یکسوئی سے مکمل کرنا ہی ہے۔ حسرت سے مولانا ماموں (مدنی میاں قبلہ) کو دیکھتیں کہ کاش! مَیں ان

کو دوا، غذا اور شب وروز کے معمولات میں پھر اسی قوت سے معاونت کر پاتی جیسا کہ تمام زندگی شریک سفر رہی۔ بار بار کہتیں کہ مولانا! آپ میری پروا نہ کریں میری فکر میں اپنے انہماک کو خطرے میں نہ ڈالیں، میری عیادت سے زیادہ اہم آپ کی عبادت ہے۔ جو ذکرِ الٰہی کی صورت میں ''تفسیر اشرفی'' بن کر آج ہمارے سامنے ہے۔''
(شیخ الاسلام حیات و خدمات، مضمون مشمولہ ماہ نامہ جامِ نور ص ۱۷۷ شمارہ اپریل ۲۰۱۱ء)

سید التفاسیر معروف بہ تفسیر اشرفی دس (۱۰) جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے۔ جلد اول ۳، پاروں پر مشتمل ہے، پارہ اول کے مفسر حضرت محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی جیلانی قدس سرہ ہیں۔ اور پارہ دوم وسوم کے مفسر شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ النورانی ہیں جس کی اشاعت شعبان ۱۴۲۹ھ بمطابق اگست ۲۰۰۸ء میں ہوئی۔ گلوبل اسلامک مشن، انک (نیویارک، یو ایس۔اے) سے ۵۰۰۰ کی تعداد میں چھپ کر اہل علم وعرفان سے پذیرائی حاصل کر رہی ہے۔

محدثِ اعظمِ ہند نے سورہ فاتحہ کا شناس نامہ دیتے ہوئے کوئی بیس (۲۰) مختلف نام اس کے گنوائے ہیں۔ سورۂ فاتحہ کے ترجمہ وتفسیر کے بعد، سورۂ بقرہ کی آیت ''خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰی سَمْعِهِمْ وَ عَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ'' کا شاندار ترجمہ اور ثمر دار تفسیر ملاحظہ ہو: یعنی

'' مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کی سماعت پر، اور ان کی آنکھوں پر گہرا پردہ ہے۔''

تفسیر : ان کو سمجھ لو کہ (مہر لگا دی اللہ نے اُن کے دِلوں پر) کہ دل قبولِ حق سے محروم ہو گیا۔ (اور ان کی سماعت پر) کہ آوازِ حق سننے سے بہرے بن گئے ہیں، (اور ان کی آنکھوں پر گہرا پردہ ہے) اندھوں کو حق سوجھا نہیں پڑتا (اور انہی) جیسوں (کے لیے) خدا کا (عذاب ہے) وہ بھی معمولی عذاب نہیں، بلکہ (بہت بڑا) جس کی سختی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں حضرت محدث اعظم ہند نے کفایت لفظی کا کس قدر اہتمام فر مایا ہے قوسین میں دئے گئے ترجمہ میں دلوں پر مُہر کی مناسبت سے قُبولِ حق سے محرومی، سماعت پر

مہر کے لحاظ سے آوازِ حق سننے سے بہرے ہونا اور آنکھوں پر پردہ پڑے رہنا کے اعتبار سے اندھوں کو حق سوجھا نہیں پڑتا وغیرہ، جیسے جملوں اور فقروں سے ادب عالیہ یا ادبِ لطیف کی شاندار روایت ان کے یہاں زندہ اور تابندہ ہے۔

پارہ اول سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۰ کا آخری حصّہ "مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّ لِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ" یعنی "نہ ہوتا تمہارے لئے اللہ والوں سے کوئی یار اور نہ کوئی مددگار"۔اس کی تفسیر میں محدثِ اعظم ہند علیہ الرحمہ اہل سنت وجماعت کے افکار ونظریات کی بہترین ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جو اللہ کی طرف سے آئے ہیں، جو نفوسِ قدسیہ اللہ کی مدد کرتے ہیں اور جن کو قرآن کی زبان میں من اللہ کہا جاتا ہے وہ من دون اللہ کہلانے والی ہستیوں سے نہیں ہیں جو سب کی سب جہنم کے ایندھن ہیں۔ بلکہ وہ من اللہ، یعنی اللہ کی طرف سے " شعائر اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت رکھتے ہیں۔"

مزید وضاحت کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں کہ:

"ان جنتیوں اور مقدس طبقہ میں سے (کوئی یار اور نہ کوئی مددگار) کیونکہ کافروں کی یاوری کرنا اور اُن کی مدد کرنا ان کا کام ہی نہیں۔ خصوصاً قیامت کے دن، کہ وہاں بے یار و مددگار رہنا صرف کافروں ہی کے لئے ہے۔ اور تمہارا یہ حال ہے کہ طبقہ من اللہ میں سے فرشتے ہوں، انبیاء ہوں، صدیقین ہوں، شہدا ہوں، صالحین ہوں سب تمہارے دین کی مدد میں موجود ہیں۔ تو اب تم ان میں سے نہیں رہے کہ جن سے دینِ کفر کے قبول کرنے کی توقع جائز ہو۔"

(سید التفاسیر (تفسیر اشرفی) جلد اول ص: ۱۴۴)

قرآن حکیم کے دوسرے پارے "سیقول" سے "عم یتساءلون" تک حضور شیخ الاسلام نے حضور محدثِ اعظم ہند کے اسی منہج و اسلوب پر "تفسیر اشرفی" کی تکمیل فرمائی۔ حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی سجادہ نشین ۲۲ بارگاہِ حضور بندہ نواز علیہ الرحمہ گلبرگہ شریف کی زیرنگرانی کے۔ بی۔ این انجنیرنگ کالج میں فی البدیہہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے عنوان پر

علامہ سید محمد مدنی میاں قبلہ نے نہایت پُر اثر، پُر مغز اور جامع خطاب فرمایا تھا اور اُس وقت ارسطو، افلاطون، جالنیوس اور بطلیموس جیسے دانشور سائنس دانوں کے حوالے دئے تھے۔ اسی مجلس میں غُفران مآب حضرت سجادہ نشین قبلہ نے اپنے تأثرات میں شیخ الاسلام کو ''بحر العلوم'' فرمایا تھا۔ مدنی میاں کے زمانۂ طالب علمی میں علامہ ظَفرادیبی جیسی امام المعقولات شخصیت بھی ''شمس بازغہ'' کی کسی عبارت پر اپنے شاگرد علامہ مدنی سے فرماتے ہیں کہ ذرا دیکھئے یہاں مصنف کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔ مدنی میاں نے جب اس کی وضاحت کر دی تو علامہ ظَفرادیبی مدنی میاں کی اس وضاحت کو سُن کر مطمئن و مسرور ہو گئے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ اللہ عز وجل نے انہیں بیک وقت مختلف اوصاف سے متصف فرما کر فقید المثال شخصیت بنا دیا ہے۔ ان اوصافِ حمیدہ کو مولانا سید سیف الدین اصدق کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

''آپ جہاں کلام الٰہی کے رمز شناس مفسر ہیں، وہیں ذخیرۂ احادیث کے فہیم بھی، علم فقہ پر دسترس رکھنے والے فقیہ ہیں تو وہیں ایک نکتہ رس معقولی بھی، علم کلام کے اگر ماہر ہیں تو بحرِ تحقیق و تدقیق کے شناور بھی، شائستہ و پاکیزہ شاعری کا گر ذوق رکھتے ہیں تو وہیں ایک سلامت رَو ادیب بھی، فصاحت و بلاغت سے مزین اگر تاج دارِ خطابت ہیں تو تصوفِ حقیقی سے آراستہ ایک خانقاہی فقیر بھی۔''

(ماہ نامہ جامِ نور ص: ۱۷۹ شمارہ اپریل ۲۰۱۱ء مضمون ''شیخ الاسلام'' آبروئے علم و فن)

عصر حاضر کی مایۂ ناز علمی و روحانی شخصیت حضرت علامہ سید شاہ محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہ النورانی جو ہر زاویۂ فکر و نظر سے علمی دنیا میں بے حد معروف ہیں۔ تقریباً بیس (۲۰) کتابیں نثر میں اور دو (۲) مجموعہ ہائے کلام شائع ہو کر علمی و ادبی دنیا سے خراجِ تحسین حاصل فرما چکے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام نے اپنے والدِ بزرگوار کے اس چھوڑے ہوئے کام کو پایۂ تکمیل تک بہ حسن و خوبی پہنچانے کا بیڑہ اُٹھایا، اور اُسے خوب نبھایا بھی۔ حضور شیخ الاسلام ہی کا یہ حق تھا اور جانشینی کی بنیاد پر غالباً فرض بھی۔ '' سید '' دراصل حضرت محدثِ اعظمِ ہند کا تخلص ہونے کے ساتھ ساتھ یہ ان کے نامِ نامی اسمِ گرامی کا ایک اہم جزو بھی ہے۔ اس لئے حضور شیخ الاسلام نے ایک لائق و فائق فرزندِ دلبند ہونے کی نسبت، اپنے والدِ محترم کی جانب اس تفسیرِ اشرفی کو منسوب کرتے ہوئے اس کا نام ''سید التفاسیر'' رکھنا مناسب جانا۔

مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی اپنے وقیع مقالے ''شیخ الاسلام کی قلمی خدمات'' مشمولہ ماہ نامہ جامِ نور خصوصی شمارہ اپریل ۲۰۱۱ء ص : ۱۸۹۔۹۰ لکھتے ہیں:

''یہ تفسیر حضرت مصنف کا تحریری شاہ کار ہے۔۔۔۔کلامِ الٰہی کے تفسیری اثاثے میں یہ ایک شاندار اضافہ ہے۔اور خاص طور سے اُن لوگوں کے لئے مفید ہے جو سیدھے اور سہل انداز میں قُرآن کے معانی ومفاہیم کو سمجھنا چاہتے ہیں۔اوراس کے تفصیلی علمی مباحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔اور خود حضرت مصنف کے بقول : اس میں معتبر تفاسیر کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے۔اور فنی بحثوں کو نہیں چھیڑا گیا ہے۔اختلافی احکام ومسائل میں فقہ حنفی کی رو سے وضاحت کی گئی ہے۔اور دلائل سے ممکنہ حد تک احتراز کیا گیا ہے۔کیوں کہ مقصد صرف قُرآن کی تفہیم ہے،لہٰذا نہ اس قدر اختصار ہے کہ معانی واضح نہ ہوسکیں اور نہ اس قدر تفصیل کہ آیات کی تفہیم سے اس تعلق نہ ہو۔''

فاضل مقالہ نگار مزید رقم طراز ہیں :

''اُسلوب سادہ اور مصنف کے عام علمی منہج سے ہٹ کر ہے۔البتہ زبان و بیان پر عربیت غالب ہے۔جس کی وجہ سے عام قاری کو کچھ دشواری ہو سکتی ہے۔قارئین کی اس دشواری کو سمجھتے ہوئے اخیر میں مشکل الفاظ کی ایک ڈکشنری تیار کر دی گئی ہے۔اور اُمید ہے کہ اس کی وجہ سے عام قارئین کے لئے استفادہ کی راہیں آسان ہوجائیں گی۔

حضور شیخ الاسلام اپنے اس تفسیری کام کے سلسلے میں رقم فرماتے ہیں:

''میرا یہ تفسیری حاشیہ دراصل معتبر کتب تفاسیر کا میرا حاصلِ مطالعہ ہے۔جس کے گہر ہائے آبدار کو میں نے مخدوم الملت قدس سرہٗ (محدثِ اعظمِ ہند) کے اسلوبِ نگارش کی پیروی کرتے ہوئے،ترجمہ ''معارف القرآن'' کی لڑیوں میں پرو دیا ہے۔بس صرف یہ، پرو دینے والا عمل، میرا ہے، باقی اس میں جو کچھ ہے وہ سب جلیل القدر مفسرین کی تحقیقات و ارشادات ہیں۔''

ان مذکورہ حقائق کی روشنی میں ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ حضور مدنی میاں قبلہ نے جہاں مختلف علوم وفنون اور تفسیر کی امہاتُ الکتب کا مطالعہ فرمایا ہے، وہیں پر اُصولِ فقہ، اُصولِ حدیث کے ساتھ ساتھ اُصولِ تفسیر میں شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی کی معروف ومتداول تصنیف'' الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر'' جیسی کتابیں بھی یقیناً مفسر محترم کی زیرِ مطالعہ رہی ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام نے ناسخ ومنسوخ کے موضوع پر بھی عمدہ بحث فرمائی ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۰ والذین یتوفون منکم .... الخ۔ (ترجمہ : اور جو وفات دئے جائیں تم میں سے اور چھوڑیں بی بیاں، وہ کریں وصیت اپنی بی بیوں کے لئے نان نفقہ کا سال بھر تک بغیر گھر سے نکالنے کے پھر اگر عورتیں خود نکل جائیں تو تم پر کوئی الزام نہیں، اسمیں جو اُنہوں نے کرلیا اپنے متعلق کوئی مناسب امر۔ اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔) کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''یہ ابتدائے اسلام کے احکامات ہیں۔ جب کہ شوہروں کے گھروں میں رہنا اُن کے لئے ضروری نہیں تھا۔ اور نہ سوگ واجب، بلکہ اُنہیں ان اُمور پر اختیار تھا کہ شوہروں کے گھر میں رہ کر نان نفقہ لیں۔۔۔ یا۔۔۔ پھر گھروں سے چلی جائیں اور پھر نان نفقہ کا کوئی مطالبہ نہ کریں۔ خیال رہے کہ مذکورہ بالا وصیت کا وجوب ' آیت میراث ' کے نزول سے پہلے کا حکم ہے۔ جب آیت میراث نے اس کو شوہر کا وارث بنا دیا، اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی، اور اولاد ہونے کی صورت میں آٹھویں کا حقدار بنا دیا، تو اب سال بھر کا قیام و طعام کا حکم منسوخ ہو گیا۔۔۔ یوں ہی۔۔۔ جب چار مہینہ دس دن کو عدت وفات مقرر کر دیا گیا تو پھر سال بھر کی عدت والا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔''

'' تفسیر اشرفی'' کی خصوصیات : پہلی جلد کے سوا (۱) ہر جلد کے آخر میں لغات (فرہنگ) کا اہتمام رکھا گیا ہے۔ متنِ تفسیر کے چند مشکل الفاظ کے معانی کو قارئین کی آسانی کے لئے اخیر میں '' تشریح لغات '' کے عنوان سے درج کیا گیا ہے۔ (۲) ''دلچسپ نوٹ'' کے تحت تفسیر اشرفی کی مثلاً جلدِ سوم کے متن تفسیر میں ۱۰،۸۸،۳۷۰ حروف۔۔۔ ۱۱،۱۷،۷۴۵ الفاظ۔۔۔ ۸،۷۷۹ سطریں۔۔۔ اور ۳،۵۰۵ پیرِ گراف شامل ہیں۔ (۳) حضرت محدثِ اعظم ہند کے ترجمہ قرآن کی ضروری تشریحات جو منشائے ربانی کی تفہیم میں معاون و مددگار ثابت

ہو سکتے ہوں، تحریر کردئے ہیں، جسے ان کے چودہ سوسالہ اسلاف کی تفاسیر کے مطالعے کا خلاصہ یا عطر سمجھا جاسکتا ہے۔ پھر کہیں کہیں اس کے مطالب و مفاہیم، قدرے تفصیل سے بیان کئے ہیں، اور کہیں شانِ نزول بھی بتانے کی سعیٔ بلیغ کی گئی ہے۔ (۴) ترجمہ کی تشریح وتفسیر کو اس خوبی سے اگلی آیت کے مفہوم سے مربوط فرماتے ہیں، کہ ترسیلِ مفہوم میں کوئی رکاوٹ یا اشکال باقی نہیں رہ جاتا، بلکہ تفہیمِ مطالب کے لئے راستہ مزید صاف اور شفاف محسوس ہوتا ہے۔ (۵) ایسا لگتا ہے کہ حضور شیخ الاسلام نے ترجمہ کی مختصر جامع توضیحات وتشریحات کے بعد بھی مزید وضاحت کر دینا جہاں ضروری سمجھتے ہوں وہاں نسبتاً باریک سائز کے الفاظ میں اپنے تأثرات قلمبند فرمادئے ہوں اور یہ تأثرات بھی پچھلی معتبر، مستند اور مروج تفاسیر کے مطالعے کے نتیجے میں مفسرِ محترم حضور شیخ الاسلام کی فکر کا حصہ بن گئے ہوں۔ (۶) تفسیری نوٹ میں ترجمہ محدثِ اعظم کے الفاظ کو قوسین میں قدرے موٹے فونٹس کے ساتھ محفوظ کر دیا گیا ہے۔ (۷) جہاں کہیں کوئی عبارت عنوانِ مضمون یا مرکزی خیال بن کر اُبھر رہی ہوتی ہے اُسے ہلکی سیاہی مائل پلیٹ میں سجا دیا گیا ہے تاکہ مطالعہ کار اس کی طرف بھی بطورِ خاص توجہ رکھ سکے۔ مثلاً: مسلم نما منافق اور اُس کی ٹیم کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ جملہ مرکزی حیثیت کا حامل بن جاتا ہے بلکہ اسلامی عدالت کی رولنگ (Ruling) بنتا دکھائی دیتا ہے۔

کفر وشرک اور نبی کی مخالفت اور آپ کی گستاخی کرنے والوں سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔

(سید التفاسیر المعروف بہ "تفسیر اشرفی" ج:۲ ص:۲۵۹)

متذکرہ بالا شواہد کی بنیاد پر یہ کہنا حق بہ جانب ہوگا کہ "تفسیرِ اشرفی" عصر حاضر کی شاہ کار تفسیر ہے، جسے حضور شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ النورانی کے علمی کارناموں میں گُل سَرِ سَبَد کی حیثیت حاصل رہے گی۔

تفسیر اشرفی کا لسانی جائزہ

—— پروفیسر مجید بیدار، سابق صدر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد

علوم السنہ اور علمِ عروض کی بے شمار شاخوں کے بارے میں ایشیائی ماہرینِ السنہ کی خدمات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کی بڑی اور اہم زبانوں میں عربی، فارسی، ترکی اور سنسکرت کو عالمی حیثیت سے اعتبار کا درجہ حاصل ہے۔ ان زبانوں کے ماہرین نے علمِ قواعد اور صرف ونحو ہی نہیں بلکہ زبان اور شعر وادب کے بارے میں مختلف اہم نکات کی طرف توجہ دیتے ہوئے نادر و نایاب کتابیں تحریر کیں، جو علومِ السنہ پر مستند کتابوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان اہم کتابوں کی موجودگی کے باوجود بھی یوروپی دنیا میں ترقیات کے نتیجہ میں جدید علوم وفنون کے پس منظر میں ایک جدید علم کا اضافہ ہوا اور اِس جدید علم کو ساری دنیا میں لسانیات یا Lingustics کے نام سے شناخت حاصل ہے۔ یوروپ کی ذہین اقوام نے لسانیات کی بنیاد رکھی اور علمِ لسانیات کے ذریعہ کسی زبان کے تاریخی پس منظر اور اس زبان میں استعمال ہونے والی لفظیات کی حرکات وسکنات کو صوتیات کا نام دے کر علمِ لسانیات میں جدید اضافے کیے۔ یوروپی اقوام سے لسانیات کا علم ترقی کرتا ہوا ساری دنیا کی ادبی تاریخ کا حصہ بن گیا۔ طویل عرصہ تک لسانیات سے عدم واقفیت کی وجہ سے زبانوں کے مختلف نظریے قائم کیے جاتے رہے، جو بعد میں لسانی جائزہ کے دوران غلط ثابت ہوئے۔ غرض آج کے ترقی یافتہ معاشرہ میں ساری دنیا کی زبانوں اور ان کی آوازوں کے علاوہ لفظوں کی تراش خراش اور دوسری زبانوں کے الفاظ کے لین دین کو علمِ لسانیات میں زیر بحث لایا جاتا ہے۔ اس طرح زبان کی عہد بہ عہد ترقی اور اس میں شامل ہونے والے نئے الفاظ اور متروک اظہارات کے بارے میں علمِ لسانیات کے ذریعہ بحث کی جاتی ہے۔ آج کا ترقی یافتہ معاشرہ لسانیات کے وجود اور اس کے توسط سے زبان اور اظہار کے علاوہ لفظوں کے محل استعمال کی فطری کیفیت کی طرف توجہ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں کسی فن پارے یا تخلیق کا جائزہ لینے کے لیے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ اُس ادبی شاہکار یا فن پارے کو لسانی حیثیت سے نمائندگی دی جائے،

جس کا بنیادی مقصد فن پارے کی زبان و بیان ہی نہیں بلکہ اس کے اظہار اور صوتیات کے علاوہ وضیع وغریب الفاظ کے ساتھ یہ تجزیہ کیا جائے کہ کسی بھی فن پارے میں شامل زبان اور اس کی لفظیات کا محل اور عمل کس حد تک فطری اور قوتِ تاثیر سے مالا مال ہے۔ یہی وہ عصری انفرادی خصوصیت ہے کہ جسے بنیاد بنا کر فن پارے کی تحلیل صرفی اور صرف ونحو ہی نہیں بلکہ بیانیہ اور اظہار کی توانائی کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ کسی بھی تصنیف کے لسانی جائزے سے مراد کسی تخلیق یا فن پارے میں موجود زبان کی فطری صلاحیتوں کی نمائندگی کے علاوہ اس کے محاسن اور معائب کا محاکمہ بھی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے لسانی جائزہ عصر حاضر کا ایسا تجزیاتی عمل ہے جس میں فن اور تکنیک کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی عمدہ صلاحیتوں کا اقرار کرتے ہوئے فن کی گہرائی و گیرائی کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ یہی عمل کسی بھی تحریر کے لسانی جائزے سے عبارت ہے۔ لسانیات کا علم بھی نظری اور عملی خصوصیات کا علمبردار ہوتا ہے، چنانچہ لسانی جائزے کے دوران لفظ اور اس کے محل استعمال پر نظری اور عملی طور پر بحث کے ساتھ ساتھ فن پارے میں مستعمل لفظیات میں پیدا ہونے والی صوتی ہم آہنگی سے بحث کی جاتی ہے اور فیصلہ کیا جاتا ہے کہ لسانی پس منظر میں تخلیق کار کا اظہار کن خصوصیات سے وابستہ ہے۔ غرض لسانی جائزہ عصر حاضر میں کسی بھی فن پارے کی ہمہ جہت تجزیاتی کیفیت کی نمائندگی کو واضح کرنے والا صاف ستھرا عمل ہے جس میں تمام محاسن اور معائب کی بھرپور نمائندگی ممکن ہے، اس لیے لسانی جائزے کے ذریعہ فن پارے کی ہمہ جہت خصوصیات کی ترجمانی ممکن ہے۔

شعر و ادب، علم و فن، سائنس و ٹکنالوجی اور جدید علوم پر لکھی جانے والی ہر قسم کی کتاب اور تحریر کا لسانی جائزہ ممکن ہے۔ بلاشبہ لسانیات کے علم میں وہ جادوئی کیفیت ہے کہ جس کی وجہ سے یہ علم علوم السنہ کے تمام شعبوں کو اپنی گرفت میں شامل کر لیتا ہے۔ بلاشبہ شعری اصناف کا لسانی تجزیہ ہی ممکن نہیں، بلکہ نثری اصناف اور علمی و فنی تحریروں کے تجزیے کے لیے بھی لسانیات کا عمل قابل قبول ہے۔ جس طرح نثر کی بے شمار اصناف میں افسانوی نثر جیسے فکشن Fiction اور غیر افسانوی نثر Non Fiction کی شناخت وجود میں آچکی ہے۔ علمی و ادبی موضوعات پر لکھی جانے والی تمام کتابوں کو غیر افسانوی نثر میں شمار کیا جاتا ہے۔ غیر افسانوی اصنافِ نثر کے دوران شفاف، دلچسپ اور توضیحات و تشریحات سے مالا مال اُسلوب اختیار کرنے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ایسی صنفِ نثر تفسیر کی حیثیت سے شناخت رکھتی ہے عام طور پر تفسیر کو انگریزی

زبان میں commentary کی حیثیت سے قبول کیا جاچکا ہے۔ تفسیر لکھنے کا عمل انتہائی دلچسپ اور حد درجہ شفاطیت سے وابستہ ہے۔کئی علوم وفنون میں مہارت کے بعد ہی تفسیر کی صنف پر اظہارِ خیال ممکن ہے۔''سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی'' کی ترتیب کے دوران اِس حقیقت کا انکشاف بذاتِ خود کیا جاچکا ہے کہ تفسیر قرآن مجید کے لیے کم سے کم آٹھ علوم پر مہارت لازمی ہے۔جس کے مطابق یہ بتایا گیا ہے: (۱) علمِ لغت (۲) صرف ونحو (۳) معانی (بیان و بدیع) (۴) علمِ حدیث (۵) اصولِ فقہ (۶) علمِ کلام) (۷) علمِ قرأت (۸) ناسخ ومنسوخ کا علم۔ جیسے علوم سے واقفیت کے علاوہ آیاتِ قرآنی کے وضعی معنی، اعراب وحرکات، فصاحت و بلاغت، حقیقت ومجاز، شانِ نزول، عام وخاص، مطلق ومقید، اوامر ونواہی کے علاوہ آدابِ بارگاہِ الوہیت اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی وابستگی کے بعد ہی تفسیر کی نمود ممکن ہے۔بعض اوقات ان علوم سے ناآشنائی کے باوجود بھی کوئی تخلیقی عمل سے وابستہ شخص قرآن کا ترجمہ یا تفسیر لکھنے کی گمراہ کن کوشش کرتا ہے تو بلاشبہ اس کا یہ عمل قارئین کو گمراہی میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ غرض قرآن کریم کو پوری طرح سمجھنا اور ہر جزو کے صریح حکم سے مطلب نکالنا ہی ایسے دو مبارک اور مسعود اصول ہیں جن کو بنیاد بنا کر قرآنی احکامات اور قوانین کی نمائندگی کرتے ہوئے قرآنی لفظیات کو معنویت کا پیراہن دیا جائے تو تفسیر لکھنے کا حق ادا ہوتا ہے۔غرض تفسیر کے دوران نہ صرف احادیث کو بطورِ دلیل پیش کیا جاتا ہے، بلکہ آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین اور متقدمین کی تفسیروں سے حوالے پیش کرکے ذاتی رائے کو اہم اور باوضع بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس طرح تفسیر لکھنے کا علم کئی اہم تقاضوں سے وابستہ ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کی تفسیر لکھنے والا اشرف المخلوقات کی عمدہ صلاحیتوں کا نمائندہ ہوتا ہے جو مختلف علوم وفنون کا ماہر ہونے کے باوجود تفسیر کے دوران توازن اور خداترسی کا رویہ اختیار کرنے میں کامیاب ہوجائے تو بلاشبہ مفسر کے ذریعہ کسی بھی غلط رویہ کی وجہ سے عالمِ انسانیت کو نقصان پہنچنے کا شدید اندیشہ باقی نہیں رہتا، اس لیے مفسر کی ذمہ داری دیگر تخلیق وتصنیف کا رویہ اختیار کرنے والے عام انسانوں سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہے۔

ہر دور میں وقت اور زمانہ کے لحاظ سے قرآن کریم کی توضیحات وتشریحات کا سلسلہ جاری رہا ہے۔قرآن مجید جیسی امّ الکتاب کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں نازل فرمایا۔ جب اس آسمانی کتاب کو ساری دنیا میں مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کی تفہیم کے لیے عالمی زبانوں میں

ترجمے اور تفاسیر کا سلسلہ شروع ہوا تو بلاشبہ قرآنی احکامات اور فقہی مسائل کی توضیح وتشریح کے علاوہ مفہوم کی ادائیگی کے سلسلہ میں بے شمار دشواریاں درپیش ہوئیں، کیوں کہ قرآنی لفظیات اور اس کے متبادلات کا دوسری زبانوں میں وجود نہ ہونے کی وجہ سے کیفیاتی فضا کو نمائندگی دینے پر اکتفا کیا گیا۔غرض ہر دَور کے تقاضوں کے مطابق تفسیر کا سلسلہ بھی جاری رہا۔علوم وفنون کی ترقی اور ایجادات واختراعات کا بڑھتا ہوا سمندر جب ٹھاٹھیں مارنے لگا اور ساری دنیا یوروپی علوم وفنون کی گرویدہ ہونے لگی تو ایسے وقت قرآن کے مفسرین کے لیے کئی مسائل پیدا ہوئے، جن کی توضیح و تشریح کے معاملہ میں آج بھی سخت دشواریوں کا سامنا نظر آتا ہے۔غرض مفسر آیاتِ قرآنی کی تفسیر و تشریح اور اس کے شانِ نزول کے علاوہ مفہوم کی نمائندگی کے معاملہ میں عقل و دل کی پیشکشی ہی نہیں بلکہ سچائی کی دل گرفتگی کو اپنے اظہار کا وسیلہ بناتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآنی آیات کے ترجمہ کا عمل کچھ اور تقاضے رکھتا ہے، جب کہ تفسیر لکھنا بذاتِ خود مفسر کی زبان اور اظہار کو تسنیم وکوثر سے دھوکر سچائی کی بازیافت کے لیے زبان کی عمدہ صلاحیتوں کا استعمال کرنا ہے۔غرض تفسیر ایک مکمل فن ہے جس میں حقیقت بیانی، راست گوئی، تفہیم وترسیل اور فکری شکوک وشبہات کے ازالہ کے علاوہ مفہوم کی گہرائی و گیرائی کو حقائق کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

قرآن مجید کے لفظی ایجاز اور اختصار کو اس کی حقیقت کے مطابق سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو تو تفسیر کا حق ادا ہونا سخت دشوار ہے۔غرض تفسیر کے ذریعہ سوائے سچائی کے کسی قسم کی ملمع کاری یا بے ساختگی کو روا نہیں رکھا جاسکتا۔اس لیے تفسیر کا فن فکر وفراست کی طہارت ہی نہیں بلکہ اظہار اور بیان کی مطہر خصوصیت کا علمبردار ہوتا ہے۔خدا نے جن اشخاص کی فطرت میں ان خوبیوں کو شامل کیا ہے وہی قرآن کی تفسیر پیش کرنے کے سزاوار قرار پاتے ہیں۔ ظاہری اور باطنی علوم ہی نہیں بلکہ روحانیات، وحدانیت اور دنیا کے تمام مذاہب اور ان کے عقائد کے علاوہ اپنے مذہب اور اس کے عہد بہ عہد ارتقائی مراحل سے وابستگی کے ساتھ ساتھ احادیث اور ان کے لکھنے والوں کے ادوار سے واقفیت اور ہر دور میں پیش ہونے والی تفاسیر کے امتیازات سے آگاہی کے بعد ہی تفسیر لکھنے کا فن کسی شخص کی فطرت کا حصہ بن سکتا ہے۔عصر حاضر میں دنیا کی بے شمار زبانوں میں تفاسیر لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔عربی، فارسی اور ترکی زبان کے بعد اردو زبان ہی ایک ایسی عالمی سطح پر مقبول زبان ہے جس میں لکھی جانے والی بے شمار تفاسیر کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے نہ صرف ان تفاسیر کا عالمی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا، بلکہ ایسی تفاسیر کی حقانیت اور واقعیت کو بھی عالمی سطح پر

مقبولیت حاصل ہوئی۔ عصر حاضر میں قرآن کریم کی اصلیت، حقیقت اور اس کی آیات کی حقانیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جدید تقاضوں سے وابستہ حضرت سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کی مرتب کردہ تفسیری خصوصیات سے مالا مال تصنیف ''سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی'' کو چھ جلدوں میں شائع کیا گیا ہے، جسے شیخ الاسلام ٹرسٹ نے شائع کر کے ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ہی نہیں بلکہ انگلستان، امریکہ، پاکستان اور دنیا کے خطہ خطہ میں پھیلانے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ ''تفسیر اشرفی'' کو بلاشبہ ''سید التفاسیر'' قرار دینا وقت کا اہم تقاضہ ہے۔ چوں کہ حضرت علامہ شیخ الاسلام سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی نے اس تفسیر کے ذریعہ عصر حاضر تک لکھی جانے والی تمام تفاسیر سے استفادہ کرتے ہوئے ایک جانب تو تفسیر کے فنی خصائص کا حق ادا کیا ہے تو اس کے ساتھ ہی تفسیر کی ان چھ جلدوں میں روحانیات کی ترجمانی کرتے ہوئے مادّیت اور مادّیت کے فائدے و نقصانات کی طرف بھی خصوصی توجہ دی ہے۔ ''سید التفاسیر'' کو اس لیے بھی متوازن تفسیری کتاب کا درجہ دیا جاتا ہے کہ اس تفسیر کے ذریعہ حضرت علامہ نے قرآن کی روح اور خدا کی سنت کو منظر عام پر لاتے ہوئے عصر حاضر کے عالمی سطح پر پھیلے ہوئے مسلمانوں کو سچائی اور راست گوئی کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر سختی سے پابند رہنے اور اسلامی شعار کو اپنی زندگی کا نمونہ بنانے کا سبق دیا ہے۔ بلاشبہ اس تفسیر کو مقصدی اور انسانی زندگی کو خدا کے حکم کے تابع بنانے والی تفسیر سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس تفسیر کی بے شمار خصوصیات ہیں اور ان خصوصیات کا ذکر یکے بعد دیگرے کیا جائے گا۔

عصر حاضر میں اس حقیقت کو محسوس کیا جانے لگا ہے کہ دینی علوم سے فارغ عالم وفاضل شیوخ کے توسط سے جس زبان کو فروغ حاصل ہو رہا ہے وہ درحقیقت اردو زبان تو ہے، لیکن اس قسم کی زبان کو ''مولویانہ نثر'' کی حیثیت سے قبول کیا جا رہا ہے۔ دینی مولوی اور عالم عام طور پر اپنی نثر میں معرب اور مفرس الفاظ کے استعمال کے ذریعہ نثر کی سادگی سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ فقہی موضوعات اور عنوانات کی پیشکشی کے دوران عربی اصطلاحات کے استعمال کی وجہ سے دینی عالموں کی زبان سادگی سے بے نیاز اور عام فہم نثر کے زمرے سے مختلف ہوتی جا رہی ہے۔ بلاشبہ کسی بھی نثر کی تحریر کا مقصد ہی تفہیم و ترسیل ہے، لیکن دینی مدارس میں عربی اور فارسی کے علم سے وابستہ افراد اسی زبان کو اظہار کا وسیلہ بناتے ہیں جو ان کی تدریسی زبان کا درجہ رکھتی ہے۔ ایسی زبان اگرچہ اظہار کی خوبیوں سے تو مالا مال رہتی ہے، لیکن عام فہم اور ترسیل کی خصوصیات سے

بے نیاز ہو جاتی ہے۔عصر حاضر میں اردو املا کا تعین ہو چکا ہے اور پیچیدہ تراکیب کے بجائے عام فہم تراکیب کو رواج دینے کا سلسلہ دراز ہوتا جا رہا ہے۔ایسے ماحول میں جب کہ برصغیر کی مختلف زبانوں میں اردو کو اس لیے اہمیت حاصل ہوتی جا رہی ہے کہ یہ زبان تیز رفتاری کے ساتھ تفہیم و ترسیل کا حق ادا کر رہی ہے تو لازمی طور پر دینی عالم اور مولوی حضرات پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بھی اسلام اور اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے کے لیے اسی اردو زبان کو وسیلہ کے طور پر استعمال کریں، جو ترسیل و تفہیم کا حق ادا کرتی ہے۔اس پس منظر میں جب ''تفسیر اشرفی'' کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی نے سادہ، عام فہم اور رواں تحریر کو اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔تحریر کی یہ بڑی خوبی ہے کہ جو عربی الفاظ قرآنی آیت میں مستعمل ہیں انہیں واوین میں درج کر کے اس کی تفہیم کا حق بھی ادا کیا گیا ہے۔اس قسم کا ترسیلی انداز پہلی مرتبہ ''تفسیری اشرفی'' میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔حضرت علامہ نے چوں کہ بیشتر تفاسیر کا مطالعہ و مشاہدہ کیا اور ان تفاسیر میں موجود ترسیلی استدلال پر غور و فکر فرمایا اور اِس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھا کہ صرف دانشور طبقہ کو تفسیر کے مطالعہ کا حق حاصل نہیں، بلکہ عام فہم انسان بھی تفسیر کے معنی و مفہوم کو سمجھنے کی صلاحیت کا علمبردار ہو جائے۔ اسی بنیادی خصوصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''سید التفاسیر''یعنی ''تفسیر اشرفی'' کی بنیاد رکھی گئی۔سادہ اور عام فہم زبان کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ نے قرآنی آیات کا ترجمہ بھی حد درجہ سادہ اور ہلکا پھلکا کیا ہے۔قرآن کریم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے لیے صحیفۂ ہدایت کا درجہ دے کر حضرت علامہ نے کسی ایسے لفظ کے استعمال پر توجہ نہیں دی جو زبان و ادب کے معیار سے غیر متعلق ہو،یعنی حضرت علامہ نے سادہ اور عام فہم الفاظ استعمال کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں غریب الفاظ سے پرہیز برتا ہے، جو کسی لکھنے والے کی عمدہ صلاحیت کی دلیل ہے۔نثر نگاری کا رواں انداز اور ترتیب و ترسیل کا منفرد اسلوب ''تفسیر اشرفی'' کی خصوصیت میں شامل ہے۔جس طرح پھولوں اور تسبیح کے دانوں کو کسی دھاگے میں پرویا جائے تو پھول اور تسبیح کے دانوں میں جس قسم کا حسن پیدا ہوتا ہے،اسی قسم کا حسن حضرت علامہ کی تفسیر میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔عصر حاضر میں طرزِ تحریر یا لکھنے کے انداز کے لیے لسانی پس منظر میں خصوصی اصطلاح کا رواج ہوا ہے، جسے ''اسلوب'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہر زبان اپنے دور کے عصری اسلوب سے وابستہ ہوتی ہے۔ بلاشبہ پچاس سال پہلے کا اسلوب آج سے بالکل مختلف ہوگا اور سو دو سو سال پہلے کا اسلوب آج کے طرزِ تحریر سے بالکل جداگانہ قرار پائے

گا۔ وقت اور زمانوں کے تقاضوں کے مطابق ہر دور کی انسان کی تفہیمی و ترسیلی ضرورت کے اعتبار سے اسلوب میں بھی تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے۔ حضرت علامہ نے ''تفسیر اشرفی'' میں متروک الفاظ کے استعمال سے پرہیز برتا ہے اور جن لفظیات کی عصر حاضر میں استعمال کی گنجائش ہے اور اس کے توسط سے ترسیل و تفہیم کا حق ادا ہوتا ہے ان الفاظ کی ادائیگی کو اپنے اسلوب میں جگہ دی ہے۔ بلاشبہ عربی اور فارسی الفاظ کے بجائے ''تفسیر اشرفی'' میں ہندی الفاظ کو روانی کے ساتھ استعمال کرنے میں حضرت علامہ کا کوئی ثانی نہیں۔ ہر کیفیت کو بیان کرنے کے لیے حضرت علامہ نے تفسیر اشرفی کے دوران تمثیلی رویہ کو بروئے کار لایا ہے، تاکہ تفہیم میں آسانی پیدا ہوجائے۔ اسلوب میں تازگی پیدا کرنے کے لیے ''تفسیر اشرفی'' کا انداز حد درجہ فطری ہے۔ حضرت علامہ نے فطری اسلوب کو تفسیر اشرفی میں جگہ دینے کے لیے بھاری بھرکم فارسی اور عربی الفاظ کے استعمال سے پرہیز برتتے ہوئے مقامی اور ہندی الفاظ کو رواج دیا ہے جن کے استعمال سے اسلوب میں تنوع اور اظہار میں تازگی پیدا ہوگئی ہے۔ اگر تفسیر اشرفی کے جملے اور فقرے پیش کردیے جائیں تو خود اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علامہ نے اس اہم تفسیر کے دوران خالص فطری اسلوب کی نمائندگی فرمائی ہے جس میں فارسی اور عربی تراکیب سے پرہیز اور عصر حاضر کے مروّجہ الفاظ کے استعمال کا سلیقہ از خود موجود ہے۔ سادہ زبان اور ترسیل کا حق ادا کرنے والی تحریر کو سمجھنے کے لیے تفسیر اشرفی کی پہلی جلد کے ایک پیراگراف سے چند مثالیں پیش ہیں، جس سے حضرت علامہ کی اسلوبی خصوصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت نے ایک جگہ لکھا ہے: ''کپڑے کا رنگ اِس میں گھستا ہے، مگر دھوتے دھوتے ہلکا پڑ جاتا ہے''۔ اسی طرح اسی صفحہ پر یہ بھی لکھتے ہیں: ''دنیا میں ہر چیز اب رسمی ڈھکوسلا ہے''۔ اردو نثر میں رواں ہندی الفاظ کے استعمال اور ان کے توسط سے تفہیم و ترسیل کی خصوصیات کو اُجاگر کرنا تفسیر اشرفی کی امتیازی خصوصیت ہے۔ انھوں نے بے شمار ہندی محاوروں کو اپنی تفسیر میں شامل کر کے عصر حاضر کی بھرپور نمائندگی فرمائی ہے۔ ہندی محاوروں میں نبوت کا ٹھیکہ لینا، کٹ حجتی پر اُتر آنا، نعمت چھین لینا، حقیقت کو چھپانا اور ایسے ہی بے شمار محاورے ہر صفحہ کی زینت بڑھانے کا کام انجام دیتے ہیں۔ بلاشبہ حضرت علامہ نے ''تفسیر اشرفی'' میں واحد اور جمع کی کیفیت کو نمایاں کرنے کے لیے عربی اور فارسی رویہ کو اختیار کیا ہے، لیکن کوئی بھی ثقیل عربی لفظ یا عام ذہن سے ہٹ کر لفظ استعمال بھی فرمایا ہے تو اس لفظ کے ساتھ ہی قوسین میں اس کی وضاحت بھی کردی گئی ہے۔ جب وہ ''بکواس کریں گے'' تحریر کرتے ہیں تو قوسین میں

(بکیں گے) کا اندراج بھی ضروری سمجھا گیا ہے۔ جس کا مقصد ہی یہی ہے کہ تفسیر اشرفی کے ذریعہ حضرت علامہ نے عام انسان کو قرآنی آیات کی تفہیم و ترسیل سے قریب کرنے کے لیے فطری اسلوب کا سہارا لیا ہے۔ اسلوب کا یہ انفرادی انداز ''تفسیر اشرفی'' کی شناخت بن جاتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے عہد کے فطری اسلوب کو تفسیر میں جگہ دیتے ہوئے حضرت سید محمد اشرفی جیلانی نے وقت کے تقاضوں کی تکمیل کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔

اسلوب کا بنیادی مقصد حرف وصوت ہی نہیں بلکہ مفہوم کی ادائیگی کے دوران گہرائی اور گیرائی اور ان کی حقیقت سے آگاہی بھی اہمیت کی حامل ہے۔ سادہ لفظوں میں پتہ کی بات کو ادا کرنا حد درجہ دشوار ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ تفسیر لکھنے والے کی فکر اور سوچ پر علوم وفنون کے سمندر اپنی خصوصیات کو نمایاں کرتے ہیں اور مفسر کے لیے یہ عمل دشوار گذار ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اظہار کو کس کیفیاتی فضا اور لفظیات کی بندش سے وابستہ کرے، جس کی وجہ سے نہ صرف ترسیل کی تکمیل ہو جائے۔ اس کے علاوہ مفہوم ادا ہونے کے ساتھ ساتھ تحریر میں گہرائی اور گیرائی کا وصف بھی شامل ہو جائے۔ اس معاملہ میں صاف طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب تک خدا کی نصرت مفسر کے شامل حال نہ ہو، اس کی تحریر میں گہرائی و گیرائی کا وصف پیدا ہونا ممکن نہیں۔ حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کی ذات پر خدا کا فضل اور عنایتوں کا ظہور رہا۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر اشرفی کے ایک ایک جملے اور ایک ایک فقرے میں نہ صرف گہرائی و گیرائی کا اثر کارفرما ہے، بلکہ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بندہ کی لکھی ہوئی تحریر میں خدا نے تاثیر کی کیفیت کو اس طرح پیوست کر دیا ہے کہ ہر جملہ اور فقرہ اظہار کی قوت سے مالا مال ہے اور گہرائی و گیرائی کی تمام خصوصیات سے وابستہ ہو کر آسان ترسیل کا حق ادا کرتا ہے۔ گہرائی سے مراد کسی بھی لفظ کی تہہ میں اتر کر اس کی معنوی کیفیت کو ہمہ گیر بنا دینا ہے۔ اسی طرح گیرائی سے مراد کسی لفظ کے اطراف واکناف میں موجود ماحول کو اس طرح متاثر کرنا کہ وہ لفظ خود کیفیت کو سمو لینے کا علمبردار ہو جائے۔ یہ ایسی خصوصیات ہیں جو من جانب اللہ کسی کی تحریر کا وصف بنتی ہیں۔ چوں کہ حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی نے خدا کی نصرت اور بندوں کی تربیت کو پیش نظر رکھ کر اس تفسیر کی تحریر کا ارادہ فرمایا اس لیے اس تفسیر کی لفظیات میں نہ صرف قوتِ تاثیر ہے، بلکہ معنویت کا دریا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ترسیل کی نشاندہی کرتا ہے، جس کے ساتھ ہی گہرائی و گیرائی کی ایسی خصوصیت نمایاں ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے لفظ و معنی میں اشتراک اور اظہار میں مثالیت شامل ہو کر ہر جملے اور ہر فقرے

سے معنویت کا یکساں عمل نمایاں ہونے لگتا ہے۔غرض تفسیر اشرفی کے اسلوب میں جہاں سادہ اور عام فہم الفاظ جلوہ گر ہیں وہیں لفظوں کی صوتی خصوصیات اور ان کی گہرائی و گیرائی سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ کو تحریر کا وصف من جانب اللہ حاصل ہوا تھا،اس لیے ان کی تفسیر میں کیفیاتی فضا جلوہ گر ہے۔جس سے دل متاثر ہوتے اور ذہن کے دریچے کھلنے کے علاوہ گہرائی و گیرائی کی وجہ سے عقل وفراست کے بہترین نمونے جلوہ گر ہوتے ہیں۔اس قسم کا تحریری منفرد رویہ اردو کی بہت کم تفسیروں میں دکھائی دیتا ہے،اسی لیے تفسیر اشرفی کے اسلوب کو حد درجہ رواں اور عصر حاضر کا علمبر دار قرار دیتے ہوئے یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ برسوں تک اس تفسیر کے اسلوب کو حد درجہ پسند کرتے اور اپنی زندگی کو سنوارنے کا وسیلہ بناتے رہیں گے۔

فنی اعتبار سے تفسیر کو غیر افسانوی نثر میں شمار کیا جاتا ہے۔قصہ،کہانی اور واقعہ کے اظہار کے لیے اختیار کی جانے والی نثر میں بیانیہ کا وصف شامل ہوتا ہے۔اس کے بجائے دنیا کی حقیقتوں کو نمایاں کرنے کے لیے جس اندازِ تحریر کو اظہار کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اسے وضاحت کی حیثیت سے نمائندگی دی جاتی ہے۔تفسیر ایک ایسا نثری کارنامہ ہے جو غیر افسانوی نثر کا وسیلہ ہے۔اس لیے تفسیر کے توسط سے کوئی بھی مفسر بیانیہ انداز کے بجائے وضاحت کے طریقہ کو اختیار کرتا ہے۔خدا کی ودیعت کردہ دو اہم صلاحیتوں کی وجہ سے بیان اور وضاحت کا عمل تکمیل پاتا ہے۔ساری دنیا میں بسنے والے ذی روحوں میں انسان ہی وہ اشرف المخلوقات ہے جسے قدرت نے قوتِ متخیلہ اور قوتِ آخذہ کی نعمت سے مالا مال کیا ہے۔یہ نعمت دنیا کی کسی اور مخلوق میں موجود نہیں۔خیال کرنے کی قوت کو پیش کرنے کا اندازِ تخیل کی نمائندگی کرتا ہے اور اس کے توسط سے قصہ کہانی کا وجود ہوتا ہے،جب کہ دنیا میں موجود حقیقتوں کو دیکھ کر اس سے نتائج اخذ کرنے کا انداز قوتِ آخذہ کی دلیل ہے،چوں کہ تفسیر کے ذریعہ قرآنی آیات اور اس کی لفظیات پر غور وخوض اور ان سے نتائج اخذ کرنے کا عمل تکمیل پاتا ہے،اس لیے تفسیر جیسی غیر افسانوی صنف کو قوتِ آخذہ کی دلیل اور اس کے توسط سے وضاحتوں اور تشریحات کی تکمیل کا حق ادا ہوتا ہے۔کسی بھی مفسر کی تحریر میں بیانیہ کا عمل تفسیر کی حیثیت سے شامل ہو تو حقائق اپنی وضاحت کے بجائے خیالی قصہ وکہانی کے اظہار کی دلیل بن جائیں گے۔اس لیے تفسیر لکھنے کے دوران کہیں بھی قصہ کہانی کی روایت کو استعمال نہیں کیا جائے گا، بلکہ حقائق کی وضاحت اور سچائیوں کی تشریح کا عمل ہی کسی بھی تفسیر کی اہم خصوصیت میں شامل ہے۔تفسیر اشرفی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علامہ سید محمد مدنی

اشرفی جیلانی مدظلہ العالی نے اِس تفسیر کے دوران محدثِ اعظم حضرت علامہ سید محمد اشرفی جیلانی کے رویے کو استعمال کرتے ہوئے اپنے اسلوب کی حقانیت کو نمایاں کیا ہے۔ غیر افسانوی نثر کی مؤثر نمائندگی کے ذریعہ تفسیر اشرفی میں وضاحت کا فطری انداز اور مبالغہ سے حد درجہ پرہیز کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ عام طور پر بیانیہ نثر کے دوران قصے کہانی کی ترتیب وترسیل پر توجہ دی جاتی ہے، اس لیے افسانوی نثر مبالغہ، قیاس آرائی، فسانہ طرازی اور بے حقیقت ماورائی خصوصیات کی علمبردار ہوجاتی ہے، جب کہ تفسیر لکھنے کے دوران اس قسم کے رویے کا استعمال فن تفسیر سے ناانصافی کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر اشرفی کا اسلوب غیرافسانوی ہونے کے علاوہ وضاحت سے مالا مال اور تشریحات کا دامن تھام کر فکر وفہم کو ترسیل کا آئینہ دکھانے کا علمبردار ہوجاتا ہے۔ توضیحات اور تشریحات ہی نہیں بلکہ تفسیر کے دوران تحقیقی وتنقیدی رویے کو بھی شامل کرنا پڑتا ہے۔ یہ تحقیقی اور تنقیدی رویے اسی وقت تفسیر کا حصہ بنتے ہیں جب کسی تاریخی حقیقت یا گزرے ہوئے واقعہ کو قرآن مجید نے بطورِ اشارہ پیش کردیا ہو تو مفسر کے لیے یہ لازمی ہے کہ اُس اشاراتی تاریخی حقیقت کو نمایاں کرنے کے لیے داستانوی، ماورائی یا قیاسی رویہ اختیار کرنے کے بجائے خالص تحقیقی وتنقیدی رویہ اختیار کرکے تاریخی اشارات کی عقدہ کشائی پر خصوصی توجہ دے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ مفسر کا ذہن تمام واقعات وحالات سے کما حقہ واقفیت رکھنے کے ساتھ ساتھ نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت سے وابستہ ہو۔ جیسا کہ ابتداء ہی میں بتایا جاچکا ہے کہ تفسیر لکھنے کے لیے کئی علوم وفنون پر دستگاہ ضروری ہے۔ اس کا اظہار تفسیر اشرفی کے مدوّن نے خود اپنے پیش لفظ میں واضح کردیا ہے۔ ایک عام تدوین متن سے بالکل مختلف طریقہ تفسیر کے دوران اختیار کرنا پڑتا ہے۔ کوئی بھی قدیم مواد کو ترتیب دیتے ہوئے اُس کی حقیقت اور تفصیلات کی عقدہ کشائی تدوین کہلاتی ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر کو تدوین متن کا موقف اس لیے نہیں دیا جاسکتا کہ قرآن مجید کی آیات میں چھپے ہوئے معنی اور مفہوم کی رسائی انسان کے ذہن سے ممکن نہیں بلکہ روحانی فیوضات اور خدا کی جانب سے جب تک انکشاف کا معاملہ نہ ہو کسی بھی آیت کی تفسیر لکھنا ممکن نہیں۔ اس اعتبار سے تدوین متن سے الگ رویہ تفسیر کے دوران اختیار کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی انسان قرآن مجید کی تفسیر لکھ کر اسے خود اپنا کارنامہ تصور کرتا ہے تو بلاشبہ وہ غلط فہمی کا شکار ہے، کیوں کہ قرآنی آیات میں چھپے ہوئے مفہوم کی گرہوں کو کھولنا اور اس کی وضاحت وتشریح کے رویے کو فطری انداز سے نمایاں کرنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ تفسیر لکھنے والے پر خدا کی جانب سے کشف کا دروازہ کھلنا

ضروری ہے۔غرض تفسیر کی ادبی حیثیت دوسری نثری اصناف سے بالکل مختلف ہے۔ یہ غیرافسانوی نثر کی دیگر فنی خصوصیات سے بالکل مختلف طرزِتحریر ہے جس میں حقائق کے سوا کسی بھی مبالغہ کو شامل نہیں کیا جاسکتا اور اگر کوئی تفسیر لکھنے کے دوران من مانی اور اپنی طرف سے لفظ ومعنی کی دنیا سجانے کی طرف مائل ہوجائے تو بلاشبہ اُس کی تفسیر خود اسے گمراہ کرنے کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ اس کے مطالعہ سے انسانی گروہ کے بھی گمراہ ہونے کا خدشہ شدید ہوجاتا ہے، اس لیے تفسیر لکھنے والے پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تفسیر کے دوران ہر لفظ کو ناپ تول کر اُس کی ادبی حقیقت کے علاوہ تاریخی اور واقعاتی خصوصیت کو جانتے ہوئے اظہارِ خیال کرے، ورنہ تفسیر کی لفظیات حد درجہ گمرہی کا وسیلہ بن جائے گی۔

اس خصوص میں سرسید احمد خان کی لکھی ہوئی تفسیر اور ڈپٹی نذیر احمد کی جانب سے قرآن کے پاروں کے ترجمہ کی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اُن مفسرین نے تفسیر کے دوران اپنی سوچ وفکر کے مطابق قرآنی آیات کی توضیح وتشریح کی طرف توجہ دی، جس کی وجہ سے ان دو اشخاص کی جانب سے لکھی جانے والی تفسیریں چاہے عقل اور سائنس کی بے شمار گرہیں کیوں نہ کھولتی ہوں، لیکن حقائق سے پرے ہونے کی وجہ سے ایسی تفسیروں کو قابل اعتناء نہیں سمجھا جائے گا۔ ان مثالوں کے ذریعہ یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ تفسیر لکھنے کے مختلف انداز ہر دور میں جاری وساری رہے اور ہر انسان نے قرآنی آیت کو اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق اظہار کا ذریعہ بنایا، جب کہ قرآن کا بنیادی تقاضہ یہی ہے کہ اس کی لفظیات کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس معنی ومفہوم کے توسط سے دنیا میں پیش کیا وہی مفہوم کی وضاحت وتشریح کی جائے۔ تب تفسیر کے فطری تقاضے کا حق ادا ہوتا ہے۔ تفسیر اشرفی کی بنیادی خصوصیت یہی ہے کہ اس کے توسط سے الٰہیات کے فلسفے کی نمائندگی ہی نہیں بلکہ روحانیات اور قرآنی آیات کی ترسیلی خصوصیات کو منظر عام پر لانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، اس لیے یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ حضرت سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی نے تفسیر اشرفی کے توسط سے توضیح وتشریح کے ساتھ مکمل انصاف کیا ہے اور کہیں بھی قیاس آرائی اور عبارت آرائی سے کام نہ لیتے ہوئے حقائق کی پردہ دری کے ذریعہ قرآن مجید کے مزاج اور اس کی لفظیات میں موجود حقائق کو نمائندگی دے کر عام انسان کے ذہن کو مہمیز کرنے کا کارنامہ انجام دیا گیا ہے، اس لیے تفسیر اشرفی کو اردو میں لکھی جانے والی دوسری تفاسیر سے جداگانہ موقف حاصل ہوجاتا ہے۔

وضاحت کے ضمن میں ایک اہم بات پیش نظر رکھنی ضروری ہے اور یہ عمل بھی مفسر کے قوتِ تمیز سے متعلق ہے کہ وہ کس حقیقت کی وضاحت کس انداز سے انجام دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا مرحلہ ہے جہاں عالم اور فاضل ہی نہیں بلکہ زبان داں افراد بھی غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مفسر قرآن کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر وضاحت کے لیے اپنی مرضی اور موقف کے بجائے وضاحت کی فطرت کے لیے جس کیفیت کی ضرورت ہوتی ہے اسی کو بروئے کار لائے۔ اس کا مطلب ہی یہی ہے کہ وضاحت نہ تو طویل ہونی چاہیے اور نہ اتنی مختصر ہو کہ پڑھنے والے کی تشنگی باقی رہ جائے۔ اس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ وضاحت ایک ایسا طرزِ عمل ہے کہ جس کے توسط سے قاری کی توجہ اور اس کی تمیز کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی مفسر حقیقت پسندانہ وضاحت کی طرف توجہ دے۔ کسی واقعہ، فعل اور عمل کی وضاحت اس کی فطرت کے مطابق انجام دی جائے تو اس میں خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے بجائے بے جا طوالت اور لفاظی کا طریقہ اختیار کیا جائے تو وضاحت کا انداز غیر فطری اور قاری کی توجہ کو منتشر کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس لیے کسی بھی مفسر پر ضروری ہوتا ہے کہ وہ جس آیت، واقعہ اور حقیقت کی وضاحت کا ارادہ کرے، اس کے توضیحی و ترسیلی رویے میں بانکپن اور فطری روانی کی نمائندگی پر خصوصی توجہ دے۔ جہاں وضاحت کو مختصر کرنا ہو وہاں اختصار سے کام لے اور جس جگہ پر وضاحت تفصیل طلب ہے وہاں پوری خصوصیات کی نشاندہی کرتے ہوئے وضاحت کا رویہ اختیار کیا جائے تب اس عمل کی وجہ سے وضاحت میں ندرت پیدا ہوتی اور قاری کی توجہ بھی برقرار رہ سکتی ہے۔ اس اعتبار سے وضاحت کا معاملہ مفسر کی اپنی دلچسپی کے علاوہ قاری کی دلچسپی سے بھی وابستہ ہے۔ ایسے مفسرین جو قاری کی دلچسپی کا لحاظ رکھتے ہوئے موزوں اور مناسب وضاحت کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ اپنے وقت کے کامیاب مفسرین میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے بجائے اپنی علمیت، زبان دانی اور معاملہ فہمی کو پیش نظر رکھ کر تفسیر کے دوران وضاحت کا طریقہ اختیار کرنے والے مفسرین کی تفاسیر میں اس لیے جھول پیدا ہو جاتا ہے کہ ایسے مفسرین وضاحت کی فطرت کو نظر انداز کر کے غیر فطری وضاحت کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔ غرض تفسیر لکھنے والے پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ہر قسم کی وضاحت کے دوران اپنی علمیت اور زبان دانی کے بجائے وضاحت کی فطری خصوصیت کو پیش نظر رکھ کر توضیحات و تشریحات کا معاملہ جاری رکھے۔ اس رویہ سے تفسیر کے دوران وضاحت کا سلسلہ جاری رہے تو بلاشبہ ایسی تفسیروں کو عوامی پسند کا موقف حاصل ہوتا ہے۔ تفسیر اشرفی میں اس انداز کی پذیرائی

موجود ہے۔فطری وضاحت کے تمام گوشے تفسیر اشرفی کے محاسن کی نمائندگی کرتے ہیں۔فطری طور پر جس واقعہ کی تفصیل بیان کرنا ہو وہاں وضاحت کا طوالتی انداز اور جس مقام پر اختصار کو ملحوظ رکھ کر وضاحت کو مختصر کرنے کے انداز کو تفسیر اشرفی میں شامل کیا گیا ہے،اس لیے وضاحتی اعتبار سے تفسیر اشرفی کو فطری وضاحت کی نمائندہ اور توازن کو برقرار رکھنے والی تشریحات کی امین قرار دیا جائے گا۔غرض اِس وضاحتی عمل کو تفسیر لکھنے کے معاملہ میں انتہائی اہمیت کا موقف حاصل ہے۔

قرآن مجید کی آیات اپنی جگہ مسلمہ اور ان کی لفظیات میں پنہاں معنوں کی گرفت بھی اپنی حقیقت سے وابستہ ہے،لیکن مفسر کا دماغ اور اس کی سوچ قرآنی آیات کے معاملہ میں سرسری نگاہ سے گذر جائے تو کسی بھی قسم کی اہمیت واضح نہیں ہو سکے گی، کیوں کہ قرآن مجید نے خود انسان کو افلا یتدبرون اور افلا یتفکرون کا درس دے کر انسانی ذہن کو غور وفکر کرنے اور سوچ کی عادت ڈالنے کی ترغیب دلائی ہے۔اِس پس منظر میں قرآنی آیات اور اس کی لفظیات کے عصری معنی ہی نہیں بلکہ جس دور میں قرآن مجید کا نزول ہوا اُس دور سے آج کے دور تک قرآنی لفظیات کی ہمہ گیر معنویت کو مختلف ادوار میں جن جن فرہنگوں سے وابستہ کیا گیا ہے اور قرآنی آیات کی لفظیات میں چھپی ہوئی کیفیاتی فضا کو جب تک مفسر اپنے ذہنی گوشوں میں نمایاں کرنے کی صلاحیت پیدا نہ کرے،اُس وقت تک یہ ممکن ہی نہیں کہ قرآنی آیات کی لفظیات کی گرہیں کھلیں اور مفسر اُن آیات کی ہمہ گیر معنویت کی پردہ دری کا کارنامہ انجام دے سکے۔یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں دنیا کے تمام علوم ہی نہیں بلکہ دنیا کے وجود سے لے کر اس کے خاتمہ تک کی تمام خصوصیات کو شامل کیا گیا ہے۔دنیا کی ہر قسم کی مخلوقات اور زمین وآسمان کے علاوہ ستارے اور سیارے اور پھر زمین کی تہوں میں موجود مختلف اشیاء کے ساتھ ساتھ سائنسی ایجادات واختراعات کے مسائل کو بھی قرآن مجید کی آیتوں نے وضاحت کے رویوں سے وابستہ کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ موریس بوکائیے نے ''قرآن، بائبل اور سائنس'' جیسی کتاب لکھ کر قرآنی آیات کے انکشافات کو عالمی تناظر میں حقائق سے وابستہ قرار دے کر انہیں سائنس کی مؤثر نمائندگی کا حق ادا کرنے کا ذمہ دار قرار دیا۔غرض ایک مفسر کو قرآنی آیات اور اس میں موجود انکشافات کو نمایاں کرنے کے لیے تحقیقی وتنقیدی رویے کو کام میں لاتے ہوئے دنیا کی مختلف زبانوں اور ان کے توسط سے علمی، فنی اور تکنیکی معاملات کو حل کرنے کے لیے جن جن قرآنی آیات سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے ان تمام کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی تفسیر لکھنے کی طرف توجہ دینا پڑتا ہے۔بغیر مطالعہ اور بغیر تدبر وتفکر کے تفسیر تحریر

کرنا درحقیقت خود کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔ غرض قرآنی آیات اور اس کی لفظیات کا کشف جب تک دل کے حضور میں نمایاں نہ ہو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید کی تفسیر لکھنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس طرح قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا عمل اسی وقت پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے جب کہ لفظ و معنی کی حقیقت سے واقفیت کے ساتھ ساتھ دل کے حضور میں ہر آیت کے بارے میں کشف کا ورود نہ ہو تو بلاشبہ تفسیر لکھنا بھی سخت دشوار ہے۔ یعنی قرآنی آیات کی تفہیم و ترسیل کے لیے خدا کے حکم کی تعمیل کے نتیجہ میں ہی مفسر کا ذہن وضاحتوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس وضاحت کے رویے میں خدا کی نصرت اور اس کی کامرانی شامل ہو تو ہی قرآن مجید کی آیات کی مناسب توضیح و تشریح کے امکانات روشن ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی نے ''تفسیرِ اشرفی'' کے توسط سے اسی رویے کا استعمال کر کے کامیابی حاصل فرمائی ہے۔

عالمی معیارات کے مطابق تفسیر کو بھی عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ عمل بلاشبہ فالِ نیک کا درجہ رکھتا ہے، لیکن جہاں تک یوروپی دنیا کی ادبی ترقیات اور لفظوں کی توڑ پھوڑ کا معاملہ ہے اس قسم کے لسانی نظریہ کو کوئی بھی مفسر اپنی تحریر میں جگہ نہیں دے سکتا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ یوروپی دنیا میں اردو زبان کو تہذیب و اخلاق سے بے گانہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اِس خصوص میں اردو پر نہ صرف اشتراکی نظریات رکھنے والوں کے حملے ہو رہے ہیں، بلکہ دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے انسانوں کے نظریات کو بھی اردو زبان پر مسلط کیا جارہا ہے، جس کی وجہ سے فرقہ پرستی، عریانیت، ہم جنسیت، لڑائی جھگڑے اور اختلافات کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ لازمی ہے کہ زبان کے نام پر جھگڑے اور ایک ہی لفظ کے معنی و مفہوم، آپسی ٹکراؤ کے قریب ہوتے جارہے ہیں تو لازمی طور پر یوروپی افکار نے لسانی پس منظر میں لفظوں کی توڑ پھوڑ کو ایک قسم کی جدت کا عمل قرار دیا ہے۔ بلاشبہ اس تراش خراش کو کوئی بھی مفسر اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا، البتہ الفاظ کو سبک، نرم اور پرتاثیر بنانے کے لیے کسی صوتی آہنگ کو سہارا بنایا گیا ہے تو اس پر توجہ دی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر اور تعبیر کے علاوہ اس کی آیتوں کی معنوی پہلوداری کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے تفسیر بلاشبہ اہم وسیلہ کا درجہ رکھتی ہے اور اس وسیلہ کو استعمال کر کے حضرت سید محمد مدنی اشرفی جیلانی نے برصغیر میں وضاحت کے فطری رویے کی نمائندگی فرمائی ہے، اس لیے تفسیر اشرفی کو عصر حاضر کی ہمہ جہت توضیحات و تشریحات سے

مالا مال تفسیر کا درجہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔اس تفسیر کی طباعت مدنی آفسیٹ پرنٹرس کرجن گجرات میں مکمل ہوئی ہے، جب کہ طباعت کی نگرانی سید شوکت علی اشرفی نے انجام دی ہے۔ چھ جلدوں میں پیش کردہ 114 سورتوں پر مشتمل یہ تفسیر اس لیے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ تفسیر کے ہر جلد کے آخر میں استعمال ہونے والے الفاظ کی ''تشریح لغات'' کی شمولیت سے قاری کو پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ہر جلد چھ سو سے زیادہ صفحات کی نشاندہی کرتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اتنی جامع، مفصل اور دلوں کو چھو لینے والی تحریر کے ذریعہ لکھی گئی تفسیر کی ترتیب میں زائد از سات سال کا عرصہ بیت گیا۔اس طرح 2008 سے لے کر آج تک اس تفسیری خزانہ کی طباعت کا سلسلہ جاری رہا۔اس قدر نایاب اور عام فہم تفسیر سے عوام الناس کو ضرور فیض پہنچے گا۔اس کا اجر تو خداوند قدوس کی بارگاہ میں محفوظ ہو چکا ہے، لیکن دنیا میں بندوں کی خدمت کا حق ادا کرنے اور انہیں راہِ راست سے جوڑے رکھنے کے لیے حضرت سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کی خدمات کو دین و دنیا میں سرخروئی کا موقف حاصل ہو جائے گا۔غرض تفسیر اشرفی کی چھ جلدوں کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت علامہ نے قوم کے ایک بہت بڑے قرض کو اتار کر ملتِ اسلامیہ کے اتحاد واتفاق کے لیے ہمہ جہت کارنامہ انجام دیا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ تفسیر کے تحفہ کو قبول فرماتے ہوئے مسلمانوں کے آپسی تفرقوں کے ختم کرنے کا ماحول پیدا کر دے تا کہ تمام فرقوں میں اتحاد کی فضا ہموار ہو جائے آمین ثم آمین۔

مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کی تفسیر

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی کا ادبی اعجاز:

—— ڈاکٹر منظور احمد دکنی، شعبۂ اردو و فارسی، گلبرگہ یونیورسٹی، گلبرگہ

شیخ الاسلام حضرت سید مدنی میاں اشرفی جیلانی قبلہ کی تفسیر، تفسیرِ اشرفی اکیسویں صدی عیسویں میں اردو زبان میں لکھی جانے والی اہم ترین تفسیر ہے۔اس تفسیر کے ذریعے مولانا نے عصری تقاضوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک اہم ذمہ داری کو پورا کیا ہے۔اس کام سے جہاں اہلِ ایماں کو فکری تازگی ملتی ہے وہیں صوفیانہ افکار اور دعوتِ دین کے لئے حوصلہ و رہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے۔

قرآن فہمی کے لئے اردو میں تراجم کے ساتھ ساتھ تشریحات کو بھی ضروری قرار دیا جا تا رہا ہے۔برِ صغیر ہند و پاک میں پچھلی تین صدیوں میں اردو میں بے شمار تراجم و تفاسر لکھی جاتی رہی ہیں۔ان تراجم و تفاسیر میں خانوادہ اشرفیہ کے چشم و چراغ محدث اعظم ہند اور ان کے شہزادے مولانا مدنی میاں کے ترجمہ اور تفسیر کی اہمیت اس وجہ سے بھی حاصل ہے کہ یہ ترجمہ اور تفسیر عصرِ جدید کے تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے آسان اور عام فہم طرز کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔

مولف مکرم نے اپنی محنت شاقہ سے اپنے پدرِ محترم محدث اعظم ہند کے خوابوں کی تعبیر پیش کی ہے۔محدث اعظمِ ہند نے اپنے سلیس ترجمہ کی مقبولیت کے بعد تفسیر کا ارادہ فرمایا اور تین پاروں کی تفسیر بھی فرما چکے تھے کہ اس دنیا سے چل بسے۔آپ کے پردہ فرمانے کے بعد صرف ایک پارے کی تفسیر ہی دستیاب ہوئی۔لہذا مریدین اور معتقدمین کی گزارش پر شیخ الاسلام نے تفسیری کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔دس جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر محدث اعظم ہند کے ترجمہ اور پہلے پارہ

تک کی تفسیر کی اساس پر ہی ترتیب و تدوین کے مراحل سے گزر چکی ہے۔تفسیر کی ترتیب و اسلوب میں حضرت کی جانفشانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ان کی اس سعی کو نہایت سادہ اور سلیس انداز میں قرآن شناسی کی طرف رغبت دلانے کی ایک کامیاب کوشش قرار دی جاسکتی ہے۔اس سلسلہ میں ''منظور ہے گزارش احوال واقعی'' میں مدنی میاں قبلہ فرماتے ہیں:

> ''اس میں معتبر تفاسیر کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے اور فنی بحثوں کو نہیں چھیڑا گیا ہے۔اختلافی احکام و مسائل میں فقہ حنفی کی رو سے وضاحت کی گئی ہے اور دلائل سے ممکنہ حد تک احتراز کیا گیا کیونکہ مقصد صرف قرآن کی تفہیم ہے۔لہذا نہ اس قدر اختصار ہے کہ معانی واضح نہ ہو سکیں اور نہ اس قدر تفصیل کہ آیات کی تفہیم سے اس کا تعلق نہ ہو۔'' (تفسیر اشرفی جلد اول ص۶۰)

مدنی میاں قبلہ نے جہاں اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے عام مسلمانوں کے فکر و ذہن کو جھنجھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں وہیں انہوں اپنی تحریروں سے بھی عام و خاص کو متاثر کیا ہے۔حضرت کی تحریری خدمات میں تفسیر اشرفی ان کا اہم کارنامہ ہے۔اس تفسیر میں اصول تفسیر کے ساتھ ساتھ عصری تقاضوں کا بھی کماحقہ خیال رکھتے ہوئے نہایت لگن، تحقیق،جستجو کے ساتھ قلیل عرصہ میں اس کی تدوین فرمائی ہے۔مومن کے لئے اس سے بڑی سعادت کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تبارک تعالی کے کلام کا مطالعہ کر کے اس کی افہام و تفہیم کے لئے خدا کی ودیعت کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ساری انسانیت تک اس کے پیغام کو پہنچایا جائے۔اگرچہ اردو زبان میں کئی تفاسیر لکھی جاتی رہی ہیں جو زمانے کے تقاضوں سے مطابقت رکھتی ہیں،تاہم عصر جدید میں ایک ایسی تفسیر کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جو نہ صرف سائنس وٹکنالوجی کے عہد کے تقاضوں کو پورا کر سکے بلکہ اکیسویں صدی کی زبان اور تہذیب کی عکاسی بھی کرتی رہے۔لہذا تفسیر اشرفی ان تمام تقاضوں کو پر کرتی نظر آتی ہے۔تفسیرِ اشرفی میں قرآنی آیات کی تشریحات میں سیرت النبی ﷺ،احادیث،سیرت صحابہ اور اکابر صوفیہ کرام کے اقوال سے استفادہ کیا گیا ہے۔اس تفسیر میں کسی بھی مضمون یا موضوع کی تشریحات کو مربوط و مبسوط طرز میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ کی تکمیل کی گئی ہے جس سے اس پوری سورت کا پسِ منظر اور پیش منظر سامنے آجاتا ہے اور بعض مقامات پر معنوی اور موضوعی مناسبات اور ربط بیان کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔مولانا کے

یہاں جس درجہ کا علمی تبحر، دقتِ نظر اور تدبر وتفکر پایا جاتا ہے اس کے علاوہ انہوں نے آیات کی تشریحات میں ایجاز واختصار اور جامعیت کی آئینہ داری کرتے ہوئے سلیس اور سادہ زبان میں اپنے دلائل پیش کئے ہیں تاکہ عام انسان بھی اس سے استفادہ کرسکے۔ چنانچہ ضیاالرحمٰن علیمی، تفسیر اشرفی کی سادہ بیانی پر یوں رقم طراز ہیں:

''کلام الٰہی کے تفسیری اثاثہ میں یہ ایک شاندار اضافہ ہے اور خاص طور سے ان لوگوں کے لئے مفید ہے جو سیدھے اور سہل انداز میں قرآن کے معانی ومفاہیم کو سمجھنا چاہتے ہیں اور اس کے تفصیلی عملی مباحث میں نہیں پڑنا چاہئے۔''

(مضمون: شیخ الاسلام کی قلمی خدمات، مشمولہ جام نور ص۹۰ شمارہ اپریل ۲۰۱۱)

قرآن حکیم کی تفاسیر مختلف علوم وفنون، فلسفہ اور ادب کی غماز ہیں۔ مثلاً حضرت امام فخرالدین رازی کی ''تفسیر کبیر'' فلسفیانہ رنگ کی حامل ہے تو علامہ جاراللہ زمخشری کی ''تفسیر کشاف'' قرآن کے ادبی محاسن کی ترجمان ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں کہا تھا کہ

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

سید التفاسیر پر ایک تجزیاتی نگاہ ڈالتے ہوئے اس کی ادبی حیثیت کی شناخت ممکن ہے۔ مولانا نے معتبر روایتوں سے اپنی تفسیر لطیف میں وجدانی اور عرفانی کیفیات، وسعتِ فکر، تخیل کی پرواز' الفاظ کی مینا کاری، اسلوب کی جدت، فن کی ندرت، غرض تفسیر اشرفی میں تمام تر ادبی خوبیاں جلوہ گر ہیں۔

تکرار، تضاد اور مناسبات لفظی:

آیات ربانی کی تشریحات میں مفسر گرامی نے لفظوں کی تکرار سے ایک آہنگ پیدا کیا ہے۔ گویا اس صنعت کا خوبصورت استعمال انہوں نے نثر پاروں میں کرتے ہوئے ادبی اعجاز کی مثال پیش کی ہے۔ اسی طرح تضاد بھی ان کے یہاں مل جاتا ہے۔ رعایتِ لفظی کا استعمال بھی ان کی ادبی اعجاز کی شان ہے۔ کئی آیات کی تشریحات میں موصوف نے مناسبات لفظی کے ذریعے زبان میں ندرت اور خوبی پیدا کرنے کی سعی جمیل کی ہے۔ سورۃ المجادلہ (آیت ۷) اور سورۃ الانفطار (آیت ۱۹) سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

''(کیا نہیں دیکھا دیکھا تو نے ؟) اور نہیں جانتا تو یہ (کہ اللہ) تعالیٰ (جان رہا ہے جو کچھ آسمانوں) میں فرشتے ،تارے،روحیں ہیں (اور جو کچھ زمین میں ہے) ازقسم جمادات،نباتات اور حیوانات وغیرہ۔
ان سرگوشی کرنے والوں اور چھپ چھپ کر اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف پلاننگ کرنے والوں کی حرکتوں سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔
اہلِ آسمان کے حالات اسی طرح جانتا ہے جیسے اہلِ زمین کے۔اور اس کے علم چھپے ہوئے امور کو اس طرح گھیرے ہوئے ہے جیسے اہلِ ظاہری امور کو۔''

''اور کیا اٹکل نہیں کہ کیا ہے روزِ جزا؟۔پھر کیا اٹکل تمہیں کہ کیا ہے روزِ جزا؟۔۔۔۔۔۔یہ مبالغہ وتکرار اس روز کی شان کی تعظیم کی جہت سے ہے۔''

تراکیب ومرکبات:

علامہ مدنی میاں کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے اسی لئے انہوں نے اپنی استعداد کا بھر پور استعمال کیا ہے انہوں نے اپنی تشریحات وتاویلات میں تراکیب ومرکبات کا خوبصورت استعمال کیا ہے انہوں نے فارسی اور ہندی زبان کا اثر بھی قبول کیا ہے اور اپنی تشریحات میں اپنے دور کی سلاست اور رواں زبان کا استعمال کیا ہے جو عصری زبان سے مطابقت رکھتی ہے۔ان کے تفسیری مطالعہ سے یہ بات روشن ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کی زبان استعمال کی ہے۔زبان کی ایک ساخت ہوتی ہے جو ہر عہد میں قائم رہتی ہے تاہم اس کے اسلوب میں تبدیلی آجاتی ہے۔مفسر کی تشریحات سے زبان کا دریا بہنے لگتا ہے۔لہٰذا حضرت مدنی میاں کے یہاں زبان کی ساخت میں حسن موجود ہے اور یہ حسن روزمرہ اور بول چال کی زبان کے استعمال کی وجہ سے آیا ہے۔تفسیر اشرفی سے چند مرکبات اور تراکیب کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں:عالم خاک، صاحبانِ منصب،قلبی کارروائی،عالم افضل،مومنِ بے عمل،وراثتِ انبیاء وغیرہ۔

محاورہ وروزمرہ:

شیخ الاسلام نے محاورہ بندی کے توسط سے آیات کی افہام وتفہیم فرمائی ہے مولانا موصوف نے محاورہ اور روزمرہ کی چاشنی سے تفسیر اشرفی میں سلاست اور روانی کے دریا بہائے ہیں جیسے

تم ان کافروں کو جھک مارنے دو۔۔۔۔۔اپنے لئے جنتی ہونے کی
ڈینگ مارنا۔۔۔۔تم خود اپنے گناہ پر نادم ہوجایا کرو۔۔

حسن ورعنائی:

علمائے اہلِ حق کا خیال ہے کہ جس طرح تراجم کے باب میں کنزالایمان کولاریب کی حیثیت حاصل ہے اور زبان وادب کا خزینہ ہے۔اسی طرح تفسیری نقطۂ نظر سے حضور والا کی تفسیرِ بالاشان کو بھی اسی زمرے میں رکھا جاسکتا ہے۔قرآن اللہ رب العزت کا کلام بلاغت نظام ہے۔اس کا ہر لفظ معانی کا ایک جہان ہے اس کے آہنگ،صوتی حسن اور حسن وخوبصورتی میں جمال وجلال،شان وشکوہ،اور ترنم وتغنم وغیرہ جلوہ فگن ہیں۔قرآن خوانی کرنے والے اس کے اعجاز سے واقف ہیں یہ اعجاز خوش الحانی ہے۔اس طرح اس کی قرأت کی جائے تو اس میں ترنم کا احساس ہوتا ہے اور سامع پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے۔یہ کیفیت اگر تراجم اور تفاسیر میں بھی پائی جائے تو یہ مولف کی قابلیت اور ادبیت پر دلالت کرتی ہے۔اردو میں اس کیف وسرور کو زبان کی شگفتگی اور شادابی کہتے ہیں۔اس احساس کا تعلق جمالیات سے ہوتا ہے۔ادبی اعتبار سے جمالیات کا ادب سے گہرا تعلق ہے۔چنانچہ تفسیر اشرفی میں احساس جمالِ کی شگفتگی،شائستگی اور رعنائی کی جلوہ گری سورۂ تکویر،سورۂ الانفطار کی ابتدائی آیات کی تشریحات سے ملاحظہ فرمائیں:

بساطِ آفاق سے / اس کے نور کا انبساط / پھیلانا زائل ہوگیا /
نیچے گر پڑے / یا / بے نور ہوگئے / زمیں سے اکھڑ کر / فضا
میں اڑنے لگے۔۔۔

تارے / قندیلوں کی طرح / طاق فلک کے سامنے / نور کی
زنجیروں میں / لٹکتے ہیں / اور / وہ زنجیریں / ان کے ہاتھوں
سے گر پڑیں گی / اور / تارے زمیں پر آپڑیں گے۔۔۔۔۔۔۔

اس طرح بے شمار سورتوں میں احساس جمال وجلال کی شگفتگی کی مثالیں مل جاتی ہیں۔

ایجاز واختصار:

جیسا کہ اہل علم ودانش اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ عربی زبان کی یہ انفرادیت ہے کہ اس میں ایجاز واختصار اس زبان کا اعجاز ہے۔اس طرح عربی زبان کا یہ عملِ ایجاز فارسی زبان کے توسط سے اردو زبان میں در آیا۔لہذا اردو کے شاعروں اور ادیبوں نے زبان کی تنگ

دامنی کے باوجود اپنی تحریروں میں اختصار اور جامعیت کی نادر مثالیں قائم کی ہیں۔اس سلسلہ میں جب ہم تفسیر اشرفی کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں بھی ایجاز واختصار کی مثالیں مل جاتی ہیں۔درج ذیل مثالیں سورۂ طارق، سورۂ غاشیہ اور سورۂ شمس کی ابتدائی آیات کی تشریحات کو راقم نے نثری شاعری کے طرز پر پیش کیا ہے۔ان مثالوں سے مولفِ مکرم کی تفسیری مہارت اور اردو زبان پر قدرت سے ان کا ادبی اعجاز نمایاں ہوتا ہے:

رات کو ظاہر ہونے والے /تارے / ہم تمہیں بتا رہے ہیں /
ہمارے سوا / تمہیں / کون بتا سکتا ہے / کہ /رات کو /
نمودار ہونے والے تارے / تارے کی حقیقت کیا ہے؟ / تو یہ
رات کا آنے والا /جو اپنی شعاعوں سے /ظلمتوں کو چاک کرتا
ہے۔۔۔۔۔۔

قیامت /جس کی ہیبت سب کو گھیرے گی؟ / ذلت ورسوائی کے سبب
/ بے وقار و بے مقدار ہوں گے / ۔۔۔وہ تر و تازہ ہوں /اور /
نعمت کا اثر /ان سے ظاہر ہوگا / وہ ہوں گے / جو کام انہوں نے کیا
اور /چونکہ اس کا ثواب دیکھں گے۔۔۔۔

جب وہ بلند ہوتا ہے / اور / چاشت کے مقام پر پہنچتا ہے ۔۔۔/
چاندرات کو /جب آفتاب کے پیچھے / ماہتاب غروب کرتا ہے /جس
رات / چاند پورا ہوتا ہے /تو / اس کا طلوع سورج کے /غروب
سے ملا ہوا ہے۔۔۔۔۔

تفسیر اشرفی کے سرسری مطالعہ سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اس کے کئی ادبی زاویئے ہیں اور ہر زاویہ ایک کتاب کا متقاضی ہے جیسے ایجاز واختصار، روزمرہ، محاورہ، انتخاب الفاظ، ادبی معنویت، فصاحت وبلاغت، علوم وفنون، وغیرہ وغیرہ۔غرض تفسیرِ اشرفی میں ادبی جواہر پارے موجود ہیں۔اس کا اپنا اسلوب اور منہج بھی ہے اور امتیازی شان وشوکت بھی۔عبارت مختصر تفسیر اشرفی، اللہ اور رسول ﷺ کی حقیقی شان کی غماز اور زبان وبیان اور ادبی اعجاز کا مرقع کہلائی جاسکتی ہے

تفسیر اشرفی ایک مطالعہ

——— غلام ربانی فداعالم، مدیر جہان نعت

قرآن کریم اللہ رب العلمین کی وہ عظیم کتاب ہے جو اس نے اقوام عالم کی ہدایت ورہنمائی کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی، رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تیئیس سالہ نبوت کی حیات طیبہ قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وفرامین بھی قرآن کریم کی تفسیر ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو معلم قرآن بنایا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر قرآن کا علم اپنے صحابہ کو دیا اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس علم کو تابعین کو سکھایا اس طرح تفسیر قرآن اور علوم قرآن کا علم برابر منتقل ہوتا رہا چنانچہ ہر دور میں ربانی علماء اس علم کی تدوین وترتیب اور نشر واشاعت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ قدیم وجدید دور میں پیدا ہونے والے فتنوں اور غیر اسلامی افکار ونظریات نے اس علم کو غبار آلود کرنے کی ہر چند کوشش کی مگر یہ علم کسی بھی طرح کے فتنے سے متاثر ہوئے بغیر اپنی اصل پر قائم رہا اور قیامت تک قائم رہے گا کیوں کہ قران کریم، تفسیر قرآن اور علوم قرآن کا محافظ اللہ رب العلمین ہے۔

تفسیر قرآن کریم اور تعلیمات قرآن کریم کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کے لیے علماء حق نے اس علم کو غیر عربی زبانوں میں منتقل کرنے کا اہم کام انجام دیا، برصغیر خصوصاً متحدہ ہندستان میں اس کام کی ابتداء امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے کی، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے وقت کی رائج زبان فارسی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا تا کہ عام انسانوں کا رشتہ وتعلق اللہ کی کتاب سے براہ راست قائم ہو جائے۔ اس دور کے علماء سوء اور باطل پرستوں نے شاہ صاحب کی بے پناہ مخالفت کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے اور یہ انقلابی سلسلہ برابر چلتا رہا پھر اردو زبان کا دور آیا تو حضرت شاہ صاحب کے صاحبزادوں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین رحمہما اللہ نے اردو زبان میں لفظی اور بامحاورہ ترجمہ کیا اور پھر ان کے شاگردوں اور دیگر علما نے ان ہی ترجموں کو بنیاد بنا کر مزید آسان زبان میں ترجمہ قرآن اور مختصر حواشی اور مفصل تفاسیر مرتب کیں۔

تفسیر اشرفی یہ تفسیر، مختصر اور جامع ترین تفسیر ہے۔ جس میں سید المفسرین رئیس المحققین حضور شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی دام فیوضہم نے ہر صفحہ کے اہم مضامین کی تبویب فرمائی اور اہم مضامین کو مختصر الفاظ میں اجاگر فرما دیا۔ اکثر وہ مضامین نمایاں فرماتے ہیں جو اکثر تفاسیر میں نظر نہیں آتے، اس کے علاوہ تصوف کے اہم نکات بھی بیان فرمائے ہیں۔

۲۔ انداز محققانہ ہے۔ نہ کسی کی تقلید نا کسی سے مرعوبیت۔

۳۔ تفسیر کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ مفسر اپنی وسعت معلومات، علوم نقلیہ وعقلیہ پر اپنی دست رسی کا پورا پورا استعمال کرتا ہے، افکار قدیمہ وجدیدہ کا جامع ہے اور علوم شرعیہ کی پوری معلومات رکھتا ہے اور تمام طرح کی کتب تفسیر سے واقف ہے۔

۴۔ علم کلام وتصوف کے معارف تفسیری کا استیعاب بہتر انداز میں فرمایا ہے۔

۵۔ ادبی ولغوی نکات کو حسب موقع اجاگر فرمایا ہے اور اس کے ذریعہ آیت کریمہ کے معنی کی وضاحت فرمائی ہے۔

۶۔ دور جدید کے مسائل کی وضاحت بحسن وخوبی فرمائی ہے۔

۷۔ مذہب سلف کا دلیل وبرہان سے برتر واعلیٰ ہونا ثابت کیا ہے۔

۸۔ کارآمد نوٹس بھی شامل ہیں۔

۹۔ انداز بیاں دل نشیں اور وجد آفریں ہے۔

۱۰۔ تفسیر کا مطالعہ بیدار مغز قاری کو عجیب احساسِ سرور عطا کرتا ہے، قرآن کے ندرت خیال اور حسنِ بیان کا گرویدہ کر لیتا ہے اور اس پر قرآن کی عظمت کا پورا پورا اثر ہوتا ہے۔

۱۱۔ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ اختیار کرنا، تاویلات، بے جا بحث اور کٹ حجتی سے مکمل احتراز کرنا اور مختلف آرا میں سے کسی ایک رائے کے حق میں بے جا تعصب کا مظاہرہ نہ کرنا۔

بلاشبہہ مومن کا دل ہی اللہ تعالیٰ کی کتاب کی عمدہ ترین تفسیر اور اس کو سمجھنے کا کامیاب ترین ذریعہ ہے۔ اس لیے کہ جب ایک بندہ مومن تدبر وانہماک اور نہایت عاجزی اور خشوع کے ساتھ اپنے دل کی پراگندگی کو دور کرتے ہوئے انتہائی یکسوئی کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے رشد وہدایت کی درخواست کرتے ہوئے دست بہ دُعا ہوتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو پیش نظر رکھتے ہوئے شانِ نزول کو اس کے ساتھ جوڑ دیتا ہے تو لامحالہ اس وقت وہ قرآن کریم کے حقیقی فہم کو پالیتا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ تفسیر

کی کسی خاص کتاب کا مطالعہ کرتا بھی ہے تو وہ صرف اور صرف اس لیے ہوتا ہے کہ کسی مشکل لفظ کے معنی یا کسی مبہم ترکیب کو سمجھے یا پھر قرآن کے فہم اور اس کے معانی کے ادراک کے لیے اپنی علمی صلاحیت وثقاہت کو بڑھائے۔ گویا کہ قرآن فہمی کے مذکورہ طریقے کو اختیار کرنے کے بعد کتبِ تفسیر کا مطالعہ فہم قرآن میں مدد ومعاون کے طور پر ہوتا ہے۔ ایسی قرآن فہمی پھر اس شخص کے لیے اس نور کی مانند بن جاتی ہے جو کہ ہمیشہ اس کے دل کی دنیا کو منور کیے رکھتا ہے، اور اس کی کرنوں کی بدولت اس کو دنیا اور آخرت دونوں میں روشنی نصیب ہوجاتی ہے۔

حضور شیخ الاسلام نے اپنے اس طرز تفسیر اور اسلوب قرآن فہمی میں دسیوں بار علماے کرام اور مفسرین عظام کی عظمت اور ان کی علمی کاوشوں کا اعتراف کیا ہے۔ ان کے اس اسلوب تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان تب ہی قرآن میں سے قیمتی جواہرات کو حاصل کر سکے گا جب وہ مختلف تفسیری بحثوں میں الجھنے کے بجائے، ان قیل وقال کو چھوڑ کر آزاد اور صاف ستھرے ذہن کے ساتھ قرآنی علوم ومعارف کے بحر زخار میں غوطہ زن ہوجائے۔ اگر ہم اس اسلوب تفسیر اور قرآن فہمی کے وہ اصول مدنظر رکھیں جنھیں ہم عشق رسول ﷺ کہتے ہیں اور پھر ان کے تفسیر کا مطالعہ کریں تو ان کی تفسیری کاوشوں کو ان کا عملی نمونہ پائیں گے۔

آسان اور سلیس عبارت کا استعمال، واقعات اور قصص کے حوالے سے تحقیقی انداز بیان، مفردات قرآن کی لغوی تحقیق، عملی زندگی سے معانی قرآن کا ربط وتعلق، آیات کے متعلق احادیث نبوی کا بیان، آیات کریمہ سے دروس ونصیحت کا استنباط، فقہی اور فروعی مسائل میں متوازن اور معتدل منہج، اغلاط اور شبہات پر تنبیہ اور ان کا مدلل جواب، اور تحریر میں وہ ساحرانہ اثر اور مٹھاس جو کہ عقل، جسم اور روح کو بیک وقت اپیل کرتی ہے اور جس کا پایا جانا ایک ولی اللہ اور ایک بلند وبالا روحانی مقام پر فائز شخصیت ہی کی تحریروں میں ممکن ہے۔ حضور شیخ الاسلام کا اسلوبِ تفسیر ان تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے۔

الاربعین الاشرفی ایک تجزیاتی مطالعہ

——محمد عرفان محی الدین قادری ربّانی ریسرچ اسکالر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھہ شریف کئی صدیوں سے مرکزِ علم وحکمت، مسکن اولیاء وصوفیاء رہا اور آج بھی علم وحکمت کی شمع روشن ہے، اولیاء وصوفیاء کا فیضان جاری وساری ہے۔ انھیں اولیاء وصوفیاء کی نگاہ فیض سے مبّلغین و واعظین، مفسرین ومحدثین، علماء وفضلاء، فقہا وخطباء، اولیاء وصوفیاء رونما ہوئے۔ انھیں ناموراشخاص ورجال میں وارث معارفِ محدث اعظم ہند، ماہر علوم اسلامیہ وعقلیہ، بے مثال خطیب، مفسر ومحدث، شاعر وادیب، فقیہ ومفتی، ولی وصوفی، حضور شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی دامت برکاتہم القدسیہ، جیسی عبقری شخصیت کا نام ملتا ہے جن کی خطبات سے باطل پرستوں کی گمراہی کا پردہ فاش ہوا۔ وہ مودودی ہو یا خمینی، پالن حقانی ہو یا کوئی اور۔ حضور شیخ الاسلام نے اپنے وعظ وارشاد دعوت وتبلیغ کے ذریعہ ان تمام گمراہوں کی گمراہیت کو تقریر وتحریر سے مسلمانوں کو آگاہ کیا اور رسول پاک ﷺ کی محبت میں زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھایا۔

حضور شیخ الاسلام کی محدثانہ عظمت پر مقالہ قلمبند کرنے کا حکم ہوا یہ عاجز اس سنہرے موقعہ کو باعث نجات سمجھتا ہے کہ قول رسول ﷺ اور شرح آل رسول پر کچھ لکھنا نصیب ہوا۔

حضور شیخ الاسلام کی محدثانہ عظمت کو 'الاربعین الاشرفی' کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

حضور شیخ الاسلام کی تالیف ''الاربعین الاشرفی' پر روشنی ڈالنے سے قبل بعض مؤلفین اربعین حدیث کی تاریخ بیان کرنا مناسب ہے۔

حدیث شریف تمام علوم دینیہ میں نہایت ہی قدر ومنزلت والا علم ہے۔ اس مقدس علم کی خدمت واشاعت کرنے والوں کو حضور ﷺ نے اپنے خلفاء کے لقب سے معزز فرمایا اور خصوصی دعاؤں سے نوازا(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''**نضر الله عبدا سمع مقالتی فحفظهاو وعاها و اداها فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه**''

اللہ اس بندے کو ہرا بھرا رکھے جو میرا کلام سنے اسے یاد رکھے محفوظ رکھے اور پہنچا دے کیونکہ بہت سے فقہ اٹھانے والے خود غیر فقیہ ہیں اور بہت لوگ اپنے سے فقیہ تک فقہ اٹھاتے ہیں (۲)

امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص رضائے الٰہی کا متمنی ہو اس کے لئے میرے علم میں علم حدیث سے افضل کوئی علم نہیں۔ حدیث وہ علم ہے جس کی طرف لوگ اپنے کھانے پینے اور شب و روز کی تمام ضروریات میں محتاج ہیں (۳)

چنانچہ محدثین کرام نے اشاعت احادیث شریفہ کی غرض سے مختلف النوع کتابیں تالیف فرمائیں.

جامع، سنن، مسند، معجم اور اربعین کسی ایک عنوان یا مختلف عنوانات کے تحت چالیس احادیث شریفہ کا مجموعہ الاربعین کہلاتا ہے

امام یحیی بن شرف الدین نووی کی صراحت بموجب سب سے پہلے اربعین ترتیب دینے والے محدث حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ پھر حضرت محمد بن اسلم طوسی رحمۃ اللہ علیہ پھر حضرت حسن بن سفیان نسائی رحمۃ اللہ علیہ ہیں

امام نووی علیہ الرحمہ والرضوان نے اپنی کتاب الاربعین النوویۃ کے مقدمہ میں چہل حدیث کے متعلق چند روایات کا تذکرہ کیا ہے

ان رسول الله ﷺ **قال ''من حفظ على امتى اربعين حديثا من امر دينها بعثه الله يوم القيامة فى زمرة الفقهاء والعلماء''** رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں جو شخص امر دین کے متعلق چالیس احادیث یاد کریگا اللہ رب العزت اس کو روز قیامت فقہاء وعلماء کے زمرے (جماعت) میں اٹھائے گا

فى رواية ''بعثه الله فقيها عالما'' ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت فقیہ وعالم بنا کر اٹھائے گا

وفى رواية ابى درداء ''و كنت له يوم القيامة شافعا و شهيدا'' حضرت

ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے میں اس کے لئے روز قیامت گواہی دوں گا اور شفاعت کروں گا۔

وفی روایۃابن مسعود "قیل له ادخل من أی أبواب الجنة شئت "

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اس سے کہا جائیگا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جا۔

و فی روایة ابن عمر "کتب فی زمرة العلماء و حشر فی زمرة الشهداء" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "اس کو علماء کے زمرے میں داخل کیا جا یگا اور اس کا حشر شہداء کے ساتھ ہوگا (۴)

امام نووی فرماتے ہیں

ثم من العلماء من جمع الاربعین فی اصول الدین و بعضهم فی الفروع و بعضهم فی الجهاد و بعضهم فی الزهد وبعضهم فی الآداب و بعضهم فی الخطب.

جن علماء اکرام نے اربعین کو جمع فرمایا اصول دین میں ان میں بعض نے فروع میں جہاد کے متعلق، زہد وتقوی کے متعلق، آداب کے متعلق اور بعض نے خطبات کی شکل احادیث جمع فرمائیں

بعض مؤلفین جنھوں نے "اربعین" چالیس احادیث جمع فرمایا

امام عبدالرحمٰن محمد السلمی (متوفی ۴۱۲ھ) جن کی الاربعون الصوفیۃ ہے

امام ابو محمد حسین البغوی (وفات ۵۱۶ھ) جن کی تالیف "الاربعون حدیثا" مشہور ہے

امام محدث شام حافظ ابن عساکر (وفات ۵۷۱ھ) "الاربعون البلدانیۃ" ہے

امام یحیی بن شرف الدین النووی (وفات ۶۷۶ھ) "الاربعون النوویۃ"

امام حافظ زین الدین عراقی (وفات ۸۲۶ھ) "الاربعون الجھادیۃ"

امام ابن حجر عسقلانی (وفات ۸۵۲ھ) "الاربعون المھذبۃ فی المذھبۃ فی الاحادیث الملقبۃ"

امام شمس الدین سخاوی (وفات ۹۰۲ھ) "الاربعینات"

امام جلال الدین سیوطی (وفات ۹۱۱ھ)

"الاربعون المتباینۃ"، "اربعون حدیثا فی رفع الیدین فی الدعاء"، "اربعون حدیثا فی فضل الجھاد"

امام ابن حجر ہیتمی (وفات ۹۷۴ھ) ''الاربعون حدیثا فی العدل''
امام حافظ نجم الدین مصری (وفات ۹۸۲ھ) ''اربعون حدیثا فی تارک الصلوۃ ومانع الزکوۃ''
امام ملا علی قاری (وفات ۱۰۱۴ھ)
''اربعون حدیثا فی فضائل القرآن''، '' اربعون حدیثا فی جوامع الکلام''، '' اربعون حدیثا فی النکاح''
امام یوسف بن اسماعیل نبہانی (وفات ۱۳۵۰ھ)
''الاحادیث الاربعین فی وجوب طاعۃ امیر المؤمنین''
''الاربعون من احادیث سید المرسلین''
امام سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ عنہ نے ''حالۃ اہل الحقیقۃ مع اللہ'' تصنیف فرمائی جس میں تصوف و صوفیہ کے متعلق چالیس احادیث جمع فرمائی.
امام احمد رضا خاں بریلوی (وفات ۱۳۴۰ھ) حرمت سجدۂ تعظیمی پر '' **الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ**'' پر چالیس احادیث جمع فرمائی. چالیس احادیث شفاعت سید المرسلین ﷺ '' اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین'' میں جمع فرمائی
امام انوار اللہ فاروقی حیدرآبادی (وفات ۱۳۳۶ھ) اپنی مشہور تصنیف مقاصد الاسلام میں فضیلت علم دین پر چالیس احادیث جمع فرمایا
محدث جلیل عبدالوہاب عندلیب کی مشہور کتاب ''اربعین عندلیب'' جس میں مختلف عنوانات کے تحت ۳۲۰۰ احادیث کو جمع فرمایا حضرت عندلیب علیہ الرحمۃ کا تعلق جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے ہے (۶)
صوفی کامل محمد اشتیاق عالم ضیا شہبازی نے ''الاربعین فی خصال النبی من آیات القرآن'' جمع فرمایا (۷)

''اربعین'' ایک ایسا عدد ہے جسکو قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں کرات ومرات مذکور ہونے کی سعادت حاصل ہے اور صوفیاء کرام کے نزدیک یہ عدد ایک اہم اصطلاح کا مقام پالیا ہے جیسا کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ نے اپنی تصنیف منیف عوارف المعارف میں اس پر تین باب مدون کئے ہیں. جن میں پہلا باب کا عنوان ''فی خاصۃ الاربعینیۃ التی یتعاھد الصوفیۃ'' ہے اور دوسرا باب بعنوان ''فی ذکر فتوح الاربعینیۃ'' اور تیسرا باب ''فی کیفیۃ

الدخول فی الاربعینیۃ'' کےتحت مذکور ہے
اربعین کےعملی جلوےقرآن کریم میں تین مقامات پر دیکھنےکوملیں گے
اوّلا: حضرت موسی علیہ السلام کا کوہ طور پر کلام الٰہی سے مشرف ہونے سے قبل چالیس دن کا چلّہ کشی کرنا ثانیاً: بنی اسرائیل کا تیہ کی وادی میں چالیس برس تک مقیم رہنا اور ثالثاً: چالیس برس کی عمر کو پہنچ کر آدمی کو یہ دعا کرنا کہ " رب اوزعنی ان اشکر نعمتك''(۸)
اربعین کی اہمیت وفضیلت کے پیش نظر علماء اکرام نے چالیس احادیث مختلف عنوانوں پر جمع کر کے فلاح دارین کا سامان اکھٹا کر لیتے ہیں اربعین کے نام سے حدیث شریف میں چھوٹی بڑی کئی کتب کا ذکر کیا گیا لیکن جو شہرت ومقبولیت علامہ نووی قدس سرہ کی اربعین کو حاصل ہوئی
وہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے
حدیث شریف کے تتبع میں اور اسلاف کرام کی تقلید میں حضور شیخ الاسلام حضرت سید مدنی میاں اشرفی دامت برکاتھم القدسیہ نے ''الاربعین الاشرفی'' مرتب فرمائی۔
''زیر نظر کتاب الاربعین الاشرفی'' (فی تفھیم الحدیث النبوی ﷺ) جیسا کہ نام سے ظاہر ہے چالیس احادیث مبارکہ کی شروحات پر مشتمل ہے حضور شیخ الاسلام حضرت سید مدنی میاں اشرفی دامت برکاتھم القدسیہ نے ۱۹۷۰ء حدیث کی مشہور ومعروف کتاب ''مشکوۃ شریف'' کی مفصل شرح لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا جو ماہنامہ ''المیز ان'' کچھوچھہ شریف' یوپی' میں قسط وار بعنوان'' تفہیم الحدیث'' ہر ماہ پابندی سے چھپنے لگا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک المیز ان نکلتا رہا۔ المیز ان کے بند ہو جانے کے بعد شرح لکھنے کا سلسلہ بھی موقوف ہو گیا(۹)
الاربعین الاشرفی میں ابوالمنصو رمحمد مسعود احمد سہروردی اشرفی نے''عرض ناشر'' کے تحت اس کتاب پر روشنی ڈالی جبکہ تقدیم ماہر رضویات پروفیسر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ کراچی نے لکھا ہے۔
مقدمہ حجیتِ حدیث کے تحت محمد الیاس رضوی اشرفی صاحب نے حدیث شریف کی اہمیت و افادیت اور حجیت حدیث شریف کے فضائل میں چند احادیث شریفہ کو ذکر کیا۔
''حدیث و کتابتِ حدیث'' کے عنوان سے سید محمد فخر الدین علوی صاحب نے تاریخ حدیث و کتابت حدیث پر روشنی ڈالی ہے
حضور شیخ الاسلام کی اربعین اشرفی میں کہیں تفسیری اشارات ملتے ہیں تو کہیں حضور ﷺ کے تشریعی اختیارات کا ذکر ملتا ہے تو کبھی شیخ الاسلام حدیث شریف کے الفاظ کی نحوی تراکیب، معانی و

مطالب کا ذکر کرتے ہوئے تفصیلی بحث فرماتے ہیں تو کبھی محدثین ورواۃ کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالتے ہیں تو کہیں حضور شیخ الاسلام نے حدیث شریف کی صوفیانہ شرح فرمائی ہر حدیث شریف میں فوائد اور جواہر پارے کے تحت شرح فرمائی۔

حضور ﷺ کے تشریعی اختیارات کے تحت حدیث اول میں حضور شیخ الاسلام رقمطراز ہیں۔

''اطاعت مصطفیٰ کی ایک مستقل حیثیت ہے کہ ہمارے سرکار عربی ﷺ کو اس بات کا پابند نہیں کیا گیا ہے کہ انھیں باتوں میں اطاعت کی جائے جن کا ثبوت قرآن سے ہو بلکہ رسول کریم ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے جس چیز کو چاہیں حرام فرمادیں اور جس چیز کو چاہیں حلال۔ اور امت کو پابند کر دیا گیا ہے کہ رسول ﷺ کے ہر حکم کی اطاعت کریں اور یہ نہ دیکھیں کہ آخر اس کے بارے میں قرآن نے کیا فرمایا ہے۔''

مسند امام احمد میں ایک صحیح حدیث ہے جس کے راوی ثقہ ہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں اس شرط پر ایمان لائے اور اسلام قبول کیا کہ صرف دو ہی وقت کی نماز پڑھیں گے حضور ﷺ نے اس کو قبول فرمالیا غور فرمایئے کہ قرآن کریم میں پانچ وقتوں کی نماز کی صراحت کے باوجود، رسول کریم ﷺ کا ایک فرد خاص سے دو ہی وقتوں کی نماز کا قبول کر لینا کیا یہ نہیں بتاتا ہے کہ رسول عربی ﷺ کو تشریعی اختیارات منجانب اللہ عطا فرمائے گئے ہیں (۱۰)

حضور شیخ الاسلام نے دوسری حدیث و ان محمدا عبده و رسوله کی شرح میں حضور ﷺ کی رسالت وعبدیت پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ اشارہ فرمادیا کہ

'عبد چیزے عبدہ چیزے دیگر'' بعض علماء نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ " العبودية افضل من الرسالة" عبدیت رسالت سے افضل ہے علماء کرام کے اس ارشاد میں ماوشما کی عبدیت زیر بحث نہیں بلکہ جس عبدیت کو وہ ''صفت رسالت پر افضل قرار دیتے ہیں وہ خود اس صاحب رسالت کی ہی عبدیت ہے .عبدیت مذکورہ کی افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ عبدیت کا رخ معبود کی طرف ہے اور رسالت کا رخ مخلوق کی طرف عبد معبود کا، رسول مخلوق کا، عبدیت خلق سے حق کی طرف جانا چاہتی ہے اور رسالت حق سے خلق کی طرف آنا چاہتی ہے المختصر عبدیت وصال چاہتی ہے اور رسالت جدائی اس لئے جب اللہ تعالی نے اپنے نبی کو بھیجا تو رسول کہہ کر بھیجا'' هو الذی ارسل رسوله ''(سورہ الفتح:۲۸) (اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا) اور جب اپنی طرف لے گیا تو عبده فرما کر لے گیا'' سبحان الذی اسری بعبده ''(سورہ بنی

اسرائیل:۱)(پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو) مقام عبدیت کا شرف اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدیت کہتے ہیں اپنے معاملات ومہمات کو اپنے آقا ومولی کے سپرد کر دینے کو اور رسالت نام ہے دوسروں کے معاملات ومہمات اور دوسروں کی ذمہ داریوں کو اپنے سر لے لینے کا۔ الحاصل: عبد کے معاملات ومہمات کی اصلاح اس کے آقا ومولی کے ذمہء کرم میں ہے لیکن رسول اپنی امت کے معاملات ومہمات کی اصلاح کا خود ذمہ دار ہے تو نبی کریم بہ حیثیت ''عبد'' بے فکر بھی ٹھرے اور بے خوف بھی نہ اپنی فکر نہ دوسروں کی فکر نہ اپنا خوف نہ دوسروں کا خوف لیکن بہ حیثیت رسول، آپ کو فکر وغم سے چھٹکارا نہیں'' (۱۱)

حدیث سادس میں ذاق طعم الایمان پر تبصرہ فرماتے ہوئے حضور شیخ الاسلام نے حدیث شریف کی صوفیانہ شرح فرمائی۔

''اس حدیث سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ وہ قلوب جو غفلت وخواہشات نفسانیہ کے امراض سے پاک وصاف ہیں حقائق ومعانی کے ملذذات سے وہی خوشی ومسرت حاصل کرتے ہیں جو نفوس کو لذیذ ماکولات ومشروبات سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالی کی ربوبیت سے راضی ہونے والے کو ایمان کی چاشنی اسلئے مل جاتی ہے کہ جب کوئی رب تعالی کی ربوبیت سے راضی ہوجاتا ہے تو لازمی طور پر وہ رب تعالی کے حضور اور اسکے حکم کے آگے سر تسلیم ونیاز جھکا دیتا ہے اور اپنے ظاہری وباطنی جملہ معاملات کو اپنے اختیار وتدبیر سے خارج کرکے خدائے تعالی کے اختیار وحسن تدبیر کے حوالے کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں فطری طور پر لذت حیات وراحت تفویض سے وہ آشنا ہوجاتا ہے نیز جب کوئی اللہ تعالی کی ربوبیت سے راضی ہوجاتا ہے تو خود رب تعالی اس سے راضی ہوجاتا ہے جیسا کہ ارشاد ربّانی ہے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی (سورۃ التوبۃ:۱۰۰) اور جب کسی سے خدا راضی ہوجاتا ہے تو اپنے فضل وکرم سے اپنی رضا کی حلاوت سے اسے ضرور لذت آشنا فرماتا ہے تاکہ اسے اس خصوصی فضل واحسان کا علم وعرفان ہوجائے جو اللہ تعالی کی طرف سے اس پر کیا گیا ہے یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالی سے راضی ہو نافہم وادراک کے بغیر ناممکن ہے اور اس فہم مستقیم کا وجود نور بصیرت کے بغیر نہیں ہوسکتا اور یہ نور قرب خداوندی کے بعد ہی میسر آتا ہے اور یہ قرب خاص عنایت ربّانی کا مرہون منت ہے'' (۱۲)

حدیث اول ''انما الاعمال بالنیات '' جو حدیث نیت کے نام سے مشہور ہے اس حدیث کی شرح میں حضور شیخ الاسلام نے محدثانہ، عارفانہ، عالمانہ، محققانہ، اسلوب اختیار فرمایا ہے۔ محدثانہ

اسلوب یہ تھا کہ اس حدیث نیت کی روایات پر بحث فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔
بعض روایتوں میں ہے"الاعمال بالنیات "بعض میں ہے" الاعمال بالنیة "اور بعض میں "العمل بالنیة" ہےلیکن ان تمام عبارتوں سے مقصود مراد یہی ہے کہ کوئی عمل خواہ قلب کا ہو یا قالب کا، اخذ سے متعلق ہو یا "ترک" سے، قول ہو یا فعل، عبادات سے ہو یا عادات سے بے نیت مقبول و معتبر نہیں اور اس پر ثواب کا ترتب نہیں (۱۳)
حدیث شریف میں مذکور عبارات "وانما لا مری مانوی "اور" ومن کانت هجرته الی الدنیا" کے حوالے سے لکھتے ہیں
"بعض روایتوں میں یوں ہے کہ"انما لکل امری یعنی لفظ"کل" کا اضافہ ہے"(۱۴)
"بعض روایتوں میں حدیث کے الفاظ" الی الدنیا" کے بجائے"لدنیا" دونوں کا حاصل ایک ہے"(۱۵)
یہ حدیث شریف جو حدیث نیت کے ساتھ مشہور ہے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب بدء الوحی میں سب سے پہلے اسی حدیث کو بیان فرمایا ہے اور بخاری شریف کی بھی پہلی حدیث یہی ہے۔
حدثنا الحمیدی عبدالله بن الزبیر قال حدثنا سفیان قال حدثنا یحیی بن سعید الانصاری قال اخبرنی محمد بن ابراهیم التیمی انه سمع علقمة بن وقاص اللیثی یقول سمعت عمر بن الخطاب رضی الله عنه علی المنبر قال سمعت رسول الله ﷺ یقول انما الاعمال بالنیات وانما لامری مانوی فمن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او الی امراة ینکحها هجرته الی ما هاجر الیه (۱۶)
علقمہ بن وقاص لیثی فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو برسر منبر پر یہ بیان کرتے ہوئے سنا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے"اعمال (کی صحت، اجر وثواب) کا دار و مدار نیت پر ہے پس جو شخص اللہ تعالی اور اس کے رسول (کی رضا کے حصول) کے لئے ہجرت کریگا تو (اجر وثواب کے اعتبار سے) اس کی ہجرت اللہ تعالی کے لئے اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہی شمار ہوگی اور جس شخص نے کسی دنیاوی مقصد کے حصول یا کسی عورت سے نکاح کے لئے ہجرت کی اس کی ہجرت اسی طرف ہوئی جس طرف اس نے ہجرت کی تھی (یعنی جو اس نے نیت کی تھی اس کے مطابق اس کو بدلہ ملے گا)(۱۷)

پھراسی حدیث شریف کوامام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب الایمان باب ما جاء ان الاعمال بالنیۃوالحسبۃ و لکل امری ما نوی(۱۸)

یعنی امام بخاری علیہ نے" الاعمال با لنیۃ " کے لفظ کے ساتھ بیان فرمایا۔ساتھ ہی لفظ" کل" کا بھی اضافہ ہے۔امام بخاری کی تمام روایات کردہ احادیث میں صرف اسی حدیث میں "الی الدنیا " کے بجائے" لدنیا " موجود ہے۔

حدیث نیت کوامام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب فضائل الصحابۃ میں باب ھجرۃ النبی ﷺ و اصحابہ الی المدینۃ میں ذکر کیا ہے پھرکتاب النکاح باب من ھاجر او عمل خیرا لتزویج امراۃ فلہ مانوی میں بھی درج فرمایا لیکن امام بخاری کی درج کردہ کتاب النکاح والی حدیث میں "العمل بالنیۃ" کے الفاظ کے ساتھ مذکور ہے.

پھراسی حدیث کوکتاب الایمان والنذور میں "النیۃ فی الایمان" قسم میں نیت کاحکم والے باب میں ذکرفرمایاکتاب الحیل ٗ باب فی ترک الحیل و ان لکل امری مانوی۔ فی االایمان و غیرھا میں امام بخاری نے اس حدیث کا ذکرفرمایا

بخاری شریف کی روایات کردہ احادیث کا ملاحظہ کرنے کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی حضور شیخ الاسلام دامت برکاتھم القدسیہ کے پیش نظر یہ تمام روایات تھیں.

اس حدیث شریف کی روایت کرنے والوں میں محدثین کی ایک طویل فہرست ہے یہ حدیث صحیح مسلم، سنن ابوداود، جامع ترمذی، سنن نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں مذکور ہے

یہ حدیث شریف مسند امام اعظم میں اعلی اسناد کے ساتھ مذکور ہے جوامام بخاری نے بھی ان اسناد کا ذکرنہیں کیا۔

حضور تاج الشریعہ حضرت اختر رضا خان دامت برکاتھم القدسیہ نے بخاری کے حواشی میں جو تعلیقات زاہرۃ کے نام شائع ہوئے،اس میں حدیث نیت پر مفصل عربی زبان میں بحث فرمائی۔

اس حدیث شریف کا مسند امام اعظم میں اعلی اسناد کے ساتھ ہونے کا ذکراس طرح فرماتے ہیں

" قلت : وکذا رواہ الاامام ابو حنیفۃ بمثل الاسناد الذی ساقہ البخاری عن شیخہ الحمیدی غیر ان اسناد الامام اعلی من اسناد البخاری و لفظہ: ابو حنیفۃ عن یحیی عن محمد بن ابراھیم التیمی عن علقمۃ بن وقاص اللیثی

عن عمر بن الخطاب قال
قال رسول الله ﷺ الاعمال با لنیات ولکل امری مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ و رسولہ فھجرتہ الی اللہ و رسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امراۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ (مسند الامام الاعظم ص:۲) (۱۹)

اس حدیث نیت کی عارفانہ شرح فرماتے ہوئے شیخ الاسلام رقمطراز ہیں۔
''نفس سے جہاد کرنا جہاد اکبرو جہاد حقیقی ہے''موطنِ طبیعت''کو چھوڑ کر''مدینہ شریعت''میں آبسنا ''ہجرت کبریٰ''اور''ہجرت حقیقی''ہے۔ہجرت و جہاد کی مذکورہ بالا تشریحیں اپنے الفاظ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن مفہوم اور مصداق دونوں ایک ہی ہے ھجرت عن خواہشات النفس ہی''جہاد بالنفس''ہے اسی طرح''جہاد بالنفس''ہی''ھجرت عن خواہشات النفس''لہذا ہر مجاہد حقیقی،مہاجر حقیقی ہے اور ہر مہاجر حقیقی،مجاہد حقیقی ہے''(۲۰)
یہ شرح''فمن کانت ھجرتہ الی اللہ فھجرتہ الی اللہ کے تحت''
حضور شیخ الاسلام نے اسرار و معارف،میں ڈوب کر فرمائی پھر اسی حدیث کے الفاظ کے تحت حضور شیخ الاسلام نے عقل و نفس کی بحث فرمائی عقل و نفس کا معاملہ کیا ہے۔یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے حضور شیخ الاسلام علوم عقلیہ و علوم نقلیہ میں عبقری شخصیت ہیں اپنے خطبات جہاں معقولات سے بحث فرماتے ہیں وہیں منقولات کی سیر بھی کراتے ہیں اور ایک صوفی باصفا سے زیادہ کون جانتا ہے کہ عقل و نفس میں کیا فرق ہے۔اسی صوفیانہ و عارفانہ اسلوب دیکھنے کو ملتا ہے۔اس حدیث نیت کی شرح میں بظاہر محدثین الفاظ و معانی،معرفت اسماء رجال،راویوں سے بحث کرتے ہیں اور اخیر میں یہ کہ کر اس حدیث کی شرح مکمل کرتے دیتے ہیں کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے
یہ اہل فہم و فراست پر مخفی نہیں ہے کہ نیت کا مرکز قلب ہے اسی لئے آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ''اذا صلحت صلح الجسد واذا فسدت فسدالجسد الا وھی القلب'' قلب اگر صالح و نیک ہو تو جسم کے اعضاء و جوارح بھی نیک رہیں گے اور اگر قلب میں فساد ہو تو جسم کے اعضاء و جوارح میں بھی فساد کریں گے۔حضور شیخ الاسلام اسی نظریہ کو یوں بیان کرتے ہیں۔
''نیت کا محل دل ہے اور دل مکان معرفت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو محل معرفت سے پیدا ہوا اور اس

معدن ومخزن سے نکلے وہ اس سے فاضل اور شریف تر ہوگا جو اس کے غیر سے حاصل ہو‘‘ (۲۱)

یہاں چند اقتباسات نقل کرنا مناسب ہے کہ عقل ونفس کی جو وضاحت شیخ الاسلام نے فرمائی وہ اہل عقل واہل نفس تک پہونچ جائے۔ اہل نفس اپنے نفس کی خواہشات ترک کر دیں او راہل عقل پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ’’فمن کانت ھجرتہ الی اللہ کی ایک شرح ایسی بھی ہوتی ہے

’’عقل چاہتی ہے کہ انسان میرا تابع ہے نفس چاہتا ہے کہ وہ میرا مطالبہ پورا کرتا ہے‘ عقل اعتدال پسند ہے‘ نفس انتہا پسند‘ عقل داعی الی الخیر اور ناہی عن المنکر ‘ نفس بلکل اس کے برعکس‘ دونوں میں شدید ترین تصادم ہے ایک آگ دوسرا پانی ان میں کا ہر ایک دوسرے سے کمزور بھی نہیں کہ زوردار کمزور کو دبالے اور پھر مملکت انسانیت پر صرف اپنی حکومت رکھے۔ عقل کے مطالبہ بظاہر بالکل خشک اور نفس کے تقاضے سرسبز وشاداب‘ عقل کے پاس صرف وعدۂ فردا‘ نفس کے پاس عیش امروز۔ ساتھ ہی ساتھ نفس اتنا بڑا کیا دومکار جس کا کید ومکر اس عقل پر تو چل ہی جاتا ہے جس کے ساتھ تائید الٰہی نہ ہو‘‘ (۲۲)

مزید لکھتے ہیں

’’نفس کو خوب معلوم ہے کہ عقل جب تک اللہ والوں سے وابستہ رہے گی اس کو شکست دینا ناممکن ہے لہذا ضروری ہے کہ پہلے مختلف انداز میں اللہ کے محبوبوں کی تحقیر کی جائے ان کے مرتبوں کو گھٹایا جائے نیز ان کے مرتبوں کی نفی کی جائے، جن سے وہ اللہ کے فضل وکرم سے نوازے گئے ہیں، توحید کا ایسا مطلب سمجھا یا جائے جس میں تقدس رسالت کا کوئی پہلو نہ ہو۔ رسول کی شخصیت کی ایسی تصویر کھینچی جائے جہاں علم وعمل اور فضل وکمال، حسن وجمال، جود ونوال، جاہ وجلال، اور اقتدار واختیار کی کوئی رعنائی نہ ہو نفس کی اس آواز کو جب اہل نفس نے سنا تو سوچا کہ نسخہ اچھا ہاتھ لگا ہے ان کے قلم متحرک ہو گئے‘ صفحہء قرطاس پر نقوش ابھرنے لگے. عقل کی نگاہیں اس پر پڑیں وہ حیرت زدہ ہو کر الامان الحفیظ کہنے لگی‘‘ (۲۳)

اسی عقل ونفس کی بحث میں حضور شیخ الاسلام دامت برکاتھم القدسیہ نے جہاں رسول کی عظمت‘ کو اجاگر کیا وہیں عقیدۂ اہل سنت والجماعت بھی بتا دیا اور عقائد وہابیہ کو بھی اسی عقل ونفس کے دائرے میں لاکر ان عقائد کا رد بلیغ فرما دیا۔

’’ اللہ اللہ وہ رسول جس کو نصوص، عالم ماکان ومایکون، بتائیں اس کے علم شریف کو جانوروں، پاگلوں، بچوں کے علم کے مساوی اور شیطان کے علم سے کم کہا جائے وہ رسول جس

کی، حیات جسمانی، ثابت شدہ امر ہو، اس کو کہا جائے کہ '' مر کر مٹی میں مل گئے، وہ رسول جن کو حکمت وکتاب کا معلم اور ساری کائنات کا استاذ بنایا گیا ہو اس کو اپنا، شاگرد رشید جتایا جائے. وہ رسول جس کے مقدس جسم سے مس ہونے کے سبب، مزار پاک کی زمین عرش اعظم سے افضل ہو، اس کو اپنے جیسا بشر سمجھا، سمجھایا جائے وہ رسول جس کے بعد کسی نبی کا نہ آنا، منصوص من اللہ ہو، اسی کے زمانے میں یا اس کے بعد کے کسی اور نبی کا وجود کا امکان ظاہر کیا جائے وہ رسول جو مقام شفاعتِ کبریٰ پر فائز ہو' اسے اپنی ہی عاقبت سے بے خبر بتایا جائے' وہ رسول جس کا ظہور سارے عالم کی ہدایت کے لئے ہوا ہو، اسے ابتدائی چالیس سالہ زندگی میں گمراہ، بھٹکا ہوا اور شریعت سے بے خبر بتایا جائے نیز ان پڑھ، بادیہ نشین، ان پڑھ صحرا نشین، عبد باغی، مجبور محض، جیسے الفاظ سے اسکو یاد کیا جائے، اور حضرت عیسی علیہ السلام کی شان میں، اسرائیلی چرواہے کا اطلاق، معیوب اور دین ودیانت کے خلاف نہ سمجھا جائے وغیرہ وغیرہ من امثالھا ونظائرھا۔ جن کی عقلوں پر نفس کا غلبہ ہو گیا، تو انہوں نے نفس کی ان ساری باتوں کو عقل کی بات سمجھ لی، کاش کہ ان کی عقلیں بے سہارا نہ ہوتیں اور وہ لاہوتی توانائیوں کو اپنا پشت پناہ بنالتیں تو یقیناً ان میں عقل ونفس کے اشاروں کے مابین خط امتیاز کھینچنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی اور وہ ان باتوں سے اس طرح پناہ مانگتے جس طرح اسی عقل نے مانگی ہے جس کو اللہ کی تائید حاصل ہے'' (۲۴)

اسی عقل ونفس کے نظریے میں حضور شیخ الاسلام نے انسان، جانور، اور فرشتہ کا مقام بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں

'' فرشتوں کے پاس صرف عقل ہے اور جانوروں کے پاس صرف نفس، اور انسان عقل ونفس کا مرکب ہے عقل نفس پر غالب آجائے تو انسان فرشتوں کا مرکز نگاہ بن جاتا ہے اسلئے کہ فرشتے تو صرف عقل والے ہیں تو ان سے تو صرف عقل ہی کا کام ہوگا اور یہ انسان نفس رکھ کر بھی عقل کے دامن کو نہیں چھوڑتا، برخلاف اس کے اگر نفس عقل پر غالب آجائے تو انسان جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اسلئے کہ جانور صرف نفس رکھتے ہیں تو ان سے امور نفسانیہ کے سوا اور کیا صادر ہوگا لیکن یہ انسان عقل رکھتے ہوئے بھی خواہشات نفس کا تابع ہے لہذا جانور سے بدتر ہے'' (۲۵)

بہر حال یہ ایک حدیث کی شرح کے کچھ اقتباسات تھے جس میں کہیں رسول پاک ﷺ کی عظمت بتائی گئی تو کہیں عقائد وہابیہ کا رد بلیغ کیا گیا تو کہیں عقل ونفس سے بحث کرتے ہوئے انسان' جانور' اور فرشتے میں فرق ظاہر کیا گیا تو کہیں دل کو معرفت الہٰی کا منبع کہا گیا تو کہیں عارفانہ شرح کے

ذریعہ اسرار و معارف پر روشنی ڈالی گئی

۲۳ ویں حدیث جس کے راوی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں

عن عبادة بن الصامت رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من شهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له وان محمدا عبده و رسوله وان عيسى عبد الله و رسوله و ابن امته و كلمته القاها الى مريم و روح منه والجنة والنار حق ادخله الله الجنة على ما كان من العمل (متفق عليه) (۲۶)

روایت ہے حضرت عبادہ بن صامت سے، وہ فرماتے ہیں، فرمایا نبی ﷺ نے جو گواہی دے کہ اکیلے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور عیسی علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول اور اس کی بندی کے بیٹے اللہ کا کلمہ ہیں جو مریم میں ڈالا اور اللہ کی طرف سے روح ہیں اور جنت و دوزخ حق ہے اللہ اسے جنت میں داخل کرلے گا مطابق عمل کے (بخاری و مسلم) (۲۷)

حدیث متفق علیہ پر شیخ الاسلام دامت برکاتھم القدسیہ نے یہ فرمایا کہ ''نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے، امام احمد نے بھی اپنی مسند میں اس کی تخریج فرمائی **و اخرجه البخاری فی الانبیاء ومسلم فی الایمان**'' (۲۸)

اس حدیث شریف کو امام بخاری نے کتاب الانبیاء باب **قوله لا تغلو فی دینکم** میں ذکر فرمایا لیکن بخاری میں ابن امته کا لفظ مذکور نہیں جبکہ مسلم میں " ابن امته'' کا ذکر موجود لیکن '' رسوله'' کا لفظ نہیں ذکر کیا گیا۔ اور ابن امته کا ترجمہ مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمۃ نے اس کی بندی کے بیٹے فرمایا اور دیگر مترجمین نے لفظ کنیز کا استعمال فرمایا اور شیخ الاسلام دامت برکاتھم القدسیہ نے اس کا لفظی ترجمہ فرماتے ہوئے'' خدا کی لونڈی کے بیٹے کہا ہے پھر اسی لفظ کی شرح فرمائی۔

''جس طرح مرد کو عبداللہ کہتے ہیں اسی طرح عورت کو'' امۃ اللہ'' کہتے ہیں تمام مرد خدا کے بندے اور عورتیں اسکی کنیزیں ہیں حضرت عیسی کو فرزند کنیز فرما کر نصاری کا دوبارہ رد فرمایا گیا اور ان پر پہلی تردید کی تاکید فرمادی''. (۲۹)

حضور شیخ الاسلام دامت برکاتھم القدسیہ نے جن احادیث کی شرح فرمائی اس کی نظیر کم ملتی ہے. شرح حدیث میں الفاظ معانی، معقولات و منقولات کی جھلک، عالمانہ و صوفیانہ کلمات، محققانہ و فاضلانہ اسلوب، حدیثی فوائد، عوام الناس کی اصلاح، عقل و نفس کی بحث سیر فرمائی۔

اخیر میں حضور شیخ الاسلام دامت برکاتھم القدسیہ کا ایک خطاب جو ۱۳۹۵ھ میں سرزمین حیدرآباد میں ''معراج عبدیت'' کے عنوان سے ہوا تھا اس خطاب میں بیان کردہ ایک حدیث کا متن اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحم کی تصنیف ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین'' سے پیش کرر ہا ہوں۔

''اسی معراج کا واقعہ ہے جو اسی کی مناسبت سے ہے جب بارگاہ رب العزت میں حضور حاضر ہوئے اور حکم ہوا کہ اے حبیب ﷺ بتلاؤ کیا تمہیں اس بات کا غم ہے کہ میں تمہیں آخری نبی بنایا' فرمایا نہیں' کیا تمہیں یہ غم ہے کہ تمہاری امت کو آخری امت بنایا' فرمایا نبی جاؤ آپ کی امت کو خبر کردو کہ میں تمہیں آخر میں اس لئے بھیجا ہوں تا کہ ساری امتیں اس کے سامنے رسوا ہوں وہ کسی کے سامنے رسوا نہ ہو(۳۰)

ا خرج ابن عساکر والخطیب البغدادی عن انس رضی الله عنه قال :قال رسول الله ﷺ : لما اسری بی قربنی ربی حتی کان بینی و بینه کقاب قوسین او ادنی و قال لی : یا محمد هل غمک ان جعلتک آخر النبیین، قلت : لا یا رب قال : فهل غمک امتک ان جعلتهم آخر الامم قلت : لا یا رب، قال : اخبر امتک انی جعلتهم آخر الامم لا فضح لا مم عند هم و لا ا فضحهم عند الامم (۳۱)

اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے اور نبی کریم ﷺ کے صدقہ وطفیل سے اور اولیاء کرام کے فیضان سے اس خدمت کو قبول فرمائے اور شیخ لاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی دامت برکاتھم القدسیہ کا فیضان ہم پر جاری وساری رکھے آمین بجاہ النبی الامین ﷺ.

<u>مراجع ومصادر</u>

۱) کنزالعمال: حدیث نمبر۔۲۹۲۰۹۔بحوالہ اربعین ابی الحسنات: سیدہ نفیس النساء
۲) مشکوۃ شریف: کتاب العلم،ص:۲۵
۳) مقالات کاظمی: علامہ سعید کاظمی جلد اول ص:۲۱۳
۴) الاربعین النوویہ: امام شرف الدین نووی، مترجم عزالدین ابراھیم ص:۲۱ مقدمہ امام نووی
۵) الاربعین المنیر ۃ: عیادہ بن ایوب الکبیسی، ص:۲۴، ۲۵، ۲۶، دارالبحوث دبئ
۶) مرقع انوار: مولانا فصیح الدین نظامی ص:۵۹۱ مجلس اشاعت العلوم حیدرآباد
۷) اشتیاق درود: حضرت محمد اشتیاق عالم ص:۴۷، ولی العالم اکیڈمی بھاگلپور

۸)الاربعین فی مناقب سیدالاولین والآخرین: خلیل اللہ بشیرص:٦،ادارۂ قرآن فہمی حیدرآباد
۹)الاربعین الاشرفی: حضرت شیخ الاسلام سید مدنی میاں، ص:٦،گلوبل اسلامک مشن نیویارک
۱۰)نفس مصدر: ص،۸۴
۱۱)نفس مصدر: ص،۱۰۰
۱۲)نفس مصدر: ص،۱۵۴
۱۳)نفس مصدر: ص،۷۱
۱۴)نفس مصدر: ص،۷۳
۱۵)نفس مصدر: ص،۷۸
۱۶)بخاری شریف: محمد بن اسمٰعیل بخاری ج،۱ص:۲،باب کیف کان بدؤ الوحی مجلس برکات ۲۰۰۲م
۱۷)بخاری شریف: مترجم محمد محی الدین جہانگیر ج،۲ص:٦ شبیر برادرز لاہور،۲۰۱۰م
۱۸)بخاری شریف: ج،۱ص:۱۳، کتاب الایمان، باب ماجاءان الاعمال بالنیۃ،مجلس برکات
۱۹)بخاری شریف: ج،۱التعلیقاتِ زاھرۃ ص:٦۲: علامہ اختر رضا خان، مجلس برکات ۲۰۰۷.
۲۰)الاربعین الاشرفی: ص:۸٦
۲۱)نفس مصدر :ص،۸۰
۲۲)نفس مصدر: ص،۸۷
۲۳)نفس مصدر: ص،۸۹
۲۴)نفس مصدر: ص،۹۰
۲۵)نفس مصدر: ص،۹۰
۲٦)نفس مصدر: ص،۳۰۱
۲۷)مراۃ المناجیح: حضرت مفتی احمد یار خان، ج،۱ص:۵۵ کتاب الایمان،ادبی دنیا دہلی ۲۰۰۹م
۲۸)اربعین اشرفی: ص،۳۰۷
۲۹)نفس مصدر: ص،۳۰۵
۳۰)معراج عبدیت: حضرت سید مدنی میاں،ص:۱۴،ادارۃ مکتبہ اشرفیہ ۱۳۹۵ھ.
۳۱)تجلی الیقین: امام احمد رضا،تعریب: نعمان اعظمی ازہری،ص: مرکز اہلسنت برکات رضا پور بندر ۲۰۰٦م

شیخ الاسلام کا رنگِ تحقیق
(کتابتِ نسواں کے حوالے سے)

——محمد اختر الاسلام قادری، دارالعلوم قادریہ، چریا کوٹ، مئو (یو پی)

آفاق گیر شہرتوں کی حامل شخصیت، علمی دنیا کا ایک معتبر نام جس کے ہر حوالے اپنے آپ میں تمام جہت سے مکمل اور تابندہ ہیں۔ جس کے کارنامے لازوال اور نقوش فضل و کمال انمٹ ہیں جس کی روحانی پیشوائی مسّلم، جو بلاشبہ محدثِ اعظم ہند کی ذات کا آئینہ جمال و کمال ہے اور اپنے آبا کی علمی و روحانی وراثتوں کا امین بھی، بوستانِ اشرفیت کا گلِ سرسبد جس کی مشکباریوں سے ایک عالم کی شامِ جہاں معطر ہے، جو منبع فضائل و کمالات بھی ہے، جو مصدر جود و حسنات بھی ہے، جو فقہ و بصیرت کا تاجدار بھی ہے جو کائناتِ سلوک و معرفت کا شاہکار بھی ہے۔ جس کی ذات فی زمانہ نادرۂ روزگار ہے بلاشک وارتیاب وہ عبقریٔ زمانہ اور ایسا کہ جسے فخر زمن کہئے تو بجا، اس دورِ قحط الرجال میں جس کی ذات ہدایت کا ایک روشن مہتاب ہے۔ میری مراد شہزادۂ محدثِ اعظمِ ہند شیخ الاسلام حضرت علامہ سید شاہ محمد مدنی اشرفی جیلانی دامت فیوضہم القدسیہ ہے۔

قابل صد مبارک باد ہیں ''حضرت شاہ عبداللہ باشیبان اکیڈمی بلگام'' کے اربابِ حل و عقد جو اسلاف شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے ممدوح مکرم حضرت شیخ الاسلام کی ذات و خدمات کے حوالے سے مستقبل قریب میں ایک عظیم الشان سمینار کے انعقاد کا عزم کئے ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں وہ لوگ حضرت شیخ الاسلام ''شخص و عکس'' کے نام سے شیخ الاسلام کی ذاتِ مبارکہ کے وہ تابناک پہلو جواب تک لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اسے اُجاگر و متعارف کرنے کے لئے ایک سوانحی دستاویز بھی منظرِ عام پر لانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس سلسلے میں ہند و بیرون ہند کے مشاہیر قلم کاروں کی خدمات حاصل کر کے ان سے شیخ الاسلام پر مضامین و تاثرات حاصل کر رہے ہیں۔ **بارک اللہ فی عملھم و حسن سعبھم.**

میرے محترم دوست فاضل گرامی مولانا ڈاکٹر غلام ربانی فدا صاحب قبلہ خلیفۂ حضور شیخ

الاسلام کا برادرانہ اصرار ہوا کہ میں بھی شیخ الاسلام کی ذات کے کسی گوشے پر کچھ لکھ کر اس بزم ناز میں شمولیت کا حقدار بن جاؤں، ان کا تقاضائے محبت اور پیہم اصرار میرے پیروں کی زنجیر بن گیا ورنہ میں اس راہ کا رہرو نہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے میرا رابطہ عالی جناب کرم فرما محترم سید منیر پاشاہ صاحب سے کرادیا، ان کا حکم بھی میرے لئے ''نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن'' کی تفسیر بن گیا۔ انہیں مخلص احباب کی بے پناہ محبتوں کی قدر کرتے ہوئے اور بارگاہ شیخ الاسلام میں عقیدتوں کا خراج پیش کرنے کے لئے یہ سطریں سُپرد قارئین ہیں۔ اور پھر اپنے لئے یہ کسی اعزاز وافتخار سے کم نہیں کہ شیخ الاسلام کے مدح خوانوں کی صف میں یہ کمترین بھی اپنی کج مج تحریر لئے کھڑا ہے۔

ع قبول کرلیں اگر وہ شرف کا باعث ہو

کہتے ہیں شخصیت جتنی بھاری بھرکم ہوتی ہے اس پر کچھ لکھنا یا کہنا بھی اتنا ہی جان جوکھم ہوتا ہے۔ یوں تو شیخ الاسلام اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔ علم و دانش کا وہ بحر ناپیدا کنار ہیں جس کی ایک لہر پر بھی لکھنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، ان کا فقہی دبدبہ ہو یا محدثانہ شان و عظمت، مناظرانہ رنگ، و آہنگ، ہو یا خطیبانہ جاہ وجلال، سلوک وتصوف کی سحر انگیزیاں ہو یا مرشدانہ و داعیانہ سطوت وعظمت، تقویٰ وطہارت کی بزم آرائیاں ہوں یا ناصحانہ وموعظانہ گل کاریاں، الغرض ہر جہت سے شیخ الاسلام کی شخصیت بڑی نکھری نکھری اور اجلی اجلی سی ہے، کامل و مکمل اور بھرپور ہے اور ایسا بھی نہیں کہ یہ سب ''پدرم سلطان بود'' کا غلغلہ ہے بلکہ ان کے یہ سارے اوصاف ان کے فطری و وہبی ہیں جس میں کوئی ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

میرے پیشِ نظر حضور شیخ الاسلام کا ایک معرکہ آرا رسالہ ''کتابتِ نسواں اور عصری تقاضے'' ہے جس کا ایک مختصر سا جائزہ پیشِ خدمت ہے ورنہ کتاب کی ہمہ گیریت اور اس کا تنوع تو الگ سے ایک کتاب کا متقاضی ہے اور کیوں نہ ہو بڑوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں او جسے سمیٹنے کے لئے ظرف کا بھی بڑا ہونا ضروری ہے۔ اس کتاب سے حضرت شیخ الاسلام کی فقیہانہ ژرف نگاہی اور محدثانہ شان وعظمت بخوبی عیاں ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ شیخ الاسلام کی علم وقلم کی بوقلونیوں کا مکمل اظہار ہوتا ہے۔ یہ کوئی ضخیم کتاب نہیں لیکن ہزاروں ضخیم کتابوں پر بھاری ہے، آپ کے قلم نے اس مختصر سے کوزے میں علوم ومعارف کے وہ گوہرِ نایاب بھرے ہیں جن کی چمک دمک، عقل وخرد کو خیرہ کئے دیتی ہے۔ کتاب کیا ہے؟ علوم حدیث، علوم رجال وتعدیل کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے، کتاب کے مندرجات پر ایک نظر ڈال لینے سے ہی اس کی اہمیت نگاہوں میں سما جاتی ہے۔

یہ کتاب ایک استفتا کے جواب میں لکھی گئی ہے، مستفتی نامور قلمکار دورِ حاضر کے مشہور نثر نگار و مصنف حضرت بدر القادری صاحب قبلہ حفظہ اللہ ہیں، جو خود ایک لائق و فائق قابل عالمِ دین ہیں اور بے شمار کتابوں کے مصنف بھی اور مسلمانوں کے عالمی مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنے سوال میں ''کتابتِ نسواں'' کے تعلق سے ایک خاص بحث اُٹھائی ہے جو واقعی عصرِ حاضر کا ایک سُلگتا ہوا نکتہ ہے۔ آپ کا سوال بھی اپنے آپ میں ایک جامع مضمون کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن آپ نے کچھ خاص نکتوں کو محور بنا کر اپنا اشکال پیش کیا ہے، آپ کا سوال جو خود کئی صفحات پر محیط ہے، پورے سوال کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے۔ حدیث مبارکہ سے کتابت نسواں کی ممانعت بھی ثابت ہے اور بعض روایتوں سے اس کی اجازت بھی معلوم ہوتی ہے۔ بطور استشہاد اس پر شفاء بنت عبداللہ کی روایت مذکور ہے۔ حدیث ممانعت، بروایت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ''**لاتعلموهن الكتابته**'' کی روایتی حیثیت کیا ہے؟ اس پر علوم رجال کے ماہرین اور علوم حدیث کے جانکاروں کے حوالے سے اس کی سندی حیثیت واضح ہے اور اس کے ضعیف موضوع ہونے کی جانب اشارہ ہے۔ اس حدیث کو کتابت نسواں کی کراہیت کے باب میں دیگر محدثین کے ساتھ امام احمد رضا نے اپنا مستدل قرار دیا ہے۔ فی زمانہ جب کہ ترقیاں ہر آن نئے نئے جہان سے آشنا کر رہی ہیں تو ضرورت اس بات کی ہے کہ رفتار زمانہ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لئے مردوں ہی کی طرح عورتوں کو بھی کتابت کی اجازت ہونی چاہیے۔ تاکہ مراۃ مسلمہ بھی زندگی کے دوڑ میں کسی سے پیچھے نہ رہے اور یہ قاعدہ کلیہ بھی ہے کہ ضرورتیں محظوراتِ شرعی کو بھی اباحت کی منزل میں کر دیتی ہیں۔ گرامی مرتبت مستفتی نے اپنے خدشات اور محسوسات کے ازالے کے لئے شیخ الاسلام کی بارگاہ میں اپنے معروضات پیش کئے جس کے سبب یہ کتاب معرض وجود میں آئی۔ ان کی نگاہِ انتخاب وقت کے نامور محقق، شہر یار فقہ و تکلم حضرت شیخ الاسلام پر پڑی اور بلاکم و کاست اپنے ذہن کی بند گرہیں کھولنے کے لئے انہوں نے اپنی عقیدتوں کا مرکز و محور حضور شیخ الاسلام کو بنایا۔

شیخ الاسلام دام ظلہ نے ان کے اشکالات کا ایسا کافی و شافی جواب مرحمت فرمایا جو شکوک وشبہات کی تاریکیوں سے نکال کر یقین کے اجالے میسر کر گیا۔ جواب کیا ہے؟ حضور شیخ الاسلام کی فقہی بصیرت و بصارت کا جیتا جاگتا ثبوت، ان کی محدثانہ شان وعظمت اور ناقدانہ مہارت کا بے باک اظہار یہ، ان کی حدیث دانی اور علوم رجال پر درک کامل کا خوب تر

نمونہ۔تقریب فہم کے لئے آپ نے حدیث ممانعت کے تعلق سے چندفوائد ذکر کئے اور یہی فوائد ساری بحث کا نچوڑ اورنتیجہ ہیں، بالترتیب آپ نے بارہ فوائد قلم بند فرمائے جوکم وبیش ۴۸صفحات پر محیط ہے جس میں آپ نے بحث میں اُٹھائے گئے نکات کے تمام مالہ، وماعلیہ کوپیش کر کے رکھ دیا ہے اوراس وضاحت وخوبی کے ساتھ کہ ادنیٰ فہم وفراست کا مالک شخص بھی اپنے دل ودماغ کے بند دریچے کھول سکے، پڑھتے جایئے دل ودماغ کی ساری بندشیں کھُلتی جائیں گی۔محدث اعظم زمانہ کی شان فقاہت اورعلوم حدیث میں مہارت سطرسطر سے عیاں ہے۔مکمل استفادے کے لئے تو کتاب کی جانب مراجعت ضروری ہے لیکن ان شہ پاروں کا ایک ہلکا سانمونہ نذرقارئین کرتا ہوں۔

آپ نے فوائد میں چند فائدوں کے تحت حدیث ممانعت کے لفظی اختلافات اورتعدد طرق کی مختلف حیثیتوں کواجاگر فرمایا ہے نیزمستند حوالجات سے اس بات کومویدکیا ہے کہ حدیث نہی اپنی روایت میں نہ ہی موضوع ہے نہ ہی ضعیف، جیسا کہ فقہاومحدثین نے باب کراہیت نسواں میں اسی حدیث پاک کواپنا مستدل بنایا ہے تو کیسے یہ جلیل القدر رفیع المرتبت، محدثین ومفسرین ایک ضعیف وموضوع روایت سے کراہت جیسا قانون مستنبط کریں گے دراں حالیکہ جس طرح وضع حدیث دخول نار کا سبب ہے ایسے ہی موضوع حدیثوں کواختیار کرنا بھی وہی حکم رکھتا ہے۔رقم طراز ہیں

> ’’تمام محدثین ومفسرین کتابت نسواں کی کراہیت کے دلیل میں اسی حدیث پاک کوپیش کرتے ہیں چنانچہ تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۱۵۸ تفسیر روح البیان ج۶ص۱۱۳۔تفسیر جمل ج۳ص۲۰۶۔ تفسیر صاوی ج۲جز ۳ص۱۰۵وغیرہ میں اسی حدیث کوبطور سند پیش فرمایا ہے۔ نہ تو کسی نے اسے ضعیف کہانہ ہی موضوع قرار دیا، کیسے ہوسکتا ہے جس حدیث سے فقہائے امت کراہیت جیسا قانون مستنبط کریں وہ ضعیف یا موضوع ہو خود شیخ محقق نے اشعۃ اللمعات میں اور ملاعلی قاری نے مرقاۃ میں اس حدیث کی صحت اوراس کے قابل سند ہونے کوقبول کرتے ہوئے اس کے اورحدیث شفاء بنت عبداللہ میں تطبیق کی صورتوں پر گفتگو کی ہے۔ص۱۱

پھر حدیث کی موضوعیت اور عدم موضوعیت پر بحث کرتے ہوئے ضمناً تحریر فرماتے ہیں جس سے فاضل مستفتی کے سارے دلائل جو اس حدیث کی موضوعیت کے حوالے سے ہے ختم

ہوتے نظر آتے ہیں۔

''موضوع قرار دینے والے نے سند کو موضوع قرار دیا ہے نہ کہ متن حدیث کو؟ تو جب متن حدیث خود حدیث کو موضوع کہنے والے کے پاس بھی موضوع نہیں تو پھر روایت کرنے والے کے نزدیک اسے کیسے موضوع قرار دیا جاسکتا ہے؟ص۱۳

الغرض متعدد فوائد میں آپ نے علماء محدثین کے حوالوں سے یہ بات ثابت فرمائی ہے کہ مذکورہ بالا حدیث ''**لاتعلموهن** الكتابته'' بالکل بے غبار اور اپنے محل میں قابل قبول ہے اور اس کی موضوعیت کے اقوال ناروا اور غیر مشروع ہیں۔ کتاب کے بارہ فوائد جس کا اکثر حصہ اکابر علما اور ائمہ وفقہا کے ارشادات وافادات پر مشتمل ہے اس کی کسی قدر تفصیل کو مرتب شکل دینے کے بعد شیخ الاسلام، گرامی قدر مستفتی کے اصل سوالات کی جانب آتے ہیں جبکہ فوائد کے اندر ہی ان کے سارے اشکالات کے جواب ہو گئے لیکن اور بھی صراحت ووضاحت سے اپنے قول کو مزین کرتے ہوئے ان کے اپنے سوالات پر قائم کئے ہوئے افادات کے جواب مرحمت فرمائے ہیں۔ بطور خاص مستفتی کے اس اعتراض کا جواب کہ جب یہ حدیث اپنی سندوں کے اعتبار سے ضعیف و موضوع کے درجے میں ہے تو پھر امام احمد رضا قدس سرہٗ جیسا عبقری اس حدیث کو کیسے اپنا مستدل بناتے ہیں اور کراہیت کتابت نسواں پر اس سے دلیل پکڑتے ہیں؟ حضرت شیخ الاسلام نے اپنے اس جواب میں امام احمد رضا قدس سرہٗ پر اُٹھائے گئے اس اشکال کا بھرپور رد کیا ہے اور امام احمد رضا کی شان فقاہت پر جو حرف آرہا تھا اس کے رد بلیغ کی سعی جمیل کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

''حاکم وبیہقی کی تصحیح اور پھر محدثین ومفسرین فقہا کا اسے قبول کرکے بطور سند پیش کرنا اور اس سے کراہت تنزیہی جیسا حکم نکالنا اور پھر علامہ جلال الدین سیوطی کا یہ فرمان کہ قلت الحاکم من طریق ھذا الوضاع حتی یتعجب منہ'' جارحین کی جرح کو نا قابل التفات قرار دینا اس حدیث کو مستدل بنانے کے لئے کافی ہے، ویسے بھی جرح کا تعلق اسناد سے ہے جس سے متن حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا'' ص۵۷

اور ذرا آگے رقم طراز ہیں۔

''یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ امام احمد رضا نے مشعلتہ الارشاد میں جو یہ

فرمایا کہ ''لکھنا سکھانے میں فتنہ کا احتمال ہے اس لئے نہ سکھائے۔'' اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خود امام احمد رضا کے نزدیک عورتوں کو کتابت سکھانا غیر مستحب ہے یا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی جس سے احتراز بہتر ہے۔'' ص ۵۷

اس سے فاضل معترض کا وہ اشتباہ خود بخود رفع ہو گیا اور کیوں نہ ہو کہ اپنے وقت کا مرجع علما و فقہا جس کی شان فقاہت کے آگے عرب و عجم کے علماء دم بھریں، علم و فضل کی ہر شاخ پر جس کا آشیانہ ہو وہ بھلا کیوں کر ایک مجہول و موضوع اور اور ضعیف روایت کو اپنا مستدل بنا سکتا ہے۔ اس سے امام احمد رضا کی ذات پر جو زد پڑ رہی تھی شیخ الاسلام نے اس کے دفاع میں اپنے قلم کی ساری توانائی صرف کر دی اور بارگاہ امام میں اپنی عقیدت کا وہ خراج پیش کیا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اپنے امام کی ذات پر انہیں کلی اعتماد و اعتبار ہے تبھی تو لکھتے ہیں۔

میرے نزدیک خود امام احمد رضا قدس سرہٗ جیسی عبقری شخصیت کا اس متن حدیث کو قبول کر لینا اس کے قابلِ حجت ہونے کیلئے کافی ہے'' ص ۵۷۔

اخیر میں فاضل محترم کے دیگر خدشات و شبہات کا بھی بلیغ ازالہ فرمایا ہے اور فی زمانہ کتابتِ نسواں کی اہمیت و ضرورت کو اس طرح اجاگر فرمایا ہے جس سے فرار ممکن نہیں بلکہ حالات حاضرہ کے تحت کتابتِ نسواں کی اباحت کی جانب اشارہ فرمایا ہے اور واقعی عصر حاضر میں تعلیم نسواں کی اہمیت مزید دو چند ہو جاتی ہے کہ زمانہ کی ترقیاں آسمان کی رفعتوں کو پایاب کر رہی ہیں۔ علوم و فنون کے نت نئے در ہر روز وا ہو رہے ہیں اور بغیر تعلیم ترقی کا کوئی معیار نہیں۔ آج قوم مسلم کی پسماندگی اور اس کی زبوں حالی پکار پکار ہمیں اس احساس سے روشناس کر رہی ہے کہ ہمیں پڑھنا ہوگا، لکھنا ہوگا، تبھی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں، او زمانہ کی ترقیوں سے نظریں ملا سکتے ہیں۔

حضرتِ شیخ الاسلام : بحیثیت فقیہ

—— مقالہ نگار: مفتی محمد حسن الدین صدر مفتی جامعۃ المؤمنات مغلپورہ حیدرآباد

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی رسولہِ الکریم

اما بعد

فقد قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فلو لا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون

(پ۱۱ع۴سورۃ التوبۃ)

میرے قلم کو وہاں تک رسائی کہاں
سراسر ہے معذور عقل وزبان

مجھے اس بات سے بڑی مسرت ہوئی ہے کہ حضرت سید عبداللہ باشیبانؒ اکیڈیمی بلگام نے ''شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی شخص اور عکس'' کے مرکزی عنوان پر قومی سیمنار منعقد کیا ہے اور شیخ الاسلام والمسلمین الحاج الشاہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی کی شخصیت پر کچھ قلمبند کرنے کا اعزاز مجھ خاکسار کو بھی حاصل ہوا اگر چہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین کی شخصیت اور آپ کی علمی وادبی وفقہی خدمات محتاج تعارف نہیں اور آپ کی فقہی خدمات کے ضمن میں کچھ تحریر کرنا میری وقعت سے باہر ہے جیسا کہ ''شیخ الاسلام بحیثیت فقہیہ'' کا موضوع عطا کیا گیا تاہم مجھ ناچیز کی جانب سے پوری سعی کی جارہی ہے کہ اس موضوع کا حق ادا کرسکوں شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی کی شخصیت بہت بابرکت اور پرفیض ہے آپ کی صحبت بابرکت میں زانوئے ادب طے کرنے کے بعد شریعت، طریقت، حقیقت ومعرفت کے پردے اٹھ جاتے ہیں آپ کا نور علم سالک کو منزل مقصود کا پتہ بتا دیتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین کا شماران پاک

نفوسِ قدسیہ میں ہوتا ہے جن کے قلوب خوفِ الٰہی سے معموراور سینے عشق محمدی ﷺ سے منور رہتے ہیں اوراللہ جسے چاہتا ہے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے **ولینذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون** یعنی تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے جو دین کی سمجھ حاصل کرے اورواپس آکر اپنی قوم کوڈر سنائے اس امید پر کہ وہ بچے (کنزالایمان)

اورایک مقام پرارشادربانی ہے:"**یا ایها الذین امنوا اطیعوا الله واطیعواالرسول واولی الامر منکم** (سورہ نساء آیت ۵۹) یعنی اے ایمان والو! فرمانبرداری کرواللہ کی اورفرمانبرداری کرورسول کی اورتم میں جوامر والے ہیں۔

ایک مفسرقرآن مجیداس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ اس آیت کی رو سے فقہاء اور مجتھدین کی اطاعت فرض ہے اوراس آیت میں عبداللہ بن عباس جابر بن عبداللہ حسن بصری، ابو العالیہ، عطا بن ابی اباح، ضحاک اورمجاہد کے خیال میں ''اولی الامر'' سے حکام نہیں بلکہ فقہاء اسلام مراد ہے۔

سورہ بقرہ میں ارشادربانی ہے:" **ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیرا**".

امام مجاہدفرماتے ہیں کہ یہاں لفظ حکمت سے قرآن وحدیث اورعلم فقہ مراد ہے تفسیر کبیر میں ہے کہ حکمت بمعنی علم وفہم کے ہیں اور یہ بعینہٖ لفظ فقہ کا ترجمہ ہے تفسیر مدارک میں ہے کہ حکمت سے علم قرآن، علم حدیث اورعلم نافع جوموصل الی رضاء اللہ مراد ہے اورحضور تاجدار مدینہ فقہ اسلامی کے گویا سب سے پہلے معلم ہیں۔ چونکہ موضوع ''شیخ الاسلام والمسلمین بحیثیت فقیہ'' ہے اسلئے فقہ وفقہاء پرہلکی روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہوں۔

فقہ کا لغوی معنی الوقوف والاطلاع ''یعنی واقف ہونا اوراطلاع پانا اورشریعت میں اس کا معنی مقدمہ بحرالرائق میں مکتوب ہے"**الوقوف الخاص وهو الوقوف علی معانی النصوص وارشاراتها ودلالاتها ومضمراتها و مقتضیاء تها**'' یعنی خاص قسم کی واقفیت کا نام ''فقہ'' ہے یعنی نصوص کے شرعی معانی سے اوران کے اشاروں سے جن چیزوں پروہ دلالت کرتے ہوں ان سے اوران کے مضمرات سے اور جو کچھ ان کا اقتصاد ہے۔

اوراسی میں آگے تحریرفرماتے ہیں والفقیہ اسم للواقف علیہ یعنی جوشخص ان امور سے واقف ہو اسکا نام فقیہہ ہے۔

لفظ فقیہ، صاحب بصیرت اور یکتائے روزگار کیلئے بولا جاتا ہے وقت کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہوتا جسے

فقیہہ نہ سلجھا سکے اور اسلامی حکومت کا کوئی منصب ایسا نہیں جسے فقیہہ اعزاز نہ بخشے ،فقیہہ رخ حقیقت سے نقاب اٹھانے والے پاکیزہ انسان کو کہتے ہیں جس میں وحی اور نبوت کے معلومات سے صحیح نتائج پیدا کرنے کا سلیقہ ہو جو نئے اور پیش آمدہ پیچیدہ مسائل میں امت کو تفریق وانتشار ،خانہ جنگی اور باہمی منافرت سے بچا کر وحدت امت ،اتحاد ملت کی راہ پر ڈالنے والا اور سخت سے سخت حالات میں بھی جادۂ حق پر مستقیم اور اعلاء کلمۃ اللّٰہ کا داعی ہو۔

حضرت شیخ الاسلام اعلاء کلمۃ اللّٰہ کے داعی بھی اور حالات کا سختی سے مقابلہ کرنے والے بھی ہیں حضرت شیخ الاسلام معترضین کے اعتراض کا کھل کر مدلل جواب دینے والے بھی ہیں اور داعی دین کا فریضہ بھی بے باک طریقے سے انجام دینے والوں میں سے ہیں جو اشاعت دین کے لئے اپنی ذات کو وقف کئے ہوئے ہیں حالات جیسے کچھ بھی ہوں موسم کیسے بھی ہوں آپ نے وقت کی ہر پکار پر لبیک فرمایا اور آپ کی انداز تقاریر اور انداز تدریس ایسا ھیکہ جو ایک مرتبہ آپ کی محفل میں شرکت کر لے وہ دوبارہ آئے بغیر نہیں رہ سکتا یا یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ آپ کی صحبت بابرکت میں اپنی عمر گذارنا پسند کرتا ہے۔

حضرت کا پیغام آفاقی ہے آپ کے رشد و ہدایات' آپ کے اخلاق و کردار آپ کی فہم وفراست ساری دنیائے انسانیت کیلئے عروج وارتقاء کی ضامن ہے آپ کی شخصیت علم وفن واعلیٰ فکر وشعور کے اعتبار سے عالمی شہرت کی حامل ہے۔

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین خانوادہ اشرفیہ کی ایک باوقار' جامع صفات' محترم المقام شخصیت ایک عالم دین مفتی مکرم صوفی اعظم ،انشا پرداز' ادیب' منفرد عدیم المثال نعت گو شاعر' خطیبِ ذیشان ،مقرر شعلہ بیاں' امام افہام وتفہیم بن کر ہمارے سامنے آتی ہے۔ بقول شاعر

دریا میں صدف صدف میں گوہر دیکھا
گوہر میں جِلا جِلا میں جوہر دیکھا

اس شعر کے مصداق آپ ہر فن میں اپنا خاص مقام رکھتے ہیں اور اپنی ماہرانہ صفات اور ضیاپاشیوں کے نور سے نہ صرف اپنے اطراف واکناف کے ماحول کو منور کر رہے ہیں بلکہ عالم اسلام کے مسلمانوں کے قلوب کو بھی جلا دے رہے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین صرف ایک شعلہ بیان مقرر ہی نہیں بلکہ عاشق رسول مفسر قرآن بھی محدث بھی صوفی بھی ادیب بھی مصنف بھی محقق بھی شاعر بھی مفتی بھی خطیب بھی داعی

دین بھی اور ایک فقیہ بھی ہیں۔ یوں تو آپ نے بحیثیت مصنف کئی کتابیں تصنیف کی ہیں لیکن آپ کی چند ایک تصانیف ایسی ہیں جن سے آپ کی فقہی بصیرت کا خوب اندازہ کیا جاسکتا ہے جیسے ''مسلم پرسنل لا یا اسلامک لا'' ''احکام قربانی اور اہلحدیث'' اور'' ویڈیو اور ٹی وی کا شرعی استعمال'' یہ ایک ضخیم تصنیف ہے اس جیسی تحقیق وتصنیف کی موجودہ دور میں بہت اہمیت اور ضرورت ہے۔

عصر حاضر کی نت نئی ایجاد کے سبب ارباب فقہ کو بھی ان کے استعمال اور ان کی اجازت پر غور وخوض ضروری تھا اور نئی ایجادات اور ان کے استعمال کی حلت وحرمت کو جاننے کیلئے ارباب فقہ سے رجوع ضروری ہے کیونکہ ہر علم کی کمپوزیشن (Composition) اس کا ڈھانچہ ہوتا ہے اور گرائمر اس کی روح ہوتی ہے اسطرح علوم اسلامیہ کی روح علم فقہ ہے اور فقہی مسائل اسلامی معاشرہ' تہذیب وتمدن زندگی کے ہر گوشے کو اپنے حصار میں لئے ہوئے ہوتے ہیں۔

زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جسمیں پیچیدہ مسائل نہ ہوں اور فقہ اسلامی ان پیچیدہ مسائل کا حل پیش نہ کرتا ہو، ائمہ مجتہدین اور فقہاء عظام نے جس ذکاوت فہم وادراک کے ساتھ دن رات محنت کر کے حالات کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے مسائل دینیہ ودنیا کا حل پیش کیا ہے اگر چہ کچھ عرصہ اجتہاد جمود کا شکار رہا اس دوران دنیاوی علوم اور مغربی تہذیب خوب پروان چڑھی اور اپنے اثر سے تمام انسانوں کو مرعوب کیا خواہ وہ کسی بھی مذہب وملت کے ہوں لیکن خاص کر مسلمان ان چیزوں کی طرف جب مرعوب ہونا شروع ہوئے تو مسئلہ فکر ونظر کا بن گیا کیونکہ مسلمان اس تہذیب میں اس قدر گم ہونے لگے کے ہر بات میں ویسٹرن کلچر کی مثال دینے لگے۔ مسلمانوں کا ہر گھرانہ خواہ علماء یا مشائخ یا درویش صفت سادہ مسلمان کا ہو ہر کوئی اس تہذیب کی چمک دمک سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ لیکن پھر بھی کچھ سادہ مسلمان ایسے موجود رہے جن کو کلچر راس نہ آیا بلکہ اُن حضرات نے یہ سعی کی کہ مغربی علوم اور ان کی تحقیق وایجاد کا کیوں نہ مقابلہ کیا جائے اور بفضل خدا وہ اس سعی میں کامیاب بھی رہے۔

مغربی ایجادات جس نے عقل انسانی کو مخبوط الحواس کردیا تھا ان تحقیقات کو اور ایجادات کے استعمال کو یہ کہہ کر استعمال کرنے سے اجتناب نہیں کیا کہ یہ اسلام کے خلاف ہے یا اسلامی قوانین وفقہ سے متصادم ہیں بلکہ اپنی ذہانت اور اجتہاد سے ان ایجادات کے استعمال کو شرعی طریقے پر استعمال کرنے کا سلیقہ طریقہ بتایا اور امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی۔

موجودہ دور سائنسی دور ہے اور یہاں جنگ کے موقعوں پر تلوار تیر نہیں بلکہ بندوق اور

بم کا استعمال کیا جارہا ہے۔ ہر ایجاد کی جانے والی شئی فرسودہ یا برائی کا آلہ کار نہیں ہوتی۔ بات اور سوچ تو اسکے استعمال پر ہوتی ہے جیسے اگر کوئی شخص کچھ برائی نہ کرے لیکن اپنے ذہن میں بری سوچ پیدا کرے تو وہ خود اسکا ذمہ دار ہوگا اسی طرح ایجاد آلات کا حکم بھی ہوگا کہ جیسے سیل فون انٹر نیٹ، ٹیلفون، ٹیلیگرام، فیاکس، ہوائی جہاز، ٹرین، بس، بائیک وغیرہ کہ ان چیزوں کا ہونا آج کے دور کے ہر انسان کیلیئے ضروری ہوتا جارہا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ان تمام چیزوں سے فائدہ اٹھانا، ان کو استعمال میں لانا کیسا ہے۔ جیسے ای ۔میل کرنا یا میسیج کرنا اگر کسی نے ای میل یا میسیج کے ذریعہ طلاق دیا تو یہ نہیں کہا جائیگا کہ کمپیوٹر یا انٹر نیٹ یا سیل فون غلط ہے بلکہ اسکا استعمال غلط کام کیلیئے کیا گیا، یہ کہا جائیگا۔

اوران چیزوں کی حلت وحرمت ومخالفت واباحت کا حکم تلاش کرنے کے لیئے قرآن وحدیث کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور قرآن وسنت کے ابدی سرچشموں سے پھوٹنے والا سب سے پہلا علم ''علم فقہ'' ہے اور یہ جدو جہد اب رنگ بدلنے والی ہے ایسے میں سب سے بڑی ضرورت فقہ اسلامی کی تدوین نو ہے اور یہ ایک پیچیدہ کام ہے اس کام میں بہت سی قوتیں اور بہت سے ادارے حصہ لیتے ہیں، اہل اجتہاد، ارباب قضاء اور اصحاب فتوی سبھی اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

یوں تو دور حاضر کے پیچیدہ مسائل کی فہرست کافی طویل ہے اور اس صورت میں سوال یہ ابھرتا ہے کہ ''جدید سائنسی ایجادات کے شرعی استعمال کی نوعیت اور حدود کا تعین کیسے ہو؟ یہ سوال کہ عصر حاضر میں فقہی استنباط، افتاء واجتہاد، اصول اور تحقیق کے شرعی طریقے کا سب سے اہم اور کلیدی نقطہ کیا ہے۔ اور اس حوالے سے ابھی بہت کام کرنا ہے کیونکہ جب تک نہج تحقیق اور اسلوب اجتہاد کی اعلیٰ سطح پر بنیادی، اصولی اور کلی حیثیت سے طے نہیں کرینگے تب تک فقہی جزئیات اور جدید مسائل کے حل میں بہت سی پیچیدگیوں، الجھنوں اور اختلافات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی صورت میں رئیس المحققین نے اپنی یہ تحقیق پیش کی تاکہ عوام وخواص کے ذہن میں جو سوالات ابھر رہے ہیں کہ ٹی۔ وی اور ویڈیو کا استعمال از روئے شریعت کیسا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین نے بہت ہی عرق ریزی کے ساتھ ساتھ اس کے ہر پہلو پر غور وفکر کرنے کے بعد قلم اٹھایا اس موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی جس میں نقطہ نظر کا فرق اور اختلاف رائے کا اظہار انتہائی شائستہ اور باوقار طریقے سے نبھایا ہے گفتگو اور استدلال میں بڑی پختگی ہے فقہی مسائل میں اختلاف رائے سے ہمیشہ غور وفکر اور تحقیق کی نئی راہیں کھلتی ہیں اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ فکر وتدبر کی رسی اور علم وبصیرت

کی گہرائی کا ہونا ایک فقیہ کے اوصاف میں شامل ہے۔

دین اسلام فطری دین ہے اور ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جسمیں انسانی مصلحتوں اور تمام تقاضوں کا مکمل لحاظ رکھا گیا ہے اللہ رب العزت نے اس نظام حیات کی بقا کیلئے قرآن مجید کو نازل فرمایا اور انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحا فظون فرما کر قیامت تک اس کی بقاء وحفاظت کی ذمہ داری بھی لی آقائے دو جہاں حضور اکرم ﷺ نے اس فصیح و بلیغ کلام الٰہی کی قولاً وعملاً مکمل تفسیر فرمائی اور آپ کی مکمل حیات طیبہ قرآن مجید کی مکمل عملی تفسیر ہے مگر چونکہ قرآن وحدیث فصاحت وبلاغت میں اپنی مثال آپ ہیں ان کا سمجھنا اور ان سے احکام ومسائل کا استخراج کرنا ہر کس و نا کس کا کام نہیں ہے اور نہ ہی ہر کسی کا منصب ہے بلکہ ایک فقیہ یا مجتہد جو کسی حکم شرعی ظنی کے حاصل کرنے کی طاقت رکھتا ہے وہی منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔

اور اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید نے فرمایا:" **لعلمه الذین یستنبطون منهم** " یعنی قرآن مجید کو وہی لوگ اچھی طرح سمجھتے ہیں جو احکام کا استنباط کرتے ہیں اور شیخ الاسلام والمسلمین کو اللہ رب العزت نے ایسی تدبرانہ بصیرت عطا کی کہ وہ آج نہ صرف عالم اسلام میں ایک مشہور ومعروف مقرر اعظم خطیب ذیشان ہیں بلکہ مصنف وشاعر اور عاشق رسول ہیں جن کی بصیرت اور عرق ریزی نے آج دور حاضر کے موجودہ مسائل کی پیچیدگیوں پر غور وفکر کرتے ہوئے مسائل کا حل فرما رہے ہیں بحیثیت فقیہ جسکا اندازہ آپ کی تصنیف ’’ویڈیو اور ٹی۔وی کا شرعی استعمال‘‘ کے اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔

الاستفتاء والجواب

از جانشین محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ

ویڈیو کیمرے کے ذریعہ جو تصویریں بنائی جاتی ہیں اس پر حرمت اور شرعی ممانعت کا حکم لگے گا کہ نہیں؟

علماء کرام کی تقاریر اور بیاہ شادی کے موقع پر تصاویر کا نکالنا اور ویڈیو کیسٹ پر پروگرام کو ریکاڈ کرنا یادگار کے طور پر یا علماء کرام کی تقاریر سے تبلیغ وہدایت کی نیت سے ویڈیو بنانا جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی محمد اصحاب نبی بخش اشرفی

نائب صدر جمیعۃ الاسلام ڈین ہاگ (ہالینڈ)

الجواب:

مذکورہ بالا سوال سے ظاہر ہوتا ہیکہ سائل ویڈیو کیمرے کی حقیقت اور نوعیت سے واقف کار نہیں ہے جبھی تو اس نے اس کو تصویر کشی کا آلہ سمجھ لیا ہے اور اس خیال میں ویڈیو کیسٹ کے فیتے میں تصویریں ہوتی ہیں جنھیں ٹی۔وی کے ذریعہ دکھایا جاتا ہے حالانکہ تحقیق اس کے خلاف ہے میں نے اس سلسلہ میں بذات خود ویڈیو اور ٹی۔وی کے مسلم و غیر مسلم ماہرین سے رابطہ قائم کیا اور معلومات حاصل کیں تحقیق کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ویڈیو کیسٹ میں کسی طرح کی کوئی تصویر نہیں چھپتی بلکہ اس کے ذریعہ اس کے سامنے والی چیزوں کے ریز (rays) شعاعوں (کرنوں) کو ٹیپ کرایا جاتا ہے ۔ٹیپ ہو جانے کے باوجود جسطرح آواز کی کوئی صورت نہیں ہو تی بلکہ وہ غیر مرئی ہوتی ہیں اسی طرح ان ریز (rays) کی بھی کوئی صورت نہیں ہوتی جنہیں دیکھا جا سکے المختصر ویڈیو کیمرے کا کام انہیں غیر مرئی ریز (rays) اور آوازوں کو ٹیپ کرنا ہے لہذا اس کو ان فلمی فیتوں پر قیاس کرنا صحیح نہیں جن میں باقاعدہ تصویریں چھپتی ہیں جو دیکھی بھی جا سکتی ہیں اور جنہیں پردہ سیمین پر بڑا کر کے دکھایا جاتا ہے ویڈیو کیسٹ کے ٹیپ میگنیٹک (مقناطیس) ہوتے ہیں جو مذکورہ ریز (rays) (کرنوں) کو جذب کرتے ہیں پھر جب انہیں ٹی۔وی کے متعلق کیا جاتا ہے تو ٹی۔وی ان ریز (rays) کو صورت میں بدل کر اپنے آئینے سے ظاہر کر دیتا ہے چونکہ یہ صورت متحرک اور غیر قار ہوتی ہے اس لئے اسکو عام آئینوں کی صورت پر قیاس کیا جا سکتا ہے جب تک آئینے کے روبرو رہے اسمیں صورت رہے گی اور ہٹ جانے کی شکل میں ختم ہو جائے گی یوں ہی جب تک ویڈیو کا رابطہ ٹی۔وی سے رہے گا تصویر نظر آئے گی اور رابطہ منقطع ہوتے ہی تصویر فنا ہو جائے گی۔رہ گئی یہ بات کہ مذکورہ رابطہ پیدا کرنے کیلئے بھی بٹن وغیرہ کو حرکت میں لایا جاتا ہے تب جا کے صورت نظر آئی ہے تو ایسا ہی ہے کہ باپردہ آئینہ میں پردہ ہٹانے کا عمل ناگزیر ہے ان متحرک و غیر قار تصویروں کو پردہ فلم کی تصویریں درحقیقت جامد و ساکن ہوتی ہیں جسکی حرکت محض نگاہوں کا دھوکہ ہے ٹرین پر چلنے والا باہر کے درختوں اور زمینوں کو پیچھے بھاگتا ہوا دیکھتا ہے ویسے ہی پردہ فلم پر جن جامد و غیر متحرک تصویروں کو بڑا کر کے دکھایا جاتا ہے ان کے غیر متحرک و جامد ہونے میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔ویڈیو کیسٹ کا معاملہ اس کے بالکل برخلاف ہے اسمیں کسی طرح کی کوئی تصویر منعکس ہوتی ہی نہیں اور جب اس کے ریز (rays) ٹی۔وی میں پہنچ کر تصویر

کی شکل اختیار کرتے ہیں تو وہ متحرک اور غیر قار ہوتے ہیں اسلئے ٹی۔وی کی تصویروں کے بارے حقیقی طور پر جامد ہونے کا شبہ تک نہیں کیا جاسکتا اس مقام پر یہ بات بھی خالی از فائدہ نہیں کہ جن پروگراموں کو ویڈیو کیسٹ کے بغیر براہ راست ٹی۔وی سے نشر کیا جاتا ہے ان میں بھی یہی ہوتا ہے کہ کیمروں اور مشینوں کے ذریعہ انہیں ریز (rays) کو ٹی۔وی ٹاور تک پہنچایا جاتا ہے۔ٹی۔وی ٹاور انہیں اکٹھا کر کے ٹی۔وی بکس کی طرف منتقل کر دیتا ہے پھر وہی صورت ہو جاتی ہے جو ویڈیو کیسٹ کے رابطہ کی صورت میں ٹی۔وی سے ظاہر ہوتی ہے اور سارے منظر نظر آنے لگتے ہیں چونکہ یہ آلات جدیدہ ہیں اسلئے مذکورہ بالا تحقیق نہایت ضروری تھی اس تحقیق کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ویڈیو اور ٹی۔وی کے استعمال کرنے کا معاملہ بالکل گراموفون' ٹیپ ریکاڈ اور آئینوں کے استعمال کرنے کے معاملے کی طرح ہے جس طرح بالاتفاق گراموفون وٹیپ ریکاڈ سے ہر وہ بات سنی جاسکتی ہے جس کا سننا ان کے بغیر بھی جائز ہے اور جسطرح آئینے کے اندر ہر ان چیزوں کو دیکھا جاسکتا ہے جسکا دیکھنا آئینے کے باہر بھی جائز ہے بالکل اسی طرح ویڈیو اور ٹی۔وی کے ذریعے ہر اس چیز کو دیکھا اور سنا جاسکتا ہے جسکا دیکھنا اور سننا اسکے بغیر بھی جائز ہے رہ گئے وہ امور جن کا دیکھنا اور سننا ناجائز وحرام ہے چونکہ فلم میں جامد وغیر متحرک تصاویر ہی بنیاد ہیں اسلئے اسکو دیکھنے اور سننے کے تعلق سے جائز اور ناجائز کا مذکورہ بالا فرق نہیں کیا جاسکتا ہاں اگر بالفرض کوئی ایسی فلم تیار کی جائے جسمیں ایک جاندار کی تصویر نہ ہو اور وہ حرام و ناجائز نغمات وحرکات سے ملوث نہ ہو تو اسکو بھی دیکھنے میں بالاتفاق کوئی مضائقہ نہیں ان تفصیلات کے بعد سائل کے سوال کو سامنے رکھتے ہوئے جواب کی یہ صورت ہوئی کہ ویڈیو کیمرے کے ذریعہ کسی طرح کی کوئی تصویر نہیں بنائی جاتی لہذا جاندار کی تصویر کشی کی حرمت اور ممانعت کے جو نصوص ہیں اس کا اطلاق اس پر ہوتا ہی نہیں۔ بیاہ شادی کے موقع کے وہ جائز مناظر جن کو دیکھنے اور سننے میں شرعا کوئی مضائقہ نہ ہو تو ویڈیو اور ٹی۔وی کے ذریعہ بھی دیکھے اور سنے جاسکتے ہیں۔

اس صورت میں اس بات کی احتیاط ضروری ہے آج کل شادی بیاہ میں بے پردگی اور بے حجابی کے سبب عورتیں ہر پروگرام میں پیش پیش نظر آتی ہیں اور گاتی بجاتی ہیں ویڈیو کو ان مناظر سے بچایا جائے اسلئے کہ جس طرح نامحرموں کے سامنے ان کا آنا اور نامحرموں کا ان کو دیکھنا اور ان کا گانا سننا حرام وناجائز ہے اسی طرح ٹی۔وی پر بھی ان کو دیکھنے اور ان کے گانے بجانے سننے کا یہی حکم رہے گا۔علمائے کرام کی تقاریر۔نیز دینی ومذہبی پروگرام کی نشر واشاعت کیلئے ویڈیو کا

استعمال بالکل جائز ہے بلکہ جن علاقوں میں کوئی گھر ٹی۔وی سے خالی نہ ہو اور لوگ غیر شرعی پروگرام دیکھ دیکھ کر اپنے اخلاق و کردار کو خراب کر رہے ہوں نیز ان کے بچے بھی دیکھا دیکھی اس روش پر چل رہے ہوں تو نہایت مناسب عمل ہوگا کہ ویڈیو کے ذریعہ خالص دینی، مذہبی، علمی، اخلاقی پروگراموں کو گھر گھر پہنچا کر ان کے افکار و نظریات کی اصلاح اور اعمال و افعال کی درستگی کی راہ نکالی جائے اور اس کے ذریعہ تبلیغ و ہدایت اور تعلیم و اصلاح کا کام انجام دیا جائے۔اسی طرح اگر ایک طرف لوگوں کو ٹی۔وی کے صحیح استعمال سے روشناس کرایا جاسکتا ہے تو دوسری طرف عظیم تعمیری کام بھی انجام دیے جاسکتے ہیں اور وہ بھی حدود شرع میں رہ کر

بقول:

وہ کام کر جو عقل کو حیرت میں ڈال دے
کردار وہ بنا، کہ زمانہ مثال دے

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین نے اس کتاب میں بہت ہی باریک بینی سے دلائل کو پیش کیا اور ان کی ضرورت اور اہمیت وافادیت کو فقہی نقطہ نظر سے اسطرح پیش کیا کہ ہر صاحب عقل و فہم کو یہ آسانی سے سمجھ میں آسکے موجودہ دور جدید تخلیقات کا دور ہے آئے دن کسی نہ کسی چیز کی ایجاد عمل میں لائی جارہی ہے بغیر یہ غور و فکر کئے کہ اسکا شرعی حکم کیا ہوسکتا ہے نہیں کہا جاسکتا جیسے سواری میں ہوائی جہاز، ریل گاڑی، موٹر بائیک، کاریں، لاریاں یا جنگی آلات میں جیسے مزائیل، بم، ریڈار، رائفل یا خط و کتابت کے ذرائع کیلئے، فیاکس، کمپیوٹر، انٹرنیٹ سے مربوط ای میل، جی میل اور نئی تکنیکی کیمرے، ٹیپ ریکارڈ۔آئی فون، سل فون، ٹیبلٹ (Tablet) وغیرہ نہ جانے ایسی ایسی حیرت انگیز جدید ایجادات ظہور پذیر ہورہی ہیں جو انسان کیلئے بزرگی اور شرف کا باعث ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ آیا مسلمان ان چیزوں کا استعمال شرعاً کرسکتا ہے یا نہیں اسکا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ یہ بتانے کیلئے ظاہر ہے کہ علماء امت محمد ﷺ اور مفتیان کرام کی جانب ہی رجوع ہونا پڑے گا اور ایسے میں حضرت شیخ الاسلام جیسی شخصیت کا ہونا ضروری ہے جو دین اسلام میں عوام الناس کی رہنمائی و رہبری کرے اپنی فقیہانہ بصیرت و نکات کے ذریعہ ان ایجادات کی باریک بینی سے تحقیق کریں تاکہ مسلمان ان چیزوں کی بابت اباحت حلت و حرمت کو جان سکے چند ایک مسائل ایسے ہوتے ہیں جس میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا لیکن ان جیسی ایجادات میں عام انسان

اپنی سوچ اور سمجھ سے عمل نہیں کرتا۔اوران ایجادات کا استعمال کر کے مسلمان بھی آگے بڑھ سکتے ہیں جیسے ذرائع ابلاغ میں ریڈیو،ٹی۔وی،ویڈیو،ٹیپ ریکاڈ دائرہ اثر بہت وسیع وعریض ہے وقت اور مسافت کو اس کے ذریعہ ملا دیا گیا فی زمانہ بے دینی کو ان ذرائع سے بڑی تیزی سے پھیلایا جارہا ہے اور دنیائے اسلام کے درپے ہے بدکاری،عیاری،مکاری کے یہ مرکز بن چکے ہیں اور انسانیت دم توڑ رہی ہے شیطانیت بام عروج پر نظر آرہی ہے اور مسلمانوں کو ان وسائل سے شکار کیا جارہا ہے۔تو ایسی صورت حال میں حضرت شیخ الاسلام کا اس طرف توجہ کرنا قابل ستائش اور لائق تحسین ہے۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب بھی کسی فقیہ مجتھد عالم نے جدید طریقہ سے خدمت اسلام کو اپنایا اس کے موقف پر اظہار خیال کے بجائے منفی فتوے شروع کئے جاتے ہیں جیسے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے جب پہلی مرتبہ قرآن کریم کا فارسی ترجمہ کیا تو ان پر تحریف قرآن کے فتوے لگائے گئے مگر بعد میں دیگر مذاہب کے افراد قبول اسلام کرتے ہوئے دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے جو عربی سے واقف نہیں اور نہ اردو زبان سے تو مختلف زبانوں میں تراجم قرآن تحریر کئے جانے لگے اس غرض سے کہ وہ قرآن مجید کے احکام کو سمجھ سکیں۔اسی طرح حضرت شیخ الاسلام کی اس فقیہانہ سوچ اور دور اندیشی ایک عظیم ماخذ کی حیثیت پائے گی نہ صرف یہ بلکہ آپ نے غیر مقلد اور اہلحدیث سے کئی علمی مناظرے اور مباحثے بھی کئے اور علامہ مولانا محمد یحیٰی انصاری اشرفی کی تصنیف ''احکام قربانی اور اہلحدیث'' کی سرپرستی بھی فرمائی جسمیں اس بات کو واضح کیا کہ نام نہاد اہلحدیث کو ان کے مزاج وعقیدہ کے خلاف کوئی حدیث دکھائی دے تو وہ ضعیف یا موضوع یا باطل قرار دیتے ہوئے احادیث کا انکار کردیتے ہیں ائمہ مجتھدین محدثین امت اور اسلاف صالحین سے مروی معتبر ومستند ہزار ہا احادیث کو ضعیف ''موضوع من گھڑت اور باطل قرار دیتے ہیں لہذا یہی اولین درجہ کے منکرین حدیث ہیں اس کے علاوہ آپ نے ایک اہم تصنیف ''مسلم پرسنل لاء یا اسلامک لاء'' کے نام سے تصنیف فرمائی جس کا منشاء ومقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے عائلی مسائل کا تعلق قرآن مجید کے احکامات سے ہی ہے تو پھر پرسنل لاء کیوں کہا جائے بلکہ اسلامک لاء کہا جانا بہتر ہے نکاح،طلاق،خلع،ایلاء،لعان،عدت،نفقات سے لیکر حدود وبیع وشراء اشیاء کی حلت وحرمت سب قرآن مجید سے ثابت ہے۔

دور جدید میں ہزار ہا سائنسی ایجادات کا ظہور علماء دین ومفتیان عظام کو دعوت فکر دیتا

ہے کہ ان ایجادات میں سے بعض ایجادات ایسی بھی ہیں جن کے استعمال کے بارے میں عوام مسلمان ان کی بارگاہ سے رجوع ہوکر انکا شرعی حکم معلوم کرتے ہیں تو ایسی صورت حال میں انہی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے علم وفراست اور خداداد صلاحیتوں نیز تقویٰ وورع کے پیش نظر جواز و عدم جواز مباح ومکروہ بلکہ حرام وحلال کے فتووں سے رہنمائی فرمائیں۔

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین رئیس المحققن کا شماران اکابر علماء ومفتیان عظام میں ہوتا ہے جو نہ صرف تصنیف وتالیف اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے ہیں بلکہ ضرورت پر وقت کے تقاضہ کو محسوس کرتے ہوئے اپنی فقیہانہ بصیرت سے مسائل کو حل فرماتے ہیں اپنے علم وفضل کو بروئے قلم لاتے ہوئے مسلمانان اسلام کی رہنمائی فرما رہے ہیں جس سے کئی مواقع پر علماء کرام کے درمیان اختلاف بھی ہوا ہے اور ہوتا ہے۔حضور اقدس ﷺ کے بقول اختلاف علماء امتی رحمۃ (مسائل کے حل میں) میری امت کے علماء کا اختلاف رحمت ہے قرآن مجید میں علمی تفوق کو یوں بیان کیا گیا ہے ''فوق کل ذی علم علیم'' ہر علم والے سے بڑا علم والا ہے اس سے بڑھکر علماء کرام کیلئے اور کیا خوش نصیبی ہوسکتی ہے کہ شارع علیہ السلام علماء کرام کے درمیان اختلاف کو رحمت قرار دیں اور قرآن کریم ان کی علمی برتری کا اظہار کرے۔مسلکی اختلاف کے سلسلہ میں رحمت حق کا ظہور ممکن ہے ہر دو قسم کے فتوؤں (جائز وناجائز) پر مسلمان عمل پیرا ہیں علماء کرام کے ایسے علمی اختلاف سے ہر دو قسم کے عمل پیرا گروہ رحمت سے مستفیض ہورہے ہیں نیز امید ہے دونوں قسم کے مفتیان اسلام اپنی اپنی صائب رائے وکاوش کے باعث یقیناً مستحق اجر وثواب ہوں گے آپ کی تصانیف پر غور وفکر کیا جائے تو آپ نے علماء کے نقطہ نظر کا فرق اور اختلاف رائے کا اظہار انتہائی شائستہ اور باوقار طریقے سے نبھایا ہے گفتگو اور استدلال میں بڑی پختگی ہے فقہی مسائل پر عرق ریزی سے کام انجام دیا ہے آپ نے اپنی ذہانت وفطانت سے کئی مسلمانوں کے عقائد میں پختگی عطا فرمائی۔بقول شاعر

علم وادب میں جنکی بڑی دھوم دھام ہے
مہر وفا خلوص کا جو پیش امام ہے

حضرت شیخ الاسلام کی علمی ادبی،فقہی،دینی،تبلیغی،تصنیفی تالیفی خدمات بے مثال اور قابل تقلید ہیں۔اللہ رب العزت نے آپ کو یہ اعزاز واکرام عطا فرمایا ہم بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کی عمر اقبال صحت

وعافیت سے دراز فرمائے تاکہ ہم آپ کے فیوض و برکات حاصل کرسکیں اور آپ کی زندگی کو اپنا ائیڈیل بنائیں اور آپ کی تعلیمات پرعمل کرتے ہوئے دنیا و آخرت کو سنوار سکیں۔ بقول شاعر

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

شیخ الاسلام کا فقہی رسالہ "کتابت نسواں اور عصری تقاضے"

——مفتی آل مصطفیٰ مصباحی صدر شعبۂ افتا جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو یوپی انڈیا

شیخ الاسلام کو علوم متداولہ وغیر متداولہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، نحو، صرف، معانی ، بلاغت بدیع، ھیئت، جیسے علوم وفنون پر کامل دسترس حاصل ہے۔ وہ ایک پختہ قلم کار، ادیب ، شاعر اور بہترین نقاد بھی ہیں۔

ہم یہاں ان کی علمی افادات اور تحقیق وتنقید کے کچھ نمونے پیش کررہے ہیں، جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت شیخ الاسلام کو جہاں اپنے حبیب کریم ﷺ کی اولاد میں ہونے کا شرف بخشا، وہیں دین وشریعت کا صحیح علم وعرفان عطا فرماکر ان کے سینے کو انوار رحمت کا خزینہ اور ہزاروں متوسلین کے لیے علم وعمل کا نمونہ بنادیا۔ بغیر کسی پر پیگنڈے کے تن تنہا خاموشی کے ساتھ اپنی تمام تر مصروفیتوں کے باوجود تحریر وقلم کے ذریعہ بھی حدیث وفقہ وکلام اور ادب وتنقید میں جو گراں قدر تحقیقات وافادات کا ایک اہم ذخیرہ پیش کیا ہے، وہ رسمی جملوں میں تہنیت وتبریک سے بالاتر ہے، ان کی علمی تحقیق اور فکری تنقید کو کچھ وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جن کا علم وفن کے میدان میں پایہ بلند ہے اور ان کے دامن میں علم وتحقیق کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔

ہم یہاں مشتے نمونہ از خروارے ان کی فقہی تحقیقات وتدقیقات کے کچھ نمونے ذکر کررہے ہیں۔ جن سے فقہ میں ان کے رسوخ وتبحر، وسعت مطالعہ اور گہرائی وگیرائی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

فقہی مسائل میں ایک اہم مسئلہ **"کتابت نسواں"** کا بھی ہے۔ ہر چند کہ یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ،لیکن حالات زمانہ اس مسئلے کی مزید تحقیق وتفتیش کے متقاضی رہے ،اسکول وکالج اور یونیورسیٹی سے لے کر عورتوں کی دینی تعلیم کے لیے مخصوص اداروں تک عورتوں کے لیے لکھنے لکھانے کی ہوڑ چل رہی ہے اور اب یہ مسئلہ رواج عام کی شکل اختیار کرچکا ہے۔ راقم الحروف کی معلومات میں اس مسئلے کی تحقیق پر ہندوستان میں سب سے پہلے حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد

مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی نے قلم اٹھایا ہے اور حق تو یہ ہے کہ حق تحقیق ادا کر دیا ہے۔ یہ رسالہ تقریباً ستر صفحات پر مشتمل ہے جس کا نام ہے **"کتابت نسواں اور عصری تقاضے"** یہ درحقیقت ایک علمی استفتے کا تحقیقی و تفصیلی جواب ہے۔ ہالینڈ سے ادیب شہیر مولانا بدر القادری زید مجدہ نے شیخ الاسلام کی خدمت میں ۱۴۱۹ھ میں یہ استفتا بھیجا تھا، جس کا لب لباب یہ ہے کہ:

حدیث ممانعت کی روایتی حیثیت کیا ہے؟ کیا دور نبوی اور خلفائے راشدین المھدیین کے زمانہ میں عورتیں لکھنا نہیں سیکھتی تھیں؟ اور اگر سیکھتی تھیں تو اس کا ثبوت کیا ہے؟ حدیث "لا تعلموھن الکتابۃ" کو امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کس بنیاد پر اپنا مستدل بنایا؟ کیا ام المومنین حفصہ کو کتابت لکھنے کی اجازت کیا انہیں کے ساتھ خاص تھی؟ خالص اپنی مصالح کے تحت عورتوں کو لکھنا سکھایا جائے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یورپین ملکوں میں جہاں لڑکوں ہی کی طرح لڑکیوں کو بھی پڑھنا لکھنا لازم ہے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

ایک دور رس عالم کے اس استفتا کے جواب کے لیے بنیادی طور پر کتابت نسواں سے متعلق وارد حدیث کی اسنادی حیثیت، اصول حدیث کے لحاظ سے اس کی صحت وعدم صحت پر کلام اور فقہی لحاظ سے استنباط حکم میں اس کے مقام ومرتبے کا تعین ناگریز تھا۔ اس لیے آپ نے اپنے تحقیقی جواب میں ان صورتوں پر تحقیقی گفتگو کرتے ہوئے اخیر میں حکم فقہی شرعی کی وضاحت فرمائی ہے۔

شیخ الاسلام نے جواب کے لیے پہلے دس فوائد ذکر فرمائے جو اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ کے اہم اور بنیادی مباحث سے تعلق رکھتے ہیں، ہر فائدہ قدرے تفصیلی ہے اور معلومات کا خزانہ۔ فائدے کے تحت ہم یہاں ان فوائد کا نمبر وار خلاصہ پیش کرتے ہیں:

(۱) پہلے فائدے کے تحت آپ رقمطراز ہیں:

حدیث نہی عورتوں کو لکھنے کی ممانعت والی حدیث مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے: جیسا کہ شیخ محقق قدس سرہٗ نے اپنے ترجمہ میں ان لفظوں سے روایت کیا ہے "لا تعلم الکتابۃ" اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان لفظوں سے "لا تعلمھن الکتابۃ" اور مفتی بغداد نے علامہ سیوطی کے حوالے سے بایں الفاظ "لا تسکنوھن الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ وعلموھن الغزل وسورۃ النور"، لیکن یہ اختلاف لفظ تعدد روایت کی وجہ سے نہیں بلکہ نقل ناقلین کے اختلاف کی وجہ سے ہے اس حدیث کے اصل الفاظ وہی ہیں جن کو علامہ سیوطی نے رسالہ **"جزل فی الغزل"** اور درمنثور میں ابن مردودیہ اور بیہقی کی طرف منسوب کر کے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا

ہے۔[کتابت نسواں اور عصری تقاضے ص ۹]

(۲) فائدہ دو کا حاصل یہ ہے کہ: علامہ ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں بسند خود تا بہ ابن حبان یہ روایت بیان کی ہے اور بعد روایت تحریر فرماتے ہیں: **لا يصح محمد بن ابراهيم كان يضع الحديث وقد ذكر الحاكم هذا الحديث فى صحيحه والعجب كيف خفى عليه امره انتهى** علامہ جلال الدین سیوطی کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ حاکم کی تصحیح کا جو تعقب کیا گیا وہ صحیح نہیں ہے۔اس لیے کہ انہوں نے نیز بیہقی نے جس سند کی تصحیح کی ہے اس کے کسی راوی پر وضع حدیث کا الزام نہیں۔

فائدہ (۳) کے تحت کتابت نسواں سے متعلق حدیث کی اسنادی حیثیت کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

امام ابن حجر مکی کی فتاوی حدیثیہ میں ہے: رواہ الحاکم وصححہ البیہقی ''تمام محدثین ومفسرین نے کتابت نسواں کی کراہت کی دلیل میں اس حدیث پاک کو پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر قرطبی، تفسیر روح البیان، تفسیر جمل، تفسیر صاوی وغیرہا میں اس حدیث کو بطور سند پیش کیا گیا ہے نہ تو کسی نے اس کو ضعیف کہا اور نہ ہی موضوع قرار دیا۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس حدیث سے فقہائے امت کراہت جیسا قانون مستنبط کریں وہ ضعیف یا موضوع ہے؟ خود شیخ محقق نے اشعۃ اللمعات میں اور علامہ ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوۃ میں اس حدیث کی صحت اور اس کے قابل سند ہونے کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے اور حدیث شفاء بنت عبداللہ کے درمیان تطبیق کی صورتوں پر گفتگو کی ہے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث من کتب علی فلیلج النار'' کی شرح میں لکھا ہے: اگر کسی حدیث کے موضوع ہونے کا گمان ہو اس کے باوجود بھی کوئی اس کی روایت کرے تو وہ راوی بھی اس کی وعید میں داخل ہوگا۔

فائدہ (۴) کے تحت فرماتے ہیں:

حدیث کی موضوعیت پر قدرے تفصیلی گفتگو کی ہے، اور اسماء الرجال کی کتابوں سے حدیث کی موضوعیت معلوم ہونے کے طریقوں پر روشنی ڈالی ہے کہ کبھی راوی میں کوئی قرینہ ہوتا ہے اور کبھی نفس حدیث میں اور کبھی خارج میں۔ اسی سلسلۂ کلام میں آپ نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ جرح وتعدیل کا دارومدار محدثین کے اجتھاد پر ہے، اسی وجہ سے ایک ہی راوی پر کسی نے جرح کی اور کسی نے تعدیل، اور ایک ہی صفت کسی کے نزدیک قابل جرح ہے اور کسی کے

نزدیک نہیں۔اکابر محدثین نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق جرح وتعدیل کے قواعد ایجاد کیے اور جزئیات کو یعنی ہر ہر شخص کی جرح وتعدیل کو اس پر متفرع کیا اور پھر عامہ محدثین نے ان کی تقلید کی اور اپنے اپنے معتمد علیہ کے قاعدوں اور جرح وتعدیل کو بحسن ظن مان لیا۔[کتابت نسواں ص:۱۴]

فائدہ نمبر ۵ کے تحت

محدثین کے نزدیک جرح وتعدیل کے تعلق سے بڑی نفیس اور معرکۃ الآرا گفتگو فرمائی ہے اور حوالوں کی روشنی میں یہ وضاحت سامنے آئی کہ محدثین نے جرح وتعدیل کے جو قواعد مقرر کئے ہیں ان کا دارو مدار تجربہ و وجدان پر ہے،اس لئے اہل بدعت سے روایت لینے میں اختلاف ہے،امام مسلم نے اپنی صحیح کے باب الاسناد من الدین میں حضرت ابن سیرین کا قول نقل کیا ہے،جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہء تابعین میں اہل ہوا سے کسی فرقہ کی روایت نہیں لی جاتی تھی۔

بایں ہمہ مسلم شریف کی روایت ہے کہ سلیمان ابن موسی نے طاؤس سے پوچھا کہ فلاں شخص نے مجھ سے اس قسم کی روایت کی ہے

سوال کا مقصد یہ تھا کہ میں اس روایت کو لوں یا نہ لوں؟ تو انہوں نے فرمایا:ان کان صاحبک ملیافخذ عنہ

یعنی جس سے تم روایت لیتے ہو اگر وہ غنی ہے تو اس سے لے لو(ص ۱۷)

بعض راوی ایسے ہیں جن کے منکر الحدیث ہونے یا کذاب ہونے یا ثقہ نہ ہونے کی بعض ناقدین حدیث نے صراحت کی ہے،اس کے باوجود مسلم، بخاری مسند احمد بن حنبل میں ان کی روایتیں موجود ہیں، چنانچہ حضرت شیخ الاسلام **میزان الاعتدال** کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ:

:یحی ابن معین قسم کھا کر کہتے تھے کہ احمد بن عیسی تستری کذاب ہے باوجود اس کے امام بخاری وغیرہ محدثین نے ان سے روایت لی ہے اسی میں تحریر ہے کہ امام بخاری نے ایک اصول بنایا کہ جس کو میں نے منکر الحدیث کہہ دیا اس سے روایت کرنا حلال نہیں ، پھر عبد الملک ابن عبد الرحمٰن کو منکر الحدیث کہا باوجود اس کے امام احمد ابن حنبل نے ان سے روایت کی ہے۔ان کے سوا بھی بہت سے ایسے راوی ہیں جن کو امام بخاری نے منکر الحدیث فرمایا ہے، پھر بھی مسلم شریف میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عبداللہ بن جعفر جہمیت کی طرف مائل تھے اس وجہ سے امام احمد بن حنبل، امام مسلم اور ابوداؤد نے ان کو چھوڑ دیا ہے حالانکہ ان کی روایتوں سے بخاری شریف بھری پڑی ہے،عمرو بن نافع کی نسبت

سعد کہتے ہیں کہ محدثین ان کے ساتھ احتجاج نہیں کرتے ، باوجود اس کے صحیحین میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عکرمہ مولی ابن عباس کو یحی ابن معین ، ابن مسیّب ، ابن سیرین اور علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے کذاب کہا. ابن ذہب بھی کہتے ہیں وہ ثقہ نہ تھے امام مالک ان کے ذکر اور ان سے روایت کرنے کو مکروہ جانتے تھے باوجود اس کے امام بخاری نے بعض اساتذہ کی تقلید میں ان پر اعتماد کیا ہے۔

اور ان کی روایتوں کو اپنی صحیح میں داخل کیا ہے۔

اس کے برخلاف بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، اور ابوداوٗد میں بعض ایسے راویوں کی روایت داخل نہیں کی گئی ہیں۔ جن کے فضائل وکمالات پر اکابر محدثین کی مہریں ثبت ہیں اس تعلق سے حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

امام شافعی جن کی جلالت شان، تبحر علمی اور فضائل وکمالات پر اکابر محدثین کا اتفاق ہے امام احمد بن حنبل، ہارون بن سعید اور ابن حجر عسقلانی وغیرہم جیسے محدثین جن کی عظمت شان کے معترف ہیں۔

کما نقل الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ علیہ فی توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس، امام بخاری نے فتح المغیث میں لکھا ہے کہ محدثین اس اسناد کو سلسۃ الذہب کہتے ہیں عن احمد عن الشافعی عن مالک عن نافع. باوجود اس کے امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابوداوٗد اور امام ترمذی نے ان کی روایت کو صحاح میں داخل نہیں کیا الا نادرا، (ص ۱۸ ۱۹ کتابت نسواں)

بعض وہ حدیث جو بعض محدثین کے نزدیک موضوعات میں شامل ہے مگر وہی حدیث دوسرے محدثین کے اصول وصراحت کے مطابق معروفات میں شامل ہے، چنانچہ حضرت شیخ الاسلام امام سیوطی کی نشر العالمین کے حوالے سے فرماتے ہیں: کہ جن بعض راویوں کو بعض محدثین نے مجہول قرار دے کر ان کی روایت کو موضوعات میں شامل کیا ہے انہیں راویوں کو دوسرے محدثین معروف قرار دیتے ہیں۔ اور جن وجوہ سے ان کی حدیث موضوع ٹھرائی گئی ہے ان کو وہ قابل تسلیم نہیں مانتے۔ الحاصل راویوں کی جرح وتعدیل میں بہت کچھ اختلاف موجود ہے ایک ہی شخص کسی کے نزدیک مقبول ہے تو کسی کے نزیک مخدوش، جیسا کہ فن رجال سے یہ بات ظاہر ہے اور اس اختلاف کا مدار قدمائے محدثین کی رائے اور اجتہاد پر ہے جنہوں نے تجربہ و وجدان سے

قاعدے ایجاد کئے اور پھر اپنے معاصرین کی جرح یا تعدیل کی ،فاختلف اقوالھم لاختلاف اجتہادھم (نکت لابن حجر، کتابت نسواں ص ۱۹)

احادیث تو بکثرت ہیں پھر تقلیل روایت کا سبب کیا ہے؟ احادیث کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ احمد بن فرات کا قول تھا کہ مجھے شیوخ سے سات لاکھ حدیثیں پہونچی ہیں۔ جیسا کہ علامہ ذہبی نے **طبقات** امیں لکھا ہے۔ پھر یہ بھی احتمال نہیں کہ ان میں موضوع حدیث ہو کیوں کہ ابن عدی کا قول ہے کہ میرے علم کے مطابق انہوں نے کوئی منکر روایت نہیں کی ،امام احمد جیسے اکابر محدثین نے بھی ان کی روایت کی توثیق کی ہے۔ امام سیوطی کی صراحت کے مطابق ابو عسال کو صرف قرات میں **پچاس ہزار حدیثیں** یاد تھیں ،خود امام بخاری کو بھی ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں ، یہ الگ بات ہے کہ کتابت حدیث میں اہتمام کی بناء پر سولہ برس میں صرف چار ہزار حدیثیں تحریر فرمائیں۔ احادیث کی کثرت کے تعلق سے شیخ الاسلام نے ایک عمدہ اور قابل لحاظ وجہ بیان فرمائی جو انہیں کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ساڑھے سات لاکھ حدیثوں میں بھی ساری احادیث کا انحصار صحیح نہیں لگتا اس لئے کہ آں حضرت ﷺ کے اقوال اگر ایک دن رات میں صرف دس گیارہ فرض کر لئے جائیں تو صرف ایام ظہور نبوت کے اقوال کم وبیش **ایک لاکھ** ہو جاتے ہیں ،اور ہر قول کی روایت اگر دس صحابیوں سے ہو، تو قولی احادیث **دس لاکھ** سے زیادہ ہو جاتی ہیں۔ کیوں کہ ہر صحابی کی روایت مستقل ایک حدیث سمجھی جاتی ہے حالانکہ بایں لحاظ کہ نبوت کا مبنی کلام وارشاد ہے اور صحابہ بھی ہزار ہا تھے یہ دس لاکھ کا اندازہ بھی بہت کم ہے اس کے بعد بھی احادیث افعال وتقریرو صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال اور اخبار کتب ماضیہ وغیرہ جن پر کہ حدیث کا اطلاق ہوتا ہے باقی رہ جاتی ہیں۔ (کتابت نسواں ص ۲۶)

احادیث کی کثرت کے باوجود تقلیل روایت کے اسباب کیا ہیں؟ محدثین کے اقوال وارشاد کی روشنی میں ان کے اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور یہ تجزیہ قدرے تفصیلی ہے مگر ہم یہاں حضرت شیخ الاسلام کے الفاظ میں اختصار کے ساتھ انہیں بیان کر رہے ہیں،

تقلیل روایت کے اسباب

الف : ان حضرات کی طبیعتوں میں احتیاط بہت تھی قابل اخفا امور کو وہ ظاہر نہیں فرماتے تھے جیسا کہ مسلم شریف اور دارمی میں ہے۔

ب: بعض محدثین بہت سی روایتیں خوف سے بیان نہ کر سکے، چنانچہ **اسد الغابہ** میں ہے کہ اوزاعی اور زہری نے بنی امیہ کی حکومت کی خوف سے فضائل اہل بیت میں کوئی روایت بیان نہ کی۔

ج: بعض سلاطین نے بلحاظ مصلحت ملکی لوگوں کو بعض علماء کے پاس بیٹھنے سے منع کر دیا تھا، جیسا کہ ذھبی نے **طبقات الحفاظ** میں لکھا ہے یہ بھی تقلیل روت کا ایک سبب ہے۔

د: تقلیل روایت کا ایک سبب وہ بھی ہوا جو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایسی باتیں بیان نہ کرو جو لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں۔

ہ: محدثین میں مختلف مذہب و مشرب کے لوگ ہیں چنانچہ بخاری شریف کی اسانید میں رافضی، خارجی، مرجی، جبری، قدری، اور جہمی وغیرہ موجود ہیں جس کے ثبوت کے لئے مقدمہ فتح الباری شاہد عدل ہے، ایسی صورت میں غور فرمایئے کہ خارجی ان روایتوں کو کیسے قبول کر سکتا ہے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور اہل کبائر کی نجات و شفاعت کا ذکر ہے؟ اور پھر وہ انہیں کیسے بیان کر سکتا ہے؟ بعض خوارج اور معتزلہ وجہمیہ نے دجال کے وجود کا انکار کیا، اور جتنی حدیثیں اس باب میں وارد ہیں سب کو رد کر دیا، (فتح الباری باب لا یدخل الدجال المدینہ) مسلکی اور مشربی بھی تقلیل روایت کا سبب بن گیا

امام بخاری جیسے محدث مروان ابن حکم جیسے ظالم و قاتل شخص سے روایتیں لیں، اور حضرت اویس قرنی کو ضعیف قرار دیں نیز امام جعفر صادق کو بہتر نہ سمجھیں یہ ایک خاص نقطہ نظر ہی کا تو نتیجہ ہو سکتا ہے۔

و: بعض محدثین نے بوجہ رشک اور معاصرانہ چشمک کے ایک دوسرے کی حدیثیں چھوڑ دیں ایسا بھی ہوا ایک نے دوسرے میں سوء عقیدہ کا احساس اس کی روایتیں چھوڑ دیں۔ (کتابت نسواں اور عصری تقاضے ص ۲۸، ۲۷)

حدیث کے موضوع ہونے کے قرائن وشواہد کیا ہیں؟ اور کیا یہ قرائن ثبوت موضوعیت کے لئے کافی و قطعی ہیں؟ اس پر حضرت شیخ الاسلام نے حوالوں کی روشنی میں چشم کشا گفتگو کرتے ہوئے یہ افادہ بھی فرمایا:

موضوع ہونے کا ایک یہ بھی قرینہ ہے کہ وہ حدیث محدثین ناقدین کی کتابوں میں نہ ہو یا ان کے علم میں نہ ہو، چنانچہ تدریب الراوی میں امام سیوطی نے امام سبکی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ

حدیث قطعاً موضوع ہوگی جو نقاد حدیث کے نزدیک نہ پائی جائے یعنی نہ ان کو یاد ہو اور نہ ان کی کتابوں میں مذکور ہو، اور یہی قول صاحب معتمد کا ہے۔
ہر چند کہ یہ بات بالکل ٹھیک معلوم ہوتی ہے مگر غور کرنے سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ بھی قطعی قرینہ نہیں اس لیے کہ کسی کا روایت نہ کرنا تو اس وقت معلوم ہوسکتا ہے جبکہ تمام دنیا کے علماء کا علم اور جمیع کتب احادیث کا حفظ از بر ہو اور یہ ناممکن ہے ''احاطۃ واحد بجمیع حدیث رسول اللہ ﷺ فھذا لا یمکن ادعاؤہ۔

امام سیوطی نے تدریب میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک روز ابو حاتم نے رشید کی مجلس میں ایک حدیث پڑھی اس وقت اس مجلس میں زہری بھی موجود تھے انہوں نے اس حدیث کو سنکر کہا کہ اس کو میں نہیں جانتا۔ ابو حاتم نے پوچھا کہ آپ کو رسول کریم ﷺ کی کل حدیثیں یاد ہیں یا نصف؟ زہری نے جواب دیا کل تو نہیں مگر نصف تو ضرور یاد ہیں اس پر ابو حاتم نے کہا اس حدیث کو بھی اسی نصف میں سمجھ لیجئے جو آپ کو یاد نہیں۔ [کتابت نسواں ص: ۲۸، ۲۸]
(کتابت نسواں ص ۲۹)
قرائن موضوع کے سلسلۂ بیان ہی میں فرماتے ہیں:

ایک وہ قرینہ جس کو ابن جوزی نے بہت پسند کیا ہے یہ ہے کہ حدیث منکر سننے سے اکثر طالب کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل میں ایک قسم کی نفرت پیدا ہوجاتی ہے کسی کا کیا ہی اچھا قول ہے کہ جب کوئی حدیث عقل یا نقل یا کتب مشہورہ کے مخالف ہو تو سمجھ لو کہ وہ حدیث موضوع ہے [تدریب الراوی]

اس مقام پر قابل غور بات یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث کسی کی عقل کے مخالف ہو اور منقولات کے ساتھ اس کی مطابقت نہ ہوسکے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث نفس الامر میں مخالف عقل ہے کیوں کہ عقول کا باہمی تفاوت اظہر من الشمّس ہے کوئی عقلی مسئلہ ایسا نہیں عقلاء نے جس میں اختلاف نہ کیا ہو۔ [کتابت نسواں ص ۲۹]

مزید فرماتے ہیں:

اب تک جن قرائن کا ذکر ہوا وہ اگرچہ قطعیت وضع کے لئے مفید نہیں مگر فی الجملہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ قرائن وضع ہوسکیں۔ برخلاف اس کے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ راوی کے نام میں دھوکہ ہوجانے سے حدیث موضوع سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ ابن جوزی نے ایک حدیث کو

موضوعات میں داخل کردیا اور علت یہ قائم کی کہ اس کی اسناد میں سدی ہے جو ایک کذاب شخص تھا، امام سیوطی نے تعقبات میں لکھا ہے کہ شاید ابن جوزی نے سدی کو محمد بن مروان صغیر سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ وہ نہیں، وہ سدی اسماعیل بن عبدالرحمٰن کبیر ہیں جن کی روایت مسلم میں موجود ہے، (کتابت نسواں ص ۳۱)

پھر حاصل گفتگو کے طور پر جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ معتمد و مستند ارباب علم کی آرا کا خلاصہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ محدثین کے متعینہ قرائن کسی حدیث کے موضوع ہونے کی قطعی دلیل نہیں بلکہ ان قرائن کا سہارا لیکر بہت ساری غیر موضوع حدیثوں کو موضوعات میں شامل کیا ہے، (ص ۳۲ ۳۳)

فائدہ نمبر ۷ کے تحت حضرت شیخ الاسلام نے حدیث ضعیف کی تقویت کے وجوہ پر گفتگو فرمائی ہے۔ جب کہ درج ذیل سطور میں تلخیص پیش کی کی جاتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ثابت ہے کہ حدیث ضعیف کبھی کبھی حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے، امام عبدالوھاب شعرانی قدس سرہ میزان میں فرماتے ہیں، قد احتج جمہور المحدثین بالحدیث الضعیف اذا کثرت طرقہ والحقوہ بالصحیح تارۃ وبالحسن اخری، قوت کے بہت زیادہ طریقوں کی ضرورت نہیں صرف دو ہی کافی ہے، جیسا کہ تیسیر میں ہے، اہل علم کے عمل سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ مجتہد کے استدلال سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے، صالحین کے عمل سے بھی حدیث کو قوت ملتی ہے، کبھی تجربہ اور کشف سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے، شیخ ابن عربی کا مشہور واقعہ، ان کا بیان بدھ کے دن ناخن ترشوانے اور پچھنا لگوانے سے مرض برص کا لاحق ہو جانا، یہ حدیث ضعیف کا عمل علماء کے قوی ہونے کی مثالیں ہیں۔

فائدہ نمبر ۸ کے تحت شیخ الاسلام ابوزکریا وغیرہ کے حوالے سے اس اہم نکتہ کا افادہ فرمایا کہ:

ہر حدیث سے استدلال کی کیفیت یکساں نہیں، عقائد قطعیہ مثلاً توحید و رسالت، قران کریم کا کلام الٰہی ہونا وغیرہا ان کا اثبات صرف حدیث متواتر سے ہوگا، خواہ اس کا تواتر لفظی ہو یا معنوی، اس کے برعکس عقائد ظنیہ جیسے قبر کے احوال، میزان اعمال وغیرہا ان کا اثبات خبر واحد سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور احکام کے ثبوت کے لئے حدیث صحیح یا کم از کم حسن لغیرہ ہونا لازم ہے، ضعیف حدیثیں ان مذکورہ بالا تینوں قسموں پر نا کافی ہے ہاں فضائل و مناقب خواہ ان کا تعلق اعمال سے یا اشخاص

سے ان میں ضعیف حدیث بالاتفاق معتبر ہے،کبھی کبھی مقام احتیاط میں ضعیف حدیثیں احکام میں بھی بطور سند کام آتی ہیں (کتابت نسواں ص ۳۷)

فائدہ نمبر ۹ دراصل یہی فائدہ وافادہ زیر بحث مسئلہ (کتابت نسواں) کے حکم فقہی کے ثبوت میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے نہی کتابت (لکھنے کی ممانعت) کی حدیث اگر چہ نقل ناقلین کے اعتبار سے مختلف الفاظ عبارت میں وارد ہوئی مگر معنی ومفہوم کے لحاظ سے سب ایک ہیں۔

معروف الفاظ کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت درج ذیل سند کے ساتھ ہے:

حدثنا محمد بن ابراھیم ابوعبداللہ شامی حدثنا شعیب ابن اسحٰق الاشعرعن ھشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ: لاتسکنوھن الغرف ولاتعلموھن الغزل وسورۃ النور(شعرالایمان الالی الضوعۃ فی الاحادیث المحضوعۃ، کتابت المحضوعات لابن جوزی)عورتوں کو بالاخانوں پر نہ ٹھہراؤ اور نہ انہیں کتابت کی تعلیم دو ہاں انہیں سوت کا تنا سکھاؤ اور نور کی تعلیم دو۔

یہ رویت جب جرح وتعدیل کی کسوٹی پر پرکھی جاتی ہے تو ناقدین کی رائے یہ سامنے آتی ہے کہ اس روایت میں محمد ابن ابراہیم شامی ہے، جس کو دارقطنی وذھبی وغیرہ نے کذاب کہا، ابن حبان نے وضاع کہا دوسری طرف اس روایت کو بعض محدثین نے مثلاً بیھقی نے صحیح قرار دیا ہے، فتاوی حدیثیہ میں ہے، رواہ الحاکم وصححہ البیھقی۔ اورفقہاء محدثین ومفسرین اس حدیث کو کتابت نسواں کی کراہت کا مستدل ٹھہراتے ہیں لیکن اہم بات یہ ہے کہ کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے۔ یا تنزیہی؟

حضرت شیخ الاسلام فائدہ مذکورہ کے تحت فرماتے ہیں:

زیر بحث حدیث نہی میں نہی کراہت تنزیہی کے لئے ہے۔ چنانچہ فتاوی حدیثیہ میں ہے، انّ النھی عنہ تنزیھا لماتقرء من مقاصد المرتبت علیہ۔ یوں بھی اصول قواعد سے واقف حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ امر ونہی کے صیغے اگر چہ بہت سارے معانی میں مستعمل ہیں۔ لیکن امر کے اصل معنی وجوب اور نہی کے اصل معنی حرمت کے ہیں۔ ہاں اگر کوئی قرینہ دلالت کرے تو دوسرے معنی بھی مراد لئے جاتے ہیں جیسا کہ توضیح میں ہے۔ قد یکون لغیرہ بمعرفۃ القران۔ حدیث زیر بحث میں نہی اور امر کے صیغے ایک ہی کلام میں آمنے سامنے مذکور ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نوعیتیں ایک ہی ہیں اور اس پر تمام فقہاء کا ابفاق ہے کہ علموا الغزل میں امر وجوب

کے لئے نہیں ہے بلکہ استحباب کے لئے ہے جو امر کا ادنی درجہ ہے۔لہذا یہ قرینہ ہے کہ لاتعلموا میں نہی بھی تحریم کے لئے نہیں، بلکہ کراہت تنزیہی کے لئے بنے جو نہی کا ادنی درجہ ہے، ویسے بھی اس حدیث میں ''لاتعلموھن الکتابۃ'' سے پہلے متصلا۔لاتنزلوھن الغرف یالاتسکنوھن الغرف کے بھی الفاظ ہیں اس میں بھی نہی کا صیغہ اور ظاہر ہے کہ یہ نہی حرمت یا کراہت تحریمی کے لئے نہیں زیادہ سے زیادہ اس کو مکروہ تنزیہی قرار دیا جاسکتا ہے یہ بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ لاتعلموھن میں اسی طرح کے احتراز کی ہدایت ہے، جس طرح کا احتراز لاتسکنوھن سے مطلوب ہے(کتابت نسواں ص ۳۸)

پھر حقوق کی قسمیں بیان فرمانے کے بعد حضرت شیخ الاسلام رقم دراز ہیں،

کتابت سیکھنا یہ بھی حق النفس ہے جو مردوں کے لئے بالکل جائز ہے اور عورتوں کے لئے مکروہ تنزیہی ....دراصل بات یہ ہے کہ کتابت سیکھنا حرام لذاتہ نہیں، بلکہ اس کی حرمت یا کراہت عوارض خارجیہ کی مرہون منت ہے، اب جہاں ان عوارض کی صدور کا صرف احتمال ہوگا وہاں نہی کی نوعیت بہت ادنی درجے کی ہوگی نیز جہاں ان عوارض کے صدور کا یقین ہوگا وہاں نہی بھی اپنے پورے درجۂ کمال کے لیے ہوگی۔لیکن جہاں ان عوارض کے صدور کا امکان نہ ہو تو وہاں نہی کا روئے سخن اس کی طرف بالکل نہ ہوگا اور اس صورت میں کتابت سیکھنا ہر ایک کے لیے اپنے اباحت اصلیہ پر رہے گا۔شرعی اصول ہے کہ جس کام میں صرف احتمال گناہ ہو فی الواقع نہ ہو وہ مکروہ تنزیہی ہے اسور جس میں گناہ صغیرہ لازم ہو وہ مکروہ تحریمی ہے۔چنانچہ شامی ص:۴۲۵ میں ہے'' بان کل مکروہ تحریما من الصغائر'' اور جس کام سے گناہ کبیرہ لازم آتا ہے وہ حرام ہے، چونکہ کتابت زناں صرف احتمال گناہ گناہ رکھتی ہے، اس لیے تنزیھا مکروہ ہے اور چونکہ حدیث زیر بحث میں نہی مطلق ہے تو جب تک وجہ کراہت باقی رہے گی نہی بھی باقی رہے گی۔چنانچہ توضیح تلویح ص:۴۳۶، میں ہے: فان کان الامر مطلقا یجب فیہ المراومۃ اور ظاہر ہے کہ جس طرح امر مطلق کے لیے مذکورہ بالا مداومت لازم ہے اسی طرح نہی مطلق کے لیے بھی اسی طرح کی ہمیشگی لازم ہے۔

چوں کہ کتابت زناں صرف احتمال گناہ رکھتی ہے اس لئے تنزیھا مکروہ ہے اور چوں کہ حدیث زیر بحث میں نہی مطلق ہے تو جب تک وجہ کراہت باقی رہے گی جیسا کہ توضیح تلویح میں ہے (کتابت نسواں ۳۹)

فائدہ نمبر ۱۰ کے تحت آپ نے حوالہ کی روشنی میں اس موضوع کی وضاحت فرمائی ہے کہ

مکروہ تنزیہی کا ارتکاب گناہ نہیں مکروہ تنزیہی کا موجب استحقاق عذاب وعقاب نہیں، لہذا وہ اصلا گناہ نہیں، اس لئے مکروہ تنزیہی پر جائز کا بھی اطلاق کیا گیا ہے، جیسا کہ شامی میں ہے خلاف اولی عام ہے پس ہر مکروہ تنزیہی خلاف اولی ہے اور اس کا الٹا نہیں یعنی ہر خلاف اولی مکروہ تنزیہی نہیں، مثلا ترک نماز چاشت تو خلاف اولی ہے مگر مکروہ تنزیہی نہیں، اس بحث کے اختتام پر ردالمحتار، التعریفات، توضیح وتلویح اور فتاوی رضویہ کی روشنی میں قدرے تفصیلی گفتگو کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

اس پوری بحث کا حاصل یہ نکلا کہ مکروہ تنزیہی بھی خلاف اولی ہے اور ترک مستحب بھی، فرق یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ایسا خلاف اولی ہے جس کی کراہت کے ثبوت کے لیے نہی شرعی بصیغۂ نہی درکار ہوتی ہے۔ بخلاف ترک مستحب کے، اس مقام پر یہ بات بھی ظاہر ہوجاتی ہے کہ حدیث نہی کتابت نسواں سے صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ کتابت نسواں مکروہ تنزیہی ہے بلفظ دیگر خلاف اولی ہے۔ لہذا اب اس حکم میں خارجی عوارض اور تجربات ومشاہدات کی روشنی میں شدت پیدا کرنا اس کے سوا دوسرے دلائل شرعیہ کی مرہون منت ہوگا۔ ذہن نشیں رہے کہ مذکورہ کراہت تنزیہی بھی ان عام خواتین کے حق میں ہے تجربات کی روشنی میں جن سے گناہ متصورہ کے ارتکاب کا احتمال ہو۔ رہ گئیں وہ خواتین جن کی کتابت سے گناہ متصورہ محتملہ متوہمہ کا شائبہ بھی نہ ہو ان کے لیے علم کتابت بلا کراہت جائز ہے بلکہ اگر بنیت حسن ہو تو مستحب بھی ہے[کتابت نسواں ص:۴۲]

فائدہ: حدیث شفاء بنت عبداللہ جس سے علم کتابت نسواں کا جواز ظاہر ہوتا ہے، کیا وہ حدیث نہی سے پہلے کی ہے؟ اور حدیث نہی اس کی ناسخ ہے؟ اور جن خواتین کا اوپر ذکر ہے ان سب نے کتابت کا علم حدیث نہی سے پہلے ہی حاصل کر لیا تھا۔ لہذا بعد کے لیے ان کے عمل کو بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا؟

اس تعلق سے حضرت شیخ الاسلام ایک حدیث کو ناسخ اور دوسری حدیث کو منسوخ قرار دینے کو مناسب خیال نہیں فرماتے۔ مقدم کون ہے موخر کون اس کا تعین ظن وتخمین سے نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے ٹھوس تاریخی ثبوت درکار ہے۔ پھر آپ نے عبارات فقہاء اور تعامل اکابر علما کو خزانۃ المفتیین، عینی، شرح ہدایہ، طبقات حنفیہ، نصحۃ الجلساء وغیرہ کتابوں کی روشنی میں کا ثبوت پیش فرمایا۔ اور یہ بیان فرمایا کہ علاء الدین سمرقندی مولف تحفۃ الفقہا، مشھدہ بنت احمد دینوری، عائشہ بنت قرطبی، مریم بنت یعقوب الانصاری القیصوری، سیدہ صالحہ اسماء، فاطمہ بنت قاضی محمود مصری وغیرھا کے تذکرے اور حالات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ یہ سب لکھنا جانتی تھیں۔

یہ علما اور فقہا کے گھروں کی خواتین ہیں جنہیں جو کچھ حاصل ہوا وہ اپنے گھریلو ماحول سے حاصل ہوا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ادوار میں بھی علما وفقہا علم کتاب کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی حدیث شفا میں مذکور علم کتابت کو حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے خصائص میں شمار کرتے تھے اور نہ ہی حدیث نہی کو حدیث شفا کا ناسخ قرار دیتے تھے۔

اس تعلق سے ملا علی قاری اور شیخ محقق کے اقوال وفرمودات نقل کر کے ان دونوں بزرگوں کی بارگاہ میں حضرت شیخ الاسلام نے اپنا مودبانہ معارضہ پیش فرمایا ہے۔ہم ان کے معروضات کے ان ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کرتے ہیں، وہ رقم طراز ہیں:

(۱)الخصائص لا تثبت بالاحتمال کما فتح الباری وغیرہ

جب تک کوئی نص قطعی نہیں پائی جاتی یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی کہ صرف ازواج مطہرات کے لیے کتابت کی تعلیم جائز ہے۔اس کے برعکس حضرت شفا کو علم کتابت حاصل کرنے سے نبی کریم ﷺ کا نرم ہونا بلکہ مقام تعریف میں اس کا ذکر کرنا اور پھر عہد نبوی ﷺ نے بھی بعض کاتب خواتین اسلام کی موجودگی مزید برآں قرون اولی کے بعد بھی علما وفقہا کے گھروں کے خواتین کا علم کتابت سے آراستہ ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا جواز حضرت ام المومنین کی خصوصیات سے نہیں۔

(۲) جو چیز فی نفسہ مباح ہو اور اس پر کراہت وغیرہ کا کوئی حکم خارجی عوارض پیش نظر لگتا ہو اس میں خلط اور سلط کی تفریق کر کے دونوں کے لیے خلفیت اور سلفیت کی بنیاد پر الگ الگ حکم ظاہر کرنا قابل غور ہے اس لیے کہ جس حکم کا تعلق جن خارجی عوارض سے وابستہ ہو وہ خارجی خلف سے متعلق ہوں یا سلف سے وہ حکم دونوں کے لیے ایک ہی ہونا چاہیے۔

(۳) حدیث نھی کا موخر ہو کر حدیث شفا کی ناسخ ہونا جس مضبوط تاریخی شہادت کو چاہتا ہے احتمال موہوم سے وہ شہادت حاصل نہیں ہوتی ویسے بھی اگر نسخ والی کوئی بات قطعی ہوتی تو ان کے خبران عمائدین اسلام اور فقہائے کرام کو ضرور ہوتی جن کی خواتین کے تذکرے گذر چکے۔

(۴) حدیث شفا ہو یا حدیث نھی دونوں رسول کریم علیہ التحیۃ والثنا والتسلیم کے ارشادات ہیں، دونوں سے جو ہدایات مل رہی ہیں، اس کے اولین مخاطب عہد نبوی ہی کے لوگ ہیں، تو خلف اور سلف کی تفریق کر کے اس عہد کے لوگوں کو ان حدیثوں کے احکام سے مستثنی قرار دینا بھی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا، جس فتنے کے انسداد کے لیے حدیث نھی ارشاد فرمائی گئی ہے، اگر ان فتنوں کا امکان اس عہد میں نہ ہوتا تو سرکار اپنے عہد کے لوگوں کو اس کا مخاطب نہ بناتے یہ

تو اس جیسی بھی بات نہ رہی جو عہد فاروقی میں پیش آئی وہ یہ کہ جب فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں عورتوں کو مجالس وعظ و جماعت کی حاضری سے روکا اور ان عورتوں میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں اس کی شکایت کی کہ فاروق اعظم نے ہمیں اس کار خیر سے روک دیا ہے جس سے رسول کریم نے نہیں روکا اس پر حضرت صدیقہ نے جوابا ارشاد فرمایا کہ اگر عورتوں کی موجودہ حالت کو رسول کریم ملاحظہ فرماتے تو وہ بھی روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا ردالمحتار میں اسی حدیث کو نقل فرما کر فرماتے ہیں: ھذا فی نساء زمانھا فماظنک فی نساء زماننا''۔[کتابت نسواں ص:۴۶،۴۷]

کتابت نسواں کے بیان حکم کے تحت مستحب، خلاف اولی، ومکروہ تنزیہی کے مفہوم ومصداق پر بھی فقہ واصول کی روشنی میں بڑی محققانہ گفتگو فرمائی ہے۔اور احکام شرعیہ کی فقہی واصولی تقسیم پر بھی اچھی روشنی ڈالی ہے۔اور آپ نے احکام شرعیہ کی اس تقسیم کو جو فتاوی رضویہ میں ہے زیادہ واضح اور جامع قرار دیا ہے۔اور وہ یہ کہ احکام شرعیہ کی گیارہ قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) حرام (۳) واجب (۴) مکروہ تحریمی (۵) سنت موکدہ (۶) اسائت (۷) سنت غیر موکدہ (۸) مکروہ تنزیہی (۹) مستحب (۱۰) خلاف اولی (۱۱) مباح۔

پھر ہر ایک کی تعریف بھی نقل فرمائی ہے۔

اخیر میں آپ نے فاضل مستفتی کے سوالات کے نمبر وار جوابات دیئے، بعض افادۂ عام کے لیے بعض سوالات کی تلخیص ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

سوال یہ تھا کہ حدیث ''لاتعلموھن الکتابۃ'' کو امام احمد رضا نے کس بنیاد پر اپنا مستدل بنایا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت شیخ الاسلام نے جو فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے: حاکم وبیھقی کی تصحیح اور پھر محدثین ومفسرین فقہا کا اسے قبول کر کے بطور سند پیش کرنا اور اس سے کراہت تنزیہی جیسا شرعی حکم نکالنا اور پھر علامہ جلال الدین سیوطی کا یہ ارشاد فرما کر: قلت الحاکم ماخرج من طریق ھذا الوضع حتی یتعجب منہ'' جارحین کی جرح کو ناقابل التفات قرار دینا اس حدیث کو مستدل بنانے کے لیے کافی ہے۔ ویسے بھی جرح کا تعلق اسناد سے ہے جس سے متن حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور جب متن حدیث کو عظیم المرتبت فقہا ومحدثین ومفسرین نے اپنا مستدل بنالیا تو پھر یہی اس کے کم از کم حسن ہونے اور قابل سند ہونے کی دلیل ہے۔ میرے نزدیک خود امام احمد رضا قدس سرہ جیسی عبقری شخصیت کا اس متن حدیث کو قبول کر لینا اس کے قابل حجت ہونے کے لیے

کافی ہے۔[کتابت نسواں ص:۵۷]

اسی جواب میں حضرت شیخ الاسلام نے فتاوی رضویہ اور مشعلۃ الارشاد میں بیان کردہ حکم کتابت نسواں کے مفہوم کی وضاحت بھی فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں: لکھنا سکھانے میں فتنہ کا احتمال ہے اس لیے نہ سکھایا جائے''۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خود امام احمد رضا کے نزدیک عورتوں کو کتابت سیکھانا غیر مستحب ہے یا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی جس سے احتراز بہتر ہے۔اس لیے کہ انہوں نے بات احتمال کی ہے نہ کہ ظن غالب کی یا یقین کی۔فتاوی رضویہ میں مذکور ممنوعیت بھی کراہت تنزیہی پر معمول ہے اس لیے جس حدیث سند حاصل کی ہے قرائن وشواہد اور فقہا کی تصریحات کی روشنی میں اس میں نھی کراہت تنزیہی پر ہی محمول ہے۔وہ سکتا ہے کہ لفظ منع اس لیے استعمال فرمایا ہو کہ بعض اطلاقات کی روشنی میں مکروہ تنزیہی کو بھی ادنی درجہ کا ناجائز قرار دیا گیا جیسا کہ میں واضح کر چکا ہوں۔[کتابت نسواں ص:۵۷]

کتابت نسواں (عورتوں کو لکھنا جائز ہے یا نہیں؟) کے تعلق سے جو علمی فقہی ،اصولی اور قانونی بحث وگفتگو حضرت شیخ الاسلام نے کی ہے ان سے ہر زندہ ضمیر اور صحت مند شعور رکھنے والا شخص بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ اللہ عزوجل نے انہیں اخلاص اور نیک دلی کے ساتھ ساتھ غیر معمولی ذہانت ،بصیرت اور فکر وتفقہ کی دولت عطا فرمائی ہے۔حالات زمانہ کے تحت پیش آمدہ مسائل کے ظاہر وخفی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے صریح حکم شرعی کا ادراک پھر اس کا اظہار آپ کی خصوصیات سے ہے اور فقیہ ایسے کو کہا ہی جاتا ہے جس کا بیدار ذہن حقائق کی تہوں اور لطیف گوشوں اور نزاکتوں کا احساس وادراک کرے۔کئی اہم نو پید مسئلے میں ان کی تحقیق انیق کو اہل علم اور ارباب تفقہ نے قبول فرمایا اور ان پر اپنا اعتماد کا اظہار فرمایا یہ ان کے معیار تحقیق کی بلندی اور مستقبل شناسی کی بین دلیل ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کی شانِ خطابت

—— شاہ محمد فصیح الدین نظامی اشرفی، مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد (تلنگانہ)

اصل میں خانقاہوں کی بنیاد اسلامی قدروں کی احیاء اور تبلیغ کے لئے پڑی تھی۔ خانقاہوں میں دینی کام قولی اور عملی زیادہ ہوتا ہے، تحریری کم۔ ایسے میں خانقاہ بلگام کا یہ اقدام ناقدوں اور خانقاہوں کے بدخواہوں کے منہ پر لگام کسنے کے مترادف ہے اور علاوہ اس کے منم شیخم دیگرے نیست، ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' جیسے ماحول میں جب کہ ایوان فکر ونظر کے در اور سبھی در یچے بند ہیں تازہ ہوا کا گذر نہیں اور جس نے تازہ ہوا چاہی وہ ملحد قرار پایا۔

خانقاہ بلگام کا عہد ساز شخصیت پر تاریخ ساز سمینار شیخ الاسلام شناسی اور اختر فہمی کا ایک اچھا اور معیاری ذریعہ ہے۔ علمی، تحقیقی وادبی دنیا میں اس کی نظیر اقبال شناسی اور غالب فہمی کے حوالہ سے منعقد ہونے والی مثال ہیں۔ اس کے علاوہ آج کے سمینار کے لئے لکھے گئے مقالات پر مشتمل ایک ضخیم وعظیم دستاویزی کتاب کی رسم اجرا کا موقع بھی فراہم کیا گیا ہے۔ غالب نامہ پر تبصرہ کرتے ہوئے رشید حسن خان نے بڑی اچھی بات کہی تھی۔ ''وہ خوش ذوق، سلیم الطبع، جو سنجیدگی کے ساتھ تحریروں کو پڑھا کرتے ہیں اور بات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب ایک اچھا تحفہ ہے''۔

اب میں اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ حاضرین محترم بیسویں صدی میں جو مفکرین اسلام منظر عام پر آئے ان میں حضرت شیخ الاسلام سواد اعظم اہل سنت وجماعت کی وہ محبوب و مرغوب شخصیت ہیں جن کی تقریر وخطابت سے ایک عالم مستنیر ہے اور آزادی سے پہلے قدرت نے سرزمین ہند میں ایسے نواسنج ؟؟؟ پیدا کئے جن کے اخلاقی، روحانی، اصلاحی، اسلامی اقدار، کردار رفتار و گفتار نے فرنگی اثرات، فکری واعتقادی یلغار سے ملت اسلامیہ کو بچالیا۔ ایسے ہی مذہب حق کا استحکام اور خوداعتمادی پیدا کرنے والی اکابر کی کہکشاں میں شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہ العالی کے مقام عظمت سے ایک دنیا نہ صرف متعارف بلکہ اس کی معترف بھی ہے۔ میر تقی میر کہتے ہیں

خوگر نہیں کچھ یوں ہی ہم ریختہ گوئی کے
معشوق جو اپنا تھا باشندہ دکن کا تھا

یابقول اقبالؔ لاہوری

اے مقامت برتر اَز چرخِ بریں
از تُو باقی سطوتِ دینِ مُبیں

حضرت شیخ الاسلام دودمانِ اشرفیہ کے چشم و چراغ، ولی اللہ، صوفی باصفا، عالم وفاضل، معلم ومفکر، محدث ومفتی، مدبر وفقیہ، شاعر وادیب، مصنف ومترجم، دینی رہنما، مرشد وعارف کامل۔ان کی زندگی کا ہر پہلو ایک نئے عنوان کا متقاضی ہے۔ایسی گونا گوں شخصیت پر مقالہ لکھنے کی غرض وغایت ہرگز یہ نہیں کہ ان کی ولایت، شرف وبزرگی، دینی علمی، ادبی وشعری بطور خاص شانِ خطابت کا جائزہ لیا جائے۔یہ کام زیادہ لائق وفائق، قابل اور اہل حضرات کر سکتے ہیں۔یہ چند سطور بطور ہدیہ نیاز پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام کی شانِ خطابت پر گفتگو کے اس مرحلہ میں اقبالِ لاہوری کے وہ اشعار یاد آرہے ہیں جس میں انہوں نے کہا تھا۔

اس کا اندازِ نظر سارے زمانے سے جدا
اس کے احوال کے محرم نہیں پیرانِ طریق

مثلِ خورشیدِ فلک، فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادؔ معانی میں دقیق

یہاں وہ اشعار بھی لطف وافر کا ذریعہ بنیں گے جو حضرت غلام علی حاویؔ حیدرآبادی نے اپنے پیرومرشد کے بارے میں کہے تھے تھوڑے تصرف سے ان کا انطباق شیخ الاسلام پر بھی ہوسکتا ہے۔

ان کے اسلاف تھے سب شیخ شیوخ و علماء
ان کے اجداد تھے سب راہ نمائے ملّت
علم معقول میں ان کو ید طولیٰ ہے نصیب
اور منقول پر حاصل انہیں کافی قدرت
عالم و فاضل و کامل ہیں اپنے فن کے

باوجود اس کے ذرا بھی نہیں کبر و نخوت
چشم بد دور ہے تدریس میں ایسا اعجاز
اک غبی کو بھی بنادیں فلاطوں فطنت
علم کا ایک سمندر ہیں بوقتِ تقریر
اور تقریر میں سحر کی سی خاصیت
نہیں تحریر بھی کچھ آپ کی تقریر سے کم
دیکھنے سے جسے ظاہر نظر کی وسعت
آپ کی فکرِرسا حلِّ دقائق کی کلید
آپ کا ذہنِ صفاکوہِ شگافِ دقّت
آپ کی ذات میں کیوں جمع نہ ہو خیر کثیر
صادق آیا ہے یہیں آیۂ یؤتی الحکمت
آپ کے اور ہوں کیا اس سے زیادہ اعزاز
ہے حدیث نبوی العلماء وَرَثت
نو نہالِ چمن مصطفوی بھی وہ ہیں
دودمانِ نبوی سے بھی انہیں ہے نسبت
جن کے سینے میں ہیں پنہاں اسرار
جن کے چہرہ پر صبحِ مدینہ کی نورانیت

سوال یہ ہے کہ خطابت کس چیز کا نام ہے اور خطابت کہتے کس کو ہیں۔ رموز خطابت کیا کیا ہیں؟ اور شانِ خطابت کیا ہوتی ہے؟

خطابت عطیۂ الٰہی ہے۔ خطابت آندھی یا طوفان نہیں ہوتی۔ خطابت سیلِ سبک سیر کو کہتے ہیں۔ خطابت، داخلی و خارجی کیفیات کے مرتب و منظّم ظہور سے مرکب ہوتی ہے۔ خطابت خفتہ ذہنوں کو بیدار کرتی ہے۔ خطابت مردہ دلوں کو زندگی کی حرارتیں عطا کرتی ہے۔ خطابت گلشنِ افکار کو جشنِ بہاراں کا پیغام دیتی ہے۔ خطابت نکبت و اِدبار نہیں بلکہ تقدم وتفوق پیدا کرتی ہے۔ خطابت شہرِ غفلت میں اذانِ بیداری ہے۔ خطابت کا کام ''تو برائے وصل کردن آمدی، نے برائے فصل کردن آمدی'' ہے۔ خطابت، فصاحت، بلاغت، سلاست کا حسن امتزاج ہے۔ ہر خطیب

عالم ہوسکتا ہے لیکن ہر عالم خطیب نہیں ہوسکتا۔ حضرت شیخ الاسلام نے جس عہد وعصر، ماحول و حالات میں خطابت کا آغاز فرمایا اس وقت سے ہی آپ کی کیفیات اس پیغام سے جدا نہ تھی۔

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

یہ ملکہ بآسانی پیدا نہیں ہوتا اس کے لئے ذوق یقیں اور محنت پیہم درکار ہے۔ فن کا ظہور الگ شئ ہے اور فن کا شعور الگ۔

رنگ ہو یا خشت وسنگ، جنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
ہر چند کہ ایجادِ معانی ہے خدا داد
کوشش سے کہاں مردِ ہنر مند ہے آزاد
خونِ رگِ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
مئے خانۂ حافظؔ ہو کہ بت خانۂ آزاد
روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

حاضرین محفل!

لکچر، بیان، تقریر، خطاب، وعظ کا معاملہ مختلف اللفظ متحد المعنی جیسا ہے یعنی بظاہر یہ الفاظ الگ الگ نظر آتے ہیں لیکن ان کے معنی میں اشتراک پایا جاتا ہے جیسے زبانی مضمون، اُپدیش، گفتگو، درس دینا، وعظ کرنا، بات چیت، بحث ومباحثہ، تذکرہ، مذہبی نصیحت، کرنا، مذہبی تقریر، مذہبی باتوں کا بیان کرنا وغیرہ لیکن خطابت باضابطہ ایک فن ہے۔ خطابت ابلاغ کی معراج کو کہتے ہیں۔ خطابت ترسیلِ الفاظ کے ساتھ تفہیمِ معانی کی انتہاء ہوتی ہے۔ خطابت پسینہ نہیں خون جگر مانگتی ہے۔

عوامی ہجوم کے سامنے پورے گھن گھرج کے ساتھ تقریر پیش کر کے نعرۂ تکبیر کی گونج میں داد وتحسین حاصل کرنے کا نام خطابت نہیں بلکہ خطابت کے دائرہ کار میں مناظرانہ داؤ پیچ اور علم کلام کے پیچیدہ مسائل کے ساتھ مختلف الخیال اقوام وافراد کے مابین ایک سچی حقیقت کو منوانا شامل ہے اس لئے جب تک خطابت میں منطقیانہ استدلال اور فلسفیانہ توجیہ وتنقیح شامل نہ ہو، خطابت مؤثر نہیں ہوسکتی۔ محض زبان زوری کو خطابت کے فن کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔

خطابت میں شان یونہی پیدا نہیں ہوتی۔ دریا کی پہچان لہر سے، درخت کی پہچان ثمر

سے،سمندر کی پہچان تموج سے،گل کی پہچان مہک سے،آفتاب و ماہتاب کی پہچان چمک دمک سے ہوتی ہے۔ایک خطیب کی شان و پہچان اس کے چہرے بشرے،حرکات وسکنات، نکات و اشارات، افہام وتفہیم،آواز کے زیر و بم،لہجہ کے نشیب وفراز اور گفتگو کے نتائج سے ہوتی ہے۔ خطیب کوان امور کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اس کے موضوع کا تقریر سے کیا تعلق ہے؟ طول کلام اور قلت کلام کے مقامات کیا کیا ہیں؟ اشعار کے استعمال کے کیا کیا مواقع ہیں؟ خطاب کا اسلوب سامعین یا حاضرین کے فہم وعقول کے مطابق ہے یا نہیں؟ کامیاب اور معیاری خطابت کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلیغ ارشاد کتب احادیث میں موجود ہے ''ان من البیان لسحرا'' اور شعر کے متعلق ہے ان من الشعر لحکمۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطیب الانبیاء ہیں، آپ کو خطابت سے ایک معجزانہ ربط وتعلق ہے۔آپ کا خطبہ حجۃ الوداع ادب عالیہ کی دستاویز، انسانی حقوق اور آزادی کا عدیم النظیر منشور اور اثر وتاثیر کے اعتبار سے ایک شاہکار ہے۔اسلام کی آمد کے بعد خطابت کی طاقت وتاثیر میں اضافہ ہوگیا۔صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین اور اہل بیت اطہار،حضور محبوب سبحانی اور محبوب یزدانی کے خطبات مشکوٰۃ نبوت سے روشن ومنور ہیں جوقوم وملت کے لئے حیات آفریں ثابت ہوئے۔حضرت شیخ الاسلام کی خطابت کے تار بھی اسی سلسلۂ زریں سے جڑے ہوئے ہیں۔جس قوم میں فکر وعمل کے لعل و گہر لٹانے والے ایسے شان دار خطیب ہوں وہ کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔

حضرت شیخ الاسلام کی خطابت کا ایک اہم عنصر علمی منہاج ہے وہ مختلف افکار ونظریات کا تجزیہ فرماتے ہوئے اسلامی حکمت کا جامع تصور پیش کرتے ہیں۔عقل ووجدان،انفس وآفاق، ثبات وتغیر،تخلیق وتحفظ،تقلید واجتہاد،خیر وشر،جبر وقدر،روحانیت ومادیت جیسے کئی جہات پر نہایت سنجیدہ بالیدہ اور عمدہ گفتگو فرماتے ہیں جوان کے علمی منہاج کی جامعیت، وسعت اور ہمہ گیری کو واضح کرتے ہیں۔ان کا ذہنی وعلمی افق اوروں سے بہت اونچا اور اعلیٰ ہے یہی وہ علمی منہاج ہے جو سینکڑوں نہیں بلکہ لاکھوں افراد کی تسکین قلبی واطمینان دلی اور استحکام ایمانی کا سامان ثابت ہوا۔ یہی نہیں حضرت شیخ الاسلام نے اپنی عالمانہ و فاضلانہ خطابت سے پرستاران توحید اور غلامان رسالت پناہی کو جینے کے ڈھنگ سکھائے۔خفتہ ذہنوں کو بیدار کیا۔مردہ دلوں میں نئی روح پھونکی۔مایوسیوں کوامیدوں سے بدلا۔حرکت وعمل کا سبق پڑھایا۔ہمت وجرأت مردانہ پیدا کی۔ زندگی کومقاصد عطا کئے اور مقاصد کوزندگی دی۔

حضرت شیخ الاسلام ایک ہشت پہلو نہیں بلکہ ہشتاد پہلو ہیرا ہے جو کسی بھی زاویہ سے دیکھنے والے کی نگاہوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔ ان کی شخصیت بڑی پہلودار ہے وہ مفکر، مفسر، دانشور، دیدہ ور، قد آور، الفاظ کے شناور، معانی کے پیکر، محبّ الٰہی، عاشق رسالت، پناہی اور فدائے اسد اللّٰہی ہیں۔ ان سب حیثیتوں کا محور، مرکز، مرجع اور منبع ایک ہے آپ کا دل عشق رسول سے غنی ہے، اسے وہ حاصل کائنات سمجھتے ہیں، ذکر رسول لب پہ جاری ہوا کہ بے خودی و سرخوشی والہانہ جذب و کیف کا عالم طاری ہوا۔ صدائے محبت درودی شکل لے کر خاص لب ولہجہ میں گونجنے لگی اور علم و حکمت کے گوہر آبدار دریائے تخیل نے اگل دیئے۔ اسلوب بیان کی رعنائیاں، جلال و جمال بداماں، ذاتی تاثرات وکیفیات نے ذکر رسول کی حلاوت سے عشق ومستی کی دنیا آباد کی۔ گویا نغمۂ ہندی میں حجازی و مدنی لے زبان و بیان کو گیرائی و گہرائی عطا کرتی ہے۔ عصر دوراں کا فتنہ اور دور حاضر کی دانش وروشی بنام دین و مذہب یہی ہے کہ عالم اسلام کے وابستگان دامنِ نبی کو بیگانۂ جمالِ محمدی کر دیا جائے بقول اقبالؔ

عصرِ ما، مارا زاو بیگانہ کرد
از جمالِ مصطفیٰ بیگانہ کرد

حضرت شیخ الاسلام کا دل ہی نہیں بلکہ ان کی لیاقت وخطابت بھی نور مصطفیٰ سے مستنیر ہے۔ ان کا دماغ عظمت رسالت مآب کا اسیر ہے اوران کی زبان ذات بابرکات نبی کی ثنا خواں ہے۔ ان کی ایک ہی خواہش ایک ہی تمنا ایک ہی تڑپ ہے کہ ملت کا ہر فرد ہر وقت جمالِ محمدی کو اپنا آئیڈیل بنالے۔ کیونکہ حقیقت محمدی سے قریب ہونا تمام حقیقتوں کے قریب کر دیتا ہے بلکہ جمالِ خداوندی کو آشکار کر دیتا ہے۔ اگر ہم اس ذات عفت وعصمت مآب سے متوسّل نہ ہوئے اور وہاں تک پہنچنے میں ناکام رہے تو ضلالت وگمراہی کی پرخار وادیوں میں حیراں وگرداں رہیں گے اور ہمارا مقدر بھی نعوذ باللہ ابولہب کی تقدیر ہوگا جو چراغ تلے بھی نور آشنا نہ ہوا۔

حضرت شیخ الاسلام نے اپنی منفرد شانِ خطابت کے حوالہ سے جب دیار غیر برطانیہ کی سرزمین پر قدم رکھا تو اس کی برکت سے سرزمین برطانیہ روشن ستارے کی طرح اُفق پر جگمگانے لگی اور فیض احمد فیضؔ کے الفاظ میں۔

سنسان راہیں خلق سے آباد ہوگئیں
ویران میکدوں کا نصیبہ سنور گیا

ایسا اس لئے بھی ممکن ہوسکا کہ دیگر خطباء ومقررین کے برعکس اختلافی مسائل پر حضرت شیخ الاسلام کا نقطۂ نظر خاصا متوازن ،لب ولہجہ متین وسنجیدہ اورانداز سلجھاہوا تھا۔اس اعتبار سے حضرت شیخ الاسلام ایشیائی خطابت کا وہ فکر ہیں جس نے اپنے جوہر خطابت سے حلقہ اسلام سے وابستہ افراد کو پختہ اور ناوابستہ کو پیوستہ کرنے کا کام کیا۔آپ کی پُرکشش ومعجزنما خطابت نے نائم کوقائم کیا،قائم کوراہیٔ دائم کیا راہیٔ دائم کوواصل منزل مقصود کیا۔

دانشور کسے کہتے ہیں اور دانشوری کیا ہے؟ دانشوری دراصل انسان،سماج،فطرت اور کائنات کے تناظر میں عام لوگوں سے زیادہ علامات اور تجریدی حوالوں سے دیکھنا اور دکھانا ہے۔ ایک دانشورعوام سے زیادہ مرتب اور منظّم ذہن رکھتا ہے۔ وہ سماج کے عمومی رویوں اور بنیادی عناصر کا نباض ہوتا ہے۔دانشور کا رشتہ روایت سے ضرور ہوتا ہے مگر دانشوری تجربے اور تخلیق میں ظاہر ہوتی ہے۔دانشور انقلابی افکار کوجنم دیتا ہے۔دانشور دیدۂ بینا رکھتا ہے اور اپنا نور بصیرت عام کرنا چاہتا ہے۔دانشور انقلاب نہیں لاتا وہ انقلاب کے لئے فضاء ہموار کرتا ہے۔دانشوری کے اس پس منظر میں حضرت شیخ الاسلام کوایک دانشور خطیب سے موسوم کیا جائے تو بجا ہے کیونکہ آپ نے اپنے اجداد واسلاف گرامی،اپنے شیوخ واساتذہ کرام اور درسگاہی وخانقاہی تعلیمات سے اخذ کردہ دانشوری کو مسلم اُمّہ کی صلاح وفلاح اور کامیابی وکامرانی،اتحادووحدت کے لئے استعمال کیا۔اپنی دانشورانہ خطابت سے ویرانوں میں پھول کھلائے اور ٹھہرے ہوئے پانی میں حرکت پیدا کی۔آپ کی اسی دانشورانہ خطابت کی گردسفر میں سینکڑوں خطیب گم ہیں۔جس طرح کامیاب شعر اور معیاری شعر میں فرق ہوتا ہے۔مشاعرے اور سمینار میں تفاوت ہوتا ہے۔مشاعرہ زبان کا جسم ہوتا ہے اور سمینار زبان کی روح کا درجہ رکھتا ہے۔علم وادب کے ثقہ اور معتبر ماخذ ومتن پر گفتگو سمینار کی جان ہوتے ہیں۔اسی طرح خطابت حاضر یا سامع دونوں پر مطلوبہ اثر ڈالنے کا فن ہے جس کے مقاصد اسلامی تعلیمات وہدایات کے قلعہ میں محفوظ ومتعین ہیں۔

کسی کام میں اپنی ساری صلاحیتوں کوجھونک دینا اور مقدور بھر کوشش کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں اور فقہاء کی اصطلاح میں کسی حکم شرعی کے بارے میں حتی الامکان پوری پوری کوشش کرنے اور تفصیل وتنوع سے مسائل بیان کرنے والا مجتہد کہلاتا ہے۔صحیح نتیجے تک پہنچ گیا تو دواجر ورنہ ایک تو مل ہی جاتا ہے۔حضرت شیخ الاسلام نے میدان خطابت میں اپنے اجتہادی نظائر پیش کئے ہیں جن کی رو سے آپ کو ''مجتہد فی الخطابت'' سمجھنے اور کہنے والا بھی اجر وثواب سے انشاءاللہ محروم نہ رہے گا۔

حضرت شیخ الاسلام کی شانِ خطابت پر گفتگو کے تسلسل میں یہ نکتہ نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ آج میڈیم کے ساتھ خطباء کو اَیڈیم بھی بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہر زمانے کی اپنی لفظیات ہوتی ہے، ایک ذہنی سطح ہوتی ہے، اس لئے ایک معیاری خطیب کو اپنا لہجہ، لفظیات اور انداز گفتگو بدلے بغیر چارہ نہیں۔ توجہ کنورٹ کے بجائے کمینوکیٹ پر ہونا چاہئے۔ خطابت میں مقدار نہیں معیار کی ضرورت ہے۔ ایک شیخ کامل نے اپنے مرید صادق کو خلافت عطا کرتے ہوئے نصیحت فرمائی تھی ''تکثیر مرید کے بجائے تعمیر مرید کی فکر کرو''۔ ایک خطیب کا لہجہ شائستہ معقول اور سلیس ہوتو پھر اس کی اثر انگیزی میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ فرانس کے معروف داعی دین اور خطیب حضرت ڈاکٹر محمد حمید اللہ نظامی سے ایک یوروپین خاتون نے ملاقات کے وقت مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا ڈاکٹر حمید اللہ نظامی نے اس خاتون سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میرے مصافحہ نہ کرنے سے آپ ناراض نہ ہوں دراصل بات یہ ہے کہ اسلام نے قرآن پاک کو اتنا احترام دیا ہے کہ بغیر وضو اسے کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا، اور اسی اسلام نے عورت کو اتنا تقدس اور احترام دیا ہے کہ بغیر نکاح اسے بھی کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خاتون ان کی شکر گزار ہوئی۔

جب تاج محل اور قطب مینار کی تعمیر ہوئی، دہلی کی شاہجہانی مسجد اور لال قلعہ کو بنایا گیا تو آرکیٹکچر کی کونسی اصطلاح کوکس آکسفورڈ اور کیمبرج میں پڑھ کر اس کے معمار آئے تھے۔ ظاہر ہے وہ سب اس ادارہ کے ہی پروردہ وفیض یافتہ تھے جس کو ''مدرسہ'' کہا جاتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کی شانِ خطابت کے حوالے سے یہ بات کہی جاسکتی ہے۔ مدرسے نہ صرف مذہب واخلاق بلکہ تہذیب وتمدن، فن وہنر، قیادت وخطابت سبھی میدانوں میں قابل فخر اور مایہ ناز افراد قوم کو دیتے آرہے ہیں۔ ہمارے ممدوح معظم بھی انہیں زندہ وتابندہ مدرسوں کی تاریخ تعلیم وتربیت کا ایک قابل تقلید اور لائق تعظیم نمونہ ہیں اس ''کل'' سے ''آج'' کو بھی سبق حاصل کرنا چاہئے۔

لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت
ہوں گی اے خوابِ جوانی تیری تعبیریں بہت
ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون
مر گیا ناوِک فگن مارے گا دل پر تیر کون

(اقبال لاہوری)

حضرت شیخ الاسلام اور فنِ خطابت

——— صادق رضا مصباحی، ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، فائن مینشن،
فرسٹ فلور ۱۳۲ کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی-۴۰۰۰۰۳

خطابت ورثۂ پیمبری ہے اور نہایت عظیم ترین فن، ایسا فن جس کی تاریخ دراصل حیرت ناکیوں اور فسوں کاریوں سے عبارت ہے۔ خیال رہے کہ میں خطابت کی بات کر رہا ہوں تقریر کی نہیں کیوں کہ میرے فہمِ ناقص میں تقریر اور خطابت الگ الگ ہیں۔ ہاں تقریر کو خطابت کا اردو ملفوف کہا جاسکتا ہے۔ تقریر اور خطابت کے درمیان ایک لطیف سا فرق ہے جو دونوں کے درمیان ایک باریک سی لکیر کھینچ دیتا ہے جس کا احساس صرف ذوق لطیف ہی کو ہوسکتا ہے۔ ورنہ ہمارے معاشرے میں تو ہر مقرر کو خطیب الہند، خطیب اہل سنت اور نہ جانے کس کس خطاب سے ملقب کیا جاتا ہے اور جنابِ ''خطیب'' بھی اپنے تئیں خوش گمانی میں زندگی گزارتے ہیں۔ خطابت دراصل لہجے کے اتار چڑھاؤ، آواز کے زیر و بم اور احساسات کے مد و جزر کا نام ہے۔ چیخ و پکار، گلے پھاڑنے اور دھاڑنے کا نام خطابت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تقریر تو ہر کوئی کر سکتا ہے مگر خطابت خوشانصیبوں کے ہی مقدر میں لکھی ہوتی ہے۔ خطابت صحیح معنوں میں جادوگری ہے، ساحری ہے، پانی میں آگ لگا دینے کا عمل ہے، شہباز کو ممولے سے لڑا دینے کا ہنر ہے اور ظالم مالک کے سامنے مزدور کو قوت حوصلہ عطا کرنے کا فن ہے۔ دنیا بھر میں جب بھی، جتنے بھی، جہاں کہیں بھی اور جو بھی انقلابات آئے ہیں، خطبا کی ساحری اور جادوگری کی لہروں پر ہی آئے ہیں۔ قرآن کریم نے بالکل صحیح فرمایا ہے: ان من البیان لسحر ایعنی بیان (خطابت) جادو ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ یہ جادو کی طرح اثر کرتی ہے۔ انبیاے کرام کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں۔ یہ اپنے دور کے بہترین خطیب تھے۔ اللہ عزوجل نے ان کے اندر خطابت کی ساری خوبیاں ودیعت فرمادی تھیں۔ وہ جب ان قدرتی خوبیوں کو بروئے کار لاتے تھے تو دلوں کی بنجر زمین پر کشت ایمان لہلہا اٹھتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں۔ آپ افصح العرب والعجم تھے۔ آپ جیسا

خطیب بھلا چشم فلک نے کب دیکھا ہوگا۔ یہ آپ کی نطق کی ساحری اور گویائی کا اعجاز ہی تھا کہ تیئس سال کی قلیل مدت میں صحرائے عرب میں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار مردان خدا اسلام قبول کر چکے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی میاں کچھوچھوی مدظلہ العالی کی شخصیت خطابت کے اسی تسلسلِ پیہم کا نام ہے جس کا سرا سلسلہ بسلسلہ ہمارے آقائے کائنات ارواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک گویائی سے جا ملتا ہے۔

حضرت مدنی میاں دور حاضر میں عنوان خطابت کا ایک جلی عنوان ہیں اور اہل سنت کی ایک عظیم ترین علمی شخصیت جو نہ صرف خطیب بلکہ ایک دانشور، محدث، مفسر، عالم دین، مدبر، مفکر اور شیخ طریقت کی حیثیت سے بھی برصغیر کے علما و مشائخ کی صفِ اول میں شہ نشین ہیں۔ آج اہل سنت میں آپ کو مقام امتیاز واعتبار حاصل ہے۔ کچھ چھہ مقدسہ کے مبارک خانوادے خانقاہ اشرفیہ میں پروان چڑھنے والا یہ شاہ زادہ، کسے معلوم تھا کہ ایک دن آسمان خطابت پر نیر تاباں بن کر چمکے گا اور اس کی تابناکیوں سے نہ جانے کتنوں کے خانۂ دل میں ایمان کے قمقمے روشن ہو اٹھیں گے۔ حضرت شیخ الاسلام کی خطابت کی گوہر فشانیاں نصف صدی سے زائد عرصے پر محیط ہیں۔ ان کے خطابات سننے اور ان کے خطبات کے مجموعے کے مطالعے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ خطابت کی سارح خوبیاں حضرت کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ خطابات برطانیہ، خطبات حیدرآباد، خطبات نظامیہ اور خطبات شہادت وغیرہ میرے اس دعوی کی دلیل کے لیے بہت کافی ہیں۔ یہ خطبات محض خطبات نہیں بلکہ علم وفکر اور معانی ومفاہیم کا ایک بحر مواج ہے جو ذہن وفکر کے ساحل سے ٹکرا رہا ہے۔ خطبات برطانیہ کے مطالعے کے بعد مجھے حیرت ہوئی کہ اس میں ایسی یکسانیت اور ربط وتسلسل ہے جو تحریروں کا خاصہ ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام نے یہ خطبات محض وقت گزاری اور عقیدت مندوں سے نذرانہ بٹورنے کے لیے نہیں بلکہ پوری پلاننگ اور گہرے مطالعے کے بعد سامعین کے حوالے کیے ہیں۔

آج خطابت کے کئی معانی لے لیے گئے ہیں ان میں ایک تو وہ ہے جسے توسیعی خطبہ کہا جاتا ہے اس کے لیے کسی دانشور کو منتخبہ موضوع پر گفتگو کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ مہمان دانشور اپنا خطبہ تحریر کر کے تشریف لاتے ہیں اور پھر بعد میں یہ خطبہ یا اس نوع کے خطبات کا مجموعہ مرتب ہو کر شائع ہو جاتا ہے۔ اس زمرے کی درجنوں کتابیں مارکیٹ

میں دستیاب ہیں۔ بعض مقررین کی تقریروں کی ریکارڈنگ کونقل کر کے تحریر کالباس پہنادیاجاتاہے۔اس طرح کی بھی بہت ساری کتب مارکیٹ میں دعوت نظارہ دے رہی ہیں اوراپنے اپنے حلقے کومتاثر کررہی ہیں مگر بلامبالغہ کہاجاسکتاہے کہ خطبات برطانیہ کارنگ وآہنگ ہی الگ ہے اوروہ ان سب میں جداگانہ ہے۔اس میں نہ زیادہ تفصیل ہے اورنہ اجمال۔ازدل خیزدبردل ریزدکی عملی تفسیر ہیں یہ خطبات۔خطبات برطانیہ کی فہرست سے اندازہ لگائیے کہ عوامی سطح کے یہ خطبات اپنے اندرکس قدر جہان معنی رکھتے ہیں۔یہ خطبات ویسے تو عوام الناس کے لیے دیے گئے ہیں لیکن بڑے بڑے پڑھے لکھےلوگوں کے لیے بھی ان میں معانی ومطالب کے حیرت انگیز دفینے موجود ہیں:

پہلا خطبہ: نور مصطفیٰ، دوسرا خطبہ: عظمت مصطفیٰ، تیسرا خطبہ: وسیلہ، چوتھا خطبہ: فضیلت رسول، پانچواں خطبہ: علم غیب، چھٹا خطبہ: رحمت عالم، ساتواں خطبہ: رفعت مصطفیٰ، آٹھواں خطبہ: محبت اہل بیت، نواں خطبہ

عقائدِ اہلِ سنت پر مشتمل خطبات کا یہ مجموعہ نہ جانے کتنی امہات الکتب کا خلاصہ ہے۔حضرت شیخ الاسلام کے سائنٹیفک طرز استدلال نے اس میں چار چاند لگادیے ہیں۔میں یقین کے ساتھ کہہ سکتاہوں کہ حضرت شیخ الاسلام کے استدلالات اورسائنسی طرز تفہیم نے ان خطبات کوبہت بلند سطح پر پہنچادیاہے۔حضرت شیخ الاسلام کے ان خطبات نے بتادیاہے کہ عقائداہل سنت محض نقلی اورسماعی نہیں ہیں کہ ہمارے اسلاف نے فرمادیاہے تواسے قبول ہی کرلیناچاہیے بلکہ یہ عقائدواحکام عقلی اورسائنسی بھی ہیں جوموجودہ ذہن وفکر کواپیل کرتے ہیں۔اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جوسائنس سے منافی ہو۔ایک پڑھالکھا، جانب داردانشورسطح کاانسان اگران خطبات کوپڑھے گایاسنے گاتواس کاایمان واعتقاد پختہ تر ہوجائے گااورپھر بدمذہبیت کواس کے قریب گزرنے میں خطرہ محسوس ہوگا۔

آپ کویہ سن کر حیرت نہیں ہوناچاہیے کہ اتنے جامع ومانع، علمی، فکری اورسائنٹیفک خطبات سے اپنے سامعین کووہی محظوظ کراسکتاہے جونہایت بالغ نظرعالم دین اوردانشورہو۔چالیس سال قبل دیے گئے یہ خطبات آج بھی بالکل تروتازہ لگتے ہیں اوران کے دامن پر کہنگی کاہلکاسادھبہ بھی نہیں معلوم ہوتا۔شیخ الاسلام کانہایت گہرا مطالعہ، وسیع تجربہ اورغیر معمولی مشاہدہ ان خطبات سے جھانکتا نظرآتاہے۔

خطابت کی جوخوبیاں ہوسکتی ہیں وہ سب کی سب حضرت شیخ الاسلام کے خطبات میں موجود ہیں۔ پہلے ان خوبیوں پر ایک نظر ڈال لیں پھر آگے بڑھتے ہیں۔

موضوعاتی تنوع / کمال نظم / ادیبانہ حسن / صوتی آہنگ / ابلاغ عام / عنصر تخلیقیت تحقیقی اور تخریجی مزاج / عدم رکاکت و ابتذال / احترام نفسیات / سائنٹیفک طرز استدلال۔

موضوعاتی تنوع:

موضوعات میں تنوع اور وسعت وہی پیدا کرسکتا ہے جس کی شخصیت ہمہ گیر، جس کی نظر وسیع اور جس کا مطالعہ غیر معمولی ہو لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ حالات زمانہ پر بھی عمیق نگاہ رکھتا ہو۔ بلا مبالغہ حضرت شیخ الاسلام کی شخصیت ان خصوصیات سے جگمگا رہی ہے۔ان کے خطبات ان خوبیوں سے حددرجہ مالا مال ہیں۔اس بوقلمونی نے خطبات کو ایک الگ رنگ وروغن عطا کردیا ہے جس سے سامعین کے اذہان کے بند دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں۔حضرت شیخ الاسلام حالات کے اعتبار سے موضوع کا انتخاب کرتے ہیں اور ان میں اپنی علمی وفکری گہرائی وگیرائی کے خوبصورت نقوش مرتسم کرکے سامعین کو ایک جہانِ حیرت میں پہنچا دیتے ہیں۔

ادیبانہ حسن:

اسلوب تقریر کا ہو یا تحریر کا، جب تک جاذب نہیں ہوتا اپنا اثر نہیں دکھا پاتا۔کلام کی تاثیر اور مقبولیت کا ایک اہم ترین عنصر ادیبانہ حسن، حسن اِلقا اور زبان وبیان کی چاشنی بھی ہے۔ یہ اگر نہ ہوتو اچھی سے اچھی بات قارئین وسامعین کے دلوں پر اپنا بیج نہیں بوسکتی۔اس کے برخلاف اگر کوئی بات نسبتاً کم اچھی ہو لیکن سلیقۂ اظہار اچھا ہوتو وہ اپنا اثر دکھا جاتی ہے۔حضرت شیخ الاسلام کے پاس خوبصورت الفاظ کا وسیع تر ذخیرہ ہے۔لگتا ہے کہ وہ جسے چاہتے ہیں اور جیسے چاہتے ہیں اسے اپنے جملوں میں ٹانکتے چلے جاتے ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ واقعی یہ لفظ اسی مقام کے لائق ہے۔لفظوں کی مرصع کاری ان کے یہاں عام ہے۔علمی وادبی زبان ان کے خطابت کا نمایاں پہلو ہے لیکن یہ علمی وادبی زبان سامعین کے سر سے نہیں گزرتی بلکہ لفظوں اور جملوں کی چاشنی سے سامعین ذائقہ آشنا ضرور ہوجاتے ہیں۔ان کے مجموعہ ہائے خطبات پڑھیے یا سنیے، آپ کو ہر ہر صفحے پر اس کا احساس ہوگا کہ معلومات کے ساتھ ساتھ ادب کی چاندنی لفظ لفظ سطر سطر سے اپنے جوبن پر دکھائی دے رہی ہے۔

صوتی آہنگ:

خطابت کو مؤثر ترین بنانے میں صوتی آہنگ کا بھی بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔کون سی بات کس لہجے میں کہنی ہے، اچھا خطیب اسے اچھی طرح جانتا ہے۔انہی لہجوں سے ہی جذبات میں تلاطم برپا ہوتا ہے اور وہ براہ راست اس کے دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جب تک جذبات میں مدوجزر نہیں ہوتا سامعین کے رباب دل میں لرزش نہیں پیدا ہوتی۔صوتی آہنگ ہی ہے جو خطابت کو معانی عطا کر دیتا ہے اور اس کا رنگ پیرہن مزید نکھار دیتا ہے۔حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے دائرۂ خطابت میں صوتی آہنگ کا بھی اپنا ایک منفرد مقام ہے۔لہجوں کی رنگارنگی اپنے شباب ہے اور لفظوں کی موسیقی فردوسِ سماعت بن رہی ہے۔حضرت شیخ الاسلام کے لہجے کہیں پرزور ہیں تو کہیں دھیمے، کہیں گرج دار ہیں تو کہیں سبک رو۔غرض جیسی گفتگو ویسا صوتی آہنگ، جیسا عنوان ویسا لہجہ، جیسا موضوع ویسا انداز۔علمی موضوعات کے لیے الگ تکلم، اصلاحی موضوعات کے لیے ایک الگ رنگ اور اصلاحی موضوعات کے لیے دوسرا آہنگ۔

ابلاغ عام:

مسائل کو دقیق کر کے بیان کرنا،علمیت بھگارنا کمال کی بات نہیں بلکہ ایک اہم بات کو سادہ الفاظ میں سامع یا قاری کے دل میں اتار دینا کمال کی بات ہے تاکہ اس سے ہر سطح ذہن اور ہر سطح فکر مستفید ہو سکے۔کبھی کبھار دوران خطابت کچھ ایسی گفتگو بھی آ جاتی ہے جنہیں علمی اصطلاحات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ظاہر ہے ان اصطلاحات کو دوسرے آسان الفاظ میں ڈھالنا تو ممکن نہیں البتہ تشبیہات واستعارات کی زبان میں اسے سمجھایا جا سکتا ہے۔حضرت شیخ الاسلام کے خطابات ابلاغ عام کی عمدہ مثالیں ہیں، ان کے اردگرد بیٹھنے والا ہر آدمی معلومات سے متمتع ہو سکتا ہے اور حسب ظرف کچھ نہ کچھ اپنا حصہ لے کر ہی اٹھتا ہے۔عدم ابلاغ خطابت کا بہت بڑا نقص ہے۔ جب سامع کو یہ معلوم ہی نہیں ہوگا کہ ہمارے سامنے جو خطیب کرسی خطابت پر براجمان ہے وہ کیا کہہ رہا ہے تو ظاہر جیسے وہ خالی ہاتھ آیا تھا ویسے ہی خالی ہاتھ واپس ہو جائے گا۔حضرت شیخ الاسلام کا ابلاغ عام بہت مؤثر ہے اور دلوں میں خود بخود راہ بناتا چلا جاتا ہے۔

عنصر تخلیقیت:

آپ دنیا کے کامیاب ترین لوگوں کی فہرست اٹھا کر دیکھیں ان سب میں ایک چیز مشترک ملے گی اور وہ ہے تخلیقیت۔انسان کے اندر اگر علم وفکر کا سمندر موجیں مار رہا ہو اور اس

کی پیٹھ فضل وکمال کے بوجھ سے دوہری ہوئی جارہی ہو لیکن اگراس نے تخلیقی مزاج نہیں پایا تو نہ صرف یہ کہ اس کی تقریروتحریر غیر متاثر ہوگی بلکہ اس کی شخصیت بھی بے اثر اور بے وزن رہے گی۔ ہمارے کارواں میں انجماد کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے معاشرے میں تخلیقی مزاج کے لوگ بہت ہی کم ہیں، زیادہ تر کا مزاج تقلیدی اور تقلیچی ہے، یہ اسی کا شاخسانہ ہے کہ ہم میں سے اگر کوئی الگ ہٹ کرنئی بات کہتا ہے جو ہمارے خود ساختہ ذہنی پیمانوں یا تقلید کے نام پر بنے ہوئے فکری وعملی ڈھانچوں سے متصادم ہو تو ہم اسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے بلکہ المیہ تو یہ ہے کہ ہم اس پر چڑھ دوڑتے ہیں۔

اللہ کا بے پناہ فضل ہے کہ ہمارے حضرت شیخ الاسلام کی شخصیت عنصر تخلیقیت کا مظہر اتم ہے۔ وہ ایک پرانی بات کو نئے انداز میں پیش کرنا اوراس کے لیے نئے نئے طریقے وضع کرنا اچھی طرح جانتے ہیں تاکہ سامعین گفتگو کی تہ تک پہنچ جائیں۔ گھسے پٹے عنوانات کو موضوع سخن بنانا ان کی شخصیت اور ذہن کے منافی ہے اس لیے وہ نئی نئی راہوں کا انتخاب کرتے ہیں اور نئے نئے در وا کرتے چلے جاتے ہیں جس سے سامعین ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔

عنصر تخلیقیت:

ایک اچھے خطیب کی شناخت یہ ہے کہ وہ جو بات پیش کرے، دلائل اس کی پشت پر کھڑے ہوں، اس کی صحت پر کوئی کلام نہ ہو۔ محض سنی سنائی، غیر معیاری باتوں پر اپنی خطابت کی بنیاد نہ رکھتا ہو۔ تحقیقی وتخریجی مزاج اسی کے اندر پایا جاسکتا ہے جو خود امہات الکتب تک دست رس رکھتا ہو، حسن وقبح کی پرکھ ہو، روایت ودرایت سے واقف ہو ورنہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی مستند کتاب میں کوئی بات لکھی ہے اور دوسری مستند کتاب میں اسی بات کی نفی کی گئی ہے تو اب یہاں وسعت مطالعہ، غیر معمولی بصیرت اور قوت اخذ کام آتی ہے اور مطالعہ کرنے والا درایت سے کام لے کر تمیز کرسکتا ہے کہ کون سی بات مرجح ہے اور کون سی غیر مرجح۔ آج کل کی تقریروں میں اکثر غیر معیاری اور سنی سنائی باتوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام نے ماشاء اللہ تحقیق وتخریج کا بہترین مزاج پایا ہے۔ اپنے خطبات میں جو بھی بات پیش کرتے ہیں وہ دلائل وبراہین میں کسی ہوئی ہوتی ہے، مخالف ان پر کوئی حرف نہیں رکھ سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ تحقیقی اور تخریجی مزاج ہی اہل علم کا صحیح حوالہ ہے ورنہ جس کے اندر یہ مزاج نہ ہو وہ اہلِ علم ہی کیا۔

عدم رکاکت وابتذال:

خطابت کی ایک اہم خوبی شائستگی اور شستگی بھی ہوتی ہے۔ یہ وہ خوبی ہے جو خطیب کے فکر و مزاج کا آئینہ ہوتی ہے۔ اس آئینے میں خطیب کی شخصیت کے سارے خط وخال پورے طرح نمایاں ہو جاتے ہیں۔ بہت ایسا ہوتا ہے کہ مقرر جذبات کے رو میں ایسی سطح پر آجاتا ہے جہاں وہ خطابت کی سطح سے گر جاتا ہے۔ رکاکت وابتذال اس کی تقریر میں در آتے ہیں۔ جب جذبات اٹھان پر ہوں تو اس وقت خطیب کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ حضرت شیخ الاسلام کے خطبات میں مبتذل، غیر شائستہ اور غیر شستہ جملے ہرگز نہیں ملیں گے۔ رد وابطال میں بھی وہ ذرہ برابر ابتذال و رکاکت کی گہرائیوں میں نہیں جا پڑتے بلکہ بڑی خوب صورتی کے ساتھ بد مذہبوں کا رد بلیغ ہی فرماتے ہیں۔ گویا ان کے خطبات حکمۃ اور موعظۃ حسنۃ کی خوبصورت تفسیر وتشریح ہیں۔

احترام نفسیات:

سامعین وقارئین کی سطح معلومات کے مطابق گفتگو کرنا بلاغت کہلاتا ہے۔ گفتگو میں اگر سامعین کی نفسیات کا خیال نہ رکھا جائے تو اس کے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ اسی لیے حضرت عائشہ نے فرمایا کہ کلمو الناس علی قدر عقولہم یعنی لوگوں سے ان کے فہم کے مطابق بات کرو۔ حضرت شیخ الاسلام کے خطبات اٹھا کر دیکھ لیں، سارے خطبات اس تقاضے پورے اترتے معلوم ہوں گے۔ سامعین جس طرح کے ہوتے ہیں حضرت شیخ الاسلام اسی کے مطابق خطاب فرماتے ہیں۔ ان کا کوئی بھی سامع یہ گلہ نہیں کرتا کہ صاحب خطاب کی گفتگو اس کی سمجھ سے پرے ہے۔ احترام نفسیات حضرت شیخ الاسلام کے خطبات کا ایک اہم جز ہے۔

سائنٹیفک طرز استدلال:

یہ دور سائنٹیفک دور ہے۔ باخبری کے اس زمانے میں ایسی کوئی بھی بات قبول کرنے میں تامل ہوتا ہے کہ جو غیر علمی، غیر سائنسی اور غیر معقول ہو۔ آج ہم سب سائنس کی طرف بے تحاشہ دوڑے چلے جا رہے ہیں یہ اسی کا ظاہرہ ہے کہ جب ہمارا کوئی عالم دین و دانشور دین کی کوئی بات ہمیں بتاتا ہے تو ہماری سمجھ میں کم ہی آتی ہے لیکن جب یہی بات ہمیں مغرب سے سننے کو ملتی ہے تب ہماری آنکھیں کھلتی ہیں اور ہم واہ واہ، سبحان اللہ، ماشاء اللہ کہہ اٹھتے ہیں۔ باشعور حضرات جانتے ہیں کہ احادیث کریمہ میں اسلام کی ساری حکمتیں اور مصلحتیں بیان کردی گئی ہیں ہم

وقتاً فوقتاً اسے پڑھتے اور سنتے بھی رہتے ہیں مگر ہمارے ذہن ودماغ اسے قبول تو کرتے ہیں لیکن مطمئن نہیں ہو پاتے۔ میرے خیال سے یہ بھی ایک اچھی علامت ہے کہ جب تک کسی بات کو مکمل طور پر سمجھ نہ لیا جائے، قبول نہ کیا جائے۔ جب تک ہر بات دلیل و برہان کی کسوٹی پر نہ پرکھ لی جائے، تسلیم نہ کیا جائے۔ اس دور میں اس رجحان کو سائنٹیفک طرز استدلال کہتے ہیں۔ یہ وہ خوبی ہے جس سے ہر کوئی بہرہ مند نہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کے سامعین اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے خطبات اس طرح کے طرز استدلال سے لبالب ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے خطبات اپنوں اور غیروں میں یکساں مقبول ہیں۔

یہ وہ خوبیاں ہیں جس کی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام اپنی دیگر نمایاں ترین خوبیوں خصوصیات کے ساتھ ایک اہم ترین خطیب کی کی حیثیت سے بھی سامنے آئے ہیں۔ تاریخ اسلام کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ تبلیغ اسلام کی تاریخ دراصل اپنی نہاد میں خطابت کی ساحری اور جادوگری کی تاریخ ہے۔ اگر خطابت کی دل آویزیاں نہ ہوتیں تو اسلام کبھی بھی بحر و بر کی وسعتوں کا احاطہ نہیں کر پاتا مگر ہمارے زمانے تک آتے آتے خطابت اپنے اصلی معانی ومفاہیم سے خالی ہو چکی ہے اور اس کی جگہ تقریر نے لے لی ہے۔ یہ ہماری کم نصیبی ہے کہ اب ہم اسی کو خطابت کے نام سے موسوم کر رہے ہیں۔ یہ ہماری تاریخ زوال کا ایک اہم عنوان ہے۔ اب ہر جگہ تقریریں ہی تقریریں ہیں، خطابت نایاب تو نہیں البتہ کم یاب ضرور ہو گئی ہے۔ خطابت دراصل مطالعے کی بنیاد پر فی البدیہہ بولنا ہے اور پھر اس میں الفاظ ومعانی نیز لہجات کی رنگ آمیزی کرنا ہے۔ جہاں محض الفاظ ومعانی ہوں لہجات نہ ہوں اسے خطابت نہیں کہا جا سکتا ہے اور جہاں صرف لہجات اور صوتی آہنگ ہو مگر معانی ومفاہیم سے خالی ہو تو اسے بھی خطابت نہیں کہا جا سکتا۔

ہم نے محسوس کیا اور آپ نے بھی یقیناً محسوس کیا ہوگا کہ فکر اور معلومات دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ محرر یا مقرر معلومات تو پیش کرتا ہے لیکن فکر نہیں دے پاتا یا اگر اپنے افکار عالیہ پیش کرتا ہے مگر معلومات کے در نہیں کھول پاتا۔ اگر تقریر و تحریر کے لباس فاخرہ میں افکار کے موتی ٹانکنے کے ساتھ ساتھ معلومات کے نقش و نگار بھی بنا دیے جائیں تو اس پیرہن کی افادیت، معنویت، اہمیت اور مقصدیت دو آتشہ ہو جائے۔ اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جو اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کے یہاں دونوں چیزوں کی

فراوانی ہے۔ وہاں افکار اور معلومات دونوں کے دریا ایک ساتھ چلتے ہیں اور قاری کو بہت دیر تک اور دور تک سیراب کرتے چلے جاتے ہیں۔

بڑے خوش نصیب ہیں وہ حضرات جن کی شخصیت میں اللہ نے خطابت کی خوبیاں جمع کر دی ہیں اور ان سے بھی زیادہ سعادت مند ہیں وہ حضرات علم وفکر کے کوہ ہمالیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم ترین خطیب بھی ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کا تعلق دوسرے زمرے سے ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ جو عالم دین ہو، شیخ طریقت ہو، مصنف ہو، استاذ ہو وہ ایک اچھا خطیب بھی ہو مگر خانقاہ اشرفیہ کے بزرگوں کا بے پناہ فیض ہے حضرت مدنی میاں پر کہ ان کی شخصیت میں یہ ساری صفات موجود ہیں اور ہر ہر صفت کی اپنی الگ شناخت ہے۔ صحیح معنوں میں قیادت وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے اندر دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ خطابت کا ملکہ بھی ہو اسی لیے کہا جاتا ہے کہ قیادت، خطابت کی کنیز ہے۔ عوام الناس کو جتنی جلدی اور جتنے بہتر طریقے سے خطابت کے ذریعے کنٹرول کیا جا سکتا ہے اور اذہان وافکار کو موڑا جا سکتا ہے وہ صرف خطابت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ قائدین عالم کی تاریخ پڑھیں، آپ کو ان میں ایک سے ایک خطابت کے شہسوار بھی دکھائی دیں گے۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں حضرت شیخ الاسلام کی شخصیت کے اس پہلو کو اجاگر کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اللہ کریم حضرت کا سایہ تمام اہل سنت پر دراز سے دراز تر فرمائے اور ان کے قلمی، فکری اور عملی نقوش ہمارے لیے مشعل راہ بنائے۔

شیخ السلام اور فنِ خطابت

(خطبات برطانیہ کے حوالے سے)

—— ڈاکٹر سید عبدالقدیر ناظمؔ سرگروہ سابق صدر شعبۂ اُردو و فارسی کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ

خانوادۂ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ کے چشم و چراغ اور تاجدارِ اہل سنت مخدوم الملت حضور محدثِ اعظمِ ہند کے جانشیں حضور شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علاّمہ سیّد محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کا شمار بیسویں صدی کے صف اول کے سنی علماء میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے اسلامی ادب کا مطالعہ بہ نظرِ غائر کیا ہے۔ آپ کثیر الجہات شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ بیک وقت ایک بے مثل عالم دین' محدث' محقق یگانہ'مفسرِ قرآن'مبلغِ اسلام اور ادیب وشاعر ہیں۔ عصر حاضر میں ایسی جامع صفات وکمالات شخصیت کا اُمت مسلمہ پر سایہ فگن ہونا' اللہ تبارک وتعالی اور اُس کے پیارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا احسانِ عظیم ہے۔ آپ نے متعدد اسلامی موضوعات پر علم و دانش کے گہر لٹائے ہیں اور آج بھی اپنی تحریروں اور تقریروں سے اُمتِ مسلمہ کی ہدایت و رہنمائی فرما رہے ہیں۔ آپ کی ذاتِ اقدس دنیا میں پھیلے ہوئے لاکھوں عقیدت مندوں اور مداحوں کی قیادت و ہدایت کا سرچشمہ بنی ہوئی ہے۔ نیز مریدوں کا ایک بڑا قافلہ آپ کی پیروی میں راہ طریقت طے کر رہا ہے۔

تصنیفی وتالیفی میدان میں بھی حضور شیخ الاسلام نے قابلِ قدر اضافہ فرمایا ہے۔ آپ کی اب تک 23 کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ جو اسلامی ادب میں اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ ملک اور بیرونی ملک میں آپ نے جو مختلف موضوعات پر تقریریں کیں ہیں ان کی تعداد سینکڑوں تک پہونچ جاتی ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف سے قطع نظر سرِ دست مجھے علاّمہ سیّد محمد مدنی میاں قبلہ کے صرف اُن خُطبات پر اظہارِ خیال کرنا ہے۔ جو آپ نے دورۂ برطانیہ کے موقع پر سرزمین لندن میں دے تھے۔ جن کو اُس وقت کیسٹ میں محفوظ کر لیا گیا تھا۔ عقیدت مندان و مریدین برطانیہ کی خواہش تھی کہ ان خطبات کو صفحہء قرطاس پر لایا جائے تا کہ مسلمانانِ عالم بھی ان

سے استفادہ کر سکیں۔ نیز یہ خطبات علومِ اسلامی کا ایک حصہ بن سکیں۔ حضور شیخ الاسلام نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی اور جماعت رضائے مصطفیٰ ﷺ (یوکے) نے بڑے اہتمام سے ان خطبات کی اشاعت فرمائی۔

ملک اور بیرون ملک میں مذہبی، تعلیمی، علمی، سیاسی، ادبی اور دیگر موضوعات پر فاضل علماء، ممتاز مفکرین، معروف ادیب اور قابلِ قدر اساتذہ کے خطبات کا اہتمام کرنا ہمارے تہذیب کی قدیم روایت ہے۔ اسلامی معاشرے میں بھی ایسی کوششیں بارآور ثابت ہوئی ہیں۔ خصوصاً علمائے دین اور اسلامی اسکالرس نے تعلیمی اداروں اور دینی انجمنوں کی فرمائش پر سیرت نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں اور اسلامی افکار ونظریات پر خصوصی لکچرس دے ہیں۔ ''خطبات برطانیہ'' بھی اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

انسان کو تمام مخلوقات میں برتری حاصل ہے اُسے اشرف المخلوقات کے لقب سے نوازا گیا۔ اس کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ دیگر مخلوقات کی بہ نسبت اسمیں دو ایسی قوتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہیں جن کی بدولت انسان کا مقام اعلیٰ وارفع ہو گیا۔ ایک عقلِ سلیم دوسرے قوتِ گوئی۔ یوں تو ہر انسان بولتا ہے۔ لیکن معدودے چند ہی ایسی شخصتیں ہوتی ہیں جو بولنے کے فن سے واقف ہوتی ہیں۔ اسلامی علوم کے حوالے سے اس میدان میں گذشتہ صدیوں میں بے شمار علمائے باکمال اور خطیبانِ بے مثال گزرے ہیں جنھوں نے اپنی بے پناہ دینی وعلمی بصیرت سے ایک زمانے کو متاثر کیا اور اُردو زبان میں علوم اسلامی کے خزانے کو مالا مال کیا۔ آج دنیائے اسلام میں خطابت کے حوالے سے جن کا طوطی بولتا ہے۔ اُن میں ایک اہم نام علاّمہ سیّد محمد مدنی میاں اشرف جیلانی کچھوچھوی کا ہے۔ جملہ علوم اسلامی کے ساتھ ساتھ فن تحریر اور فنِ تقریر، حضور شیخ الاسلام کو ورثہ میں ملا تھا۔ خانوادۂ اشرفیہ کے بزرگوں کی خطابت کا یہ خاصہ رہا ہے کہ وہ اپنے خطبات کے ذریعے رفعتِ شان حبیب کبریا ﷺ کو اُجاگر کرتے ہیں۔ عقائد صحیحہ کو عام کرتے ہیں۔ نیز ایوان ابوجہل میں مصطفوی صدائے حق بلند کرتے ہیں۔ اسلاف کی اسی روش کو علاّمہ سیّد محمد مدنی میاں قبلہ نے بھی اختیار فرمایا اور اپنے خطبات کے وسیلے سے جہاں آپ نے عظمت مصطفیٰ ﷺ سے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلوب کو منور ومجلّٰی فرمایا ہے وہیں غیر مقلد علماء ومفکرین کے غلط عقائد سے اختلاف کرتے ہوئے عالمانہ انداز میں دلائل و براہین کے حوالے سے صحیح نظریات کی وکالت کی ہے۔

خطبات پیش کرنے کے عموماً دو طریقے عام ہیں۔ ایک یہ کہ خطیب موضوع کی مناسبت سے اپنے خیالات کو ضبطِ تحریر میں لاتا ہے اور اُسے مقالہ کی صورت میں پیش کر دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ خطیب برجستہ اپنے خیالات کا اظہار زبانی کر دیتا ہے۔ طرزِ بیان کی ان دو صورتوں کا ذکر میں نے یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ (Extempore) فی البدیہہ کسی موضوع پر گفتگو کرنا تحریر کے مقابلے میں کس قدر دشوار ہوتا ہے۔ اور اس میدان کا شہ سوار وہی خطیب ہو سکتا ہے جس کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہو، جس کا مطالعہ وسیع اور حافظہ قوی ہو۔ زیرِ نظر کتاب ''خطبات برطانیہ'' کے خطبات تحریری نہیں ہیں۔ بلکہ Extempore تقریریں ہیں۔ ''خطبات برطانیہ'' میں کل نو خطبات شامل ہیں۔ اگرچہ برطانیہ کے طویل دورے میں حضور شیخ الاسلام نے مختلف عنوانات پر جملہ 21 تقریریں کی تھیں۔ تاہم کتاب کی ضخامت کے پیشِ نظر صرف نو خطبات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اور بقیہ خطبات سیریز 2 کے لیے مختص کیے گئے ہیں جو تادمِ تحریر منتظرِ اشاعت ہیں۔

زیرِ بحث کتاب ''خطبات برطانیہ'' کے پہلے خطبے میں حضور شیخ الاسلام نے ''نور'' کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ اور قرآن مجید کی معروف آیت کریمہ '' قد جاکم من اللّٰہ نور'' کی روشنی میں اظہارِ خیال فرمایا ہے۔

عنوان سے ظاہر ہے کہ اس خطبے میں نورِ مصطفٰے ﷺ پر گفتگو کی گئی ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ رب العزت نے سب سے پہلے نورِ محمدی ﷺ کو پیدا فرمایا۔ پھر اسی نور سے سارے عالموں اور ان سے منسلک اشیاء پیدا فرمائیں۔ اور یہی وہ نور ہے جس کی تخلیق سب سے پہلے ہوئی تھی لیکن اُس کی بعثت سب سے آخر میں ہوئی۔ یعنی ''قد جاکمہ من اللہ نور'' یعنی اللہ کی طرف سے ایک نور آیا۔ اس کے ثبوت میں حضور شیخ الاسلام نے وہ معروف حدیث مبارکہ پیش کی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے اپنے نور کو سب سے پہلی مخلوق فرمایا ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے''اول ما خلق اللّٰہ نوری'' سب سے پہلی مخلوق میرا نور ہے۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

پھر نورِ محمدی ﷺ کی عظمت کو اجاگر کر کے غیر مقلد علماء کے متعدد اعتراضات کے بہ دلائل جواب بھی دے ہیں۔ مثلاً آپ ﷺ کی بعثت کو لے کر اسلام کے آغاز میں ہی مشرکین

کی جانب سے یہ اعتراض کیا گیا کہ آپ ﷺ کے رسول نہیں ہیں اور ایک دوسرے گروہ کا یہ اعتراض تھا جو آج تک چلا آرہا ہے کہ آپ ﷺ کے رسول ہیں مگر آپ ﷺ اور ہم میں صرف اتنا فرق ہے کہ آپ ﷺ، اللہ کے رسول ہیں اور ہم اُن کے اُمتی ہیں بقیہ معاملات میں ہم سب برابر ہیں۔حضور شیخ الاسلام نے ان دونوں اعتراضات کا جواب قرآنِ مجید کی اُسی آیت سے دیا ہے جو خطبے کے آغاز میں نقل کی گئی ہے۔فرماتے ہیں کہ جس نے یہ کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں آئے۔ان کا جواب یہ ہے ''قد جاءکم من اللہ'' یہ آنے والا رسول خدا کی طرف سے آیا ہے۔اور جو یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے آنے والا بالکل ہماری طرح ہے،ان کا جواب یہ ہے'' من اللّٰہ نور'' یہ آنے والا رسول خدا کی طرف سے نور ہے تمہارے جیسا نہیں ہے''علاّمہ سیّد محمد مدنی میاں نے کس دلچسپ پیرائے میں اپنے علمی استدلال سے اعتراض کرنے والوں کی زبان پر تالے لگا دیے۔

اسی طرح کے ایک اور فرسودہ خیال کی جانب اشارہ کرتے ہوئے علاّمہ فرماتے ہیں کہ یہ غلط عقیدہ بھی عام ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی۔لیکن اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ اُس زمانے میں بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام آب وگل کی منزلوں سے گزر رہے تھے۔مگر یہ ہے کہ نبوت کا اعلان چالیس سال کی عمر میں فرمایا۔ حضور شیخ الاسلام نے اس فرسودہ خیال کی تردید بھی حدیث مبارکہ کے ذریعہ کردی۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''کُنت نبیاوآدم بین الماء والطین'' میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام آب وگل کی منزلیں طئے کررہے تھے۔اس ضمن میں حضور شیخ الاسلام نے کم و بیش اسی مفہوم کی اور دو اور احادیث لفظی ترمیم کے ساتھ پیش کی ہیں تاکہ منفی فکر رکھنے والے بیان کی صداقت کو تسلم کریں اور بدعقیدگی کے غار سے نکل سکیں اور عقیدت مندوں کا ایمان اور بھی تازہ و پختہ ہوجائے۔

ایک اور اعتراض جو بدعقیدہ لوگوں کے دلوں میں گھر کر گیا ہے کہ میلاد شریف منانا شرک و بدعت ہے۔حضورت شیخ الاسلام نے مدلل بحث سے یہ ثابت کیا ہے کہ میلاد شریف منانا خدا کی سنت ہے۔اسی طرح اس خطبے میں اور کئی نکات نور اور نورِ محمد ﷺ کے حوالے سے زیرِ بحث آئے ہیں۔بہرکیف اس جامع خطبے میں حضور شیخ الاسلام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں حضور اکرم ﷺ کے نوری بشر ہونے، مخلوق ہونے اور نبی ورسول ہونے پر وضاحت کے

ساتھ بحث کی ہے۔

علمائے اہل سنت کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے خطبات اور تصانیف میں حُبِ رسالت مآب ﷺ اور آپ ﷺ کی عظمت کے اظہار پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت، دینِ حق کی شرطِ اول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عظمت مصطفےٰ ﷺ کو اکثر اپنی تقریروں اور تحریروں کا موضوع بناتے ہیں۔ اس کے لئے وہ ایسی آیات قرآنی کا انتخاب کرتے ہیں جسمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی عظمت کا تذکرہ کیا ہے۔

''خطبات برطانیہ'' کے دوسرے خطبے میں حضور شیخ الاسلام نے عظمتِ مصطفےٰ ﷺ کو سرنامۂ بیان بنایا ہے۔ اور قرآنِ کریم کی آیتِ مقدمہ ''یایھا الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ واتقوا اللہ'' کی روشنی میں عنوانِ ہذا پر اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ خطبہ کا آغاز ایک خوبصورت تمہید سے ہوتا ہے۔ فنِ خطابت میں تمہید کی کیا اہمیت ہے اس سے اہلِ نظر واقف ہیں۔ چوں کہ حضور شیخ الاسلام دورِ حاضر میں صفِ اول کے خطیب ہیں اسی لیے ان کی ہر تحریر وتقریر کی تمہید اتنی دلکش ہوتی ہے کہ سامعین و قارئین متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ اور وہ ہمہ تن گوش ہو کر اپنی سماعتوں کو آپ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس خطبے کی تمہید کی خصوصیت یہ ہے کہ سیرتِ رسول ﷺ کے حوالے سے عظمتِ مصطفےٰ ﷺ پر براہِ راست گفتگو سے پہلے لفظ سیرت کی تعریف بیان ہوئی ہے۔ پھر عام انسان کی سیرت اور جانور کی سیرت کے فرق کو واضح کر کے مومن و کافر کے سیرت کی خصوصیات ذہن نشین کرائی گئی ہیں۔ یہ بتانے کے لیے کہ ہر کسی کی سیرت ایک طرح کی نہیں ہوتی۔ درجات و مرتبے کے لحاظ سے سیرتوں میں فرق ہوتا ہے اور یہی فرق اُنکی عظمت کی دلیل ہے۔ سیرتوں کو الگ الگ خانوں میں بانٹنے کا مقصد یہ ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جن خصوصیات کی حامل ہے اُسے واضح کیا جائے۔ اس بحث کی روشنی میں حضور شیخ الاسلام، سیرت نگارانِ رسول ﷺ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ

''اگر تم نبی کی سیرت اور رسول کی سیرت بیان کرنا چاہتے ہو تو ایسی بات کہو جو اس نبی میں موجود ہو دوسرے میں نہ ہو۔ تب تو وہ نبی کی سیرت ہوگی اور اگر دوسرے میں ہوگی تو نبی کے لیے مخصوص بات کیا رہی الغرض نبی کی سیرت یہی ہے جو نبی میں رہے اور غیر نبی میں نہ رہے''

اس لیے کہ نبی کے اُٹھنے بیٹھنے اور جاگنے سونے کا معاملہ اور ہے اور غیر نبی کے اُٹھنے

بیٹھنے کا معاملہ اور ہے۔ اس لیے کہ ''نبی کا عمل وہ ہے کہ اگر سو جائیں تو معجزہ ہو جائے اور جاگیں تو معجزہ بن جائے۔ اس طویل تمہید کا مقصد یہی ہے کہ انسانوں اور اُن میں بھی کافروں و مومنوں اور نبیوں و رسولوں کی سیرتوں کی مختلف خصوصیات سے ہم واقف ہوں اور نبی ﷺ کے فرماں برداروں کے ساتھ ساتھ نبی ﷺ کی عظمت کے باغی اور مشرکین کو عظمتِ رسول ﷺ کا احساس دلایا جائے۔

قرآن و احادیث کے حوالے سے حضور شیخ الاسلام والمسلمین نے عظمتِ مصطفےٰ ﷺ کے بعض پہلوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس سلسلے میں نبی کی بارگاہ کے آداب بھی بتائے ہیں۔ نیز یہ بھی بتایا ہے کہ نبی ﷺ کا ادب کرنے والوں کو کیا مقام عطا ہوا اور بے ادبوں کے ساتھ اللہ رب العزت نے کیا سلوک کیا۔ علّامہ نے مُستند حوالوں سے اس بحث کو بہت وقیع بنایا ہے۔ اس مختصر سے مقالہ میں اُن تمام حوالوں کا احاطہ ممکن نہیں۔ تاہم چند اہم پہلوؤں کی وضاحت و صراحت پر اکتفا کرتا ہوں۔ عظمتِ مصطفےٰ ﷺ کے ضمن میں حضور شیخ الاسلام عرض کرتے ہیں کہ دنیا میں جتنے بھی شہنشاہ، بادشاہ، 'سلطان'، اور حاکم آئے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے دربار کو خود سجایا۔ دربار کے قوانین خود بنائے اور دربار کے آداب خود واضح کیے۔ یہ آداب اور قوانین بس اُن کی حیات تک ہی رہے۔ اُن کی زندگی ختم ہوئی تو قوانین بھی ختم ہو گئے۔ لیکن عظمتِ مصطفےٰ ﷺ واضح کرنے کے لیے دربارِ رسالت مآب ﷺ کے آداب خود خداوندِ قدوس نے مرتب کیے۔ حضور شیخ الاسلام کی اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر خدا چاہتا تو اپنے محبوب ﷺ کو یہ اختیار عطا کرتا کہ آپ ﷺ خود اپنے دربار کے آداب و قوانین مرتب کریں۔ مگر خدا نے ایسا نہیں کیا وہ اس لئے کہ رسول خدا ﷺ جب خود قوانین و آداب واضح کریں گے تو آپ ﷺ کے ارشادات احادیث کا حصہ بن جائیں گے اور جب اس پر صدیاں گذر جائیں گی تو راویوں کا اختلاف احادیث کے تقدس کو مجروح کر دے گا اور احادیث کو ضعیف کہہ کر غیر مقلدین، عظمتِ مصطفےٰ ﷺ کو کہیں جھٹلا نہ دیں۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ادب و احترام کے حوالے سے نبی ﷺ کی عظمت خود بیان کی تاکہ ارشاد باری قرآن کا ایک حصہ بن جائے اور اس سے انکار کی کوئی جرأت نہ کر سکے اور اس کے ثبوت میں حضور شیخ الاسلام نے وہ آیاتِ مقدسہ پیش کی ہیں جو آدابِ مصطفےٰ ﷺ کو بیان کرتی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ ''اے ایمان والو نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو اور نبی کو ایسا نہ پکارو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تمہارے اعمال

چھن جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو'' مصنف نے بے ادبوں اور گستاخانِ رسول ﷺ کے اعتراضات کا جواب قرآنِ مجید ہی سے دیا اور یہ بھی بتایا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، اور حضرت عمر فاروقؓ کا اس سلسلے میں کیا عمل رہا تھا۔ نیز حکمِ ربانی کا بعض صحابہ اکرام پر کیا اثر ہوا۔ اس ضمن میں علاّمہ سید محمد مدنی میاں قبلہ فرماتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے بعد بعض صحابہ کرام اپنے منہ میں کنکریاں رکھ کر نبی کریم ﷺ سے گفتگو کرتے تھے تاکہ آواز دراز نہ ہونے پائے

ادب گاہست زیرِ آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اور آخر میں علاّمہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی عظمت و برتری کو ثابت کیا ہے۔ مختصر یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ اللہ کے محبوب، امام الانبیاء اور مالک و مختارِ کون و مکاں ہیں آپ ﷺ کا ادب حاصل ایمان ہے یہی عظمتِ رسول ﷺ کی دلیل ہے۔

تیسرے خطبے کی ابتداء قرآنِ کریم کی آیتِ مقدسہ ''یا ایھالذین آمنو اتقوا اللہ وابتغو الیہ الوسیلہ وجاھدو فی سبیلہ'' سے ہوتی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں پہونچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو'' اس خطبے میں ایک اہم موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ آج اس پُر آشوب دور میں وسیلے سے انکار کرنے والوں کی مختلف جماعتیں بڑی زور و شور کے ساتھ یہ عقیدہ پھیلانے میں سرگرمِ عمل ہیں کہ اللہ کے سوا کسی سے مدد مانگنا شرک ہے۔ حضور شیخ الاسلام نے اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس خطبہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بیان واضح اور دلائل محکم ہیں۔ نیز عام فہم انداز میں زبان کی لطافت کو برقرار رکھتے ہوئے۔ روزمرہ زندگی میں ہونے والے واقعات سے مثالیں پیش کر کے یہ بتایا ہے کہ کوئی بھی چیز بغیر وسیلے کے مل نہیں سکتی۔ اس لیے کہ اللہ نے ہمیں عالمِ اسباب میں رکھا ہے۔ زمیں سے بلندی پر پہونچنے کے لیے جس طرح ایک زینہ کی ضرورت پڑتی ہے اُسی طرح خدا تک پہونچنے کے لیے رسول و آلِ رسول اور صدیقین و صالحین کی ضرورت پڑے گی، اس لئے کہ جسے منزل کا پتہ نہیں اُسے اگر منزل پر پہونچنا ہے تو منزل کے راستے سے واقف شخص سے مدد لینا دانش مندانہ اقدام ہوگا ورنہ بھٹک جانے کا خطرہ ہے۔ یعنی خدا تک پہونچنے کا کوئی ڈائرکٹ راستہ ہی نہیں ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ وسیلے کی قسمیں مختلف ہوں۔ کبھی

نماز وسیلہ بن جائے اور کبھی صبر وسیلہ بن جائے۔ بہر طور وسیلے کے بغیر نہ دنیا میں کام چل سکتا ہے نہ آخرت میں، اپنی گفتگو کو استحکام بخشنے کے لیے علاّمہ سیّد محمد مدنی میاں قبلہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا ذکر کیا ہے۔ جسمیں حضرت آدم علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو وسیلہ بنایا تھا۔ جس کی برکت سے اُن کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ اس ضمن میں آپ نے امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کا یہ قول پیش کیا ہے کہ ''اے اللہ کے رسول ﷺ آپؐ کی شان وہ ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے آپ کو اپنی مغفرت کا وسیلہ بنایا''۔ اسی طرح سرکار دو عالم ﷺ کے وسیلے سے ہی حضرت ابراھیم علیہ السلام پر آتش کدۂ نمرود کا گلزار بن جانا، حضرت ایوب علیہ السلام کی پریشانی دور ہو جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضور ﷺ کو وسیلہ بنانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خدا تک رسائی کے لیے اور اُس کے انعام و اکرام کو پانے کے لیے وسیلہ تلاش کرنا قرآنی تعلیمات کی رو سے جائز ہے۔ ان مستند واقعات کی روشنی میں علاّمہ سیّد محمد مدنی میاں قبلہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو انبیاء و صحابہ کبھی وسیلہ تلاش نہ کرتے گویا انبیاء کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے اور قرآنی آیات کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دیگر صحابہ کرام نے رسول ﷺ اور آلِ رسول کو وسیلہ بنایا تھا۔ صحابہ کرام کے بعد تابعین اور تبع تابعین، صدیقین صالحین اور بزرگانِ دین نے بھی اسی پر عمل کیا۔ غرض حضور شیخ الاسلام نے اس خطبے کے ذریعے شرک و بدعت کے نام پر پھیلنے والے فتنے کے اثرات کو کم کر دیا ہے۔

چوتھے خطبہ کا عنوان ''فضیلتِ رسول ﷺ'' ہے حسبِ معمول خطبہ کا آغاز کلامِ ربانی سے ہوا ہے ''قد جاکم برھان من ربکم وانزلنا الیہ نورامبینا'' ''رب کی جانب سے برہان آ گیا اور ہم نے تمہاری طرف نورِ مبین کو نازل کیا''

اسی آیاتِ کریمہ کے پیشِ نظر حضور شیخ الاسلام نے ''فضیلتِ رسول ﷺ'' پر مدلل بحث کی ہے۔ سب سے پہلے آیتِ کریم میں آئے لفظ ''برہان'' کی تعریف وتشریح کی ہے۔ اس سلسلے میں علاّمہ فرماتے ہیں کہ برہان کے معنی دلیل یا حجت کے ہیں۔ مطلب یہ کہ ''تمہارے پاس دلیل آ گئی''۔ دلیل کی وضاحت کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اس لفظ کا اطلاق نبی اکرام ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر ہوتا ہے۔ اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے حضور شیخ الاسلام ایک دلچسپ سوال یہ اُٹھاتے ہیں کہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پہلے دعویٰ پیش کیا جاتا پھر اس دعوے کی دلیل پیش کی جاتی اس لے کہ دلیل پیش کرنے کا یہی طریقہ کار رہا ہے اس کا جواب خود ان الفاظ میں دیتے

ہیں کہ ''اسلام کا دعویٰ ہے لا الہ الا اللہ'' اوراس دعوے کی دلیل ہے ''محمد رسول اللہ'' ۔آگے عرض کرتے ہیں کہ پہلے دلیل کو سمجھیں ۔دلیل بھی ایسی قوی ہے کہ اس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا اس لیے کہ یہ رب کی دلیل ہے۔

اس عالمانہ بحث کا مقصد یہ ہے کہ فضیلتِ رسول ﷺ واضح ہوجائے یعنی دعوے کے ساتھ ساتھ دلیل کی فضیلت بھی آشکار ہوجائے ،اسی طرح خطیب مکرم نے اورکئی آیاتِ کریمہ کو پیش کیا ہے جن میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے فضائل بیان ہوئے ہیں ان کے علاوہ اُس معروف آیت کریمہ'' قل انما انا بشر'' مثلکم '' کے آسان ترجمہ کو پیش کرکے یہ بتایا ہے کہ غیر مقلدین جس مفہوم میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں ۔وہ مفہوم گمراہ کن ہے ۔اس آیت کی مزید تشریح کرتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں کہ اس آیت کے مخاطب رسول کریم ﷺ ہیں ۔اوررسول ﷺ سے کہا جارہا ہے کہ کافروں سے کہہ دو میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں ۔کوئی ایمان والا ایسا نہ ملے گا جو نبی کو بشر نہ مانے ۔ نبی کو بشر نہ ماننے والا کافر ہے ۔مگر بشر، بشر میں امتیاز ہوتا ہے ۔ہم بشر ہیں ،آپ ﷺ خیر البشر ،ہم خاکی بشر ہیں اور آپ ﷺ نوری بشر ہیں ۔ہم صرف بشر ہیں اور آپ ﷺ نبی ورسول ہیں ۔

مختصر یہ کہ اس خطبے میں مختلف آیات وواقعات اور مثالوں کے ذریعہ علاّ مہ سیّد محمد مدنی میاں قبلہ نے ''فضیلتِ رسول ﷺ'' کا احاطہ کیا ہے ۔اس کو پڑھنے کے بعد رسول ﷺ کی فضیلت وعظمت ہمارے دلوں پر نقش ہوجاتی ہے

پانچویں خطبے کا موضوع ''علمِ غیب'' ہے اس خطبے میں سرکار دو عالم ﷺ کے علمِ غیب پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے ۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو ایک زمانے سے زیر بحث رہا ہے ۔ نبی اکرم ﷺ کے علمِ غیب سے انکار کرنے والے ہر دور میں رہے ہیں اور ایسے علماء کی بھی کمی نہیں رہی جنہوں نے ہر محاذ پر نہ صرف منکرانِ علمِ غیب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا بلکہ حضو ﷺ کے علمِ غیب کو ثابت بھی کیا ہے ۔رد و قبول کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے ۔اس خطبے کے توسط سے حضور شیخ الاسلام نے غیر مقلد علماء کے شبہات کو نہ صرف دور کیا ہے بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ ثابت کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو تمام انبیاء سے زیادہ علمِ غیب عطا کیا ہے ۔غیب کی حقیقت سے روشناس کرانے کے لیے علاّ مہ نے خطبہ کی ابتداء ایک ایسی بحث سے کی ہے جو ہمارے لیے غیب ہے ۔اس سلسلے میں آپ نے عالمِ ارواح اور عالمِ آخرت کا ذکر کیا

ہے جو ہم سے پوشیدہ ہے۔ اور ہم جس عالم میں رہتے ہیں وہ ہم پر عیاں ہے اور وہ عالمِ اجسام ہے یعنی دو عالم ہم سے مخفی ہیں اور یہ عالم ہم پر عیاں ہے۔ اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے علاّمہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسی قوتِ ادراک نہیں ہے کہ ہم عالمِ ارواح اور عالمِ آخرت کو سمجھ سکیں۔ پھر ہم سے یہ مطالبہ بھی کیا جا رہا ہے کہ ہم غیب پر ایمان لائیں۔ اس لیے کہ مومن غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ''یومنون بالغیب''۔

حضور شیخ الاسلام نے مندرجہ بالا بحث کو پیش کر کے اس نکتہ پر ہماری توجہ مرکوز کرانا چاہی ہے کہ نبی کی بعثت کی غرض وغایت میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ ہمیں عالمِ ارواح کی بھی خبر دیں اور عالمِ آخرت کی بھی۔ اس لیے کہ ربِ قدیر نے اپنے نبی ﷺ کو ایک قوتِ قدسیہ عطا فرمائی ہے کہ نبی جس طرف متوجہ ہو جائیں، سب منکشف ہو جائے۔ قدرت کے اسی عطیہ کی بنا پر نبی ﷺ غیب کی باتیں بتاتے رہے ہیں۔

اس ضمن میں حضور شیخ الاسلام نے سیرت النبی ﷺ سے کئی واقعات پیش کیے ہیں جو حضور ﷺ کے علمِ غیب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس کی تصدیق کے لئے مصنف نے حضور ﷺ کے دو قبروں پر سے گذرنے کا واقعہ پیش کیا ہے۔ ان قبروں کے اندر عذاب ہو رہا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس غیب کی اطلاع اصحاب کرام کو دی اور یہ بھی بتایا کہ عذاب کس وجہ سے ہو رہا ہے۔ اس واقعہ سے حضور شیخ الاسلام کو یہ بتانا مقصود ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی نظر عالمِ برزخ پر تھی۔ عالمِ برزخ کے تمام حالات آپ ﷺ پر عیاں تھے۔ اس ایک واقعے سے تین غیب کی باتیں سرکار ﷺ نے بتا دیں۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے حضور شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ قبر میں عذاب کا ہونا ایک غیب ہے۔ اور کس وجہ سے ہو رہا ہے دوسرا غیب اور جب تک یہ ٹہنیاں سبز رہیں گی عذاب موقوف رہے گا یہ تیسرا غیب ہے۔ اسی طرح اور کئی واقعات اس خطبے میں پیش ہوئے ہیں۔ ان میں یہ واقعہ بھی شامل ہے کہ حضور ﷺ مدینے میں بیٹھ کر مدینے سے دور ہونے والی جنگ کا حال بیان کر رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت جبرئیلؑ کے حوالے سے بھی علاّمہ نے حضور ﷺ کے علمِ غیب کو ثابت کیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ کبھی انسانی شکل میں بھی حاضر ہوتے اور حضور ﷺ سے گفتگو کے بعد لوٹ جاتے، صحابہ کرام کو پتا بھی نہ چلتا کہ آنے والا کون تھا اور کیا پیغام دے گیا۔ مگر نبی ﷺ کو علم ہو جاتا کہ آنے والے حضرت جبرئیل تھے۔

بہر کیف قرآن ،احادیث اور اقوالِ صحابہ کرام کی روشنی میں حضور شیخ الاسلام نے نہایت ہی تفصیل کے ساتھ رسول ﷺ کے علمِ غیب کو واضح کیا ہے۔اور اس موضوع کا حق ادا کر دیا ان مستند حقائق کی وضاحت وصراحت کو پڑھنے کے بعد کوئی کلمہ گو بھی نبی ﷺ کے علم غیب سے انکار کرتا ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ مومنوں کی جماعت کا فرد نہیں ہے۔اور اُس کا تعلق منافقین سے ہے۔یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔علمِ رسول ﷺ پر اعتراض کرنے والے منافقین بھی ہیں اور اعتراضات کے تسلی بخش جواب دینے والے علمائے اہلِ سنت بھی ہیں۔

''رحمتِ عالم'' چھٹویں خطبہ کا عنوان ہے۔دنیا میں جتنے بھی انبیا کرام تشریف لائے اللہ تبارک وتعالی نے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ کمالات وصفات سے نوازہ تھا نبی کریم ﷺ کو دیگر کئی صفات کے ساتھ ساتھ ایک ایسا عظیم وصف بھی عطا ہوا جو دوسرے انبیاء کے حصے میں نہ آیا۔قرآنِ مجید میں اس وصف کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔''وماارسلناک الارحمۃ العلمین''

چھٹویں خطبہ میں حضور شیخ الاسلام نے اسی آیتِ کریمہ کو گفتگو کا موضوع بنایا ہے۔اس آیتِ مقدسہ کے آسان ترجمے سے اس خطبے کا آغاز ہوا ہے۔''اے محبوب ہم نے تمہیں نہیں بھیجا، لیکن ساری عالموں کے لیے رحمت بنا کر'' آیتِ ھذا کی تشریح وتفسیر میں مصنف نے چند دلچسپ نکات کی طرف اشارہ کیا ہے۔اس کی ابتداء مُرسِل ،مُرسل اور مُرسَل الیہ کی وضاحت سے ہوئی ہے۔فرماتے ہیں مُرسِل کے معنی ارسال کرنے والے یا بھیجنے والے کے ہیں۔یعنی خالق کائنات،جبکہ مُرسَل کے معنی ارسال کیا گیا یا بھیجا ہوا مراد رسول عربی ﷺ وسلم کی ذاتِ اقدس اور مُرسَل الیہ کے معنی ہیں جس کی طرف بھیجا جائے۔یعنی عالمین کی طرف،

آیت ھٰذا کی تشریح کے لیے مذکورہ الفاظ کی تفہیم ضروری تھی تاکہ ترجمہ آسان بھی ہو اور نفسِ مضمون بھی پوری طرح ادا ہو جائے۔اسی طرح حضور شیخ الاسلام نے لفظ''رحمت'' اور عالمین کی بھی وضاحت کی ہے فرماتے ہیں رحمت کے معنی مہربانی کے ہیں۔اور عالمین سے مراد سارے عالم ہیں۔یعنی جتنے عالموں کو اللہ نے پیدا فرمایا۔عالمین کی وسعت کو سمجھانے کے لیے حضور شیخ الاسلام،رب العالمین کی ترکیب پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جہاں جہاں رب کی ربوبیت ہوگی وہاں وہاں نبی ﷺ کی رحمت ہوگی۔اور یہ رحمت زماں ومکاں کی قیود سے آزاد ہے۔یعنی ہر جگہ رحمت اور ہر لمحہ رحمت اور ہر کسی کے لیے رحمت۔

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو

تم ایسے رحمۃ للعلمین ہو

اس ضمن میں حضور شیخ لااسلام نے سیرتِ رسول ﷺ سے متعدد دواقعات پیش کئے ہیں۔مثلاً میدانِ طائف میں پتھر برسانے والوں کے ساتھ آپ ﷺ نے جو معاملہ فرمایا اگر چہ اللہ نے ایک فرشتے کو آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر میرے محبوب کی اجازت ہو تو طائف کو مٹادو۔تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت نہیں فرمائی اور دعا فرمائی کہ ''اے اللہ انھیں ہدایت دے۔ایمان والا بنا، اگر ان کے مقدر میں ایمان نہیں ہے تو کم از کم ان کی پشتوں میں ایک خدا کی عبادت کرنے والے پیدا فرمادے'' تاریخ گواہ ہے کہ نبی ﷺ کی دعا سے انہی کافروں کی اولاد نے اسلام قبول کیا اس سے آپ ﷺ کی شان بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے اس لئے حضور شیخ الاسلام اپنے خطبے میں فرماتے ہیں

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں کسی عالم میں رہ جاتے

یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے حضور شیخ الاسلام ،فتحِ مکہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔کہ فتحِ مکہ کے بعد کفارِ مکہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اب ہماری خیر نہیں۔مسلمان ہم سے ضرور انتقام لیں گے ،مگر اللہ کے رسول ﷺ نے انتقام لینے کی بجائے عام معافی کا اعلان فرمادیا۔رحمت کی اس سے بڑی پیش کش کیا ہوسکتی ہے جب نبی ﷺ نے فرمایا جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اُسکو بھی امان ہے۔اپنے خطبے کو وقیع بنانے کے لے حضور شیخ الاسلام ،مستند واقعات کا سہارا لیتے ہے۔اور جہاں کہیں موقع ملتا ہے وہاں کچھ اہم نکات پر بھی روشنی ڈالتے جاتے ہیں۔ جس پر عام عالم وخطیب کی نظر پہنچ نہیں پاتی ،مثلاً حضور شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ رحمت کے لئے مہربان ہونے والے کا حاضر وناظر ہونا ضروری ہے۔جو عالم میں موجود ہی نہ ہو۔وہ کسی کے لیے مہربان نہیں بن سکتا۔مصنف نے یہاں سنی علماء کے اُس نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے کہ ہمارے رسول ﷺ حاضر وناظر ہیں۔یعنی باحیات ہیں ،سب کے قریب ہیں ،سب کو دیکھ اور سُن رہے ہیں نیز کوئی عالم آپ ﷺ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ہر عالم پر آپ ﷺ کی رحمت برس رہی ہے۔اور رحمت کا یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ آپ ﷺ میدانِ حشر میں بھی اپنے اُمتیوں کے ساتھ ساتھ دوسرے انبیاء کی اُمتوں کے لیے بھی رحمت بنیں گے۔شفاعت کا دروازہ اُن کے لے بھی کھول دیا جائے گا۔

''رفعت مصطفےٰ ﷺ '' ساتویں خطبہ کا عنوان ہے۔ اگرچہ چوتھا خطبہ بعنوان فصیلتِ مصفطےٰ ﷺ اور خطبہ ءھذا ''رفعتِ مصفطےٰ ﷺ'' موضوع کے اعتبار سے کچھ معنوی فرق کے ساتھ یکساں ہے۔لیکن حضور شیخ الاسلام نے دونوں خطبوں کے مواد کے درمیان خطِ امتیاز کھینچا ہے تاکہ مضمون کی تکرار نہ ہو۔اس لیے اس خطبہ میں رفعت ودرجات مصطفےٰ ﷺ کا تذکرہ ہوا ہے۔اس خطبے میں یہ خصوصیت ہے کہ اللہ نے بعض نبیوں پر جو فضیلت آپ ﷺ کو عطا کی اور اُن کے درجات کو بلند کیا اُن کا احاطہ کیا گیا ہے۔حضور شیخ الاسلام نے اس بات کو ذہنشین کرانے کے لیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا مقام سارے انبیاء سابقین میں بلند و بالا ہے سب سے پہلے انبیاء کے درجات اوران کی فضیلت ورفعت کو بیان کیا ہے۔اُن کے علم وکمالات اوراختیار واقتدار کو بتائے ہوئے۔امامِ الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کس قدر رفعت وبلندی عطا کی ہے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

اس سے قبل حضور شیخ الاسلام نے فصیلت ورفعت کی علمی نقطۂ نظر سے تعریف بیان کی ہے اور یہ بتایا کہ یہ الفاظ بالکل ملتے جلتے لگتے ہیں۔مگر معنوی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔رفعت کے وسیع مفہوم کو واضح کرنے کے لیے فصیلت ،شرافت اور کرامت کی تعریف بیان کی ہے۔کہتے ہیں کہ فصیلت کا تعلق علم سے ہے،شرافت کا نسب سے اور اسراحت کا تعلق للہ کے فضل سے ہے۔لیکن رفعت ایک ایسا لفظ ہے جس میں عظمت بھی ہے،شرافت بھی ہے،فصیلت بھی ہے اس لیے قرآنِ مجید میں رسول اللہ ﷺ کی شان وشوکت کو ظاہر کرنے کے لے اللہ نے یہ وسیع معنیٰ رکھنے والے لفظ کا انتخاب کیا ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ رحمت اللعالمین فضیلت میں بھی ممتاز ،شرافت میں بھی ممتاز ہیں اور عظمت وکرامت میں بھی ممتاز ہیں الغرض ہر ہر چیز میں ممتاز ہیں۔ ''ورفع بعضھم درجات''

رفعتِ رسول ﷺ کے بیان میں حضور شیخ الاسلام نے قرآن اور مستند احادیث کو ہی ترجیح دی ہے۔اس کے علاوہ دیگر آسمانی کتابوں میں سرکار دوعالم ﷺ کا جو ذکر کیا گیا ہے اُن کو بھی اس خطبہ میں جگہ دی ہے۔ نیز رفعت مصطفیٰ ﷺ کے پیشِ نظر انبیاء کرام کے وہ واقعات پیش کیے ہیں۔جن کا براہِ راست تعلق حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے ہے۔یعنی انبیاء کرام نے آپ ﷺ کے وسیلے سے جو دعائیں مانگی تھیں جن کو اللہ نے قبول بھی فرمایا تھا اُن کا ذکر بھی کیا ہے۔اور یہ بتایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ے لیکر حضرت عیسیٰعلیہ السلام تک ایسا کوئی نبی

نہیں ملے گا جس نے نبی ﷺ کو یاد نہ کیا ہو۔ جس نے نبی ﷺ کا ذکر نہ کیا ہو۔ وہ اس لیے کہ اللہ نے آپ ﷺ کے درجوں بلند فرمایا ہے۔

آپ ﷺ کی رفعت کے چرچے روزِ ازل ہی سے ہو رہے ہیں۔ اور اللہ کی مقدس کتابوں میں ان کو دہرایا جارہا تھا کہ ''یہ میرا محبوبِ خاص ہے جن کے لیے میں نے زمین آسمان کو آراستہ کیا ہے۔ آپ ﷺ سب سے آخر میں مبعوث ہونگے۔ نبیوں اور رسولوں نے سمجھ لیا کہ یہ آخر میں آنے والا ہر اعتبار سے ہم سب سے افضل ہے''۔

'' محبتِ اہلِ بیت'' خطبات برطانیہ'' کا آٹھوں خطبہ ہے۔ قرآنِ مجید کی معروف آیت کریمہ ''قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودہ فی القربیٰ'' کو بنیاد بنا کر اس موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''اے محبوب ﷺ تم ان سے کہہ دو کہ میں نے دعوت وتبلیغ کا جو فریضہ ادا کیا ہے۔ اس کا کوئی اجر نہیں چاہتا۔ اپنی اہل بیت اپنی قرابت اپنی ذریات کی محبت کے سوا۔ صرف میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میری آل سے محبت کرو'' آیتِ ھذا کے شانِ نزول سے متعلق حضور شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ ایک اعلان ہے جو زبانِ رسالت مآب ﷺ سے کرایا جارہا ہے۔ پھر آپ ﷺ پر کفار نے جو ظلم وستم ڈھائے تھے۔ جو اذیتیں پہونچائی تھیں اُن کا مختصر تذکرہ کر کے حضرت نے اللہ کے رسول ﷺ کے مشن کی طرف اشارہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ سرکارِ کونین ﷺ کی مبارک زندگی کا مقصد صرف یہ تھا کہ نسلِ انسانی کو شرک سے روکا جائے اور ان کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا جائے۔ اس کے لیے نہ آپ ﷺ کوئی صلہ چاہتے ہیں اور نہ کسی اجر کے اُمیدوار ہیں۔ اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے حضور شیخ الاسلام نے ایک حدیث کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے کہ اگر سرکارِ دوعالم ﷺ کوئی صلہ چاہتے تو مشرکینِ عرب کی پیش کش ٹھکرا کر یہ نہ فرماتے کہ ''تم میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند بھی لاکر رکھ دوگے تو میں اپنے کام سے باز نہ آؤں گا۔ مطلب یہ کہ آپ ﷺ اپنی اُمت سے کوئی مادّی فائدے کے خواہش مند نہیں ہیں۔ سوائے اس کے کہ ہم اہل بیت سے محبت کریں۔ اس ضمن میں حضور شیخ الاسلام نے یہ سوال بھی اُٹھایا ہے کہ اہلِ بیت سے محبت کا آخر اس قدر اصرار کیوں ہے۔ جب کہ دیگر انبیاء کرام نے اپنی قوم سے کوئی بدلہ نہیں چاہا تھا۔ تو امام انبیاء کے لیے یہ بات کیسے زیب دیتی کہ آپ ﷺ اُمت سے صلہ چاہتے پھر خود جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور رسول ﷺ کا اُمت سے کچھ طلب کرنا بھی اُمت کے نفع کے لیے ہے۔

اس کی فلاح اس میں مضمر ہے۔اسی لیے اہل بیت سے محبت کا اصرار ہو رہا ہے۔

حضور شیخ الاسلام نے اس موضوع پر بحث کرنے سے پہلے لفظ ''محبت' کی جو تشریح فرمائی ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔فرماتے ہیں کہ ''محبت ایک کیفیت ہے۔جس کا دل، جذبہء محبت سے خالی ہے وہ محبت کے صحیح مفہوم کو سمجھ نہیں سکتا''۔مثال سے اس بات کو یوں سمجھاتے ہیں کہ وہ شخص جو عشق کی گرمی کو محسوس نہ کرتا ہو یا کبھی عشق میں گرفتار نہ ہوا ہو۔وہ حضرت بلال حبشیؓ کے عشق کو کیا سمجھ سکے گا اس لئے اصرار ہو رہا ہے کہ

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر۔

کنارے سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

آگے مزید فرماتے ہے کہ محبت محتاجِ دلیل نہیں ہوا کرتی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اجرِ رسالت کے طور پر اہل بیت کی محبت کو مانگ لیا۔اور رسول ﷺ نے ان کی دوستی کو اپنی دوستی قرار دیا، ان کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا اور ان سے عداوت کو اپنی عداوت قرار دیا، اس سلسلے میں حضور شیخ الاسلام نے اہلِ بیت کے صفات بیان کرتے ہوئے ان سے محبت اور ان کی اطاعت کو ضروری قرار دیا ہے۔

خطبات برطانیہ کا آخری اور نواں خطبہ ایک ایسے موضوع کا احاطہ کرتا ہے۔جو ہمیشہ علماء کرام کے زیر بحث رہا ہے۔اس خطبہ میں تاجدارِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بشریت پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے

حضور شیخ الاسلام نے آیت مبارکہ ''اللہ نور السمٰوات والاض ط مثلُ نورہ کمشکواۃ فیھا مصباح المصباح فی رزات زجاجۃ''

کے پیشِ نظر چند اہم نکات کی طرف توجہ دلائی ہے۔اس خطبہ کی ابتداء آیاتِ ھذا کے ترجمے سے کی ہے کہ ''اللہ تمام آسمانوں اور تمام زمین کا نور ہے۔اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق اور اُس میں چراغ اور وہ چراغ بھی کسی فانوس میں ہے''۔اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں حضور شیخ الاسلام نے ایک سوال یہ اُٹھایا ہے کہ اللہ کی کوئی مثال نہیں تو یہاں بے مثال نور کی مثال کیوں پیش کی جا رہی ہے۔اس ضمن میں آپ فرماتے ہیں کہ قرآن میں کچھ حرف مرکب اور کچھ حرف مفرد ہیں۔حروف مفردات وہ ہیں جن کے معانی سے ہم واقف نہیں جیسے الٓمّٓ حٰم عسق الٓر وغیرہ جس نے نازل کیا وہ جانتا ہے اور جن پر نازل کیا گیا وہ جانتے ہیں۔حروفِ

مرکبات وہ ہیں جس میں چند کلموں کی مدد سے ایک مضمون تیار ہوتا ہے۔اس میں بھی کچھ آیتیں ایسی ہیں جن کو قرآنی اصطلاح میں محکمات ومتشابہات کہا جاتا ہے متشابہ کی تعریف میں عرض کرتے ہیں کہ اگر ظاہری معنی کو لیا جائے تو کسی شان والے کی شان گھٹ جائے، یا وہ معنیٰ کسی محکم آیت سے ٹکرا جائے مثلاً ''مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح'' ''اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق اوراس میں چراغ'' اس آیت سے جو معنی ظاہر ہورہے ہیں وہی مراد لے لیں تو یہ حکم آیت سے ٹکرائے گی ''لیس کمثلہ شئ'' اللہ کی تو کوئی مثال ہی نہیں۔اس تفصیلی صراحت سے علاّمہ سیّد محمد مدنی میاں قبلہ یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ''متشابہ آیت کے بظاہر جو معنی ہوں۔وہ مراد نہ لیں یعنی جو ظاہر ہو وہ مراد نہ ہو اور جو مراد ہو وہ ظاہر نہ ہو''۔

یہ مذکورہ بالا بحث جو تمہید کے طور پر پیش کی گئی ہے۔یہ بتانے کے لیے کہ قرآن کی چند آیات ایسی ہیں جو بظاہر ایک معنیٰ دیتی ہیں۔جبکہ اُن معنوں میں اُن کا نزول نہیں ہوا ہے۔مثال میں قرآن مجید کی معروف آیت کریمہ ''قل انما انا بشر''،''مثلکم'' پیش کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس آیت مبارکہ کے مخاطب اہل ایمان نہیں بلکہ کافر ہیں۔اور حضور ﷺ مشرکین سے مخاطب ہوکر کہہ رہے ہیں کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔اس کے باوجود کوئی مسلمان کافروں کو یہ کہنے کا حق نہیں دے گا کہ وہ ہم سے کہیں کہ تمہارا رسول ہماری طرح ہے۔یا ہم تمہارے رسول کی طرح ہیں۔یہاں شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ جن کو رسول ﷺ نے مخاطب کیا تھا اُن کو جب یہ حق آپ نہیں دے رہے ہیں کہ وہ رسول ﷺ کو اپنی طرح کہیں تو اُن غیر مقلدوں کو یہ حق کہاں سے مل گیا کہ رسول کو اپنے جیسا کہیں۔خلاصہءکلام یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ بھی متشابہ کی تعریف میں آتی ہے۔اس لیے بظاہر جو معنی مراد ہوں وہ مراد نہ لیں کیونکہ ظاہر معنی سے شان والے کی شان گھٹتی ہے اور منزل والے کی منزل میں فرق آتا ہے۔پھر فرماتے ہیں کہ اگر قرآن کو ظاہری معنیٰ بتانا ہوتا تو براہِ راست یہ کہا جاتا کہ ''اے لوگو میرا رسول تمہاری طرح ہے'' مگر ایسا نہیں کہا بلکہ آپ ﷺ کی زبان سے کہلوایا کہ '' آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں آپ ہی کی طرح بشر ہوں'' حضرت شیخ الاسلام طنزیہ انداز میں غیر مقلدوں سے پوچھتے ہیں کہ تم سے کب کہا گیا کہ تم کہو یعنی اہل ایمان یہ گوارہ نہیں کرتے کہ رسول کو اپنے جیسا کہیں۔

اپنی گفتگو کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے حضور شیخ الاسلام نے ذاتِ اقدس سرکارِ دو عالم ﷺ کی تین صوری حیثیتوں کو پیش کیا ہے۔ایک صورتِ بشری، دوسری صورتِ ملکی اور تیسری

صورتِ حقی ہے۔ پھران کی وضاحت بھی کردی کہ صورت بشری وہ ہے جس صورت میں آپ ﷺ ہمارے سامنے جلوہ گر ہیں،صورت ملکی وہ ہے کہ آپ ﷺ دنیاوی و مادّی کھانے پینے کی چیزوں سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔ذکرِ الٰہی اور تسبیح ربانی آپ ﷺ کی غذابن جاتی ہے۔ اور جب صحابہ اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں تو اللہ کے رسول ﷺ یہ کہہ کرانھیں روک دیتے کہ ''میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔ میں تو اپنے رب کے یہاں شب باشی کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے''۔صورتِ حقی وہ ہے جہاں آپ ﷺ اپنے رب کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جہاں ملکِ مقرب کوبھی آنے کی اجازت نہیں مطلب یہ کہ آپ ﷺ عالمِ بشریت میں لباسِ بشر میں نظر آرہے ہیں۔عالمِ ملکوت میں لباسِ ملکی کے ساتھ دیکھے گئے اور جب عالمِ لاہوت میں پہونچے تو لباسِ حقی میں ظاہر ہوئے۔

اسی مفہوم کوحضور شیخ الاسلام نے ایک اور کسی خطبہ میں جو اس کتاب میں شامل نہیں ہے فرمایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے نور ہیں اور اللہ نے اس نور کو بشری لباس میں مبعوث فرمایا۔ اس لیے کہ بشر کی ہدایت مقصود تھی۔اپنی بات کوواضح کرنے کے لئے شیطان کی اُس صورت کا ذکر کیا ہے کہ کبھی کبھی شیطان بھی انسانوں کو بہکانے کے لئے انسانی شکل میں ظاہر ہوتا ہے حضور شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ شیطان جب کچھ دیر کے لئے لباسِ بشر میں آئے تو اُس کی ناری حقیقت نہیں بدلتی وہ نار کا نار ہی رہے گا۔تو سرکاردوعالم ﷺ صرف 63 سال تک لباسِ بشر میں رہیں تو آپ ﷺ کی نورانیت کیسے ختم ہوسکتی ہے۔

مختصر یہ کہ جس آیتِ کریمہ کواس خطبہ کا موضوع بنایا گیا تھا اُسی آیتِ کریمہ کے مفہوم کو دہراتے ہوئے خطبے کا اختتام کیا ہے۔ کہ نبی کا نور لباسِ بشر میں ہے اور لباسِ بشر میں نور کی حقیقت کبھی نہیں بدلتی

آنکھ والوں سے اے بے بصر پوچھ لے

میرا سرکار نور'' اعلیٰ نور ہے

''خطبات برطانیہ'' کے نو خطبات حضور شیخ الاسلام کے عمیق مطالعہ وفکر کا نچوڑ ہیں ان کے خطبات کی شان یہ ہے کہ وہ علمیت اور ادبیت سے لبریز ہوتے ہیں۔آپ جس موضوع کا انتخاب کرتے ہیں۔ اُس کا حق ادا کردیتے ہیں۔ مطالب کی ادائیگی کے لیے مناسب الفاظ کا استعمال آپ اس خوبی سے کرتے ہیں کہ نفسِ مضموں پوری طرح سے واضح ہوجاتا ہے۔اوراس

سے جہاں ذی شعور طبقہ آپ کے خطبات کی خطابت وعبارت پر سر دھنتا ہے وہیں ایک عام قاری یا سامع بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور غالب کی زبان میں یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ

کلامِ جاں ہے غالب اُن کی ہر بات

عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

علاّمہ سیّد محمد مدنی میاں قبلہ کو عربی فارسی اور اردو زبان پر قدرت حاصل ہے۔ موقع و محل کے لحاظ سے آپ تشبیہات' استعارات، تراکیب، محاوروں اور کہاوتوں کو اس خوبی سے برتتے ہیں کہ عبارت بہت دلکش اور شگفتہ ہو جاتی ہے۔ خطبات کی زبان سلیس و عام فہیم ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت شریں، صاف اور رواں ہوتی ہے۔ اسی میں آپ کی خطابت کا راز مضمر ہے۔

خطابت کی ایک خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ موضوع کی مناسبت سے خیالات میں ربط وتسلسل وتوازن پایا جائے۔ اس لیے کہ جیسا میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ خطیب جو کچھ کہتا ہے وہ extempore کہتا ہے۔ موضوع کے تمام نکات اس کے ذہنی پردے پر محفوظ رہتے ہیں۔ اس لئے یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ خیالات کا تسلسل کہیں بکھر نہ جائے۔ لیکن حضور شیخ الاسلام کے خطبات کو پڑھ جایئے تو یہی محسوس ہوگا کہ خیالات ہاتھ باندھے قطار اندر قطار کھڑے ہوئے ہوتے ہیں اور علاّمہ ترتیب وار ایک ایک کڑی کو روانی کے ساتھ جوڑتے جاتے ہیں۔ اگر چہ مختلف مواقع پر بعض علمی نکات کی وضاحت کے لیے آپ کی گفتگو حاشیے میں چلی جاتی ہے۔ لیکن جب اپنا مطلب پورا ہو جاتا ہے تو پھر اصل موضوع کی طرف لوٹ آتے ہیں جہاں سے سلسلۂ کلام منقطع ہوا تھا۔ ورنہ ہم نے متعدد مقررینِ شعلہ بیان کو سنا اور پڑھا ہے کہ جب وہ کبھی خیالات کی پٹری سے اُترتے ہیں تو بڑی مشکل سے اپنی اصل راہ پر واپس آتے ہیں۔ جس سے ربطِ کلام متاثر ہوتا ہے۔

آپ کی خطابت کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ آپ ہر خطبے کے آغاز واختتام پر عنوان کے پیش نظر چند اشعار پیش کرتے ہیں۔ تخاطب کا یہ شعری اسلوب ابتداء ہی میں ہی سامعین کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ اور شعری وسائل سے کام لینے کا یہ سلسلہ ''خطبات برطانیہ'' میں جا بجا ملتا ہے۔ آپ بڑی بے تکلفی اور برجستگی کے ساتھ اردو و فارسی اشعار کا استعمال کرتے ہیں۔ شعروں کی قرآت کا انداز یہ ہوتا ہے کہ تشریح و وضاحت کے بغیر بھی ایک عام سامع علاّمہ کے موقف سے واقف ہو جاتا ہے۔

سیرت النبی ﷺ کے اجلاس میں ہر خطیب بارگاہِ رسالت ﷺ میں درودوسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہے۔حضور شیخ الاسلام کے خطبات بھی نذرانہء درودوسلام سے مزین ہیں۔اس اضافے کے ساتھ کہ آپ جہاں کہیں کسی علمی نکتہ پر اپنی بات پُر جوش انداز میں مکمل کرتے ہیں تو لاشعوری طور پر آپ کے لبوں پر ترانہء درودوسلام جاری ہوجاتا ہے۔

اللّٰھُمہ صلی علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ ال سیدنا محمد وبارک وسلم

اور سامعین بھی جھوم جھوم کر درودوسلام کا نذرانہ پیش کرنے لگتے ہیں۔

خطیب میں ایک خوبی یہ بھی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے سامعین کو تقریر کے اختتام تک باندھے رکھے،معدودے چند ہی خطیب ایسے ملیں گے جو اپنے مخصوص اندازِ خطابت سے لاکھوں کے مجمع کو اپنی طرف متوجہ رکھتے ہیں۔ایسے باوقار خطباء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ کا خطاب ختم ہوتا ہے تو سامعین من ہی من میں کہنے لگتے ہیں کہ یہ سلسلہ کلام کچھ دیر اور چلتا رہتا تو اچھا تھا۔

حضور شیخ الاسلام کے خطبات کی اور بھی بے شمار خصوصیات ہیں جو اس مقالے میں جگہ پانے سے رہ گئی ہیں۔آپکی خطابت کی ایک اور امتیازی خصوصیت کی طرف اشارہ کرکے اپنی بات ختم کرونگا۔یعنی خصوصاً آپ کی تقریروں میں طنز ومزاح کی جو چاشنی پائی جاتی ہے اس نے ان خطبات کو زندۂ جاوید بنادیا ہے۔’’خطبات برطانیہ‘‘ میں اس کی اچھی مثالیں مل جاتی ہیں،کوئی خطبہ ایسا نہیں جہاں مولانا نے اس رنگِ خاص کا استعمال نہ کیا ہو عموماً مجالس ومحافل کے خطبات کا اندازِ تخاطب تحریری خطابات کے طرزِ تحریر سے جدا ہوتا ہے اس فن سے آپ بخوبی واقف ہیں۔اس لیے آپ حسبِ ضرورت اپنے خطبات میں طنز ومزاح سے کام لیتے ہیں۔جس سے نہ صرف اپنے موقف کے اظہار میں انھیں مود ملتی ہے بلکہ سامعین کی دلچسپی کا ساماں بھی پیدا ہوتا جاتا ہے۔یوں تو دوسرے مقررین بھی طنز ومزاح کی آمیزش سے اپنے خطبات کے حسن کو بڑھاتے ہیں۔لیکن ان کے طنز میں اتنی تُرشی وتلخی ہوتی ہے کہ یہ وصف عیب میں تبدیل ہوجاتا ہے۔مگر علاّمہ کے یہاں اعلیٰ درجے کی ظرافت ملتی ہے۔جب آپ غیر مقلدوں پر طنز کے تیر برساتے ہیں تو ،تذلیل ورسوا کرنا آپ کا مقصد نہیں ہوتا بلکہ اُن کی اصلاح آپ کے پیش نظر رہتی ہے۔اس کے لیے آپ احسن طریقہ اپناتے ہیں۔اور ایسے بھونڈے وبھدے الفاظ کے استعمال سے آپ گریز کرتے ہیں جو سماعت پر گراں گزرتے ہیں۔کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے فقروں سے اور کبھی لفظوں

کے اُلٹ پھیر سے اور کبھی تلفظ میں ترمیم سے ظرافت پیدا کرتے ہیں۔ جسے سن کر غیر مقلد بھی زیرِ لب مسکراتے ہیں اور ہنستے ہستے طنز میں چھپی اُس چھبن کو محسوس کرتے ہیں جس کی طرف آپ اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

مثلاً ابو جہل اور ابولہب کے خیالات ونظریات کی پیروی کرنے والے کی طرف اشارہ کرنا ہوتو اُسے کبھی ابوجہلی کہہ دیا اور کبھی ابولہبی کہہ دیا۔تو کبھی دوٹانگ والے خناس کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ایسی کئی مثالیں ''خطبات برطانیہ'' سے دی جاسکتی ہیں۔لیکن صرف دو اقتباسات پر ہی اکتفا کروں گا۔

''شیرنی حلال وطیب چیز،حلال و پاکیزہ کمائی سے حاصل کی ہوئی چیز،مگر رسول کا نام اس میں آگیا تو اب وہ حرام ہوگئی اور اس کے بعد اس کو تقسیم کیا تو یہ بھی برا لگتا ہے۔میں نے سنا ہے کہ صرف کہنے کو برا لگتا ہے۔ملتا ہے تو خوب کھاتے ہیں۔''

''خناس وہ ہے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالے۔ وہ کون ہوتا ہے'' من الجنۃ والناس'' وہ جن بھی ہیں اور انسان بھی۔تو یہ نہ سمجھ لینا کہ خناس کے دو سینگ ہوتے ہیں۔خناس کے چار پیر ہوتے ہیں،نہیں،دو پیر والے بھی خناس ہوتے ہیں۔خدا کرے کہ کسی خناس سے آپ لوگوں کی ملاقات نہ ہو''۔

بہر کیف ''خطباتِ برطانیہ'' کے تمام خطبات علمی، وفنی اہمیت کے حامل ہیں ان خطبات کی ہر ہر سطر سے عظمت مصطفیٰ ﷺ جھلکتی ہے اور یہ خطبات عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلوب میں شمع محبتِ رسول ﷺ روشن کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔عظمت ومحبت مصطفیٰ ﷺ سے قلوب کو منور ومجلی کرنا ہی ان خطبات کا سب سے بڑا وصف ہے۔

شیخ الاسلام ......بحیثیت داعیٔ اسلام

——— جمال الرافع اشرفی مدرسہ اشرفیہ نظامیہ،، فتح پور، بھاگل پور

چمنستانِ اشرفیت کے گلِ خنداں، اکابرِ خانوادۂ اشرفیہ کے علوم و معارف کے سچّے وارث، فخرِ دودمانِ اشرفیہ، نازشِ اہلِ سنت، فرزندو جانشینِ مخدوم الملت (حضرت محدثِ اعظمِ ہند) شیخ الاسلام علامہ الحاج سید شاہ محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کی جامع الصفات اور نابغۂ روز گار شخصیت پر مجھ جیسے بے بضاعت انسان کے لیے قلم اٹھانا آفتابِ نیم روز کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

موجودہ دورِ قحط الرجال میں برِّصغیر ہندو پاک کے ممتاز و منتخب علماء و مشائخ میں بھی شیخ الاسلام ایک انتہائی قد آور اور معتبر شخصیت کا نام ہے۔آپ کی ذات عہدِ حاضر میں اسلامیانِ ہند کے لیے ایک مینارۂ رشد و ہدایت اور نعمتِ کبریٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ تقریباً نصف صدی سے امتِ مسلمہ آپ کے علم وفن اور فکر و دانش کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہو رہی ہے۔آپ کی حیاتِ مبارکہ کے شب و روز دعوت و ارشاد' تزکیۂ نفس' احقاقِ حق' ابطالِ باطل اور دینِ حنیف کے لیے وقف ہیں۔

میرے والد ماجد جناب محمد عُزیر صاحب نیاؔز بھاگل پوری مرحوم جو حضرت محدثِ اعظمِ ہند قدس سرہ کے قریبی حلقہ بگوش اور صحبت یافتہ نیاز مندوں میں تھے' فرماتے تھے کہ محدثِ اعظم نے اس دارِ فانی سے کوچ کرتے وقت بطورِ میراث دنیاوی مال و متاع کی جگہ علم جیسی لازوال نعمت چھوڑی اور اس علم کے سچّے وارث و امین حضرت مدنی میاں ہیں۔متعدد دینی جلسوں میں حضرت کے بصیرت افروز اور فکر انگیز مواعظِ حسنہ سننے' ان کی سیکڑوں علمی مجلسوں میں بیٹھنے اور تصنیفات کو پڑھنے سے والد بزرگوار کے درج بالا تأثر کی مکمل تصدیق ہو جاتی ہے۔

مذہبِ اسلام میں ایمان و عمل کے بعد اسلامی احکام کی ترویج و اشاعت کے لیے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ نزولِ وحی کے ساتھ شروع ہو چکا تھا۔ بانیٔ اسلام ﷺ نے پہلے پوشیدہ طور پر دعوتِ

اسلام کا آغاز فرمایا۔سب سے پہلے جوانانِ احرار میں حضرت ابوبکر صدیق،عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ،لڑکوں میں حضرت علی، غلاموں میں حضرت بلال اور آزاد غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم۔ اس کے بعد حضرت عثمان، حضرت سعد بن ابی وقّاص، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم ایمان لائے اور روز بروز لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ آیۂ کریمہ ''فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ'' (یعنی جو تمہیں حکم ہے اس کو علانیہ بیان کرو) نازل ہوئی۔تب آپ ﷺ نے دعوتِ اسلام آشکارا شروع فرمائی۔ جب کفار نے اپنے بتوں کی مذمت سنی تو آگ بگولہ ہو گئے اور مسلمانوں کو سخت ایذائیں دینے لگے۔ پھر جب آیۂ کریمہ ''وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ'' (یعنی اپنے قریب تر کنبہ والوں کو ڈراؤ) نازل ہوئی تو آپ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر ایک ایک قبیلۂ قریش کو جمع کیا اور فرمایا'' اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک لشکر ہے اور تمہیں قتل کیا چاہتا ہے تو تم یقین کرو گے؟'' انہوں نے کہا'' بے شک ہم یقین کریں گے اس لیے کہ ہم نے تم سے ہمیشہ سچ ہی سنا ہے جھوٹ کبھی نہیں سنا۔'' تو آپ نے فرمایا'' میں تمہیں آخرت کے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔'' یہ سن کر ابولہب نے کہا'' خرابی ہو تمہیں سارے دن کیا اسی کام کے لیے ہمیں اکٹھا کیا تھا۔'' پھر وہ سب متفرق ہو گئے۔

آپ ﷺ ہدایتِ خلق اللہ اور دعوتِ اسلام میں سعیِ بلیغ فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ موسمِ حج میں جو قبائلِ عرب حج کے واسطے مکہ آتے انہیں اسلام کی طرف دعوت دیتے اور اپنے صحابہ کو بھی اس کام کے لیے قبائلِ عرب کی طرف روانہ فرماتے۔ پھر صلحِ حدیبیہ کے بعد کئی والیانِ سلطنت کو مکاتیب ارسال فرمائے جن میں اسلام کی دعوت تھی۔ تبلیغِ اسلام کی راہ میں آپ اور آپ کے صحابہ نے جو اذیتیں اور ظلم وستم برداشت کیے ہیں ان کی تفصیل نہایت کرب ناک ہے۔ بالآخر غزوۂ فتحِ مکہ میں آپ کی فتحِ مبین کے بعد اسلام کو شوکت وغلبہ حاصل ہوا۔اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں داعیانِ اسلام اپنے مشن میں سرگرمِ عمل رہے۔ پھر قرناً بعد قرنٍ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

قرآن حکیم میں رب العزت جل مجدہ نے امتِ محمدیہ کو جہاں خیرِ امت کے خطاب سے سرفراز فرمایا ہے وہیں اس کی صفت'' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' بیان کی ہے۔'' كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ

''(الآیۃ)۔اس آیتِ مبارکہ کے پسِ منظر میں اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو ہر دور میں امتِ مسلمہ دعوتِ اسلامی کی اس پیغمبرانہ تحریک میں مصروفِ عمل نظر آتی ہے۔

بلا شبہ اسلام دینِ فطرت اور مکمل نظامِ حیات ہے۔ اور اس کے اصول وقوانین میں بے شمار حکمتیں اور دانائیاں موجود ہیں۔ جو حیاتِ انسانی کے تمام شعبوں میں اعلیٰ انسانی اقدار کی طرف رہ نمائی کرتے ہیں۔ مذہبِ اسلام کی ان خصوصیات کو موثر اور دل پذیر انداز میں اقوامِ عالم کے روبرو پیش کر دینے کا نام تبلیغ ہے۔ مگر اس تبلیغ کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے مبلغ کو اسلامی کردار کا نمونہ بننے کی ضرورت ہے اس لیے کہ اسلامی احکام کا محلِ اصلی اور حیزِ طبعی انسانی وجود ہے۔ اس کے علاوہ حکمِ الٰہی ''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ''(الآیۃ) کے مطابق حکمت وتدبیر کو دورانِ تبلیغ روبہ عمل لانے پر قدرت ہونا بھی لازمی ہے۔ تاریخی تناظر میں اگر دیکھا جائے تو مبلغینِ اسلام کے اندر تمام تبلیغی خصوصیات نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا رہا ہے۔

شیخ الاسلام نے دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور سے فراغت کے بعد دعوت وتبلیغ کے میدان میں قدم رکھا اور اس کے کئی شعبوں کو مثلاً تصنیف وتالیف، مواعظِ حسنہ، علمی مجالس، تزکیۂ فکر وعمل، ردِ عقائدِ باطلہ وغیرہ بہ روئے کار لا کر حقِ تبلیغ ادا کرتے رہے۔ تقریباً چوتھائی صدی تک ملک وبیرونِ ملک کے سیکڑوں بڑے بڑے دینی جلسوں اور کانفرنسوں کو خطاب فرمایا۔ آپ کا اسلوبِ خطابت اور پیرایۂ بیان نہایت پرمغز، شستہ اور دل نشیں ہوتا۔ دورانِ تقریر علمی موشگافیوں اور نکات آفرینیوں کے علاوہ اثباتِ مدعا کے لیے عقلی ونقلی دلائل کی کثرت ہوتی اور پوری تقریر اپنے موضوع کے محور پر گردش کرتی رہتی۔ علماءِ راسخین کی طرح یہی سلیقہ آپ کی تمام تصانیف میں نمایاں ہے۔

ردِّ مودودیات میں فاضلِ ممدوح کی تصنیفات ''اسلام کا تصورِ الٰہ اور مودودی صاحب''، ''اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب'' اور ''دین اور اقامتِ دین'' جہاں اسلامی علوم وفنون میں آپ کی بالغ نظری اور فکری تہہ داری کا پتا دیتی ہے وہیں آپ کی خداداد دینی بصیرت اور قوتِ استدلال کو اجاگر کرتی ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مودودی افکار ونظریات کے رد میں حضرت کی مذکورہ بالا کتابیں اعلیٰ درجہ کی تحقیقات کے نمونے ہی نہیں بلکہ نگینے بھی ہیں۔عقلِ فرومایہ کو دین اور اصولِ دین کے افہام وتفہیم کا معیار بنا کر مودودی فکر وقلم نے جہاں جہاں کج روی اختیار کی ہے ان تمام مقامات پر ان کی سخت گرفت کی گئی ہے۔ان کے سارے مزعومات،تحقیقاتِ نادرہ، جدت پسندی اور آزاد خیالی کا منصفانہ تعاقب فرما کر مسلّماتِ شرعیہ کا کامیاب دفاع کیا گیا ہے اور ان کے دعویٔ ہمہ دانی کی قلعی بھی اتار دی گئی ہے۔

مودودی صاحب لفظِ اللہ،عبادت، دین،رب اور اقامتِ دین وغیرہ کے جن مفاہیم کی توضیح وتشہیر چاہتے ہیں وہ یکسر ان کے اپنے ذہن کی پیداوار،عقلی اختراع اور فکری مغالطہ کی واضح مثال ہے اور سلفِ صالحین کی تعبیرات وتشریحات سے متصادم نظر آتی ہے۔ان کے دماغ میں دین فہمی کا ایسا پندار اور سودا سما گیا ہے کہ خود پورے وثوق سے کہتے ہیں ’’میرا طریقہ یہ ہے کہ میں بزرگانِ سلف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی وتنقیدی نظر ڈالتا ہوں جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں اسے حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب وسنت کے لحاظ سے یا حکمتِ عملی کے اعتبار سے درست نہیں پاتا اس کو صاف صاف نادرست کہہ دیتا ہوں۔‘‘

بزعمِ خویش بزرگانِ سلف کے خیالات کو صاف صاف نا درست کہنے کی اہلیت کے مدعی کے جسم سے جب علم وتحقیق کا مصنوعی جبہ ودستار اتار دیا جاتا ہے تو ان کا مبلغِ علم صاف صاف نظر آنے لگتا ہے۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ دین مکمل طور پر منقولی ہے۔عقل کو قطعاً حق وناحق کا معیار قرار نہیں دیا جا سکتا ؎

گر بہ استدلال کارِ دیں بدے
فخرِ رازی رازدارِ دیں بدے

اگر عقل ہی کو دین کا مدار مان لیا جائے تو عقلی استدلال کی روشنی میں عورت کا مورث کے مالِ متروکہ میں شرعی حصہ مرد کا دوگنا ہونا چاہئے۔اس لیے کہ مرد عورت کی نسبت قوی ہوتا ہے اور اس پر حجاب کی پابندی نہیں اور نہ ہی خانگی امور کی انجام دہی اس کے ذمہ ہوتی ہے جب کہ عورت خلقی طور پر کمزور اور نازک واقع ہوئی ہے اور زیادہ تر حجاب اور گھریلو ذمہ داری کے باعث اپنے گھر میں محصور رہتی ہے۔مرد کے لیے کسبِ معاش کے ذرائع ومواقع وسیع ہیں جب کہ عورت کے لیے نہایت محدود۔مگر معاملہ اس عقلی تقاضے کے برعکس ہے۔شریعتِ اسلامیہ نے ایک مرد کا

حصہ دوعورت کے برابر مقرر کیا ہے۔قرآنِ حکیم میں ہے’’ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ‘‘۔کیا کوئی عقل زدہ شخص اس قانونِ الٰہی میں ترمیم کا حق محفوظ رکھتا ہے؟

اسی طرح’’ مسح علیٰ الخفین‘‘ کے مسئلہ میں موزوں کے ظاہری یعنی بالائی حصہ کا مسح از روئے حدیث حتمی ولازمی ہے اور باطنی یعنی نچلے حصہ، عقبی حصہ اور پنڈلی کا مسح کرنا ناجائز ہے۔ حالاں کہ عقل تو یہ کہتی ہے کہ وہ مسح جونجاست کوزائل نہیں کرتا ہے وہ اس غَسْل (دھونا) کا قائم مقام کیسے ہو سکتا ہے جونجاست کوزائل کر دیتا ہے۔چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ’’ اگر دین کا مدار عقل اور رائے پر ہوتا تو خف (موزہ) کے ظاہر کے بجائے باطن کا مسح کرنا اولیٰ ہوتا۔لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ خفین کے ظاہری حصہ پر مسح فرماتے باطنی پر نہیں۔‘‘

ان دونوں مثالوں سے واضح ہو گیا کہ دینی اصول وقوانین کے حقیقی معنی ومفہوم تک رسائی کے لیے انسانی عقل اور قوتِ مدرکہ کو چارو نا چار منقولاتِ شرعیہ کا سہارا لینا ہی پڑے گا ورنہ جگہ جگہ ٹھوکر لگے گی اور انجامِ کار خفت وپشیمانی کیساتھ ساتھ آخرت کی رسوائی ہاتھ آئے گی۔

اب آیئے حضرت کے علمی شاہکار’’ سید التفاسیر‘‘ المعروف بہ تفسیرِ اشرفی پر تھوڑی گفتگو کی جائے۔ جب آپ کی عمر ۶۵ رسال سے تجاوز کر گئی اور دینی جلسوں میں شرکت کا سلسلہ تقریباً موقوف ہو گیا تو علماء کرام اور آپ کے حلقہ بگوش ارادت مندوں کا پیہم اصرار والتماس ہونے لگا کہ محدثِ اعظمِ ہند نے قرآنِ حکیم کی تفسیر کا جو کام شروع فرمایا تھا اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ذمہ داری آپ قبول فرمالیں۔ چنانچہ اس ذمہ داری کو آپ نے قبول فرماتے ہوئے اپنے والد گرامی کی طرزِ نگارش پر تفسیر کا کام شروع فرمایا۔اور تین سے چار برس کے اندر پورے قرآنِ حکیم کی تفسیر مکمل ہو گئی۔عمدہ کتابت اور دیدہ زیب طباعت سے مزین ہو کر قارئین کے ہاتھوں تک پہنچ بھی گئی۔

تفسیر کا کام انتہائی مشکل اور دشوار ہے۔ ہر مقام پر اس بات کی پوری احتیاط برتی جاتی ہے کہ کہیں قلتِ تأمل یا معمولی غفلت کی وجہ سے تفسیر بالرائے راہ نہ پا جائے۔اس لیے کہ تفسیر بالرائے حرام ہے۔حدیثِ پاک میں ہے کہ اگر کسی نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور وہ درست بھی ہوئی تب بھی خطا کار ہے۔مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن کے مقصد اور مراد کو معلوم کرنے کی لیاقت رکھتا ہو۔ناسخ ومنسوخ کا علم ہو۔آیات واحادیث میں مطابقت پیدا کرنے کا ملکہ ہو۔شانِ نزول سے واقفیت ہو۔جو آیات خلافِ عقل معلوم ہوتی ہوں ان کی توجیہ کر سکتا

ہو۔آیات میں محذوفات کے نکالنے پر قدرت ہو۔محاورۂ عرب سے بخوبی واقف ہو۔محکم ومتشابہ آیات کی معرفت ہو۔اختلافِ قرأت سے باخبر ہونے کے علاوہ مکی و مدنی آیتوں کی جان کاری رکھتا ہو۔وغیرذٰلک۔

حضرت موصوف کو تفسیر لکھنے کے دوران تحقیق وتتبع کے جن زہرہ گداز اور صبر آزما منزلوں سے گزرنا پڑا ہوگا اس کا اندازہ قدرشناس اربابِ نظر ہی کرسکتے ہیں۔مگر بہ ایں ہمہ،نصرتِ الٰہی اور تائیدِ ربانی نے ان سے یہ مہتم بالشان کام لے ہی لیا۔

تفسیر مذکور کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کرنے والے اہلِ علم حضرات فاضل مفسر کی وسعتِ علمی، دیدہ وری اور ژرف نگاہی کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔اس تفسیر میں مختلف تفاسیر کا نچوڑ پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔عام اردوخواں طبقے کا لحاظ کرتے ہوئے پیرایۂ بیان کو سلیس اور عام فہم رکھنے کی ممکن حد تک رعایت برتی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ فقہی وکلامی مباحث کو نہیں چھیڑا گیا ہے اور اختلافی احکام ومسائل میں فقہ حنفی کی وکالت و وضاحت کردی گئی ہے۔

صاحبِ تفسیر اپنی تمام فکری کاوشوں کو ''معتبر کتبِ تفاسیر کے گہر ہائے آب دار کو'' معارف القرآن'' کی لڑیوں میں صرف پرودینے والا عمل'' قرار دیتے ہیں۔تواضع اور فروتنی کی اس سے بہتر مثال کیا ہوسکتی ہے؟ یہ بات تسلیم کہ ''اس تفسیر میں جو کچھ ہے وہ جلیل القدر مفسرین کی تحقیقات وارشادات ہیں'' مگر ان سب درہائے نایاب کو لڑیوں میں پرونے کا عمل پھر اس میں مخدوم الملت کی طرزِ نگارش کی اتباع تفسیر کے لیے مطلوبہ علوم وفنون میں دستگاہِ کامل کے بغیر ممکن ہے؟ یہ فقرہ اعیانِ امت کے ساتھ ان کے جذبۂ ادب واحترام کا آئینہ دار ہے۔

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

جہاں تک میں نے حضرت کے اوصافِ حمیدہ کو دور ونزدیک سے دیکھا ہے ان میں سب سے نمایاں وصف ان کی فروتنی نظر آئی۔کبھی اپنے نسبی وجاہت کا پندار میں نے آپ کے اندر نہیں دیکھا۔علمی حلقوں میں آپ کی غیر معمولی شہرت ومقبولیت کی سب سے بڑی وجہ نصف صدی پر پھیلے آپ کے علمی ودینی کارنامے اور فکر وعمل کے ساتھ ساتھ خلوت وجلوت میں یکسانیت ہے۔

جو دی ہیں نعمتیں یارب تو پھر حقِ تصرف دے
نظر اپنی، دماغ اپنا ہے، دل اپنا نہیں ہوتا

ذرا کچھ شغلِ نیکو کار بھی سید امین اشرف
فقط نام و نسب سے آدمی اچھا نہیں ہو تا

دعوت وتبلیغ کے لیے ذرائع ابلاغ کا استعمال عام ہو چکا ہے۔عصرِ حاضر میں اخبارات، رسائل وجرائد، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے ذریعہ سیاسی و مذہبی رہ نما حتیٰ کہ عام لوگ اپنے پیغامات عوام تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ویڈیو اور ٹی وی کے دیکھنے اور سننے کے تعلق سے تقریباً اٹھائیس برس قبل ہالینڈ سے ایک استفتاء حضرت کی خدمت میں آیا تھا۔آپ نے پہلے ویڈیو اور ٹی وی کی صنعت گری سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اس کے ماہرین سے رابطہ قائم کیا اور ہر زاویے سے مکمل تحقیق کر لینے کے بعد اس کا جواب قلم بند فرما کر استصوابِ رائے کی غرض سے ہندو پاک کے مقتدر مفتیانِ کرام کی خدمت میں ارسال فرمایا۔تا کہ اس جدید آلۂ ابلاغ سے متعلق متفقہ شرعی فیصلہ عوام کے سامنے آ جائے۔مفتیانِ کرام نے نہ صرف یہ کہ آپ کے تحقیقی فتویٰ کی تصدیق وتصویب فرمائی بلکہ کلماتِ تحسین کے ساتھ آپ کو ''رئیس المحققین'' کے لقب سے نوازا۔ اس تحقیقی فتویٰ کا ماحصل یہ ہے کہ جس طرح آئینہ کے اندر ہر ان چیزوں کو دیکھا جا سکتا ہے جن کا دیکھنا آئینہ کے باہر بھی جائز ہے۔بالکل اسی طرح ویڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ ہر ایسی چیز کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے جس کا دیکھنا اور سننا اس کے بغیر بھی جائز ہو۔اور جن چیزوں کا دیکھنا اور سننا مطلقاً نا جائز وحرام ہے ان چیزوں کا ویڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ بھی دیکھنا اور سننا نا جائز وحرام ٹھہرے گا۔

المختصر! شیخ الاسلام کی حیاتِ مبارکہ کے پورے داعیانہ کردار میں ہمیں ہر جگہ عشق کی جلوہ گری اور کارفرمائی نظر آتی ہے۔اس کردار میں اسی عقل وخرد کی پزیرائی ہے جو عشق کے تابع اور زیرِ فرمان ہو۔

عقل دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

خطباتِ برطانیہ پر اک نظر

——فقیر محمد خوط نقشبندی القادری محلّہ آثار شریف ضلع یادگیر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن وَ خَاتَمَ النَّبِیّن .

معزز حاضرین کرام! اسلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ

میں اللہ رب العزت کا شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ و طفیل اس سمینار میں مجھ احقر کو بھی لب کشائی کا موقع عنایت فرمانے کے اسباب بنائے. شہر بلگام میں سید عبداللہ باشیبان اکیڈمی کی جانب سے منعقدہ اس سمینار کے مرکزی عنوان " شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی" شخص اور عکس" کے تحت" حضرت شیخ الاسلام کا فنِ خطابت "خطباتِ برطانیہ کے تناظر میں" کے عنوان سے اپنا مختصر مقالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں. یقیناً یہ میری خوش نصیبی ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کی شخصیت اور فن کے متعلق کچھ عرض کرنے کا شرف حاصل ہوا.

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں. آپ کی شخصیت ہمہ جہت خوبیوں کی مالک رہی. آپ ایک جید عالمِ باعمل کے ساتھ ساتھ پیر طریقت واقف اسرار و معرفت جو آدابِ طریقت سے اور رُموزِ معرفت سے یکساں واقفیت رکھنے والی شخصیت آپ کی ہر بات نصیحت آموز اور آپ کا ہر عمل قابلِ تقلید چہرہ ایسا نورانی کے دیکھنے کے بعد خدا یاد آجائے مجھ احقر کو آپ سے محض علمی لگاؤ نہیں بلکہ قلبی لگاؤ بھی ہے.

آپ ایک سچے عاشقِ رسول کہلانے کے مستحق ہیں. کیونکہ ناموسِ رسالت کے تحفظ میں آپ کی بے شمار خدمات آج بھی زندۂ جاوید ہیں. علمِ فقہ، تصوف، مناظرے، کتب و رسالے بالخصوص آپ کے خطابات آج بھی ایمان بالرسالت کی تکمیل کا سامان مہیا کرتے ہیں. میں آپ کے خطابات کی خصوصیات پر اپنا یہ مقالہ پیش کر رہا ہوں جن کے خطابات سے بے شمار قلوب عشقِ

مصطفےٰ ﷺ سے سرشار ہوئے اور بے حساب لوگ گمرہی اور گستاخیوں سے محفوظ رہے.

کئی خطیب کئی علمائے کرام اپنے علم و فضل کمالِ ہنر سے خدمتِ خطابت کوانجام دیتے آرہے ہیں لیکن حضرت شیخ الاسلام کا فن خطابت نایاب و کم یاب ہی ہے. مجاہدانہ رنگ، ناصحانہ ڈھنگ، منفرد لب و لہجہ، خوبصورت انداز، آپ کو سننے کے لئے ہر مقام پر ایک جمِ غفیر، سننے والا ڈوب کر سنتا جائے اور یاد رکھتا جائے کہ سننا سمجھنا بھی آسان اور سن کر سنانا سمجھانا بھی آسان. مثالیں ایسی کہ بے مثال. عوام ہوں کہ خواص، علمائے کرام و دانشورانِ عظام ہوں کہ بارگاہوں کے سجادگانِ ذوالکرام ہر سطح کے لوگ آپ کے خطبات سے محضوض ہوتے اور لطیف نکات ایسے اخذ کر لیتے جیسے موتی چنے جارہے ہوں. ایسے خطابات کے مجموعہ کا نام ہی "خطباتِ برطانیہ" ہے

خطباتِ برطانیہ میں جن خطابات کو یکجا کیا گیا ہے ان میں بیشتر عنوانات عقیدۂ رسالت سے متعلق ہیں. عقیدۂ رسالت نہایت نازک مسئلہ ہے لیکن اس کے باوجود حضرت شیخ الاسلام کے خطابات میں یہ خاص خوبی پائی جاتی ہے کہ ایسے نازک مسئلہ میں بھی بغیر کسی پیچیدگی کے بات کو نہایت آسان پیرائے میں ڈھال کر بڑے خوبصورت انداز میں سمجھایا جاتا کہ سننے والا بے چوں و چرا قبول کرنے پر مجبور ہو جاتا جسکی مثال ملاحظہ فرمائیں:

عام طور پر یہ اعتراض اکثر کرتے ہیں کہ سنی مسلمان سرکارِ دوعالم ﷺ کو بشر نہیں مانتا مخالفین کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے بڑے ہی خوبصورت انداز میں اپنے مخصوص انداز میں "بات سچی ہے مگر کہی نہیں جاتی" کے تحت مخالفین کو دندان شکن جواب دیتے ہوئے فرمایا:

" دیکھو تم آئے ہو بات سمجھنے کے لئے تو ایک بات اچھی طرح سمجھ لو یہ ہمارا اسٹیج ذمہ دار اسٹیج ہے ہم پر یہ بہتان رکھا جاتا ہے کہ ہم نبی کو انسان نہیں مانتے، ہم نبی کو بشر نہیں مانتے تو میں پورے دعوے کے ساتھ ایقن و اطمنان کی منزل سے کہہ رہا ہوں کہ دیکھو جہاں تک ماننے کا سوال ہے نبی کو جو بشر نہ مانے وہ کافر ہے. اب اس سے زیادہ کونسی بات کہی جاسکتی ہے، سوال یہ نہیں ہے کہ نبی انسان ہیں کہ نہیں سوال تو اس وقت اُٹھتا ہے جب تم یہ کہتے ہو کہ نبی ہمارے جیسے ہیں تو جی چاہتا ہے کہ آئینہ دکھایا جائے کہ پہلے اپنے آپ کو تو دیکھو، مگر ایک بات اور بھی کہوں گا دوستو اچھی طرح سمجھ لو جہاں تک نبی کے بشر ہونے کا سوال ہے نبی بشر ہیں، یہ ہمارے عقیدے کی بات ہے یہ ہمارے ایمان کی بات ہے مگر اتنا

سمجھ لینا کہ سچی بات کہی نہیں جاتی۔ کہنے کے لئے یہ نہ کہو کہ سچی بات ہے تو کہنے میں کیا جرم ہے؟ سنو جی اس کو مسائلِ فقہ سے قرآن کی آیات سے روزمرہ کے محاورات سے سمجھانے کی کوشش کروں گا، دیکھو میرا رب تبارک وتعالیٰ قادرِ مطلق ساری کائنات کا مالک، ذرے ذرے کا مالک، گوشے گوشے کا مالک، پتے پتے کا مالک، قطرہ قطرہ کا مالک، دریا دریا کا مالک، محفل محفل کا مالک، صحرا صحرا کا مالک ہے یہ حقیقت ہے.اگر کسی ایک ذرے کے بارے میں تم کہدو کہ خدا اس کا مالک نہیں تو کافر مگر کوئی بدقسمت نقلِ کفر کفر نہ باشد اگر کوئی نادان ناسمجھ یہ کہے کہ خدا میرے سنڈ اس کا مالک ہے وہ کافر ہو گیا. بات سچی ہے کہی نہیں جاتی. کہنے والے جو تجھے مالک کہنا تھا تو مالکِ یوم دین کہا ہوتا، مالکِ رسولِ عربی کہا ہوتا، مالکِ جبرئیل و میکائیل کہا ہوتا، تو نے ذلیل مملوک کی طرف نسبت کر کے مالک کی توہین کی، لفظوں کی شناخت کو دیکھو، لفظوں کی کراہیت کو دیکھو، ذلیل مملوک کی طرف نسبت دے کر تو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا. دیکھا بات سچی ہے مگر کہی نہیں جاتی"

ایسے ہی دوستو میرا خالق کائنات خالق السموات والارض ہے، کوئی ایسی چیز نہیں جس کا خالق خدا نہ ہو مگر سنو فقہ کا مسئلہ ہے اگر کوئی بدبخت یہ کہدے کہ خدا خنزیر کا خالق ہے تو وہ کافر ہو گیا، بات سچی ہے مگر کہی نہیں جاتی۔ خالق کہنا ہے و خالق رسول عربی کہو، خالق السمٰوات والارض کہو، یہ ذلیل مخلوق کی طرف خصوصیت کے ساتھ نسبیت دیا اور کافر ہو گیا۔

اور میں آگے لے چلوں دوستو قرآن سے ثابت ہے کہ یہ انسان قطرۂ ناپاک سے پیدا ہوا ،کسی کو بلاؤ تو یہ کہکر بلاؤ کہ اے قطرۂ ناپاک سے پیدا ہونے والے! تو دیکھو تمہاری کتنی تاج پوشی ہوگی.اور پھر جب تم سچی بات ثابت کرنے کے لئے قرآن کی آیت پڑھو گے تو کہے گا آیات بعد میں سمجھیں گے پہلے تاج پوشی کر لیں گے۔ دیکھو بات سچی تو ہے مگر کہی نہیں جاتی.

ایسے ہی دوستو اگر کوئی نافرمان یا گستاخ یا شوخ چشم بچہ اپنے ماموں کو یہ کہہ کر بلائے کہ اے ابا کے سالے! ذرا سن لیجئے بات کتنی سچی ہے جو اُس نے کہی ہے، اس پر وہ حلف اُٹھا سکتا ہے کہ اگر ابا کا سالہ نہیں تو ماموں کہاں سے ہوگا؟ مگر اس پر کتنے جوتے برسیں گے اس کا بھی شمار نہ کر سکو گے، بات سچی ہے مگر کہی نہیں جاتی. ہر سچی بات کہی نہیں

جاتی تو میں کہتا ہوں دوستو جہاں تک ماننے کا سوال ہے کون کہتا ہے کہ نبی کو بشر نہ مانو، مگر یہ بشر کہنے کی عادت تو نے کیسے بنالی، بشر تو کافر بھی کہا کرتے تھے، وہ بات کہو جو مومن کے سوا کوئی نہیں کہہ سکے"

یہ منفرد انداز، ایسی مثالیں آپ کے خطاب سے پہلے شاید ہی کسی نے سنی ہوگی.

قرآنِ مجید کی آیتِ مبارکہ قد جاءکم من اللہ نور و کتب مبین کے متعلق بعض مفسرین نے نور اور کتاب دونوں سے قرآنِ مجید مراد لیا ہے. اس لئے کہ اس سے ظلماتِ شرک اور شک واضح ہوئے، اور بہت سی حق کی باتیں جو لوگوں پر مخفی تھیں قرآنِ مجید سے ظاہر ہوئیں یا اس لئے کہ اس میں اعجاز واضح ہے.

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ نور سے حضور علیہ السلام اور کتاب سے قرآنِ مجید مراد ہے. اہلِ حق کے نزدیک یہی تفسیر رائج اولیٰ ہے. چنانچہ عالمِ اسلام کے جملہ مفسرین و محدثین وفقہائے کرام نے آیت میں نور سے حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس مراد لی ہے. اسی طرح تفسیرِ کبیر، تفسیرِ خازن، تفسیرِ بیضاوی، تفسیر معالم التنزیل، تفسیرِ مدارک، تفسیرِ جلالین، تفسیر روح المعانی، تفسیرِ مظہری، تفسیر القاسمی، موضوعاتِ کبیر للملا علی قاری وغیرہ میں بھی نور سے مراد حضور علیہ السلام کی ذاتِ مبارک ہی لی گئی ہے.

اس کے علاوہ وہابیوں کے سردار مولوی ثناءاللہ امرتسری لکھتے ہیں "تمہارے پاس اللہ کا نور محمد ﷺ اور روشن کتاب قرآن شریف آئی" ایک اور وہابیہ کے محقق مولوی قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں "اس آیت میں وجودِ باجود نبی کریم ﷺ کو نور بتلایا گیا ہے" (شرح اسماء الحسنیٰ صفحہ ۱۵۱) دیوبند کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں شاید نور سے خود نبی کریم ﷺ اور کتاب مبین سے قرآنِ کریم مراد ہے" (تفسیرِ عثمانی صفحہ ۱۴۳ پر حاشیہ قرآنِ پاک، تاج کمپنی) حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں "یہ ایک مختصر آیت ہے اس میں حق سبحانہ نے اپنی دونوں نعمتوں میں ایک تو حضور ﷺ کا وجودِ باجود ہے اور دوسری نعمت قرآن کا نزول ہے. ایک کو لفظِ نور سے ذکر فرمایا ہے اور دوسرے کو کتاب کے عنوان سے ارشاد فرمایا ہے اور یہ توجیہ اس آیت کی تفسیر کی بنا پر ہے یعنی جبکہ نور سے حضور اکرم ﷺ کا وجودِ موجود مراد لیا جائے" (اشرف المواعظ صفحہ ۱۴۸) آپ ایک جگہ اور رقمطراز ہیں کہ اگر دوسری تفسیر اختیار کی جائے یعنی نور و کتاب دونوں سے قرآن

مجید مراد لیا جائے تو توجیہ بدل جائے گی (مواعظ میلاد النبی ص۱۲) مولوی ادریس احمد کاندھلوی لکھتے ہیں کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے مراد محمد رسول اللہ ﷺ (تفسیر معرف القرآن ض۲ص۴۲)، مولوی مشتاق احمد دیوبندی رقمطراز ہیں کہ بے شک آیا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین اس جگہ حسب روایت شفاء قاضی عیاض نور سے مراد حضرت رسول اکرم ﷺ اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے (التوسل ص ۲۲) حضرت امام فخر الدین راضیؒ فرماتے ہیں "یہ قول کی نور اور کتا دونوں سے مراد قرآن ہے "ھذا ضعیف" (یہ ضیف ہے)

جبکہ موافقین ومخالفین سبھی کا یہ اعتقاد ہے کہ نور سے حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ مراد لی گئی ہے اور کتاب سے قرآن مجید پھر بھی ان وضاحتوں کے باوجود کچھ لوگ حضور نبی کرم ﷺ کو اپنی طرح بشر کہنے کی ضد کرتے ہیں. اُن لوگوں سے حضرت شیخ الاسلام و مسلمین نے کسی قسم کے تکرار میں گئے بغیر صرف دو مختصر جملوں میں جواب دیا کہ

"قد جاءکم من اللہ یہ آنے والا خدا کی طرف سے آیا ہے اور جو یہ سوچتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے آنے والا بالکل ہماری طرح ہے اُن کا جواب یہ ہے کہ مِنَ اللّٰہِ نُوْر یہ آنے والا خدا کی طرف سے نور ہے تمہارے جیسا نہیں" پھر رسول اللہ ﷺ کو اپنی طرح سمجھنے والوں کے ذہنوں کو جھنجوڑتے ہوئے جو باتیں آپ نے اپنے خطاب میں بیان فرمائی ہیں وہ تو نقشِ ہر در و دیوار ہونے کے قابل ہیں. آپ نے فرمایا: رسول کو اپنی طرح سمجھنے والو! رسول کے ہر گوشہ کو دیکھو، رسول کی سیرت کے ہر پہلو کو دیکھو، اگر تم میرے رسول کے اُٹھنے بیٹھنے کو نہ دیکھو گے تو تمہیں اُٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ کہاں سے آئیگا. اگر تم میرے رسول کے کھانے پینے کو نہیں دیکھو گے تو تمہیں کھانے پینے کا سلیقہ کہاں سے آئیگا، اگر تم میرے رسول کے دندانِ مبارک شہید ہوتے نہ دیکھو گے تو گردن کٹانے کا جذبہ کہاں سے پیدا ہوگا. اے دیکھنے والو میرے رسول کو زمین پر چلتا دیکھو تو کہکشاں سے گزرتا ہوا بھی دیکھو، اگر دندانِ مبارک کا شہید ہونا دیکھو تو معراج کی رات سینۂ مبارک کا شق ہونا اور ایک قطرہ "خون کا نہ نکلنا بھی دیکھو، میرے رسول کو مکہ میں چلتا پھرتا دیکھو تو سورج کا پلٹانا بھی دیکھو، چاند کے ٹکڑے کرنا بھی دیکھو، درختوں کا اطاعت کرنا بھی دیکھو، جانوروں کا سجدہ کرنا بھی دیکھو، یہ بھی دیکھو وہ بھی دیکھو، جب تک میرے رسول کو اُٹھتا بیٹھتا دیکھو گے، سوتا جاگتا دیکھو گے،

کھاتا پیتا دیکھو گے، دندانِ مبارک کا شہید ہونا دیکھو گے اور جب تک تم یہ سب دیکھتے رہو گے اس رسول کو تو تم خدا نہیں کہہ سکتے. اور جب میرے رسول کو عرش سے گزرتا دیکھو گے، سورج کو پلٹانا دیکھو گے، چاند کو ٹکڑے کرتا دیکھو گے، درختوں کا اطاعت کرنا دیکھو گے، جانوروں کا سجدہ کرنا دیکھو گے، کنکریوں کا کلمہ پڑھنا دیکھو گے جب تک تم یہ سب دیکھو گے تو اس رسول کو اپنے جیسا نہ کہہ سکو گے. اسی لئے میں کہتا ہوں کہ یہ بھی دیکھو وہ بھی دیکھو، نہ خدا کہہ سکو نہ اپنے جیسا کہہ سکو"

کس قدر پیارا اندازِ خطابت ہے، دیکھئے کس سادگی سے آپ نے عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کو اُجاگر فرمایا ہے، اس کی مثال کم ہی ملتی ہے.

کچھ لوگ نبی کے علمِ غیب کا بھی انکار کرتے ہیں. نبی غیب کا جاننے والا ہوتا ہے نبی غیب کی باتیں بتانے کے لئے ہی مبعوث ہوا کرتے ہیں ان حقائق کو واضح کرتے ہوئے آپ نے آقا علیہ السلام کے علمِ غیب کے انکار کرنے والوں سے اسی پیارے انداز میں ایک فقید المثال خطبہ فرمایا کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی، بڑے سے بڑا علم رکھنے والا بھی شیخ الاسلام کے خطاب نایاب کو سن کر لب کشائی کی ہمت نہیں کر سکتا۔ انداز بیاں بھی اس انداز سے کہ بس آپس میں گفتگو ہو رہی ہو۔ فرمایا:

"اگر میں آپ سے یہ سوال کروں کہ آپ کے جسم میں روح آنے سے پہلے کہاں تھی اور جب آپ کے جسم سے نکلے گی تو کہاں جائیگی تو اس کا سیدھا سا جواب آپ یہ دیں گے کہ اس دنیا میں آنے سے پہلے روح عالمِ ارواح میں تھی اور اور اس دنیا سے نکل جائیگی تو عالمِ آخرت میں پہنچے گی. تو گویا جس عالم میں ہم چل رہے ہیں اس عالم سے پہلے بھی ایک عالم ہے اور اس کے بعد بھی ایک عالم ہے. اور یہ دونوں عالم ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رکھے گئے ہیں. ان دونوں عالم کے سمجھنے کے لئے نہ ہمارے پاس حواس ہیں نہ ہمارے پاس کوئی قوتِ ادراک ہے اور نہ ہمارے پاس سمجھنے کے لئے کوئی آلہ ہے. عالمِ ارواح کا ہونا ایک حقیقت ہے اور عالمِ آخرت کا ہونا بھی ایک حقیقت ہے، جس دنیا میں آپ ہیں یہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ یہ دنیا کی بیچ کی کڑی ہے، تو عقل یہ کہتی ہے کہ کسی بھی بیچ کی کڑی کو سمجھنے کے لئے اول کا بھی سمجھنا ضروری ہے اور آخرت کا بھی سمجھنا ضروری ہے، اگر اول و آخر کو نہ سمجھ سکیں گے تو اول اور آخر کا علم آپ کو نہ ہوگا اور اگر عالم آخرت اور عالم ارواح سے

نظر ہٹادہ تو خدا کی بے پناہ قدرتوں کا تمہیں عرفان نہیں ہوسکتا تو تمہارا علم ناقص ہے۔اور آپ مجھے انصاف سے بتاؤ کہ یہی دنیا سب کچھ ہے اس کے بعد عالم آخرت نہیں جہاں ہمیں حساب دینا ہے،عدالتِ خداوندی میں حاضر ہونا ہے تو مجھے بتاؤ کی کسی نبی کی ضرورت کیا ہے پھر کسی آسمانی ہدایت کی ضرورت کیا ہے۔تو نبی کی ضرورت اُسی وقت سمجھ میں آئے گی جب آخرت کا مان لو،میزان کو مان لو، پل صراط کو مان لو، اسی لئے اسلام اور قرآن آخرت کو منوانے پر زور دیتا ہے اس لئے کہ آخرت پر ایمان نیکیوں کی جڑ ہے،اب بات سمجھ میں آ گئی کہ جس دنیا میں ہم رہتے ہیں یہی دنیا ہمارے لئے سب کچھ نہیں ہے بلکہ آخرت بھی ہے۔عالم ارواح اور عالم آخرت کا نام عالم غیب ہے اور جس عالم میں آپ رہتے ہیں اس کا نام عالم شہادت ہے،تو عالم شہادت اور عالم غیب دونوں دوعالموں کے بیچ کی کڑی کو ہم سمجھ نہیں سکتے جب تک اول اور آخر کو نہ سمجھیں،اب مشکل یہ ہے کہ پہلا عالم عالم ارواح بھی غیب اور آخری عالم عالم آخرت بھی غیب تو خدا کی لامحدود قدرتوں کو سمجھنے کا ذریعہ کیا ہے ،اور مطالبہ ہم سے کیا جارہا ہے یُومِنُونَ بِالغَیبِ "یہ غیب پر ایمان لاتے ہیں" اور حال یہ ہے کہ غیب کا علم حاصل کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔

اسی طرح عالمِ ارواح ،عالمِ شہادت اور عالمِ آخرت پر سیر حاصل گفتگو فرماتے ہوئے تاریخ وواقعات کا حوالہ دیتے ہوئے اس طرح آپ نے نبی کی اہمیت کو اور نبی کے علمِ غیب کو ثابت کردیا کہ اس کے بعد نبی کے علمِ غیب پر کسی قسم کے شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی.پھر فرماتے ہیں:

"دیکھو نبی اسی لئے آتا ہے کہ وہ تمہیں عالمِ ارواح سے بھی باخبر کرئے اور عالمِ آخرت سے بھی باخبر کرے.اس لئے کہ تمہارے حواس صرف عالمِ شہادت کے لئے ہیں.تو ضرورت ہے کہ تمہیں ایک ذریعۂ معلومات دیا جائے جو غیب کی باتیں بتائے اور جس طرح تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے حواس دئے ہیں جیسے کان آنکھ زبان وغیرہ تو نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک قوتِ قدسیہ عطا فرمایا ہے جو نبی کے قابو میں ہیں کہ نبی جس طرف متوجہ ہوجائیں سب منکشف ہوجائے.دیکھو یہ نبی تمہیں آخرت کا علم دے گا.یہ نبی تمہیں عالمِ ارواح کی باتیں بتائے گا.یہ قوتِ قدسیہ تمہارے علم میں نہیں آئے.یہ نبی ہی تو ہیں ذرا سا توجہ فرمائیں تو آسمان کے دروازوں کے کھلنے کی آوازیں سن رہے ہیں، یہ نبی ہی تو ہیں کہ حالتِ نماز میں تمہارے رکوع اور

خشوع کو دیکھ رہے ہیں، تمہارے سجدوں کو دیکھ رہے ہیں. یہ نبی ہی تو ہیں کہ جب جبریل آنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کی آمد کی خوشبو یہیں سے سونگھ لیا کرتے ہیں. یہ نبی ہی تو ہیں جب کسی قبر سے گزرتے ہیں تو عالمِ ارواح کے احوال ان پر منکشف ہو جاتے ہیں"

سبحان اللہ! کیا اندازِ بیان ہے، صرف ایک عام انسان کے حواس اور ایک نبی کے حواس کا موازنہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ نبی ہمارے جیسے نہیں بلکہ آپ کا مقام و مرتبہ تو وریٰ الوریٰ ہے۔

آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کے علم غیب اور اللہ کی جانب سے عطا کردہ قوت قدسیہ کو سمجھانے کے لئے کتنے پیارے انداز سے عالم ارواح، عالم آخرت، اور عالم شہادت کو سمجھاتے ہوئے نبی پر منکشف ہونے والے احوال کو ثابت کر کے بتلا دیا کہ نبی غیب کا جاننے والا ہی ہوتا ہے۔

یہ چند خصوصیات حضرت شیخ الاسلام کی خطابت کے اقتباسات تھے جو میں نے پیش کئے، حضرت شیخ الاسلام کا فنِ خطابت آپ کے مجموعۂ خطبات "خطباتِ برطانیہ" کے ورق ورق پر نمایاں ہے کہ آپ نے اکثر بغیر کسی زخیم کتاب کے پیچیدہ دلائل کے بغیر دینِ فطرت کے ماویٰ و ملجا مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی عظمت کو فطری تقاضوں اور فطری طریقوں سے اُجاگر کرتے ہوئے دلوں میں عشقِ مصطفیٰ کو پیوست کرنے میں نمایاں کامیاب رہے. آخر میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ خطباتِ برطانیہ کے خطابات ہر گھر ہر مدرسہ میں پڑھے اور سمجھے جانے کا اہتمام کیا جانا چاہئے اور مساجد میں خطبۂ جمعہ میں بھی بہ پابندی عام طور پر بھی اور مخصوص مواقع پر ان خطابات کو دہرایا جانا چاہئے۔

حضرت شیخ الاسلام
(خطبات حیدرآباد کے حوالہ سے)

——محمد عابد حسین نظامی، مولوی کامل جامعہ نظام، حیدرآباد

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین والحمد للہ رب العالمین.

قال اللہ تبارک و تعالی فی القرآن المجید والفرقان الحمید

اِنَّ اللّٰـهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

اللھم صل علی سیدنا شفیعنا ومولانا محمد افضل صلوتک وعدد معلوماتک وبارک وسلم.

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشادفرماتا ہے ''**اھدنا الصراط المستقیم**'' یہ وہ آیت کریمہ ہے جو ہر نماز میں سوائے نماز جنازہ کے پڑھی جاتی ہے ہر وقت رب تبارک وتعالیٰ سے التجا کی جاتی ہے کہ مولیٰ ہمیں سیدھا راستہ چلا آگے ارشاد ربانی ہوتا ہے ''**صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم والضالین** (آمین) ترجمہ: مولیٰ ہمیں ان لوگوں کا راستہ چلا جن پر تو نے انعام واکرام نازل فرمایا ان لوگوں کا راستہ مت چلا جن پر تو نے اپنا غضب نازل کیا۔

غورکرنے کی بات ہے کہ ہم ہمیشہ اللہ سے دعا مانگتے انعام یافتگان بندوں کی راہ پر چلیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ انعام یافتہ بندے کون ہیں؟ اسی لئے رب کعبہ نے پہلے ہی اعلان فرمادیا''**انعمت علیھم من النبیین والصدیق والشھداء والصالحین وحسنا اولئک رفیقا**''(سورۃ النساء، پارہ:۵،آیت:۶۹) کہ اللہ نے جن پر انعام نازل فرمایا وہ نیک مقرب بندے چار طبقوں میں بانٹ دیئے گئے ہیں، پہلا طبقہ انبیاء علیہم السلام اجمعین کا دوسرا طبقہ

(صدیقین) صحابہ کرام کا تیسرا طبقہ شہداء کا چوتھا طبقہ (صالحین) اولیاءاللہ کا۔

ابتدائی تین طبقے تو ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئے ہیں ظاہری اعتبار سے لیکن آج یہ کائنات اپنی آب وتاب کے ساتھ اگر چل رہی ہے تو وہ صرف اور صرف نعلین نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں آپ ہی کے اہل بیت سے نسبت رکھنے اولیاءاللہ کی نظروں کے سایہ میں ان اللہ والوں کی نسلیں جو ہمارے سروں پر سلامت ہیں، اور ہم ان ہی خانوادوں سے وابستہ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اپنے اسلاف کی طرح بسر کیئے اور بسر کررہے ہیں۔

ان جامع الجہات طبقات سے رشد و ہدایت کی جو کرنیں پھوٹیں ان میں تلاوت کتاب، تقریر وخطاب، بیان ومواعظ شامل ہیں۔ اسلامی تقاریر ومواعظ جہاں نطقہ مؤمن کا نتیجہ ہیں وہیں اس کا تعلق کلام خدا اور بیان مصطفیٰ ﷺ سے بھی ہے۔ خطبات عطیہء خداوندی اور نعمت الٰہی ہے۔ بیان وزبان کا اپنا ایک تأثر ہوتا ہے جو سامعین کے ذہن ودل کی دنیا میں انقلاب پیدا کردیتا ہے۔ سوئے ہوئے جذبے خطابت سے جاگ جاتے ہیں۔ عقیدے سنور جاتے ہیں۔ اعمال کی اصلاح ہوتی ہے۔ شکوک وشبہات دور ہوتے ہیں۔ یقین کو استحکام عطا ہوتا ہے۔ قدرت کا یہ عطیہ قوموں کی شناخت عطا کرتا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں نامور خطیب پیدا ہوئے جن کے زورِ خطابت نے تاریخ کے دھارے کو بدل ڈالا۔ اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ میں خطیبوں کا ایک سلسلہ زرّین ہے۔ جس نے دین مبین کی حقانیت کو مضبوط اور باطل کے شکوک وشبہات کو دلائل کی روشنی میں رد کردیا۔ ایشیاء کی تاریخ خطابت میں شہزادہ محدث اعظم ہند فقیہہ جہاں، پیر زماں، رئیس المحققین، پیشوائے دین متین، حضرت العلام سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی کچھوچھوی مدظلہٗ العالی کی خطابت کو جو قبولیت ومقبولیت حاصل ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

۱۹۳۷ء مطابق ۱۳۵۵ھ یا ۱۳۵۶ھ میں آپ نے ایک علمی گھرانہ میں آنکھ کھولی ابھی آپ نوجوانی کی عمر ۲۴ سال کو پہنچے کہ آپ کے سر سے والد بزرگوار کا سایہ اٹھ گیا اسی سال آپ ۱۹۶۱ء مطابق ۱۳۸۰ھ بیعت وخلافت سے نوازا گیا اور اسی سال آپ کے تبلیغی دوروں کا آغاز ہوا، آپ نے مختلف ممالک کے دورے کیئے کبھی علم حاصل کرنے کبھی علم کی شمع روشن کرنے کے لئے۔

آپ کا شمار خانوادۂ اشرفیہ کے اکابر کی فہرست میں ہوتا ہے، اسی لئے آپ نہ صرف خطیب بے کراں ہیں بلکہ شاعر وادیب مفسر ومحقق محسن ومربی مفتی مکرم وصوفی اعظم بے مثال نعت گو۔

حضرت شیخ الاسلام مدنی میاں قبلہ کے خطابات کی جہاں بات ہے دنیا بھر میں آپ کے خطبات معروف ہیں۔ دکن کے شہر نگاراں حیدرآباد میں بھی آپ کے خطابت کی ذوفشانیاں ہیں۔تقریباً ربع صدی آپ کے خطبات حیدرآباد کو فیض یاب کرتے رہے۔ ۱۹۶۷ء میں پہلی بار اتحاد سوسائٹی معتمر غلامان غوث اور قادری چمن حیدرآباد کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے خطبات صحیفہ قرطاس پر منتقل کر لی گئیں ہیں۔ جو خطبات میلا دو سیرت سے موسوم ہیں۔(خطبات شہادت امام حسین، ص:۷، ناشر: اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، حیدرآباد۔۲۰۱۲ء)

اسی طرح از ہر ہند جامعہ نظامیہ حیدرآباد۔'' آپ نے خطاب جلیل میں فرمایا کہ جب یہ منافقین کی خبر بارگاہ رسالت تک پہنچی تو سرکار دو عالم منبر شریف پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد وثناء کے بعد کیا اچھا فرماتے ہیں، علم پر طعن کرتے ہیں ''**ما حال قومی طعنوا فی علمی**'' یہ قوموں کا کیا حال ہو گیا ہے، میرے علم پر طعن کرتے ہیں، میرے علم کا مذاق اڑا رہے ہیں، پھر سب کو چیالنج کر دیا اور فرمایا کہ آج سے لے کر قیامت تک جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو میں بتانے کے لئے تیار ہوں، بہر حال اس دور کے لوگوں کو چیلنج ہو گیا تھا مگر اس دور کے لوگوں کو حسرت ہے کہ اگر ہم ہوتے تو ضرور کچھ پوچھ لیتے، پھر اس کے بعد ایک صحابی کھڑے ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ کا نام کہئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حذافہ ہے تعجب ہے کہ صحابی رسول نے باپ کا نام کیوں پوچھا؟ اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنائے کہ حقیقت میں میرا باپ حذافہ ہے اگر کوئی انکار کرے تو وہ کافر ہو جائیگا ''**اللھم صل علی سیدنا محمد وبارک وسلم**'' (مسئلہ علم غیب، حصہ سوم، ص۵، بہ اہتمام حبیب حسین الجیلانی، ۱۱/ اگست ۱۹۷۵ء مطابق ۲/ شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ)

اور بھی خطیبان محترم سے ہم اس واقعہ کو سنتے ہیں کہ منافق بھی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بارے میں دریافت کیا تو سرکار نے فرمایا'' انت فلاں بن فلاں ''، لیکن محترم ومکرم مدنی صاحب قبلہ اس واقعہ کے متعلق اسی عالمانہ وعارفانہ خطاب کے دوران فرماتے ہیں کہ ایک منافق بھی صحابی رسول کے سوال کو اور سرکار تاجدار مدینہ کے جواب کو سنا تو یہ خیال کیا کہ میں ایسا سوال کروں کہ (نعوذ باللہ) رسول دھوکہ کھا جائیں۔

وہ یہ جانتا تھا کہ میں مسلمانوں کے روپ میں ہوں جب میں سوال کرونگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو مسلمان جان کر میرا ٹھکانہ جنت بتلا دیں گے (تا کہ میں عیش وآرام کی زندگی

حاصل کرسکوں مرنے کے بعد) کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ سرکار نے فرمایا ''فقال النار'' تیرا ٹھکانہ جہنم ہے۔(مسئلہ علم غیب، حصہ سوم، بہ اہتمام حبیب حسین الجیلانی، ۱۱راگست ۱۹۷۵ء مطابق ۲رشعبان المعظم ۱۳۹۵ھ)

''مزید علم غیب پر خطاب جلیل فرماتے ہوئے کہا کہ جو کوئی امتی مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو اس کے درود شریف پڑھنے کو خود میں سماعت کرتا ہوں علاوہ اس کے رب تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے جو میری بارگاہ میں درود پڑھنے والوں کے نام اس کے آباواجداد کے نام کے ساتھ پیش کرتا ہے'' یہ تو عام طور پر ہم سنتے ہیں اور پڑھتے ہیں، مگر حضرت والا نے ایک نیا انکشاف بھی کیا۔

''درود شریف کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرنے کے پانچ طریقے ابھی میرے علم میں آئے۔

۱۔ایک تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

۲۔ایک فرشتہ بارگاہ رسالت مآب میں مقرر ہے جس کو ساری کائنات کی سننے کی سماعت دی گئی، کہیں بھی کبھی بھی کوئی بھی درود شریف پڑھتا ہے تو وہ مقرر کردہ فرشتہ کہتا ہے کہ اے اللہ کے رسول فلاں ابن فلاں نے آپ پر درود شریف بھیجا ہے۔

۳۔ کچھ گشتی فرشتے ہیں جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جاتا ہے تو فوری بارگاہ رسالت میں پہنچا دیا جاتا ہے۔

۴۔ ہر انسان کے ساتھ پانچ فرشتے ہر وقت رہتے ہیں، دو کو تم سب جانتے ہیں نیکی لکھنے والا اور بدی لکھنے والا، مگر ایک فرشتہ پیشانی کے سامنے ایک فرشتہ سینہ کے سامنے ایک فرشتہ پشت کے اوپر، دائیں جانب نیکی والا نیکی لکھتا، بائیں جانب برائی لکھنے والا برائی لکھتا ہے، سامنے والا نیکوں کی ترغیب کرتا ہے، پیچھے والا برائیوں سے روکنے کی تلقین کرتا ہے اب شور مچ گیا کہ حضور خود سماعت کرتے ہیں اللہ رب العزت کی جانب سے ایک فرشتہ مقرر ہے گشتی فرشتے جو ساری دنیا میں گشت کرتے رہتے ہیں وہ بھی پھر پیشانی پر ایک فرشتہ جب امتی ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے تو حضرت العلام شیخ الاسام مدنی صاحب قبلہ نے کسی طرح انکشاف فرمایا کہ لوگو تم ایک مرتبہ میرے نبی پر درود پڑھتے ہو لیکن میرے نبی کی بارگاہ اقدس میں کتنے مرتبہ تمہارا نام پیش ہو رہا ہے''۔(مسئلہ علم غیب، حصہ سوم، ص ۸، بہ اہتمام حبیب حسین الجیلانی، ۱۱راگست ۱۹۷۵ء مطابق ۲رشعبان المعظم ۱۳۹۵ھ)

ایسی عارفانہ تقریر برطانیہ کی سرزمین جب آپ نے فرمائی تو ''کسی نے آپ سے پوچھا کہ مولانا جب حضور خود سنتے ہیں یہ آپ ایمان وایقان ہے تو پھر بار بار پیشی کیوں ہو رہی ہے پیشانی کا فرشتہ مقرر کردہ فرشتہ گشتی فرشتہ وغیرہ تو آپ نے کہا کہ ٹھیک ہے اللہ تبارک وتعالیٰ تو قادر مطلق ہے دلوں کی کیفیات کو جاننے والا ہے تو پھر کراماً کاتبین فرشتے کیوں مقرر ہے؟ کیوں لکھا کرتے ہیں؟ بارگاہ خداوندی میں پیش کیوں ہوتی ہے؟ اس نے کہا کہ وہ خدا کی حکمت ہے حضرت شیخ الاسلام نے بھی برجستہ فرمایا کہ اس میں بھی خدا ہی کی حکمت ومصلحت شامل حال ہے۔

ارے یہ ہی تو اعزاز کی بات ہے کہ حضور سن بھی رہے ہیں اور فرشتوں کی زبان پر ان کے چاہنے والوں کا نام بھی آ رہا ہے، جس کو تم ادنیٰ سمجھ رہے ہو''۔ (مسئلہ علم غیب، حصہ سوم، ص۹، بہ اہتمام حبیب حسین الجیلانی، ۱۱/اگست ۱۹۷۵ء مطابق ۲/شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ)

اس خطاب بابرکات میں یہ بات واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے کہ عالم کا جواب سائل کو خموش کردیتا ہے۔ اور عارف کا جواب دل کو مطمئن کردیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے بیانات وبینات سامع کو کوئی انوار وبرکات سے نوازنے کے علاوہ آپ کے خطبات کو ایسا علمی مقام وشہرت کا ایسا بلند درجہ عطا ہوا جیسا کہ دورِ متقدمین میں کسی صوفی باصفا کے ارشادات یا ملفوظات کو حاصل رہا۔

حضرت نے ایک خطاب ''بعنوان شعائر اللہ'' **هدى للمتقين** اور **هدى للناس** کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے ایک نکتہ بیان کیا کہ ''اگر رہنمائی سے لوگ صحیح راستہ کی طرف مائل ہو جاتے تو پھر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ھدی للناس بن کر تشریف نہ لاتے جس کی مثال آپ نے یوں دی کہ ایک شخص راستہ ملا اور پوچھا کہ صاحب مجھ کو کچھوچھا شریف جانا ہے اگر میں اس کو گاڑی کا نمبر، وقت، پلیٹ فارم نمبر، ٹکٹ کی قیمت، مسافت کا وقت ساری چیزیں بتانے کے باوجود بھی وہ غلطی کرسکتا ہے بجائے اس کے اگر میں یہ کہوں کہ میں بھی کچھوچھا ہی جا رہا ہوں تم میرے ساتھ بیٹھ جاؤ اور میرے ساتھ اترنا، اب اگر کوئی درمیان میں اس کو گمراہ کرنا چاہے تو گمراہ نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ یہی کہے گا کہ میں معلومات رکھنے والے کے ساتھ ہوں میں دھوکہ نہیں کھا سکتا''۔ (شعائر اللہ، ص:٦، بہ اہتمام: ادارہ مکتبہ اشرفیہ، حیدرآباد۔ ۲۸/مارچ ۱۹۷۷ء مطابق ۷/ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ، سلسلہ اشاعت: ۳۹)

حضرت قبلہ نے اس مثال سے یہ گرہ کھولی کہ اگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن

رحمت کو تھام لو تو یقین ہے کہ تمہارے لئے جنت نصیب ہو جائے ورنہ یوں کہنا ہوگا کہ ٹکٹ ممبئی کا، سفر مدراس کا، تو اب دھوکہ دینے والے فریب دینے والے تمام جنت کا راستہ لیتے ہیں مگر جب زندگی کا سفر ختم ہو جائے گا تو ٹھکانہ جہنم قرار دیا جائے گا۔

حضرت نے یاقوت پورہ کالونی حیدرآباد میں ایک بیان بعنوان استمداد و استعانت کے حوالہ سے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے ''**وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیرا**'' خدا کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے نہ کوئی مددگار، جب کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے تو تمہیں کیا حق ہوتا ہے خدا کے سوا تم غریب نواز کہو خدا کے سوا تم مشکل کشا کہو خدا کے سوا غوث الوریٰ کہو، دیکھو میرے بیان کا رخ ایسا ہوگا کہ آپ کو غور سے سننا ہوگا کہ اگر مشکل کشا ہو تو صرف خدا ہے اگر حاجت روا ہے تو صرف خدا ہے اگر کوئی فریاد رس ہے تو صرف خدا ہے، تمہیں کیا حق ہے کہ تم غیر کو مددگار بناؤ، آیت کریمہ یہ کہہ رہی ہے کہ خدا کے سوا نہ تمہارا کوئی مددگار ہے نہ تمہارا کوئی حاجت روا ہے، اب ذرا کان کھول کر سنو اگر تم خدا کے سوا کسی کو حاجت روا کہو تو مشرک ہوں گے وغیرہ کسی غیر کو یہ الفاظ کہنے کا آپ کیسے حق حاصل ہے جانتے ہو یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ اس آیت کی تفسیر جاہلانہ ہے چند کتابیں پڑھ لیں تو مفتی بن گئے، اب دارالافتاء میں فتوے نہیں لکھے جاتے چائے خانہ میں لکھے جاتے ہیں مگر صرف حالات رکھ کر خاموش ہو جاؤں تو بات واضح نہیں ہوگی، آیت کریمہ کی صورت میں جو وضاحت کر رہا تھا ہندی کی چندی نہیں ہوگی اردو کی سردو یہ اس آیت کی تفسیر جاہلانہ ہے اس میں جہالت کیا ہے وہ بتاؤں گا، اور قرآن کے سوا کچھ نہ پڑھوں گا، دیکھو اگر میں یہ تسلیم کرلوں کہ اس آیت کا یہ ہی معنی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی کسی کا دوست ہے نہ کوئی مددگار تو اس میں پہلی بڑی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ قرآن قرآن سے ٹکرا جائیگا''۔ (استمداد و استعانت حقیقی ومجازی، ص ۲۔۳، بہ اہتمام: مکتبہ اشرفیہ، حیدرآباد۔ سلسلہ اشاعت: ۴۴)

حضرت قبلہ قرآن سے ہی ثابت کر کے بتا رہے ہیں جس قرآن کی یہ آیت ہے اسی قرآن کی یہ بھی آیت ہے ''انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا'' اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ تمہارا ولی اللہ ہے تمہارے ولی رسول ہے تمہارے ولی مؤمنین ہے حضرت قبلہ نے استعانت کے حوالے سے قرآن کریم کی دوسری آیت مبارکہ کو پیش کر کے بتایا کہ ''**واجعل لنا من لدنک ولیاو اجعل لنا من لدنک نصیرا**'' اسے اپنی طرف سے ہمارے لئے ولی بنا اور اپنی طرف سے ہمارے لئے مددگار بنا، حضرت قبلہ نے یہاں پر منکرین

استعانت کے سامنے اس آیت مبارکہ کو پیش کر کے سوال فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کے سوا کسی کو دوست مددگار نہ بنایا جائے تو پھر قرآن پاک کی اس دعائیہ آیت میں کسی کی مددگاری کے لئے دعا کر رہے ہیں بتاؤ؟

''حضرت قبلہ نے اپنے اس بیان کو جاری رکھتے ہوئے قرآن پاک کی ایک اور آیت مبارکہ کو پیش کیا ''**تعاونو علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**'' ترجمہ: ایک دوسرے کی مدد کرو پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو سرکشی میں حضرت بیان میں زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی آیتوں کا اس طرح ترجمہ کرنا جس سے آیتیں متصادم ہو جائیں۔

ایک نبی کی آواز قرآن میں ہے بلکہ سب انبیاء کی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ''**من انصاری الی الله**'' کون ہے اللہ کی راہ میں میری مدد کرنے والا، تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام توحید کے راستے سے بے خبر تھے، دیکھو یہ خدا کو بلا رہے ہیں یا غیر خدا کو دیکھو لوگ کیا کہتے ہیں ''**نحن انصار الله**'' ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ حضرت سب دلائل قرآن سے ثابت کر کے بتا رہے ہیں۔ مزید فرماتے ہیں اپنے اسی بیان میں کہ ''**ان تنصروا الله ینصرکم**'' تم خدا کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا''۔

حضرت قبلہ نے یہ سوال اٹھایا کہ اگر استعانت کو شرک اور گمراہی قرار دو تو پھر خدائے لم یزل کو کیا کہو گے؟ کیونکہ اللہ تو بے نیاز ہے اس کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے مگر قرآن خود کہہ رہا ہے کہ تم خدا کی مدد کرو تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔

''اس سے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ لالچ لینے والا ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر مطلب کیا ہوگا؟ مطلب یہ ہی ہے کہ اللہ کی مدد سے مراد اس کے دین کی مدد کرنا اگر تم دین متین کی مدد کرو گے یعنی اشاعت و تبلیغ (مگر سنت رسول کے مطابق) کا کام تو اللہ کی نصرت تمہارے ساتھ ہے اگر سنت رسول سے ہٹ کر تبلیغ ہو تو وہ دین مبین کی تبلیغ نہیں کہلائے گی، اخیر میں حضرت نے یہ مثال بھی دی کہ اگر انتقال کر بھی جاؤ تو وہاں بھی تم نہلانے کفنانے نماز پڑھانے کندھوں پر اٹھائے جانے قبر میں اتارنے مٹی ڈالنے کے لئے مدد ضروری ہے بغیر مدد کے کوئی جا نہیں سکتا''
(استمداد و استعانت حقیقی و مجازی، ص:۵، بہ اہتمام: مکتبہ اشرفیہ، حیدرآباد۔ سلسلہ اشاعت:۴۴)

حضرت قبلہ کے اس بیان سے پتہ چلا کہ دنیا میں آنے سے لے کر دنیا سے جانے تک اور

میدان محشر میں فیصلہ ہونے تک اور دائمی زندگی کے ٹھکانہ تک مدد ضروری ہے اب اس کو شرک و گمراہی کہنے والے بہتر جانے کہ ان کا کیا حال ہوگا۔

حضرت قبلہ نے ''مقصد تخلیق'' کے عنوان سے تاریخی مکہ مسجد حیدرآباد میں خطاب کے دوران یہ عقیدہ کشائی فرمائی کہ ''بچہ جب پیدا ہوتا ہے جوں جوں وہ بات کرنے اور سمجھنے کے قابل ہوتا ہے تو اس کو رشتہ بتلایا جاتا ہے اسی طرح جب وہ بڑا ہوتا ہے تو علم کے ذریعہ اپنے راستے ہموار کرلیتا ہے اور جب آگے چل کر ڈاکٹر، انجنیئر، فلسفی وغیرہ بنتا ہے تو پھر ہر چیز پر سوال کرتا ہے یہاں تک کہ زمین و آسمان عرش و فرش غرضیکہ ہر چیز پر سوال کرتا ہے'' (مقصد تخلیق عبادت، ص۴، سلسلہ اشاعت: ۱۷، بہ اہتمام حبیب حسین الجیلانی)

''حضرت قبلہ نے بتدریج سوال و جواب اپنے خطابات میں فرمایا اور کہتے ہیں کہ ہر انسان اپنی فطرت کو استعمال کر کے جب کیوں کس لئے کون سوالات کرتا ہے تو فرمایا کہ یہ سارے سوالات اپنی جگہ ہیں مگر یہ جانو کہ تم کس لئے پیدا کئے گئے جس کی مثال آپ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ایک شاندار لاجواب اگالدان لاؤ اور اس اگالدان میں پانی پیا جائے تو صحیح رہے گا، جب کہ اگالدان تھوکنے کے لئے بنایا گیا ہے چاہے وہ سونے کا ہو یا چاندی کا مگر پینے کے لئے گلاس بنایا گیا ہے۔ جب تم نے مقصد تخلیق کو نہ جان کر کیوں کس لئے کون کا سوال کرتے ہو تو پھر اگالدان میں پانی ڈال پینا پسند کروگے؟ نہیں کہیں گے ہم پانی گلاس میں پئیں گے کیوں کہ گلاس پانی پینے کے لئے بنایا گیا ہے اور اگالدان تھوکنے کے لئے بنایا گیا ہے، تو اس طرح انسان کو پیدا کیا گیا ہے اللہ کی عبادت کرنے کے لئے نہ کہ اس کی تخلیق میں کیوں کیسا کون کا سوال و حجت کرنے کے لئے''۔ (مقصد تخلیق عبادت، ص ۷، سلسلہ اشاعت: ۱۷، بہ اہتمام حبیب حسین الجیلانی)

''آگے مزید یہ فرماتے ہیں کہ جب درخت کے پتے نیچے آئے تو ان کو روندتے ہوئے گذریں گے آپ نے کبھی خیال کیا یہ تو وہ پتے تھے جس کے سائے میں ہم سانس لے چکے ہیں کچھ خیال نہ کیا روندتے ہوئے چلے گئے اور کچھ لوگوں نے اسی پتوں کو جمع کر کے آگ میں ڈالدیا یہ بھی معلوم ہوا کہ ٹوٹے ہوئے پتوں کا جو بھی حشر ہوتا ہے یا تو روندے جاتے ہیں یا جلا دیئے جاتے ہیں اور جو پتے درخت سے لگے ہوئے ہوتے ہیں نہ ان کو کوئی جلاتا ہے نہ روندتا ہے تو اے شجر قادریت سے لگنے والو شجر چشتیہ سے لگنے والوا ے شجر نقشبندیہ سے جڑے رہنے والوا ے شجر سہروردیہ سے جڑنے والو ان درختوں سے برابر لگے رہو تم کو کوئی برباد کرسکتا ہے نہ تمہیں پامال کرسکتا ہے نہ تم کو جلا سکتا ہے، مگر اسی

درخت سے لگے رہو لوگ پامال کرنے کے لئے کانٹنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں''۔(مقصد تخلیق عبادت، ص۱۳۔۱۴، سلسلہ اشاعت: ۱۷، بہ اہتمام حبیب حسین الجیلانی)

حضرت قبلہ کی اس نصیحت سے امت محمدیہ ﷺ پر واضح کیا جارہا ہے تم اگر مضبوطی کے ساتھ ان درختوں سے جوڑے رہو تو پھر شہید اعظم سید الشہداء لخت جگر فاطمہ دل بندہ مرتضیٰ امام حسین علیہ السلام سے رشتہ ہوگا پھر فاتح خیبر اسد اللہ الغالب علی مرتضیٰ حیدر کرار سے جاملو پھر تاجدار مدینہ سرور کون ومکاں باعث تخلیق کائنات محبوب رب لعالمین رحمۃ للعالمین محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عظمیٰ نصیب ہوگی مغفرت کا رحمت کا دروازہ کھل جائے گا، دیدار الٰہی نصیب ہوگا دائمی زندگی اللہ رب العزت کے انعام یافتگان بندوں کے ساتھ ہوجائے گی۔

حضرت شیخ الاسلام کی تقاریر کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ جہاں آپ کے خطابات ہوتے وہاں پورا ماحول محبت رسول، محبت اولیاء کرام واہل بیت عظام کا گہوارہ بن گیا۔آپ کے خطبات سے دلوں میں عشق محمدی کی شمع روشن ہوتی چلی گئیں۔اولیاء اسلام کی حیات کے مختلف جہات پر آپ کے خطابات منفرد مقام کے حامل ہیں۔چنانچہ حضرت قبلہ نے جامع مسجد افضل گنج (نیا پل حیدرآباد) میں عرفان اولیاء کے عنوان سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ارشاد ربانی ہے ''**الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون**'' ترجمہ:خبردار ہوجاؤ ہوشیار ہوجاؤ کہ یقیناً اللہ کے جو اولیاء ہیں انہیں نہ کوئی خوف ہے نہ کوئی رنج وغم ہے۔

حضرت قبلہ نے کہا کہ ''حضرت شیخ ابوالعباس کا ایک قول میری نگاہ کے سامنے آیا تفسیر روح البیان میں جس کو نقل کیا گیا ہے تم اس بات کو معمولی نہ سمجھو اللہ تبارک وتعالیٰ کو سمجھنا آسان ہے ولی کا سمجھنا مشکل ہے۔

آپ کہیں گے ایسا کیوں؟ تو حضرت قبلہ نے قرآن پاک کے بعد قول رسول کو پیش کرکے فرمایا ''ماعرفناک حق معرفتک''یعنی ہم نے نہ پہچانا جیسا پہچاننا چاہئے تھا،تو اب بتایئے کہ رسول سے زیادہ معرفت کون حاصل کرسکتا ہے؟''(عرفان اولیاء، ص:۲، سلسلہ اشاعت: ۳۷، بہ اہتمام: ادارہ مکتبہ اشرفیہ، حیدرآباد۔۱۴۰۲ھ)

حضرت قبلہ کی اس دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے رسول کی معرفت کے آگے سب سرخم کرکے تسلیم کرنا ہے، پھر آج یہ سوال کیوں پیدا کیا جاتا ہے کہ وہ بھی ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں ہماری طرح سوتے جاگتے ہیں ہماری طرح بازاروں میں خریداری کرتے ہیں۔حضرت قبلہ نے

فرمایا کہ جس طرح اللہ مکان مکانیت وغیرہ سے پاک ہے اسی طرح اولیاء بھی مکان مکانیت سے پاک ہوتے تو پھر قرآن پاک جس آیت مقدسہ کو حضرت قبلہ نے بیان کیا اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا حضرت کے خطاب سے ہم کو یہ درس دیا جا رہا ہے کہ لوگو تم تاج محل میں شیش محل میں جہاں کہیں ہو کیسے بھی ہو مگر ہر حالت میں تم کو غم ہوتا ہے خوف ہوتا ہے علاوہ اس کے اولیاء اللہ وہ ہوتے ہیں بھوکے بھی ہیں پیاسے بھی سر چھپانے کے لئے عالی شان محل نہیں بنواتے مگر بے خوف ہیں کیوں؟ اس لئے کہ جو بندہ گان خدا اللہ جل شانہ کے قریب ہوتے ہیں ان کو دنیا کا کوئی خوف نہیں ہے حضرت قبلہ مثال کے ذریعہ اس مسئلہ کی تفہیم فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی بادشاہ کے قرے ہو تو اس کو کیا چور ڈاکو کا خوف ہوتا ہے؟ نہیں

اگر کوئی شخص کسی جج کے قریب ہو تو اس کو کسی وکیل وغیرہ کا خوف ہوتا ہے؟ نہیں

اگر کوئی شخص کسی عالم یا مفتی یا شیخ طریقت کے قریب ہو تو اس کو جہالت یا زمانہ جہالت کا خوف ہوتا ہے؟ نہیں

اس لئے بے خوف ہوتا ہے انسان ان صحبتوں کو اختیار کرنے کے بعد کہ لوگ اس کو خوف زدہ کرنے سے پہلے تصور کرتے ہیں کہ فلاں جج کے قریب ہے فلاں بادشاہ کے قریب ہے اگر ہم اس کو تکلیف دیں گے تو ہم کو قید کیا جائے گا یا پھر موت کے گھاٹ اتارے جائینگے جو مفتی یا عالم یا شیخ مربی کے قریب ہو تو اس کو ہم خوف زدہ کریں تو ہم کو شریعت کے اعتبار سے کوڑے مارے جائینگے اور ہم پر فتویٰ جاری ہو جائے گا ہم معاشرے سے بائیکاٹ کئے جائینگے۔ اگر تم ان کو برا کہو یا گمان کرو اللہ کی بارگاہ میں یہ اگر تمہارے لئے بددعا کر دیں تو نہ دنیا میں سلامت رہو گے نہ آخرت میں۔

حضرت قبلہ نے مدینہ مسجد ضلع محبوب نگر (تلنگانہ) جو حیدرآباد سے ۱۰۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے وہاں حقیقت نور محمدی کے عنوان سے بیان کرتے ہوئے قرآن پاک کی وہ آیت کریمہ پڑھی "**قدجاء کم من اللہ نور و کتاب مبین**" اورحدیث رسول "**اول ما خلق اللہ نوری**" اسی پر بحث کرتے ہوئے جو لفظ نور کا انکار کیا کرتے تھے ان کو مدلل انداز میں جواب دیا اور سمجھایا کہ لوگو" میں کچھوچھہ سے آیا ہوں تو مجھ کو کچھوچھوی کہیں گے جو حیدرآباد سے آتے ہیں ان کو حیدرآبادی کہیں گے بہر حال جو جہاں سے آتا ہے اس کو وہیں کا کہتے ہیں کوئی اور شہر یا دیہات یا ریاست بدل کر نہیں کہتے اس نور کو کیا کہوں؟ اعتراض ہوتا ہے اس نور کو عربی کہوں کہ عجمی کہوں ہاشمی کہوں کا مطلبی کہوں، مکی کہوں کہ مدنی کہوں، فرشی کہوں کہ عرشی کہوں، شمالی کہوں کہ جنوبی

کہوں، مشرقی کہوں کہ مغربی کہوں، میں اس سوچ میں پڑ گیا تھا مگر دوستو میں یہ کیسے بتلاؤں کہ یہ مشرقی یا مغربی ہے جب ان کا وجود نہ تھا مگر نور موجود تھا، میں کیسے کہوں یہ مکی ہے یا مدنی جب کہ مکہ کو جود نہیں تھا، میں کسے کہوں یہ فرشی یا عرشی ہے، میں کیسے کہوں کہ یہ ہاشمی و مطلبی ہے جب عبدالمطلبؓ موجود نہ تھے، مگر یہ نور موجود تھا، میں سوچنے لگا کہ عربی کہ عجمی نہ عرب تھا نہ عجم تھا مگر یہ نور موجود تھا، خاکی کہوں مگر خاک کا وجود بھی نہ تھا۔

آتش کہوں کہ آگ کا بھی وجود نہ تھا آبی کہوں کہ پانی کا بھی وجود نہ تھا فرشی عرشی کہوں نہ فرش کا وجود تھا نہ عرش کو وجود تھا، آخر اسے کہوں تو کیا کہوں پھر یہ آیا کہاں سے جواب ملا اے نادان تو ادھر ادھر کیوں جا رہا ہے (جواب رب تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ سے آ رہا ہے) میں خود ہی کہہ رہا ہوں "**قد جاء کم من الله**" بارگاہ قدسی سے آیا ہے، اب یہ فرشی ہے نہ عرشی، آتشی ہے نہ آبی، مشرقی ہے نہ مغربی، عربی ہے نہ عجمی، یہ ہاشمی ہے نہ مطلبی یہ مکی ہے نہ مدنی یہ تو عالم قدس سے آیا ہوا ہے"۔ (حقیقت نور محمدیؐ، ص ۴۔۵، باہتمام: ادراہ مکتبہ اشرفیہ، حیدرآباد۔ سلسلہ اشاعت: ۴۰)

حضرت قبلہ کے اس روشن دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لوگو تم نور محمدی کی حقیقت کو جانو اور اس کی تعظیم کرو برابری نہیں، حضرت قبلہ کا ولولہ انگیز بیان لوگوں کے ضمیر کو جھنجوڑ دیتا ہے اور اہل ایمان کو تازگی دیتا ہے کہ یقیناً عارف عارف ہی ہوتا ہے۔ "**اللھم صل علی سیدنا محمد علی سیدنا محمد وبارک وسلم**"

جامعہ مسجد سکندرآباد میں "ایمان کامل" کے عنوان پر پرمغز مدلل بیان کرتے ہوئے کہا کہ صرف لا الہ الا اللہ کہنے سے جنت مل جائے گی، ہم پوچھینگے کہ "صرف الفاظ حدیث کو دلیل نہ بناؤ اب ثابت کرو تو کہا جائے گا کہ محمد رسول اللہ خود فرمائے، دیکھو تصدیق کس طرح ہوتی ہے لا الہ الا اللہ تو بعد میں کہا محمد رسول اللہ کو پہلے مانا" (ایمان کامل، ص ۴، سلسلہ اشاعت: ۳۸، باہتمام: ادارہ مکتبہ اشرفیہ، حیدرآباد۔ ۲ر جون ۱۹۸۲ء مطابق ۹ر شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ)

حضرت والا کا یہ انوکھا نرالا خطابت کا انداز ہے جو سامع کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے دعوت کو قبول کرنا ہے تو داعی کو بھی قبول کرنا ہوگا، اب اگر کوئی کہے کہ میں داعی کو نہیں مانتا دعوت کو قبول کرونگا تو یہ سراسر غلط ہے داعی محمد رسول اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسلام آپ کی دعوت ہے۔

مزید فرمایا کہ میں ملنے کا پیام لے کر آیا ہوں اتفاق واتحاد کی بات کرنے آیا ہوں اتحاد و اتفاق

کی قوت توانائی کو جانتا ہوں دیکھو یہ ایک ذرہ ہے اگر یہ ہی ذرے مل کر زمین پر جمع ہوجائیں تو پہاڑ ہوجائے گا دیکھوایک ہی درخت ہے سکندرآباد سے حیدرآباد تک مکہ مسجد تک ایک ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ایک درخت لگاؤ تو سینکڑوں درخت لگائے جائیں گے، مگر ایک بھی باغ تیار نہیں ہوگا، اگر دس پانچ درخت قریب لگ جائیں تو باغ تیار ہوجائے گا، دیکھو باغ کی بھی عجیب خصوصیت ہے ایک درخت کے سایہ میں کتنے لوگ بیٹھینگے باغ کے سایہ میں تو پوری قوم بیٹھ سکتی ہے، جتنا بڑا باغ بناوٗ گے اتنا ہی بڑا سایہ ہوگا۔

حضرت والا امت محمدیہ کو واضح مثال دے کر بتارہے ہیں کہ لوگو"تم سب مل کر باغ کے گھنے درخت کے مماثل ہوجاؤ تاکہ تمہارے اندر اتحاد و اتفاق باقی رہے اور ساری آنے والی نسلیں قومیں تمہارے اس سایہ دار وسیع باغ سے فائدہ اٹھاسکیں"۔ (ایمان کامل، ص ۳۸، سلسلہ اشاعت: ۳۸، باہتمام: ادارہ مکتبہ اشرفیہ، حیدرآباد۔ ۲/جون ۱۹۸۲ء مطابق ۹/شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ)

مکہ مسجد حیدرآباد میں حضرت قبلہ حقیقت نماز کے عنوان سے معرکۃ الاراء بصیرت افروز بیان فرمایا۔

"ارشاد ربانی ہے "ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر" بے شک نماز بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے، یہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے آپ ذرا سرسری جائزہ لیں کیا آپ کو ایسے نمازی نہیں ملیں گے جو نماز پڑھتے ہیں طرح طرح کے منکرات اور طرح طرح کے فواحشات میں مبتلا ہیں نماز تو روکتی ہے ہر انسان کو ہر چھوٹے بڑے گناہوں سے مگر انسان نہیں رکتا وہ انسان کی غلطی ہے، اور کسی یہودی، عیسائی کو نماز کے ارکان بتادیں تو وہ بھی ارکان کو ادا کرے گا تو کیا وہ بھی نمازی کہلائے گا، نہیں، کہینگے وہ نقل کررہا ہے وہ ایکٹنگ کررہا ہے"۔ (حقیقت نماز، شعبہ نشر واشاعت، صدر مرکزی میلاد کمیٹی، حیدرآباد، آندھرا پردیش۔ ۲۵/مئی ۱۹۸۲ء مطابق یکم شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ)

حضرت والا کے ان جملوں سے یہ معلوم ہوا کہ اگر دل میں محبت رسول نہیں اور کلمہ میں محمد رسول اللہ نہیں ہے تو ایسوں کی نماز نماز نہیں ہوتی بلکہ ریاکاری ہوگی۔

اگر آپ ایک گھنٹہ بیان کرتے ہیں تو کم از کم اس دوران ۱۵ سے ۲۰ مرتبہ درود پاک کا ورد فرمایا کرتے۔ آپ کے اس منفرد انداز خطابت نے ایک دنیا کو اپنا شیر بنا رکھا ہے۔ خطبات حیدرآباد کے حوالہ سے حضرت کی خطابت کا ایک نیا رخ سامنے آتا ہے۔ جو آپ کی شخصیت اور خطابت کو دوسروں سے منفرد بناتا ہے۔

شیخ الاسلام کی تنقیدی بصیرت

(''تحریک دعوت اسلامی کا تنقیدی جائزہ'' کے حوالے سے)

——ڈاکٹر اطہر معز، گلبرگہ شریف

یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ جانشین محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ، شیخ الاسلام و المسلمین حضرت سید محمد مدنی میاں صاحب قبلہ اشرفی الجیلانی، کی پہلو دار شخصیت پر مختلف گوشوں سے روشنی ڈالنے کی غرض سے حضرت سید عبداللہ باشیبان اکادمی بلگام، ایک کل ہند سہ روزہ سیمینار منعقد کرنے جا رہی ہے۔ اللہ رب العزت اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقے اُن کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت کا درجہ عطا فرمائے۔ آمین

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین کی شخصیت دنیائے سنیت میں ہی نہیں بلکہ معاندین و اعدائے سنیت میں بھی احترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ شیخ الاسلام کی پہلو دار شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ کی تحریریں، تقریریں، انشا پردازی اور زبان و ادب کے حوالے سے آپ کی سلاست روی اور علمی فکر و عمل مستند مقام کی حامل ہیں۔

میرے پیش نظر شیخ الاسلام کا تصنیف کردہ رسالہ ''تحریک دعوت اسلامی کا تنقیدی جائزہ'' ہے جس میں حضور شیخ الاسلام نے تحریک دعوت اسلامی کی کارکردگی، عقائد، طریقۂ تدرس و تبلیغ، بانی جماعت کے عقائد اور خیلات اور فرق بین عقیدہ و پالیسی کو عالمانہ انداز میں واضح کرتے ہوئے تحریک کے عقائد اور پالیسی پر بھی بحث کی ہے۔ حضور شیخ الاسلام نے ساتھ ہی ان غلط فہمیوں کا بھی کامیابی سے ازالہ کیا ہے جو دعوت اسلامی تحریک کو لے کر ہندوستان کے سنیوں میں گذشتہ صدی کے آخری دہے میں پھیلائی گئی تھی۔ آپ نے اس رسالہ میں جس خوبی سے تحریک دعوت اسلامی اور اس کے بانی علامہ محمد الیاس قادری صاحب کے عقائد، اور ان کے متعلق علمائے اہل سنت کی سوچ و فکر اور حقائق کی روشنی میں جس طرح حالات کا تجزیہ کیا ہے اور سنی مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کا درس دیا ہے وہ اُن کی غیر جانب داری اور سنیت اور سنیوں سے ان کی

محبت اور شفقت پر دال ہے۔

حضور شیخ الاسلام کے تحریر کردہ اس چشم کشا حقائق پر مبنی رسالہ کے مطالعہ کے بعد یہ بات صاف اور روشن ہو جاتی ہے کہ دعوت اسلامی تحریک کا مقصد کیا ہے اور اس تحریک نے کس طرح بد مذہبوں بالخصوص دیو بندیوں اور وہابیوں کے طریقہ کار کا موثر جواب دیا نیز بد مذہبوں نے کس طرح اس تحریک کو کچلنے کے لیے سامنے آئے بغیر سنیوں سے ہی کام لینا شروع کیا۔اُن غیر مبہم گوشوں پر عام سنیوں کی نظریں کبھی نہ پہنچ پاتیں اگر حضور شیخ الاسلام نے اس رسالہ کے ذریعے ان عناصر کو بے نقاب نہ کیا ہوتا۔ساتھ ہی آپ نے دعوت اسلامی کی چند فاش غلطیوں کی جانب موثر ڈھنگ سے اشارے بھی کیے ہیں اور ان کو اپنی اصلاح کا راستہ بھی دکھایا ہے۔عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ کسی کی غلطی کی جانب ہم اشارہ تو کرتے ہیں مگر اس کے سدباب کے لیے رہ نمائی سے ہم احتراز کرتے ہیں۔ یہاں معاملہ شیخ الاسلام کا ہے۔جن کا کام ہی رہ نمائی کرنا ہے۔یہی ان کے منصب اور ان کی پہلو دار شخصیت کے شایان شان بھی ہے۔یہی نہیں حضور شیخ الاسلام نے تحریک دعوت اسلامی کے حاسدین کے دلوں سے اٹھنے والی حسد کی آگ بھی بجھائی ہے انھیں نہایت احسن طریقے سے ان کے اپنے دائرہ کار میں رہ کر سنیت کی خدمت کے ان کے اصل فرض کی بھی یاد دہانی کرائی ہے۔جس زمانے میں حضور شیخ الاسلام نے اس رسالے کو قلم بند فرمایا تھا اس زمانے میں ہندوستان کے طول وعرض میں تحریک سنی دعوت اسلامی کے بانی مولانا محمد الیاس قادری عطاری ضیائی کے عقیدے کو لے کر مخالفین اور ان کے آلہ کاروں کی جانب سے چلائے جانے والی منظّم مہم جاری تھی۔عام مسلمانوں میں دعوت اسلامی تحریک کو لے کر اس معاندانہ مہم کی بدولت کافی بے چینی اور اضطراب پایا جاتا تھا۔جس کا فائدہ مخالفین اور بد مذہبوں اور سازشیوں کو زیادہ ہو رہا تھا۔

حضور شیخ الاسلام نے اس رسالے میں جس طور پر اور جس نہج پر تحریک دعوت اسلامی کا تجزیہ کیا ہے وہ ادبی تنقیدی اُصولوں پر مشتمل ہے۔یہ ایسا کارنامہ ہے جس کے لیے سب سے پہلے قلم پر نہ صرف ناقد کی گرفت مضبوط رہنی ضروری ہے بلکہ اس کے لیے سارے واقعات اور حقائق کو سچ کی کسوٹی پر پرکھنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ایسے معاملات میں اکثر ہمارے علما تحقیق کی گہرائیوں کا بار کم ہی اٹھاتے ہیں اور سنی سنائی باتوں سے سنیوں کی رہ نمائی کرتے ہیں۔لیکن اس رسالے کی پہلی قرات ہی قاری کو مصنف کی جانب داری اور اصل واقعات وحالات کو سمجھنے میں مدد

دیتی ہے۔اس رسالے کی ایک اورخوبی یہ بھی نظر آئی کہ باوجود سنگین نوعیت کے موضوع پر قلم اٹھانے حضور شیخ الاسلام کی تحریر کی سلاست روی نے قاری کو باز قرات کی زحمت سے بچایا ہے۔حالانکہ ان کی تحریر کی شگفتگی یہ تقاضا ومطالبہ کرتی ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے۔حضرت سید محمد مدنی میاں صاحب قبلہ نے مولانا محمد الیاس صاحب قادری سے متعلق ہند و پاک کے سرکردہ علمائے اہل سنت کی آرا کو سب سے پہلے اس رسالے میں جمع کیا ہے۔جو اس بات کی جانب دلالت کرتی ہے کہ حضور شیخ الاسلام دنیائے سنیت میں تحریک دعوت اسلامی کو لے کر کیے جارہے پروپیگنڈے کا قلع قمع چاہتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ سنی مسلمان بد مذہبوں کے جھوٹے پروپیگنڈ کا شکار نہ ہو اور آپس میں نفاق پیدا کرنے والوں کو پہچان لے۔حضور شیخ الاسلام کے اس رسالے نے بد مذہبوں کی ساری امیدوں اور سازشوں کو خاک چٹوائی اور سنی مسلمان ایک بڑے فتنے سے محفوظ و مامون رہ سکے۔حضرت مولانا اختر رضا خاں ازہری میاں قبلہ کی ایک تحریر کا بھی انھوں نے حوالہ دیا ہے جس میں وہ بانی تحریک دعوت اسلامی کے بانی کے عقائد اور مسلک اعلیٰ حضرت پر قائم رہنے کے طرز عمل کی ستائش کی گئی ہے۔

دوسو سال سے ہندوستان میں تبلیغ دین کے نام پر سادہ لوح سنیوں کو گمراہ کیے جانے کا جو کام اہل سنت والجماعت کے نام کی تختی لگا کر ایک مخصوص گروہ جو رائندہ سنیت ہو چکا ہے کر رہا ہے اس کا موثر جواب مولانا محمد الیاس صاحب قادری کی اس تحریک نے دیا ہے اور اس کام کو اس طرز ونوعیت پر کہ دعوت اور مسائل کا بیان اور چھوٹے چھوٹے دینی مسائل کو داعیان کے ذریعے سے گلی گلی کوچہ کوچہ پہنچایا جائے دراصل سنیوں کو بد مذہبوں کے شکنجے اور جال سے محفوظ رکھنے کی ایک سعی مشکور ہے۔علمائے سنیت نے اس جانب ذرا کم توجہ فرمائی ہے جب کہ بے شمار سنی ان بد مذہبوں کے پر کشش جال میں پھنس کر خود اہل سنت والجماعت کے مخالف ہو گئے۔حضور شیخ الاسلام نے نہایت ہی باریک بینی سے اس معاملہ کا جائزہ لیتے ہوئے علمائے اہل سنت والجماعت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے طرز عمل میں تبدیلی لائیں اور آپس میں اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے بد مذہبوں کی چالوں کو سمجھیں اور اپنے دین وعقیدے کو بچائیں۔مومن ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسا نہیں جاتا۔لیکن یہاں تو یہ حال ہے کہ بے شمار سنی اس سوراخ سے جس کے بطن سے بے شمار شگاف مہیب نمودار ہوئے مسلسل ڈسے گئے اور جا رہے ہیں۔مگر 1992 میں جب بد مذہبوں کو پہلی بار انھی کی طرز پر اور انھی کے خطوط پر چیالنج دینے کے لیے مولانا محمد الیاس صاحب قادری

کی تحریک نے کم کس لی تب لگا کہ کہیں ان کا انت نہ ہو جائے۔ چنانچہ جیسا کہ بد مذہبوں کی عادت ہے وہ نہ تو اہل سنت الجماعت کے علما سے کسی مناظرہ میں جیت پائے ہیں اور نہ ہی ان میں اتنی ہمت ہے کہ وہ اس قسم کی کوئی علمی مبارزت دے سکیں۔انھوں نے جیسا کہ حضور شیخ الاسلام نے اشارہ فرمایا ہے ہمیشہ ہی سے تصادم اور مناظرہ کی راہ سے گریز کیا ہے اور ان کا نشانہ ہمیشہ بھولے بھالے سنی مسلمان ہی رہے ہیں۔اب ان بد مذہبوں نے اپنے حلقہ اثر انگریزی میڈیم سے تعلیم یافتہ اس نسل کو شکار بنایا ہے جس کے پاس عقیدہ یا مذہب نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہوتی ہے اور وہ نیچریوں کی طرح ثبوت اور شواہد کی کسوٹی پر ایمان کو پرکھتا ہے۔ جانچتا ہے اور دوسروں کو بھی انھی خطوط پر جو استدلالی ہوتے ہیں قائل کرواتے ہوئے ان کے عقیدے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا بنا لیتا ہے۔اس طرز عمل کو انگریزی میں غالبًا Brain washing کہا جاتا ہے۔آج سینکڑوں سنی نوجوان جو دنیاوی تعلیم میں اعلیٰ مناصب کے حامل ہیں بد مذہبوں کا سب سے آسانی سے شکار بنتے چلے جارہے ہیں اور اس جانب سنی علمائے کرام کو فوری توجہ فرمانے کی اشد ضرورت ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ تبلیغی دیوبندی کسی دیوبندی کے سامنے کبھی بھی تبلیغ نہیں کرتا وہ صرف اور صرف سنی مسلمان کے سامنے ہی اپنے ترپ کے پتے کھولتا ہے۔اسی طرح آج فرقہ وہابیہ نے اپنے اپنے اسکول کھول رکھے ہیں اور وہ ان اسکولوں میں سنی مسلمانوں کو بھرتی کرنے کے لیے انھیں اسلامی تعلیم کا جھانسہ دیتے ہیں اور ایسے مسلمان تیار کیے جاتے ہیں جو اپنے مذہب پر کم اور غیروں کے مذہب پر زیادہ دست رس حاصل کرتے ہیں اور اس کے علاوہ ان کے پاس ایک ٹی وی چینل بھی ہے جس سے وہ گھروں میں موجود سنی ماؤں بہنوں تک بڑی آسانی سے رسائی حاصل کرتے ہیں۔حضور شیخ الاسلام نے اس رسالہ کو تحریر فرما کر ملت اسلامیہ پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ گو ان کا یہ رسالہ بائیس سال قبل تحریر کردہ ہے مگر بد مذہبوں کے جن اعمال کی جانب انھوں نے اشارہ فرمایا ہے اور سنیوں کی تساہلی اور علمائے اہل سنت کی جانب سے جس سستی کا مظاہرہ اس معالہ میں کیا جاتا رہا ہے اس کا سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔اس سلسلہ میں فیلڈ ورک اگر کسی سنی تنظیم نے اعدائے سنیت کے خطوط پر کرنے کی کوشش کی ہے تو وہ تحریک دعوت اسلامی ہے۔

حضور شیخ الاسلام نے عقیدے اور پالیسی جس کے بارے میں عام سنی تو در کنار علمائے کرام کا ایک مخصوص حلقہ ہی فرق محسوس کر سکتا تھا کے تفاوت کو بڑی آسانی سے واضح کیا ہے۔آپ

نے اس اصول کی روشنی میں تحریک سنی دعوت اسلامی کی پالیسی اوراس کے عقیدے کو بیان فرماتے ہوئے ان قوتوں کی سرزنش بھی کی ہے جوان دونوں کے فرق کو جاننے کی کوشش کیے بغیرامیر تحریک کے خلاف تعذیب میں مشغول رہے تھے۔اصل میں ان سنیوں کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔بات یہ ہے کہ حضور شیخ الاسلام نے بین السطور میں اس بات کو صاف کہہ دیا ہے کہ سنی مسلمان اعدائے سنیت اور بد مذہبوں کا بڑی آسانی سے شکار بن جاتا ہے اوران کے پاس انھیں ورغلانے اور گمراہ کرنے کے بے شمار جال ہیں جن میں وہ پھنس جاتا ہے۔بد مذہب غیر محسوس طریقے سے اپنے سوچ وفکر ہم پر مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں اورسنی مسلمان جوش وعقیدت میں ان کے بچھائے ہوئے جال میں اپنی سادہ لوحی سے بڑی آسانی سے محصور ہوجاتا ہے اور پھر وہ انجانے میں وہی کام کرنے لگ جاتا ہے جس کی توقع اعدائے دین ان سے وابستہ کیے رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ حضور شیخ الاسلام والمسلمین نے عالم،داعی اور مبلغ کا بھی فرق واضح کیا ہے اوراس نکتہ پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔انھوں نے احادیث مبارکہ کی روشنی میں اوران کے دلائل سے یہ بات واضح کردی ہے کہ عالم اور داعی کا فریضہ کیا ہے اور دین کی بات دوسروں تک پہنچانے کا حق اورفرض داعی کا بھی اتنا ہی ہے جتنا عالم کا ہے فرق یہ ہے کہ داعی اور عالم اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر یہ کام کرسکتے ہیں۔

حضور شیخ الاسلام برصغیر ہندو پاک جہاں اہل سنت و جماعت کا چولا اوڑھ کر بد مذہب ساری دنیا میں سب سے زیادہ سرگرم ہیں اوراپنے عزائم مذمومہ کی تکمیل سنیوں سے کرنا چاہتے ہیں ایسے میں حضور شیخ الاسلام کا سایہ ہم سادہ لوح سنی مسلمانوں کے لیے بدعقیدگی کے اس تپتے ہوئے صحرا میں نخل سایہ دار کے مماثل ہے۔حضور شیخ الاسلام صحیح معنوں میں محسن اہل سنت، ناصر دین وملت، رئیس مسند ارشاد و ہدایت، قدوۃ الارباب طریقت، زُبدۂ اصحاب حقیقت، مظہر صفات ربانی، موردالطاف سبحانی، وارث علوم انبیا والمرسلین، شیخ الاسلام والمسلمین، رئیس المتکلمین، محبوب الاتقیا، سرآمد علما وصوفیہ، چشم و چراغ دودمان غوثیہ، قاطع عروق شرک وضلالت، حامل نقد ونظر اوران کے رشحات قلم بصیرت افروز ہیں۔

نظریہ ختمِ نبوت اور تحذیر الناس(ایک جائزہ)

——محمد کاشف رضا شاد مصباحی (ایم اے)،گلبرگہ شریف

عقیدۂ ختمِ نبوت اُمتِ مسلمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے جس کو مشکوک ومتزلزل کرنے کی کوشش ہر دور میں کی گئی مگر بیسویں صدی میں اس عقیدہ کے خلاف دو طاقتیں بڑی شدت کے ساتھ اُٹھیں اور قرآن واحادیث کے افہام وتفہیم میں اقوالِ صحابہ وسلف کے برخلاف اختراع و کذب کا سہارا لیکر اُمتِ مسلمہ میں اختلاف وانتشار کا وہ ماحول پیدا کیا جس کا خاتمہ اب ناممکن سا ہوکر رہ گیا ہے اس میں پہلا نام مرزا غلام احمد قادیانی کا ہے اور دوسرا نام قاسم نانوتوی کا ہے۔

بھلا ہو علمائے حق کا کہ جنہوں نے بروقت ان دونوں فتنوں کا علمی وعملی تعاقب کیا اور حقیقت سے پردہ اُٹھا کر زمانے کے سامنے ان کا مکروہ چہرہ بے نقاب کردیا۔لیکن باطل قوت آسانی سے دبنے والی نہ تھی کیوں کہ ان کے پیچھے غلط ذہنیت، غیروں کی سازش، دولت وثروت کی طاقت وقوت کارفرما تھی لہٰذا ان کے حاشیہ برداران منطقانہ وفلسفیانہ بحث اور غلط تاویلات کا سہارا لے کر قادیانی ونانوتوی کی فکر کو صحیح ٹھہرانے اور فروغ دینے کی کوششوں میں لگے رہے لیکن جب جب ان فتنوں نے سر اُٹھانے کی کوشش کی علمائے حق ان کے خلاف علم وعمل کے ذریعہ برسرِ پیکار ہوئے۔ایسے ہی علمائے حقہ میں ایک نام شیخ الاسلام حضرت علامہ الشاہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کا ہے۔آپ نے غالباً ۴۰؍سال قبل ماہنامہ ’’المیزان‘‘ کیلئے ’’نظریۂ ختمِ نبوت اور تحذیر الناس‘‘ کے عنوان سے ایک طویل مضمون تحریر فرمایا بعد میں اسی مضمون کو آپ کے مجموعۂ مقالات ’’مقالاتِ شیخ الاسلام‘‘ میں شائع کیا گیا پھر اس مضمون کی افادیت وضرورت کے پیشِ نظر کتابی شکل میں طباعت ہوئی۔آپ کی یہ تحریر دلائل، سہل انداز، شگفتہ طرزِ استدلال کی بنا پر نہ صرف عقیدۂ ختمِ نبوت کی دیوار میں دراڑ پیدا کرنے والوں کی تابوت میں آخری کیل کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ آپ کی علمی بھاری بھرکم شخصیت کو بھی عیاں کرتی ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے نہ صرف نبوت کا دعویٰ کیا بلکہ اس نے نبوت کی عجیب و

غریب تشریح کر ڈالی جو اس کی اپنی پیداوار تھی تا کہ کچھ لوگوں کو ذہنی کش مکش کا شکار بنا کر اپنے دعویٰ نبوت کے صحت کا قائل کر سکے۔ دوسری طرف قاسم نانوتوی نے مدعی نبوت بلکہ دعویٰ نبوت کی راہیں ہموار کرنے کیلئے فلسفیانہ و منطقانہ بحث چھیڑ دی اور ختمِ نبوت کا جو معنی متفق علیہ تھا اس سے ہٹ کر نیا معنی بیان کیا لہٰذا ان دونوں باطل قوتوں اور غلط نظریوں کے تعاقب سے قبل ضروری تھا کہ نبوت اور ختمِ نبوت کے صحیح معنی کی تعین کر دی جائے ،لہٰذا ان کے صحیح معنی کے تعین کے لئے حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے آیتِ قرآنیہ ''**ماکان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین**'' کے تحت معتبر تفسیر کی کتابوں سے اقوال مفسرین درج فرما کر واضح فرما دیا ہے کہ مرزا قادیانی کی نبوت کی عجیب وغریب تشریح اور قاسم نانوتوی کا ختمِ نبوت کا بیان کردہ معنی و مفہوم حقیقت سے ہٹ کر ہے اور قرآن و احادیث و نظریہ صحابہ و سلف صالحین کو غلط ٹھہرانے کے مترادف ہے اور وہ کسی طور پر قابلِ قبول اور لائقِ اعتبار نہیں ہے۔ آپ نے اس بات کی بھی وضاحت فرمادی ہے کہ آیت قرآنیہ ''**ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین**'' میں ''خاتم النبیین'' کو فعلِ ماضی قرار دیا جائے یا اسمِ فاعل یا اسمِ الہ تینوں صورتوں میں پیغمبرِ اسلام ﷺ پر سلسلہ نبوت کا خاتمہ لازم آتا ہے، لکھتے ہیں:

> تفسیروں نے اس بات کو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں ظاہر کر دیا کہ ساری اُمتِ مسلمہ اور جمیع علمائے ملتِ اسلامیہ کا یہ متفق عقیدہ ہے کہ ارشاد قرآنی میں ''خاتم النبیین'' کا معنی آخری نبی ''عبارۃ النص'' سے ثابت ہے۔قرآن کریم میں جس عقیدے اور جس نظریے کو دینے کے لئے یہ الفظ موجود ہیں وہ یہی ہے کہ حضور آخری نبی ہیں آپ کے بعد کسی کو نبوت سے سرفراز نہیں کیا جائے گا۔ [۳]

عقیدۂ ختمِ نبوت کو خود اللہ کے رسول ﷺ نے مختلف الفاظ و مثال سے بیان فرمایا ہے جو کتب احادیث میں درج ہیں اور یہی اقوال و فرآمین صحابہ و سلف صالحین کے سامنے تھے کسی نے وہ معنی و مفہوم بیان نہ کیا جو بیسویں صدی میں آ کر قادیانی و نانوتوی نے کیا۔ لہٰذا حضرت شیخ الاسلام نے ان تمام ارشادات نبوی کو درج فرما کر چند اہم علمی نکات درج فرمائے ہیں جسے پڑھنے کے بعد قادیانی و نانوتوی کے نظریئے کی لایعنیت عیاں ہو جاتی ہے ان نکات کی تلخیص یہاں درج کرتا ہوں۔

۱): نبی پاک ﷺ کو خاتم الانبیاء ماننا ضروریاتِ دین ہے جس کا انکار کفر ہے۔

۲): نبی پاک ﷺ کا آخری نبی ہونا یہ عوامی عقیدہ نہیں ہے بلکہ اسی پر صحابہ، تابعین اور تمام علمائے دین کا اجماع ہے۔

۳): تاخرِ زمانی کے اعتبار سے ایک نبی کے لئے بڑی فضیلت ہے جس کا ادراک غیر نبی نہیں کرسکتا۔

۴): **مَاکَان مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِن رِّجَالِکُمْ ولکِن رَّسُولَ اللہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیِّن** آیت قرآنیہ کو اوصاف مدح اور مقام مدح سے ماننے کے باوجود خاتم النبین کا معنی آخری نبی ہی ہوگا۔

۵): خاتم النبین کا آخری معنی مراد لینے سے نہ شان اُلوہیت میں کچھ فرق آئے گا نہ نبیِ پاک ﷺ کی قدر و منزلت میں کوئی کمی آئے گی۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو علمائے متقدین و متاخرین کا خاتم النبین کا آخری نبی معنی مراد لینے پر اجماع نہ ہوتا۔

۶): خاتم النبین کا یہ معنی بیان کرنا کہ ''بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں فرق نہ آئے گا۔'' قرآن کریم کے ثابت شدہ اجماعی عقیدہ و مفہوم کو بدلنے کی کوشش ہے جس کا کفر اظہر من الشمس ہے۔

احادیث و اقوال مفسرین کی روشنی میں ان نکات کو پڑھنے کے بعد جب ہم ''تحذیر الناس'' کی عبارت پر نظر ڈالتے ہیں تو نانوتوی کے نظریے کا بطلان ظاہر ہو جاتا ہے جس میں موصوف نے خاتم النبین کا معنی آخری نبی ہونا عوامی خیال کہا (۲) خاتم النبین کا آخری نبی معنی مراد لینے کو نبی پاک ﷺ کی فضیلت کی نفی قرار دیا۔ (۳) خاتم النبین کا معنی آخری نبی مراد لینے کو خدا پر فضول گوئی اور قرآن پر بے ارتباط ہونے کا الزام لگایا۔ (۴) حضور ﷺ کے بعد بھی نبی آنے کو روا جانا اور کہا کہ کوئی نبی آ بھی جائے تو خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ العیاذ باللہ۔

نانوتوی چونکہ ایک غلط و باطل نظریہ جنم دے کر عوام الناس میں پیش کر رہے تھے لہٰذا وہ اپنی تحریروں میں تضاد بیانی کے بھی شکار ہوئے اور اس راہ میں ٹھوکریں کھائیں، خود ان کا چہرہ لہولہو ہوگیا، ان سارے حقائق کو حضور شیخ الاسلام نے بڑے صاف، سہل انداز میں بیان فرما کر دشمنانِ نبی کے ناپاک عزائم کو آشکارا فرما کر ختمِ نبوت کے حوالے سے عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کو نصف النہار

کر دیا ہے۔

نانوتوی کی عبارت کا تجزیہ اوراس کے بطلان کوعیاں کرتے وقت حضرت شیخ الاسلام کا علمی رنگ،فکری بلندی،الفاظ کا برمحل استعمال،انداز کی شگفتگی،محاورات بیانی قابلِ دید ہے۔

چونکہ نانوتوی کی تحذیر الناس کی متعلقہ عبارت کا تعلق ذہنی اختراع اور فکری بے راہ روی سے ہےاس لئے شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے اس عبارت کی اثبات ونفی کی تمام شقوں کو بیان فرما کر جس طرح محاسبہ فرمایا ہے کہ آپ کے ایک منطقی وفلسفی اورعلم معانی و بیان کے امام وقت ہونے کا احساس ہوتا ہے۔

قاسم نانوتوی کا یہ نظریہ جب سامنے آیا اور علمائے حق نے اس کا محاسبہ کیا،اس پراس کا حکم صادر فرمایا تو نانوتوی کے حوارین نے لاجے شرمے حاشیہ آرائی کر کے نانوتوی صاحب کو بچانے کی کوشش کی،نتیجہ یہ ہوا کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا۔بلکہ طبیب بھی مرض کی زد میں آ گئے۔ایسے تمام طبیبوں کی شیخ الاسلام مدظلہ العالی خوب خبر لی ہےاور واضح کر دیا ہے کہ نانوتوی کی عبارت پر حاشیہ آرائی سے ان کے دامن کے داغ کو صاف نہیں کیا جاسکا ہے بلکہ صرف حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش ہےاور ایسی کوشش کرنے والے نانوتوی کو گڑھے سے نکالنے کے بجائے خود گڑھے میں چلے گئے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے قرآن واحادیث اقوال صحابہ ومفسرین ومحدثین و سلف صالحین اوراپنی خداداد صلاحیت،قوتِ استدلال کے ذریعہ اس بات کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیا ہے کہ قادیانی ونانوتوی کے نظریے اُمتِ مسلمہ کے اجماعی عقیدہ سے نہ صرف انحراف ہے بلکہ اللہ و رسول کی شان میں کھلی گستاخی ہے اور اختتام کتاب پر حضرت شیخ الاسلام نے حسام الحرمین:ازالشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ سے حضرت مولانا سید شریف برزنجی (مفتی الشافعیہ بالمدینۃ المنورہ)اور حضرت شیخ محمد عزیز الوزیر مالکی کا قول نقل فرما کر اس بات پر مہر ثبت کر دی ہے کہ قادیانی ونانوتوی اپنے قول کی رو سے باجماع اُمت اسلام کافر ہیں۔

شیخ الاسلام کی تصنیف ''النبی الامی ﷺ''ایک تجزیاتی مطالعہ

——مشتاق احمد سہروردی (ایم اے) نائب مدیر روزنامہ کے۔بی۔ین ٹائمس ،گلبرگہ

اسلام اپنی آمد کے بعد اپنی حقانیت کے سبب کرۂ ارض کو اپنی آغوش میں سمیٹتا گیا۔تاہم ازلی دشمنِ آدم کو یہ بات گوارہ نہ تھی ۔اس نے اسلام کی تیزی سے پھیلتی روشنی کو اپنی تاریکی سے روکنے کی کوشش شروع کر دی ۔ چونکہ یہ ازلی دشمن اپنے وقت کا بہت بڑا معلم تھا۔ وہ اسلام کی حقانیت اور اولادِ آدم کی کمزوری دونوں سے واقف تھا۔ اس لئے اس نے اپنے تلامیذ یہود ونصاریٰ کو یہ ہدایت دی کہ وہ اسلام کی اصل روح یعنی ایمان میں نقب لگائیں ۔ایمان جو اسلام کی بنیاد ہے ۔اس بنیاد کو گرانے کیلئے یہود ونصاریٰ کے ذریعہ مسلمانوں میں ہی سے چند منتخب نفوس کو خرید لیا۔ان نفوس نے اپنی تحریروں کے ذریعہ اسلام کی بنیاد ایمان کو منہدم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں ۔کبھی انہوں نے نبی کریم ﷺ کے علم غیب پر سوال اٹھائے تو کبھی نبی کی عظمت پر حملہ کیا اور نبی کو صرف پیغام رساں بتایا حضور اکرم ﷺ کے امی ہونے کو بھی حضور کی کمزوری پر محمول کیا۔ یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔آج بھی یہود ونصرانی کے زرخرید غلام حضور اکرم ﷺ کی شانِ بے نیازی میں کمی کرنے پر تلے ہوئے ہیں ۔اور اپنی تحریروں وتقریروں کے ذریعہ یہ ناپاک کام انجام دے رہے ہیں ۔لیکن اللہ تعالیٰ بھی جس نے اپنے کلام مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ ’’ **ورفعنا لک ذکرک**‘‘ یعنی اے رسول ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے ذکر ومقام کو بلند کرنے کیلئے مخصوص نفوس قدسیہ کو منتخب کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق حضور اکرم ﷺ کی شان ومقام کو اپنی تحریروں کے ذریعہ بیان کرتے ہیں ۔ان ہی نفوس قدسیہ میں سے ایک شخصیت شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی دامت برکاتہم کی ہے ۔ جو

ایک بلند وقار جامع صفات، ممتاز عالم دین، مفتی مکرم، صوفی اعظم کے ساتھ ایک منفرد انشاء پرداز ادیب بھی ہیں زیرِنظر تصنیف ''النبی الامی ﷺ'' ان کی دینی افہام وتفہیم کی امامت کی غماز ہے۔ اس تصنیف میں شیخ الاسلام نے سید الانبیاء حضور اکرم ﷺ کے نبی، رسول وامی، ہونے پر مدلل تفصیلی رشنی ڈالی ہے۔ نبی کے معنی کیا ہیں اور امی کا مفہوم کیا ہے۔ اکثر معترضین کا یہ اعتراض ہے کہ نبی کریم ﷺ کو علم غیب نہیں تھا۔ اس بارے میں شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔

''نبی کے معنی ہیں پیغام رساں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی شان بڑے درجہ والا نبی ہے یعنی نبی نبوۃ سے بنا بمعنی بلندی درجات (تفسیر روح المعانی، کبیر) یا نبی نباء سے بنا بمعنی خبر، نبی خبر والا یعنی غیبی خبر دینے والا یا سب کی خبر رکھنے والا یا خبر لینے والا۔ اصطلاح شریعت میں 'نبی' وہ برگزیدہ ہستی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ نبی کا دوسرا ترجمہ ہوا 'خبر دینیوالا' خبر دیا ہوا' نبی ایسی باتوں کی خبریں دینے کے لئے آتے ہیں جن کو نہ تو ہم اپنے حواس سے جان سکتے ہیں' نہ وہاں عقل کی رسائی ہوسکتی ہے۔ اسی لئے صاحب مدارک التنزیل نے فرمایا کہ **والنبی من النباء لانه یخبر عن الله تعالیٰ** یعنی نبی نباء سے مشتق ہے اور نبی کو اسی لئے نبی کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر دیتا ہے جو غیب الغیب ہے۔ جہاں نہ حواس کی پہنچ ہے نہ عقل کی راسائی ہے۔ اب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اے غیب کی خبریں دینے والے۔ دوسروں کو غیب کی خبر وہ ہی دے گا جو خود بھی خبر رکھے۔ جو لوگ حضور ﷺ کے علم کا انکار کرتے ہیں وہ دَر پردہ آپ کے نبی ہونے کے منکر ہیں۔ اگر معنی کئے جائیں 'خبر رکھنے والے' تو مطلب یہ ہوگا کہ اے ساری خدائی کی خبر رکھنے والے۔ ہر محکمہ کا بڑا آفیسر اپنے سارے محکمہ کی خبر رکھتا ہے نگرانی بھی کرتا ہے۔ حضور ﷺ سلطنت الھیہ کے مقتدار اعلیٰ ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ذرے ذرے اور قطرے قطرے پر خبر دار کیا۔ اگر جہاز کا کپتان جہاز سے بے خبر ہو جائے تو جہاز ڈوب جائے۔ اگر ہمارے رسول ہم سے بے خبر ہو جائیں تو ہماری کشتی غرق ہو جائے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی علم غیب کے ضمن میں شیخ الاسلام نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم خچر پر جا رہے ہیں۔ ایک جگہ خچر ٹھٹکا اور اپنے دو پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ حضور نے فرمایا کہ یہاں دو قبریں ہیں۔ جن میں عذاب ہو رہا ہے۔ میرا خچر وہ عذاب دیکھ کر ٹھٹکا۔ یہ خچر کی طاقت نہ تھی بلکہ اس سوار کا فیض تھا جس سے خچر نے لاکھوں من مٹی کے نیچے کا عذاب دیکھ لیا۔ یہ ہیں خبر رکھنے والے کے معنی۔''

یہود نصاریٰ نے اسلام کو کمزور کرنے کیلئے عقیدہ اسلام میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی الامی تھے اس لفظ امی کو بھی انہوں نے عقیدے کے بگاڑ کیلئے استعمال کیا۔ امی کا ایک لفظی معنی استعمال کیا امی یعنی ان پڑھ بے پڑھا لکھا۔ کئی الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کے حروف ایک جیسے ہوتے ہیں تلفظ جدا ہوتا ہے جس کے سبب معنی مختلف ہوتے ہیں۔ کئی الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کے حروف اور تلفظ دونوں میں یکسانیت ہوتی ہے لیکن معنی ومفہوم میں زمین آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ ایسی ہی الفاظ میں لفظ امی شامل ہے۔ لفظ امی کی تشریع شیخ الاسلام نے اسطرح بیان کی ہے۔

''امی کے معنی ہیں ماں کے پیٹ سے عالم وعارف پیدا ہونے والے جن کے دامن پر کسی کی شاگردی کسی کی مریدی کسی سے فیض لینے کا دھبہ نہیں۔ آپ کے امی لقب ہونے کا حقیقی راز کیا ہے؟ اس کو تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون بتا سکتا ہے؟ لیکن بظاہر اس میں چند حکمتیں اور فوائد معلوم ہوتے ہیں: اول؛ یہ کہ تمام دنیا کو علم وحکمت سکھانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور آپ کا استاد صرف خداوند عالم ہی وہ۔ کوئی انسان آپ کا استاد نہ ہو، تا کہ کبھی کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پیغمبر تو میرا پڑھا ہوا شاگرد ہے۔ دوم؛ یہ کہ کوئی شخص کبھی یہ خیال نہ کر سکے کہ فلاں شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استاد تھا تو شاید وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم ولا ہوگا۔ سوم؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی یہ وہم بھی نہ کر سکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ پڑھے لکھے تھے اس لئے انہوں نے خود ہی قراان کی آیتوں کو اپنی طرف سے بنا کر پیش کیا ہے اور قرآن انہیں کا بنایا ہوا کلام ہے۔ چہارم؛ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کو

کتاب دحکمت کی تعلیم دیں تو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پہلی اور پرانی کتابوں کو دیکھ دیکھ کر اس قسم کی ا نمول اور انقلاب آفریں تعلیمات دنیا کے سامنے پیش کررہے ہیں۔ پنجم: اگر حضور ﷺ کا کوئی استاد ہوتا تو آپ کو اس کی تعظیم کرنی پڑتی، حالانکہ حضور ﷺ کو خالقِ کائنات نے اس لئے پیدا فرمایا تھا کہ سارا عالم آپ کی تعظیم کرے۔ اس لئے اللہ جل شانہ، نے اس کو گوارا نہیں فرمایا کہ میرا محبوب کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرے اور کوئی اس کا استاد ہو (سیرۃ المصطفیٰ)''

''امی'' کی مزید تشریح کرتے ہوئے شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔

''اس عموم کو سامنے رکھ کر آپ اس آیت پر غور کریں کہ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ رسول کو جن کی طرف مبعوث کیا گیا وہ سب امی ہیں جاہل وان پڑھ ہیں۔ عرب کو جاہل کہنا آسان نہیں ہے، ان کی فصاحت وبلاغت، ان کی شاعرانہ رفعتیں آج بھی سب سے خراج عقیدت حاصل کررہی ہیں۔ ان کی زبان دانی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے سوا سب کو گونگا (عجمی) سمجھتے تھے۔ ساری کائنات کا جائزہ لو، کیا ساری دنیا جاہل ہے؟ کیا جالینوس، بوعلی سینا اور یونانی مفکرین جاہل تھے؟''

تصنیف میں شیخ الاسلام نے النبی الامی پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اکرم کا امی ہونا رسول مکرم کا کمال ہے۔ اور دوسروں کا امی ہونا ان کا نقص وعیب ہے۔ اس بارے میں ان کی دلیل ملاحظہ ہو۔

''قرآن میں ایک جگہ رسول کے لئے امی کا لفظ آیا ہے اور جن کے لئے رسول کی بعثت ہوئی ان کے لئے بھی امی کا لفظ آیا ہے۔ رسول کا امی ہونا یہ میرے رسول کا کمال ہے اور دوسروں کا امی ہونا ان کا نقص وعیب ہے۔ امی کے معنی ہر جگہ ان پڑھ اور جاہل لگا دینا صحیح نہیں امی دو کلمہ سے بنا ہے ایک ہے 'ام' اور 'ی' نسبتی۔ امی کے معنی ماں والا، شکم مادر میں جو کیفیت ہو اور اسی کیفیت کے ساتھ جب ظہور ہو تو وہ کیفیت امی ہے۔ شکم مادر میں کوئی عالم ہو اور علم لیکر آئے تو اس کا علم امی ہے۔ شکم مادر میں کوئی حافظ قرآن ہو اور حفظ لیکر ظہور پذیر ہو تو اس کا حفظ امی ہے۔ شکم مادر میں کوئی جاہل جہالت لیکر پیدا ہو تو اس کی جہالت امی ہے۔ شکم مادر میں جو نبوت لئے ہوئے ہو اور نبوت

کے ساتھ ظاہر ہوتو وہ نبی الامی ہے یعنی پیدائشی نبی ہے۔''

منکرین عظمت رسول مکرم کا استدلال یہ بھی ہے کہ رسول صرف پیغام رساں وقاصد ہیں وہ بھی جبرئیل کے توسط سے ہم تک پیغام پہنچاتے ہیں۔ان منکرین عظمت رسول اکرم ﷺ کی اس کتاب میں شیخ الاسلام نے وہ خبر لی ہے اور ایسے ایسے دلائل پیش کئے ہیں اگر ان منکرین کے دل میں رمق برابر بھی ایمان ہے تو وہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد فوراً توبہ کرلیں۔اور اپنا ایمان درست کرلیں رسول کی تعریف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''رسول کے معنی ہیں پیغام رساں اور فیضان رساں۔حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں کہ اس کی نعمتیں ہم تک پہنچاتے ہیں اور ہمارے رسول ہیں کہ ہماری درخوستیں بارگاہ رب العزت میں پیش فرماتے ہیں اور ہمارے گناہ وہاں پیش کر کے معاف کراتے ہیں۔ جو کہے کہ ہم خود رب تعالیٰ تک پہنچ جائیں گے، وہ در پردہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی راسالت کا منکر ہے۔ اگر ہم وہاں خود پہنچ جاتے تو رسول کی کیا ضرورتھی؟ رب تعالیٰ غنی ہوکر بغیر واسطہ ہم سے تعلق نہیں رکھتا تو ہم محتاج اور ضعیف ہوکر رب تعالیٰ سے تعلق کیسے رکھ سکتے ہیں؟''

سیدالانبیاء حضور اکرم ﷺ کی عظمت وکمال کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''رسول جب اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ اور چنا ہوا ہوتا ہے تو یقیناً تمام نقائص وعیوب سے پاک ہوا وراس میں کمال ہی کمال ہو۔ یہ تو عام رسولوں کی شان ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ان چنے ہوئے رسولوں مراد ہے اور وہ وہی رسول ہیں جو سب رسولوں میں سے خاص طور پر چنے ہوئے رسول ہیں یعنی گلشنِ رسالت کے سب سے حسین پھول، رسول مقبول ، ہادی السبل ، سیدالرسل، خاتم النبین ، رحمۃ اللعالمین، سرورِانبیاء، محبوب کبریا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جن کے جاہ وجلال، ان کے فضل وکمال، ان کے حسن وجمال کا کیا عالم ہوگا؟ اوران کے مراتب جلیلہ وفضائل جمیلہ کی شان بے مثالی کی کیا انتہا ہوگی۔''

فی زمانہ ایک نیا فتنہ زور وشور سے سر اٹھایا ہے۔ جو احادیث کا منکر ہے۔ان منکرین

احادیث کا دعویٰ ہے کہ ایک زمانے میں لوگوں نے جھوٹی احادیث گڑھ لیں تھیں۔اس کا بہانہ بنا کر منکرین حدیث نے تمام احادیث صحیحہ کا انکار کر دیا ہے۔حالانکہ محدثین کرام نے بڑی تگ و دو وجانفشانی کے ساتھ احادیث صحیحہ کو جمع کیا ہے۔ان منکرین احادیث کے بارے میں شیخ الاسلام نے اس تصنیف میں مدلل بحث کی ہے۔آپ نے ثابت کیا ہے کہ قرآن فہمی حدیث کے بغیر ممکن نہیں ہے۔اس بارے میں شیخ الاسلام تحریر کرتے ہیں۔

''قرآن مجید کو سمجھنے اور آیات واحکام کے مطالب مقرر کرنے کے لئے حدیث رسول سے مفر ممکن نہیں، مثلاً (**اقیموا الصلوۃ واتوالزکوۃ**)(نماز قائم کرواور زکوٰۃ دو) ہی کو لیجئے۔الصلوٰۃ کو اگر لغت عرب کے ذریعہ حل کریں گے تو۔۔۔آپ کو ملے گا کہ صلوٰۃ بمعنی دعا۔۔۔صلوٰۃ صلوین کا مفرد ہے اور یہ پیٹھ کی دو رگوں کو کہتے ہیں۔۔۔صلی اللحم اس وقت کہتے ہیں جب گوشت کو بھونا جائے جلانے کے لئے آگ میں ڈالا جائے۔۔۔اکثر اہل لغت اسے دعا کے معنی میں لکھتے ہیں۔ **صلیت له** ۔میں نے اس کے لئے دعا کی۔تاج العروس میں ہے: یعنی صلوٰۃ اس عبادت کا نام ہے جس میں رکوع وسجود ہوتے ہیں اور اس لفظ کا یہ معنی حقیقت شرعیہ ہے۔''

مندرجہ بالا احکام کی طرح شیخ الاسلام نے مذکورہ تصنیف میں بتایا ہے کہ تیمّم وضو تیمّم غسل، چور کے ہاتھ کاٹنا، تجارت میں حلال وحرام اور خرید وفروخت میں تو بیع و ربو میں تفریق احادیث مبارکہ ہی سے سمجھ سکتے ہیں اور ان پر عمل کیا جا سکتا ہے۔مزید ارشاد فرمایا ہے کہ بعض احکام حدیث قراان کی طرح واجب العمل ہیں جیسے۔

''اذان قرآن پاک میں کہیں مذکور نہیں، کہ نما پنجگانہ کے لئے اذان دی جائے، مگر اذان عہد رسالت سے لے کر آج تک شعار اسلام رہی ہے اور رہے گی۔نماز جنازہ، قرآن میں اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں، مگر یہ بھی فرض ہے۔اس کی بنیاد ارشاد رسول ہی ہے۔بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا قرآن میں کہیں حکم نہیں، مگر تحویل قبلہ سے پہلے ہی نماز کا قبلہ تھا۔یہ بھی

صرف ارشاد رسول ہی سے تھا۔ جمعہ وعیدین کے خطبے کا کہیں قرآن میں حکم نہیں، مگر یہ بھی عبادت ہے اس کی بنیاد صرف ارشاد رسول ہی ہے۔''

اس تصنیف کے آخری حصے میں حضور اکرم ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کے مقصد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہ رسول ﷺ کا مشن کیا تھا۔ وہ دنیا میں کیوں تشریف لائے کیا وہ عربوں میں قومیت جگانے کیلئے آئے تھے۔ یا دنیا میں کوئی اسلامی اسٹیٹ یا اسلامی حکومت قائم کرنے کیلئے آئے تھے۔ انہوں نے اس مضمون میں ان تنظیموں پر بھی تنقید کی ہے جو سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا میں اللہ کی حکومت قائم کریں گے۔ یا پھر اللہ کا یا رسول اللہ کا مقصد یہی تھا کہ وہ دنیا میں اللہ کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں شیخ الاسلام تحریر فرماتے ہیں۔

''رسول یہاں کوئی حکومت قائم کرنے نہیں آئے تھے اسٹیٹ بنانے نہیں آئے تھے، طاقت اور فوج کے ذریعہ زمینوں پر قبضہ کرنے نہیں آئے تھے۔ بعض کم فہموں اور نادانوں (بانی جماعت اسلامی مودودی صاحب) نے یہی سمجھ لیا اور اسلام کے عسکری نظام کو ایسا لازم اور ضروری قرار دیا کہ اس کے بغیر اسلام ہی مکمل نظر نہ آیا۔ اللہ کے رسول آئے تھے برائی مٹانے...... اگر برائی ایک فرد میں ہو تو رسول کا مقابلہ اس ایک فرد سے، برائی اگر گھر میں ہے تو رسول کا اصلاحی دائرہ اس گھر تک پہونچا۔ برائی اگر شہر میں ہوگی تو رسول کا اصلاحی دائرہ اس شہر تک، برائی اگر ملک میں ہو گی تو رسول کا مقابلہ اس ملک سے...... رسول برائی مٹانے کے لئے آئے تھے۔ رسول، دشمنوں کے دشمن نہیں تھے۔ رسول، کافر و مشرک کے دشمن نہیں تھے۔ رسول، منافقوں کے دشمن نہ تھے۔ رسول، کفر و شرک اور نفاق کے دشمن تھے۔ بات یہ ہے کہ برے سے محبت کرتے تھے برائی سے عداوت رکھتے تھے۔''

اکثر علمائے اہل سنت و جماعت یہ فرماتے ہیں کہ وہ دیکھو بے دینوں کی صحبت میں نہ بیٹھو! بے دینوں کی کتابیں مت پڑھو، بد مذہبوں کے جلسوں میں شرکت مت کرو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان لوگوں سے نفرت نہ کریں بلکہ ان سے پرہیز کرنے کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ایک بھولا

بھالا انسان جو علم دین کی صحیح سمجھ نہیں رکھتا وہ بھٹک سکتا ہے گمراہ ہوسکتا ہے۔ اس کا ایمان لٹ سکتا ہے۔ کیونکہ بے دینوں کا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ ایمان والوں کے ایمان پر حملہ کرتے ہیں اوران کا ایمان چھین لیتے ہیں۔ اس بارے میں شیخ الاسلام نے مسلمانوں کو تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں ------

''ایک مریض وہ ہوتا ہے جس کا مرض دور تک پہونچتا ہے متعدی ہوتا ہے اس کو پرائیوٹ وارڈ میں رکھتے ہیں دوسرے مریضوں کے پاس نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ جذامی کے کمرہ میں نہ جانا، دیکھو وہ دِق والا ہے وہاں نہ جانا، دیکھو وہ طاعون والا ہے نہ جانا...... یہ جو کہتے ہیں وہاں نہ جاؤ کیا مطلب ہے؟ کیا سب مریضوں سے نفرت ہے؟ نفرت نہیں ہے نفرت تو مرض سے ہے اس لئے یہ مریض اپنا مرض دوسروں کو لگا نہ دے اس لئے پرہیز بتلایا جارہا ہے...... پرہیز ار ہے نفرت اور ہے۔ اس لئے اسلام نے نفرت نہیں سکھایا، پرہیز سکھایا ہے۔ دیکھو بے دینوں کے پاس مت بیٹھو، بے دینوں کی کتابیں نہ پڑھو، بدمذہبوں کے جلسوں میں مت جاؤ۔ کیا یہ نفرت ہے ؟ نفرت نہیں ہے یہ تو پرہیز ہے۔''

شیخ اسلام اکیڈمی حیدرآباد سے طبع ہوئی کتاب ''النبی الامی ﷺ'' شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی کی معرکتہ الاراء تصنیف ہے۔ اس کی تلخیص وتحشیہ محمد یحیٰ انصاری اشرفی کا ہے۔ یہ کتاب ان گمراہ و بے دینوں کے آنکھ وکان نہیں بلکہ دل ودماغ کے دریچے واکر نے کیلئے کافی ہے۔ جو نبی مکرم ﷺ کی عظمت رسالت، نبوت اور وساطت کو حقیقی معنوں کے بجائے اپنے ذہنی تحفظات کے تحت تسلیم کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام کی چند کتب کا موضوعاتی و اسلوبیاتی جائزہ

(دینِ کامل، اتباعِ نبوی، عرفانِ اولیاء، دلوں کا چین)

—— **ڈاکٹر وحید انجم چشتی صابری**، سینئر گریڈ لیکچرر گلبرگہ

شیخ الاسلام حضرت محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی کی علمی وادبی خدمات کا احاطہ بہ آسانی ممکن نہیں۔ شیخ الاسلام ایک فقید المثال بلند پایہ عالم دین، مفتی مکرم صوفی اعظم، انشاء پرداز، ادیب، خطیب ذیشان، شعلہ بیان مقرر، امام افہام و تفہیم اور بے مثال نعت گو شاعر کے علاوہ محسن اردو زبان وادب ہیں۔

حضور شیخ الاسلام ایک مخلص داعی و مصلح اور دیدہ ور قائد کی حیثیت سے آفاقی پیغام قوم و ملت کو دیتے آرہے ہیں۔ آپ کے اخلاق و کردار، علمی و دینی خدمات اور رشد و ہدایات انسانیت کے عروج کے ضامن رہے ہیں۔ عشق رسول ﷺ آپ کا سرمایۂ حیات ہے۔ جس کا عملی نمونہ آپ کی پوری زندگی اور آپ کا کردار عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ہندو پاک بلکہ سارے عالم اسلام میں آج بھی آپ کے افکار و ہدایات، ارشادات و تعلیمات کی گونج سنائی دے رہی ہے۔

حضرت سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی دامت برکاتہم القدسیہ خانوادہ اشرافیہ کی ہمہ جہت اور آفاقی شخصیت بن کر ابھرے ہیں۔ انہیں عالم دین، مفتی، شاعر انشاپرداز، خطیب جس کسی رخ سے دیکھئے مکمل نظر آئیں گے۔ یہ شخصیت بابرکت اور پرفیض بھی ہے۔ ان کی حیات کا گوشہ گوشہ ایک جہان دیگر ہے۔ حضور شیخ اسلام بے شمار خداداد صلاحیتوں سے آراستہ ہیں۔ ان کی حیات و خدمات بیش بہا ہیں۔ اور فضائل و کمالات، اوصاف حمیدہ بھی بے مثال ہیں مختلف علوم وفنون پر ان کی مہارت مسلمہ ہے۔

حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی کی تصنیفات کی فہرست میں 29 کتب شامل ہیں۔ حضرت نے اپنے قلمی سفر کا آغاز تو نوعمری ہی میں کیا تھا۔ تاہم آپ کی پہلی تصنیف 1966 میں منظر عام پر آئی۔ حضرت کا شمار بڑے بڑے اساطینِ علم وفن، زہد و ورع زمانہ ساز اور عہد ساز

شخصیات میں ہوتا ہے۔آپ کی تصانیف جوطویل بھی ہیں اور چند (مختصر بھی) جوخطبات پر مشتمل ہیں ان کی اشاعت کی ایک طویل تاریخ ہے۔موضوعات کے اعتبار سے ان کی بڑی اہمیت ہے۔ اور یہ اہمیت وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جارہی ہے۔ کیونکہ آگے چل کر یہی کتب تاریخ نویسی میں کلیدی کردارادا کرتے ہیں۔ایسی ہی چار کتابیں دینِ کامل، اتباعِ نبوی، عرفانِ اولیاءاور'' دلوں کا چین'' میرے زیرِ مطالعہ ہیں۔ مجھے ان کتب کا موضوعاتی اور اسلوبیاتی جائزہ لینا ہے۔

''دینِ کامل'' :

دین کامل کا سال اشاعت نومبر 1966ء ہے ۔ اس کی اشاعتِ دوم فبروری 2003ءاور سوم جنوری 2008ء میں ہوئی۔اول ناشر دارالتصانیف والتالیف مبارک پور اعظم گڑھ انڈیا اور دوم وسوم ناشر گلوبل اسلامک مشین انک نیویارک USA ہے۔ 32 صفحات پر مشتمل کتاب کی ابتدا عرض ناشر کے عنوان سے چیرمین گلوبل اسلامک مشین انک نیویارک USA ابولمنصور محمد مسعود احمد سہروردی اشرفی نے گلوبل اسلامک مشین کے عزائم کا تعارف کراتے ہوئے دینی واسلامی کتب کی اشاعت اہمیت اور افادیت کو واضح کیا ہے۔ ناشر نے کتاب کے متعلق کہا ہے:

''زیرِنظر مقالہ ہمیں یقین دلا رہا ہے کہ اسلام ہی دین کامل ہے۔اس میں ہمارے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔اس میں ہمارے دلوں کی راحت ہے۔اس میں کامیابی اور اسی میں نجات ہے۔ یقیناً آج کے دور میں غیر مسلموں کی طرف سے اٹھائے جانے والے سینکڑوں سوالوں کے جواب اس مختصر مقالے میں موجود ہیں جس کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہی نہیں بلکہ وقت کا تقاضہ بھی ہے۔ تاکہ وقت پڑنے پر غیر مسلموں کو مناسب جوابات دئے جا سکیں۔'' (عرض ناشر، ص4)

کتاب کا پیش لفظ محمد فخر الدین علوی نے لکھا ہے موصوف نے بڑی معتبر بات کہی ہے : ''دنیا میں قابل ذکر مذاہب میں مذہب اسلام عسائیت اور یہودیت کو مانا جاتا ہے۔ آپ اگر تعصب وجانب داری سے بالاتر ہوکر بہ نظر غائر مطالعہ کریں تو یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے علاوہ مذکورہ بالا دونوں مذاہب افراط وتفریط کا شکار ہو گئے ہیں۔''ایک اور بات جو متوجہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آج کے پرآشوب دور میں ہمارے علماء ومشائخ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ

صرف لوگوں کے اعمال ہی نہیں بلکہ ایمان وعقائد کی درستگی میں کوشش کریں۔‘‘(پیش لفظ‘ص 5‘)

حضرت اشرف مدنی جیلانی نے اپنی بات کی وضاحت کے لئے ذیلی عنوانات دئے ہیں۔کائنات کی ابتدا سے نبی آخرالزماں تک یہ بات واضح کی ہے کہ کس طرح دین اسلام ہی دین کامل ہے۔ابتدا ’’کن‘‘ سے کی ہے۔کس طرح کائنات کا وجود ہوا پھر عالموں کا ذکر کیا ہے۔ عالم ناسوت‘ عالم طاغوت‘ عالم ملکوت‘ عالم جمادات‘ عالم نباتات‘ عالم حیوانات‘ عالم عمل‘ عالم جزا‘ اورانسان‘ فرشتہ اور شیطان کی وضاحت کی ہے۔دوسرے عنوان کے تحت عالم انسانیت کے معلم حضرت آدمؑ کا ذکر کیا ہے۔آدمؑ کا علم فرشتوں سے زیادہ ہے وہ زمین پر اللہ کے خلیفہ ہیں اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ کرۂ ارض پر صرف تین ادیان ہمہ گیر ہیں دین نصاریٰ، دین یہود‘ اور دین اسلام‘ باقی مذاہب باطل ہیں۔اللہ نے اسلام اور نزول قرآن کے بعد دین نصاریٰ دین یہود اور ان کے آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا۔صرف اسلام اور قرآن ہی انسان کو راہ نجات کی طرف لے جاتے ہیں۔قرآن مجید دستور زندگی اور ضابطۂ حیات کی حقانیت کو واضح کرتی ہے۔اسلام کا قانون عین انسانی فطرت کے مطابق ہے۔حضرت مدنی نے مختلف دلائل سے اپنی باتوں کو اعتبار بخشا ہے۔دین کی حقانیت کو سمجھنے کے لئے انہوں نے کچھ نشانات متعین کئے ہیں۔ اور معروضات پیش کئے ہیں۔دیگر عنوانات حضورﷺ کے متعلق ہیں جیسے اللہ کے رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔بے شک آپﷺ عظیم اخلاق والے ہیں۔آپ کو بانی کردار‘ معلم اخلاق اور صاحب خلق عظیم کہا گیا ہے۔اللہ نے آپ پر ایک آیت یہ بھی اتاری ہے الیوم اکملت لکم دینکم ۔آج میں نے کامل کر دیا ہے تمہارے دین کو‘‘ اور مزید یہ کہا ہے کہ ’’یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے۔‘‘

حضرت محمدﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے رہبر و پیمبر ہیں اور قرآن مجید ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔آپ پر اللہ نے دین مکمل کر دیا ہے۔اب اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔حضرت محمدﷺ کی نبوت تک اور دین کامل ہونے تک ذیلی عنوانات کے تحت واقعات قرآن اور حدیث کی روشنی میں پیش کئے ہیں۔یہ خطبہ یا کتاب حضرت مدنی اشرفی قبلہ کی عالمانہ صلاحیتوں کی دستاویز ہے۔

’’اتباع نبوی‘‘ بھی ایک خطبہ ہے۔جو 15 مئی 1979ء میں تاریخی جامع مسجد (مکہ مسجد حیدرآباد) میں علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی نے دیا تھا۔ بعد کو مولانا سید خواجہ معزالدین

اشرفی نے اس کی کتابت پر نظر ثانی کی اور محمد یحیٰی انصاری اشرفی نے تلخیص وتحشیہ پیش کیا۔اس خطبے کو کتابی شکل میں فروری 2010 میں ''شیخ الاسلام اکیڈمی حیدرآباد (دکن) نے شائع کیا 48 صفحات پر مشتمل اس کتاب میں اتباع نبویؐ جیسے اہم موضوع پر کھل کر بحث کی گئی ہے۔ بحث میں دعویٰ اور دلیل دونوں پیش کئے گئے ہیں۔تحریر میں تقریری عنصر آ گیا ہے۔تلخیص ونظر ثانی کے باوجود خطبے کو مکمل تحریری شکل نہیں دی جاسکی ہے۔

شیخ الاسلام کی اس کتاب میں ذیلی عنوانات دے کر بات کو واضح کیا گیا ہے۔عنوانات ملاحظہ ہوں :

(۱) اتباع نبوی (۲) الفاظ کا مصدر اور پوشیدہ حرف (۳) وجود کیلئے نظر آنا ضروری نہیں (۴) حضور ﷺ ساری کائنات کی اصل ہیں ۔(۵) حقیقت نور محمدی (۶) اول وآخر (۷) کیا ساری کائنات نور ہونا چاہیے؟ (۸) محبت الٰہی کا دعویٰ اور اتباع (۹) نعرۂ غوث (۱۰) کیا رسول کی اتباع ممکن ہے؟ (۱۱) سید نا علیؓ مرتضٰی اور امتحانِ محبت (۱۲) منکر معجزات نام نہاد اہلحدیث (۱۳) حضورؐ کی اطاعت واتباع (۱۴) محبت الٰہی اور اتباع رسول (۱۵) اتباع سنت (۱۶) اللہ تعالیٰ اور بندے کی محبت میں فرق (۱۷) محبت رسول اور اطاعت (۱۸) اتباع سنت صراط مستقیم ہے (۱۹) ولایت اور اتباعِ سنت۔

(1) **اتباع نبوی** ﷺ میں سب سے پہلے آل عمران آیت نمبر (۳۱) کا حوالہ دیا گیا ہے ''اے محبوب تم فرمادو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(کنزالایمان) اتباع کے معنٰی پیروی کرنا پیچھے پیچھے چلنا ہے۔اللہ کے محبوب بننے کیلئے اس کے محبوب کی اتباع لازمی قرار دی گئی ہے۔

(2) **الفاظ کا مصدر اور پوشیدہ حرف** میں بڑی نکتے کی بات بتائی گئی ہے۔ لفظ ''قل'' جو''اجوف'' ہے۔اجوف میں کم از کم تین حروف ہوتے ہیں۔''قل'' میں صرف دو ہیں۔ لکھنے میں بھی دو لفظ ہیں مگر اس میں حرف (واوٴ) پوشیدہ ہے جو نظر نہیں آ رہا ہے ۔ یہاں مصنف نے دعویٰ کی دلیل پیش کی ہے۔لفظ ''قل'' قول سے مشتق ہے اور قول اسکا مصدر ہے۔ جب یہ قول سے مشتق ہے تو قول سے مشتق ہونا ہی یہ دلیل ہے کہ اس کے اندر (واوٴ) محذوف ہے اسی سلسلے کو آگے بڑھتے ہوئے ارشاد گزار ہیں کہ وجود کے لئے نظر آنا ضروری نہیں۔مثال پیش کی ہے ہماری روح موجود ہے مگر آج تک کسی نے روح کو نہیں دیکھا۔اگر روح کو دیکھنا ہو تو؟ ہم نے

جسم سے لگی ہوئی چیزوں کو دیکھنے کیلئے مادی آئینہ سامنے کیا اور دیکھ لیا۔ روح کے قریب والی چیز کو دیکھنے کیلئے روحانی آئینہ سامنے کر و تو حقیقت نہیں بلکہ ''جلوہ'' کا عکس اور پرتو دیکھ سکو گے جمالِ مصطفیٰ کو دیکھنا ہو تو غوث جیلانی کا چہرہ دیکھ لو۔ کیونکہ مصدر اپنے ہر مشتق میں موجود ہے۔

''حقیقت نور محمدی کے ضمن میں ایک حدیث پیش کی ہے۔ ''اول ماخلق اللہ نوری'' سب سے پہلی مخلوق میرا نور ہے۔ ''کُنتُ کَنزًا مَخفِیًافَا حَبَبْتُ اَنْ اُعرَفَ فَخَلَقْتُ نُورَ مُحَمَّدٍ '' میں ایک مخفی خزانہ تھا اور میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو نور محمدی ﷺ کو پیدا کیا۔ یہاں شیخ الاسلام نے دو حدیثوں کو جوڑ کر بات کو واضح کیا ہے۔ فخلقت الخلق " میں نے ساری مخلوق کو پیدا کر دی اور فخلق نور محمدؐ'' اس نے نور محمد کو پیدا کیا۔ یہاں اجمال اور تفصیل کے فرق کو واضح کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بیج پیدا کر دیا گیا تو پورا درخت پیدا ہو چکا ہے حضور اول بھی ہیں اور آخر بھی سب پہلے پیدا کئے گئے ہیں سب سے آخر میں بھیجے گئے ظاہر اور باطن میں وہی ہے۔ جب باطن میں تھا تو بے حجاب تھا۔ جب ظاہر میں آیا تو پھلوں کے حجاب میں تھا۔ فرق یہ ہے کہ باطن میں وحدت کا کمال لئے ہوئے تھا اور جب ظاہر میں کثرت کا جمال لئے ہوئے ہر پھل میں وہی بیج ہے۔ اس طرح حضور ﷺ ساری کائنات کی اصل ہیں۔ ساری کائنات نور ہونا چاہیے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھے اس نے بیج اصل بنا دیا ہے۔ اور اسی سے ظہور ہو رہا ہے۔ مگر سب کی صفت ایک جیسی نہیں ہے۔ پھولوں میں مہک ہے پھلوں میں مٹھاس پتوں میں سبزی اور ٹہنیوں کی نزاکت الگ ہے۔ خالق ایک ہی ہے مگر لینے والے کی صلاحیت پر بات منحصر ہے۔ محبت الٰہی کا دعویٰ اور اتباع۔ یہ بات پیچیدہ معلوم ہوتی ہے۔ محبت اللہ سے اور اتباع رسول ﷺ کی دلیل میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ اگر مجھ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو۔ بات جامع اور واضح ہوتی۔ اسی پیچیدگی کو سمجھنا اہم ہے دراصل یہاں عبادت گذاروں اور پرہیزگاروں کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے'' اگر مجھے مانتے ہو تو میرے محبوب کے آگے جھکو'' مطلب یہ ہوا کہ مجھے ماننا ہے تو میرے محبوب کے آگے جھکو۔۔۔ میرے خلیفہ کے آگے جھکو۔ جو سعادت مند تھا وہ واقعی جھک گیا۔ یہ نہیں دیکھا کہ کس کے آگے جھک رہا ہے۔ یہ دیکھا کہ کون جھکا رہا ہے۔ ملائکہ جھک گئے۔ متقی پرہیزگار جھک گئے مگر ابلیس'' نہیں جھکا۔۔۔۔ مولانا نے جھکاو میں فرق کو انتہائی عالمانہ انداز میں واضح کیا ہے۔ عبادت کا جھکنا یہ خدا کے لئے مخصوص ہے۔ محبت کا جھکاو عقیدت کا جھکاو یہ جدا ہے۔ عقیدت اور محبت کا جھکاو ہونا چاہیے۔ اتباع و پیروی کا جھکاو ہونا چاہیے۔ اطاعت و فرمابرداری کا

جھکا و ہونا چاہیے۔ اگر یہ جھکا و نہ ہو تو اکڑ اور تکبر آ جائے گا اس کا انجام ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔ وحدانیت کو ہر انسان مانتا ہے مگر اتباع رسول کے بغیر واحدانیت کا تصور بھی مکمل نہیں۔ عشق رسول شرطِ اول کہا۔ فاضل مصنف نے یہاں اتباع اور اطاعت کے فرق کو واضح کر کے یہ بات سامنے لائی ہے کہ کیا رسول ﷺ کی اتباع ممکن ہے؟۔ اتباع کے معنی ہیں پیچھے پیچھے چلنا اتباع خلوص دل سے کی جاتی ہے۔ کسی سے متاثر ہو کر اسکی اتباع کی جاتی ہے۔ اطاعت کے معنی ہیں فرمابرداری یا حکم ماننا اس میں خلوص حل کی فرصت نہیں ہوتی۔ اطاعت، آدمی بے دلی اور بہ حالت مجبوری بھی کرتا ہے۔ یہ نکتہ مولانا نے پیش کیا ہے کہ۔ اتباع کی نظر فعل پر ہوتی ہے تو کیا ہم رسول کی اتباع کر سکتے ہیں۔ قرآن تو کہتا ہے اتباع کرو۔ ہمارا کلمہ ہے () ہم یہ کلمہ اتباع رسول میں نہیں پڑ سکتے۔ ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں رسول پر تہجد بھی فرض ہے۔ نماز میں ہم رسول کی اتباع نہیں کر سکتے ہم یہ کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ جیسی نماز پڑھ رہے ہیں ہم ویسی نماز پڑھیں۔ روزے اور عبادت میں ہم رسول کی اتباع نہیں کر سکتے۔ زکوٰۃ رسول اللہ پر نہیں ہے اور سادات کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ روزہ رکھنے میں بھی ہم حضور کی اتباع نہیں کر سکتے۔ اس ضمن میں آپ نے فرمایا" میں اپنے رب کے پاس شب باشی کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے"۔ یہاں پھر آدمی سوچ میں پڑھ جاتا ہے کہ رب آخر کہاں کھلاتا پلاتا ہے۔ یعنی شب باشی اور تسبیح الٰہی کے ذکر سے روحانی طاقت اور ملکوتی طاقت ہے جو اللہ تعالی بڑھا دیتا ہے۔ مادی جسم کو مادی غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور روح کو روحانی غذا کی ہے۔ سرکار دو عالم کے جسم کو رب تعالی نے روحانی بنا دیا تھا۔ جس سے روح کی تربیت اور جسم کی پرورش ہوتی ہے عبادت اور ذکر سے آپکا پورا جسم روحانی ہو جاتا۔ ملکوتی اور نورانی ہو جاتا۔ سرکار کی کیفیت جدا تھی۔ ہم روزہ رکھنے میں بھی سرکار کی اتباع نہیں کر سکتے۔

حج کے معاملے حضرت مدنی کو اشرفی صاحب نے اس طرح پیش کیا ہے۔ حج کے اراکین رسول اللہ کی سنت ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کی ادائیں ہیں۔ بندہ بارگاہ ذوالجلال میں حاضر ہو رہا ہے۔ مگر وہ اس قابل نہیں ہے۔ لیکن رب کے محبوب کا لباس اور اسکی سنت پر عمل پیرا ہے۔ اسکا محبوب کے صدقے میں بندے کا عمل قبول ہو سکتا ہے۔ رسول ﷺ اللہ کے حج میں حجرِ اسود کا بوسہ دینے کے عمل کی وجہ کچھ اور تھی اور ہمارے عمل کی وجہ کچھ اور ہے۔ جب اسباب بدل گئے تو اتباع کہاں رہی۔ اتباع کے لئے وجہ اور اسباب بھی ایک ہی ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور شادی میں بھی اتباع نہیں ہو سکتی اسطاعت کے باوجود

عام مسلمان 4 سے زیادہ شادیاں نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ ﷺ پر ایسی پابندی نہیں تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات نبی ﷺ کے نکاح میں آنے کے بعد دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتیں ۔اور وراثت بھی رسول اللہ ﷺ پر لاگو نہیں معجزات میں کیا ہم سرکا ﷺ کی اتباع کر سکتے ہیں؟

جبریل علیہ السلام معراج میں حضرت محمد ﷺ کے ساتھ تمام عالموں سے گذرتے ہیں ۔اور سدرہ پر اپنی رفاقت ختم کردیتے ہیں۔اور معروضہ پیش کرتے ہیں۔''اگر میں ایک بال کے برابر بھی آگے بڑھ جاؤں گا تو پھر تجلیاتِ ربانی کی تاب نہ لاسکوں گا اور نتیجے کے طور پر میرے پَر جل کر خاکستر ہو جائیں گے۔اس مقالے کی خوبی یہ ہے کہ یہ نہایت سیر حاصل جامع اور مفصل ہے۔اس میں تبصرہ تشریح وتوضیح اور متن کے ساتھ چلتے ہیں۔اور تشریح سادہ براہ راست اور عام فہم ہے۔اور اس میں تحقیق وتنقید کا عنصر بھی نمایاں ہے۔تجلی کے فروغ سے میرے پر جل جائیں گے۔ یہاں یہ بات بتانا مقصود ہے کہ جبرئل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کو اپنی طرح نہیں سمجھتے تھے اور نہ خود کو رسول اللہ ﷺ کی طرح۔اور جس نے ایسا سمجھا وہ انسان خسارے میں رہا۔ان تمام مباحث کا حاصل یہی ہے کہ قرآن کہہ رہا ہے رسول ﷺ کی اتباع کرو۔قرآن میں لفظ اتباع کا لفظ ضرور استعمال ہوا مگر یہاں مقصود پیروی یعنی رسول اللہ ﷺ جو کرائیں وہ کرو۔لفظ اطاعت یہاں کیوں نہیں رکھا گیا۔مولانا نے اس نکتہ پر اچھی بحث کی ہے۔اطاعت کے لفظ میں جھول ہے اطاعت کے معنی یہ ہے کہ جو ہم کہیں وہ مانو بحث وتکرار سے بے دلی سے جبر سے خوشی بہر حال اطاعت لازم ہو جاتی ہے۔مگر اتباع کا معاملہ ایسا ہے کہ پیچھے پیچھے چلو۔انسان کو جس سے محبت ہو گی وہ اس کے پیچھے چلیں گے۔اتباع بغیر محبت کے ممکن نہیں اور اطاعت میں ایک ایسا پہلو ہوسکتا ہے جو دل میں نفاق بظاہر اطاعت،اس ساری بحث کا لب ولباب یہ ہے کہ اتباع کے حقیقی معنی نہیں مگر محبت کا مفہوم اس کے اندر پیوست کرنے کے لئے لفظ اتباع کو اختیار کیا گیا ہے۔میرے رسول ﷺ کے پیچھے چلو۔مگر پیچھے چلنا اس لئے کہ نماز پڑھو تو محبت والی نماز،روزہ رکھو تو محبت والا روزہ، حج کرو تو محبت والا حج،زکوٰۃ میں بھی یہی انداز ہو۔تمام اعمال خیر،محبت والے طریقے سے انجام دو۔معلوم ہوا کہ محبت پہلے ہے عبادت سے۔

مولانا مدنی اشرفی سورج کے پلٹنے اور (ردالشمس) کے معجزے کو حضرت علی کی اطاعت اور محبت گردانا ہے۔حضرت علی کی عبادت بے مثال تھی۔لیکن حضرت علی نے اپنی عبادت کو سرکار دو عالم ﷺ کی محبت پر قربان کردیا۔اتباع اور اطاعت میں فرق ہے۔اتباع خاص ہے اور

اطاعت عام۔اس لئے اتباع کے ساتھ محبوبیت کا ذکر ہوتا ہے۔اطاعت رب تعالیٰ، نبی، علماء و مشائخین، ماں باپ ، استاداور حاکم وغیرہ کی ہوسکتی ہے۔مگر اتباع صرف حضورﷺ کی ہوگی۔ اتباع رب تعالیٰ کی بھی نہیں ہوسکتی۔آخری میں یہ بات بتائی گئی ہے۔رسول کی اتباع کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو حکم دیا ہے۔اس کی تعمیل صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ ہم حضورﷺ کے افعال کو اسطرح ادا کریں۔جس طرح حضور نے ادا فرمائیں تھے۔اور اس لئے عہد کریں کیونکہ حضورﷺ نے ان افعال کا عہد فرمایا تھا۔معرفت الٰہی کے لئے ضروری ہے کہ بندہ حضورﷺ کی عظمت کا قائل ہو۔دل میں سچی وحقیقی محبت ہو۔اور وفادار غلام بن کر اتباع و پیروی کرتا رہے۔ جس قدر اتباع کامل ہوگی۔اس قدر رب تعالیٰ کی محبوبیت اعلیٰ اتباع سنت، حضورﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق عمل کرنے کو اتباع سنت کہا جاتا ہے۔حضورﷺ کی سنت درحقیقت احکام قرآنی کی اطاعت کا عملی نمونہ ہے۔اتباع رسول ﷺ سے روح میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ایمان میں استقامت آتی ہے۔اسرار و رموز کی راہیں کھلتی ہیں۔درجات میں بلندی ہوتی ہے۔ولایت اور اتباع سنت ولایت قرب خداوندی کا نام ہے۔ولی وہ ہے جو فرائض ونوافل سے قرب الٰہی حاصل کرے۔قرآن کے مطابق ولی وہ ہے جو ایمان وتقویٰ دونوں کا جامع ہو۔اتباع سنت سے ولی اللہ اپنی ولایت کی حفاظت کرتے ہیں۔کیونکہ یہی وہ کسوٹی ہے جس سے ولی اللہ پہچانے جاتے ہیں۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں
محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہے اگر خامی سب کچھ نامکمل ہے

عرفانِ اولیاء:

عرفانِ اولیاء کی اشاعت ڈسمبر 2005ء میں ہوئی۔اس کی تلخیص وتحشیہ محمد یحیٰ انصاری اشرفی نے کیا ہے جس کی تصیح ونظر ثانی خطیب ملت مولانا سید خواجہ معزالدین اشرفی نے کی ہے۔حافظ شکور احمد اشرفی کے زیر اہتمام جیلانی بک ڈپو سے اسکی اشاعت عمل میں آئی ہے۔اس کتابچے میں بھی مضامین کی فہرست طویل ہے تاہم یہ فہرست اہم ہے۔اور اس کے عنوانات متن کی وضاحت کے لئے ناگزیر ہیں۔(۱) عرفان اولیاء (۲) عظمت اولیاء (۳) ولی کا معنی ومفہوم (۴) ولی کی پہچان (۵) کائنات میں خوف وغم کا ماحول (۷) خوف اور غم کا تعلق (۸)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ (۹) ولی کو خوف کیوں نہیں (۱۰) کیا ہم خدا سے قریب نہیں (۱۱) اللہ کا قرب کس طرح حاصل کریں۔(۱۲) توبہ و مغفرت کا قانون (۱۳) رسول کی مومنین سے قربت (۱۴) رسول کے نائبین (۱۵) اولیاء اللہ سے ٹکرانے کا انجام (۱۶) ولی سے دشمنی رکھنا خدا سے جنگ کرنا ہے۔(۱۷) ولی پر اعتراض (۱۸) ولی کو آزمانے کی سزا (۱۹) کرامت اور جادو کا مقابلہ (۲۰) بے ایمانوں کا کوئی ولی (مددگار) نہیں (۲۱) اولیاء کرام خدائی طاقت کے مظہر ہیں (۲۲) کرامات اولیاء (۲۳) مراقبہ ولایت (۲۴) علما کرام اور اولیاءِ عظام (۲۵) عالم نزاع میں ولی اللہ کی توجہ (۲۶) اولیاء اللہ اور تبلیغ اسلام (۲۷) تصرف اولیاء (۲۸) علوم اولیاء (۲۹) اولیاء اپنی آنکھوں سے گناہ دھلتے دیکھتے ہیں۔

اس کتابچے کی اشاعت کا مقصد دراصل اسلام کا نظریہ تصوف وطریقت اور اسکا اصل مفہوم بندگان خدا کے سامنے پیش کرنا ہے۔دور حاضر میں پیروں فقیروں نے ولایت کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور سادہ لوح مسلمان ان سے متاثر ہوکر دھوکا کھا رہے ہیں۔ایسے افراد کی بدعقیدگی بے عملی و دھوکا دہی سے معاشرے میں بدنظمی اور بے راہ روی پھیل گئی ہے۔فریبی چہروں سے نقاب ہٹانے کیلئے اس کتاب کی اشاعت ناگزیر تھی۔

قرآن مجید کی یہ آیت " ا لا ان اولیـــا الـلــــه لا خـوف عـلیهـم و لا هـم یـحـزنون "(سورہ یونس ۶۳) خبردار ہو جاؤ یقیناً اولیاء اللہ (اللہ کے دوست) کو نہ کوئی خوف ہے نہ رنج وغم ہے' اور آگے لکھا ہے " الذین امنو و کا نو یتقون لهم البشری فی الحَیٰوۃِ الـدنـیـا و فی الا خرۃ" یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (عمر بھر) پرہیز گاری کرتے رہے۔ انہی کیلئے بشارت ہے، دنیوی زندگی میں اور آخرت میں''۔

عظمت اولیاء : قرآن نے یہ بات چونکا دینے والے انداز میں بتائی ہے۔انسانوں کو خبردار ہوشیار، انتباہ اور آگاہ ہو جاؤ کی تاکید فرمادی ہے۔یقیناً کوئی اہم بات یا اہم نکتہ پیش کیا جارہا ہے۔ اس لئے پہلے ہی متوجہ کیا جارہا ہے۔

ولی کا معنی و مفہوم :۔ولی کے معنی ہے قریب نزدیک محبّ صدیق و مددگار) ولایت کے معنی ہے قرب اور یہ قرب خواہ جگہ کے اعتبار سے ہو یا نصرت اور مدد کے اعتبار سے ولایت کا معنیٰ کسی چیز کا انتظام کرنا بھی آتا ہے (المفردت امام راغب) ''ولی'' قرآنی اصطلاح ہے ولایت کا مطلقاً انکار کفر ہے۔ولی فرائض و نوافل سے قرب الٰہی حاصل کرنا ہے۔قرآن کے مطابق ولی وہ

ہے جو ایمان تقویٰ دونوں کا جامع ہو۔ حدیث کی روشنی میں ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے خدا یاد آجائے ولی وہ ہے جس کا ظاہر شریعت سے آراستہ ہو اور باطن طریقت سے مزین ہو۔ یعنی ولایت دو چیزوں سے ملتی ہے۔ ایمان کامل' اور اتباع شریعت اور سنت کے پابند جو خوف خدا اور عشق مصطفیٰ کے سنگم ہوتے ہیں۔ یہاں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرنا بے جا نہ ہوگا ''ولی وہ ہے جس کا چہرہ زرد آنکھیں تر اور پیٹ بھوکا ہو۔ (روح البیان)۔

ولی سے مراد ہر وہ شخص جو عالم باللہ ہو اور اخلاص کے ساتھ دائمی عبادت کرتا ہو۔ (فتح الباری حافظ ابن حجر عسقلانی)

حضرت مدنی اشرفی نے مزید ولی کی وضاحت کی ہے۔ صوفیہ کرام کی اصطلاح میں ولی اس کو کہتے ہیں جس کا دل ذکر الٰہی میں مستغرق رہے۔ شب و روز تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو اس کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو وہاں کسی غیر کی گنجائش نہ ہو جو اللہ کے لئے ہی نفرت اور محبت کرتا ہو۔

حضرت سیدنا حضور غوث الاعظم فرماتے ہیں کہ ''اگر تم کسی کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھو لیکن وہ شریعت کا پابند نہ ہو تو وہ استدارج ہے ولایت نہیں'' اس طرح ولی کی تعریف قرآن اور احادیث کی روشنی میں پیش کی گئی ہے۔ ولی کی پہچان کے بارے میں جانیں۔ ولی کی پہچان ولی کا سمجھنا مشکل ہے۔ لوگوں نے یہاں تک کہا کہ خدا کی معرفت آسان اور ولی کی معرفت مشکل ہے۔ اتنا ہم سمجھ سکتے ہیں کہ خدا وہ ہے جو سمجھ میں نہ آئے۔ تو ہم نے سمجھا کہ خدا وہ ہے۔ جو مادہ مادیت سے پاک ہو خدا امکان مکانیت سے پاک ہو۔ زمانہ زمانیت سے پاک ہو۔ خدا وہ ہے جو دائرہ علم کے باہر ہو۔ خدا وہ ہے جو کسی کے سمجھ میں نہ آئے۔ خدا کو سب سے زیادہ سمجھنے والے رسول بھی یہ کہہ گئے ''یعنی ہم نے خُدا کو نہ پہچانا جیسا کہ پہچاننا چاہیے تھا'' ولی کی پہچان کچھ یوں ہے۔ ولی زمانہ زمانیت اور مادہ مادیت سے پاک ہے۔ ولی بھی ہمارے ساتھ دینی اور دنیاوی کام انجام دے رہے ہیں۔ اگر وہ ہماری دنیا سے الگ ہوتے تو ہم آسانی سے سمجھ پاتے مگر وہ ہمارے اندر آکر ہمارے لئے آزمائش بن گئے ہیں۔

ولی کی عام پہچان یہی ہے کہ وہ دنیا سے بے پرواہ اور فکر مولا میں مشغول ہو۔ بعض نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جو فرائض ادا کرے۔ رب تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول رہے۔ اس کا دل نورِ جلالِ الٰہی کی معرفت میں غرق ہو۔ جب دیکھے دلائل قدرت دیکھے۔ جب سنے تو اللہ کی باتیں سنے۔ جب بولے تو اپنے رب کی ثنا کے ساتھ بولے۔ اور جو حرکت کرے اطاعت الٰہی میں کرے۔

اللہ کے ذکر سے نہ تھکے۔(خزائن العرفان)مولانا اشرفی نے ولی کی اورکئی تعریفیں بیان کی ہیں :
''ولی اللہ وہ ہیں جو اپنے رب کے لئے سجدہ اور قیام میں راتیں گذارتے ہیں اور رحمان کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔لوگوں نے ولی کی علامتیں اپنی طرف سے مقرر کر لی ہیں۔جو کرامتیں دکھائے ولی ،مگر یہ غلط ہے۔اس لئے عجائبات چار قسم کے ہیں۔(۱)معجزہ(۲) ارحاص(۳) کرامت(۴)استدارج۔پہلے دو کا تعلق نبیوں سے ہے۔معجزہ اور ارحاص نبی کے ہاتھوں سے تصدیقِ دعویٰ کے لئے بحکم خدا صادر ہوتے ہیں۔کرامت وعجائبات نبی کے امتی کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں جو ولی ہوتے ہیں جیسے حضرت غوث پاک ،حضرت خواجہ اجمیری ،حضرت خواجہ نقشبندی' حضرت اشرف جہانگیر سمنانی وغیرہ۔اور استدراج وعجائب وہ ہیں جو کافر کے ہاتھوں ظاہر ہوں ،سنیاسی جوگی صدہا کرتب کر لیتے ہیں۔عوام میں اڑنا ولایت نہیں یہ شیطانی فعل ہے۔اس طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ ولی کون ہے۔بعض نے کہا کہ ولی وہ ہے جو تارک الدنیا ہو۔ گھر بار نہ رکھتا ہو، ولی وہ ہے جو پیسا نہ رکھے' آج کل کے کچھ لوگوں نے بے عقل اور ہر پاگل اور دیوانے کو ولی سمجھ رکھا ہے۔ولی کی ایک اور تعریف یہ ہے کہ وہ کامل ہے۔جس کے سر پر شریعت ہو ۔بغلوں میں طریقت ،سامنے دنیاوی تعلقات ان سب کو سنبھالے اور راہ خدا طے کرتا چلا جائے۔ ولایت کے بھی درجات ہیں۔سالک،مجذوب،قطب،ابدال،کامل،سالک افضل ہے۔اور فیض رساں ہے۔اور صِرف مجذوب بے فیض ہے۔

کائنات میں خوف و غم کا ماحول :

آج ساری دنیا میں لوگوں کا عجیب حال ہے۔جس طرف نظر اٹھا کر دیکھو خوف ہی خوف کا عالم ہے۔اور ہر طرف ڈر ہی ڈر ہے۔طالب علم کو امتحان کا خوف ،تاجر کو نفع نقصان کا خوف غریب عوام کو مہنگائی کا ،بیمار کو مرض بڑھنے کا ،زمیندار کو خوف ،مکاندار کو خوف ،کرایہ دار کو خوف ،مالدار کو چوروں کا خوف ،انسان کو موت کا خوف ۔مختصر یہ کہ کائنات کی ہر شئے کو خوف لگا ہوا ہے ڈر لگا ہوا ہے۔الغرض اس دنیا میں جمادات ہوں یا نباتات ،عالم اعلیٰ ہو اسفل ،زمین سے آسمان تک خوف ہی خوف کا عالم ہے۔ڈر ہی ڈر کا دور دورہ ہے۔مگر اس آسمان کے نیچے زمین کے اوپر خدا کی ایک ایسی مخلوق بھی آباد ہے جس کو کسی چیز کا خوف نہیں وہ ہر جگہ بے خوف ہے۔ہر حال میں بے غم ہے۔انہیں صرف خدا کا خوف ہے۔ساری خدائی ان سے خوفزدہ ہے۔ساری خدائی سے نڈر اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا نام اولیاء ہے۔''بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف

ہے اور نہ وہ غمگین ہیں۔

خوف اور غم :

خدا سے ڈرنے والا کسی سے نہیں ڈرتا دل میں یا تو خدا کا خوف ہوگا یا پھر مخلوق کا۔ انسان نعمت نہ ملنے سے غمگین ہو جاتا ہے۔خدا کا دیدار سب سے بڑی نعمت ہے۔اولیاء اللہ فنا فی اللہ ہو کر اس نعمت کو حاصل کر لیتے ہیں۔پھر غمگین ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔خوف اور غم کی حقیقت یہ ہے کہ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم کا تعلق ماضی سے،یعنی آئندہ ہونے والے خطرے کو خوف کہتے ہیں۔اور گذشتہ کے رنج کو غم کہا جاتا ہے۔مفہوم یہ ہوا کہ اولیاء اللہ کو آئندہ کا خوف ہے نہ گذشتہ کا غم ،اللہ تعالیٰ نے ولیوں سے خوف اور حزن دونوں کو نفی کر دیا ہے۔نہ انہیں اپنی جان کا ڈر ہے اور نہ اپنے پاس آنے والے (مریدوں) کا ڈر ہے۔

علم نفسیات کے اعتبار سے خوف اسے ہوتا ہے جو کمزور ہوتا ہے۔حدیث قدسی اولیاء کے طاقتور ہونے کی تشریح کر رہی ہے کہ جو بندہ خدا والا ہو گیا خدا اس کا ہاتھ' پیر' کان،زبان اور پاوں ہو جاتا ہے۔ہاتھ ولی کا ہوگا کام خدا کا ہوگا۔زبان ولی کی ہوگی بات اللہ کی ہوگی۔ان کی دعا رد نہیں کی جاتی قبول ہو جاتی ہے۔

ہر بندے سے خدا قریب ہے مگر وہ خدا سے دور ہے مولانا نے کئی مثالوں کے ذریعہ بات واضح اور صاف کی ہے۔خدا کی قربت بہت مشکل ہے۔خدا سے قریب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم مکان و مکانیات سے باہر ہو جائیں۔زمانہ زمانیات سے اوپر ہو جائیں۔اور ہم عالم امکان کو چھوڑ دیں۔خدا سے قریب ہونے کا اشتیاق بھی ہے مگر عقل کہتی ہے کہ ممکن نہیں۔ رحمت خداوندی پر قربان ہو جاؤ۔اس نے توبہ و مغفرت کا قانون بنایا ہے۔(سورہ النسا 64) کی آیت کا ترجمہ پیش ہے :

''اور اگر جب وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے پاس حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اللہ تمہارے لئے مغفرت کی سفارش فرمائیں تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں (کنزالایمان)

اس آیت مبارکہ کا ایک ترجمہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی اشرفی نے اس طرح کیا ہے''اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے آستانے پر آجائیں اور اللہ سے معافی چاہیں اور آپ بھی (یا رسول اللہ) ان کی سفارش کریں تو بے شک یہ لوگ اللہ تعالی کو توبہ قبول

کرنے والا مہربان پائیں گے‘‘(نورالعرفان)

اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے اللہ کے ساتھ ساتھ رسول اللہ کے بھی گنہگار ہیں۔اگر اللہ کے محبوب ان کے گناہ کبیرہ وصغیرہ ہر قسم کے جسمانی اور روحانی معاف کرنے کی سفارش کردیں تو بے شک اللہ اُنہیں معاف کردے گا۔

رسول کی مومنین سے قربت :۔

قرآن کا ارشاد ہے "النبی اَوْلٰی بالمومنین من انفسھم) الاحزاب 6) نبی کریم ﷺ مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں‘‘ جسمانیت کی دوری کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا اگر روحانی قربت کا شعور ہو تو!۔

رسول کے نائبین :۔ اولیا اللہ، رسول اکرم ﷺ کے نائبین ہیں۔آپ کے جانشین ہیں۔ غوث جیلانیؒ۔ داتا گنج بخش علی ہجویری خواجہ اجمیری قطب الدین بختیار کاکی محبوب الٰہی غوث العالم مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی وغیرہ ان کی صحبت میں بیٹھنا آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھنا ہے۔ دعائے غوث دعائے رسول ہے دعائے خواجہ دعائے رسول ہے۔دعائے مغفرت کروانے کے لئے بارگاہانِ بزرگان دین پر بار بار جانا ضروری ہے۔اللہ کے رسول ﷺ سمندر کی مانند ہیں۔اور اولیا دریا کے مانندان سے لینے کے کئی طریقے ہیں۔

اولیاء سے ٹکرانا :۔ اذھان وایمان کا خطرہ ہے۔اولیاء سے ہمیں فیض باطنی پانا ہے۔نہ کہ ٹکرانا ہے۔اولیا سے دشمنی اور جنگ کرنا گویا اللہ سے اعلان جنگ کرنا ہے۔کیونکہ اولیاء کرام محبوبانِ خدا ہیں۔دشمنان اولیاء کو بے ایمان کی حالت میں موت آتی ہے۔ولی پر اعتراض کرنا بھی جائز نہیں اعتراض کرنے والوں کا انجام موت ہی ہے۔اس ضمن میں مولانا مدنی اشرفی قبلہ نے کئی واقعات پیش کئے ہیں۔ولی کو آزمانے کی سزا بھی بے شمار لوگ پا چکے ہیں۔اس سلسلہ میں بھی کئی واقعات درج کئے گئے ہیں۔کرامت سے اولیاء اللہ نے جادو کو روکا ہے۔حضرت غوث العالم مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی کا قافلہ جب کچھوچھہ شریف اترا تو عوام کے علاوہ موضع کے زمیندار حضرت ملک محمود نے بھی قدم بوسی کی۔یہاں ایک جوگی کو سفلی قوتوں پر بڑا ناز تھا۔ اسے حضرت نے روحانی طاقت سے زیر کیا۔(بنی اسرائیل / 81)’’بیشک حق آیا باطل چلا گیا بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا‘‘۔حضرت نے جوگی کے سفلی جادو کو ختم کیا آشرم کو خانقاہ میں تبدیل کیا جوگی اور اسکے چیلے حضرت کے ہاتھ پر بیعت کرکے مسلمان ہو گے۔

بے ایمانوں کا کوئی (حمایتی مددگار) نہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اولیاء کرام سے وابستگی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ بے یارو مددگار رہنا ہی بڑا عذاب ہے۔

اولیائے کرام خدائی طاقت کے مظہر ہیں: اللہ کا ارشاد ہے کہ ''بندہ نفلی عبادات سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ یہ انسانیت کا کمال ہے کہ بندہ صفات خداوندی کا مظہر بن جاتا ہے۔ اولیاء اللہ کے پیش نظر لوحِ محفوظ ہوتی ہے۔ اور اس میں جو کچھ محفوظ ہے وہ خطا سے محفوظ ہے۔ اس ضمن میں بھی کئی اولیاء کے واقعات تحریر کئے گئے ہیں۔

کرامات:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو اختیارات، تصرفات کرامات عطا فرمائے ہیں ''اولیاء کرام سے جو بات عادت کے خلاف ظاہر ہوا سے کرامت کہتے ہیں'' حضرت نے یہاں کئی ایک بزرگوں کے کرامات کا ذکر کیا ہے۔ جیسے غوث اعظم، خواجہ اجمیری علیہ الرحمہ وغیرہ۔ ولایت کے لئے کرامت کا ظاہر ہونا شرط نہیں البتہ شریعت کی پابندی ضروری ہے۔

مرتبۂ ولایت : ۔ اولیاء کرام میں دو قسم کی قوتیں ہوتی ہیں۔

(۱) اثر قبول کرنے کی (۲) اثر ڈالنے کی۔ پہلی قوت کی وجہ سے وہ بارگاہ الٰہی سے فیض و تجلی کو قبول کرتے ہیں۔ اور دوسری ان ارواح و قلوب کو فیض پہنچاتے ہیں جن کا ان سے روحانی لگاؤ اور قلبی مناسبت ہوتی ہے۔ لیکن عقیدہ شرط ہے!!

علماء کرام اور اولیائے عظام : حضورؐ کے بعد ہدایت اور اصلاح کا کام اولیاء اور علما کے ذمے آ گیا ہے۔ باطن کی اصلاح اولیاء و صوفیہ انجام دیتے ہیں اولیاء کی نظر قلب پر ہوتی ہے۔ اور علمائے دین ظاہری اصلاح کرتے ہیں۔ یہ گروہ (علما و اولیاء) کہلاتا ہے اور صوفیہ فقراء و اولیاء کا گرو (غوث و قطب) کہلاتا ہے۔

عالم نزع میں ولی اللہ کی توجہ : نزع کے عالم میں عموماً شیطان ایمان سے ہٹا نے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر اولیاء اللہ کی توجہ سے بات بن جاتی ہے۔ اولیاء اللہ تبلیغ اسلام میں پیش پیش رہے ہیں۔ ہندو پاک کی سرزمین پر لاکھوں لوگوں کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا گیا۔ انہی کی تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ آج ہندوستان میں کروڑوں مسلمان نظر آ رہے ہیں۔ انہوں نے تلوار سے نہیں کردار سے اسلام پھیلایا ہے۔

اولیاء کا یہ وصف ہے کہ وہ لوگوں کے گناہوں کو دھلتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اور انہیں

نیک مشورے بھی دیتے رہتے ہیں۔اولیاءعوام کو برائی اور غلط کاموں اور خلافِ شریعت اُمور سے بچاتے ہیں اور انہیں نیک اعمال کی طرف راغب کرتے ہیں۔ان کے حق میں دعاء کرتے ہیں۔ اس طرح اولیاء سے انکار کفر ہے۔اولیاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں۔

آج کے پرفتن دور میں جہاں نئے نئے عقائد جنم لے رہے ہیں۔اولیاء مخالف فتنے اٹھائے جارہے ہیں۔ یہ کتاب عہد حاضر کیلئے ضروری اور لازمی ہے۔اس کے ذریعے عقائد کی درستگی ہوگی کیوں کہ بات قرآن اور حدیث کی روشنی میں مدلل بیان کی گئی ہے۔

مصنف نے کتاب لکھنے میں نہایت کاوش سے کام لیا ہے۔ولایت اور غیر ولایت کے فرق کو بھی زیر بحث لایا ہے۔مصنف کا اصل مقصد ''ولی'' کی حقیقت کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں پیش کرنا ہے۔انکی یہ کاوش قابل تحسین ہے۔عہد حاضر میں اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہوں گے۔

رسول اللہ کی دعا دلوں کا چین :

دلوں کا چین کی اشاعت 2007 میں ہوئی اس کے ناشر جیلانی بک ڈپو 523 مٹیا محل جامع مسجد دہلی ہے۔ یہ موضوع انتہائی اہم ہے۔دور حاضر کے انسانوں میں ایک انتشار اور بے چینی کی کیفیت آ گئی ہے۔اور یہ کیفیت حرص وہوس اور مادہ پرستی کے سبب پیدا ہوگئی ہے۔دنیا کا ہر انسان آج دنیا کمانا چاہتا ہے۔ایسے ماحول میں وہ اللہ اور اس کے رسول سے دور ہوتا جارہا ہے
۔

موضوع کی وضاحت کیلئے سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے اس موضوع کے ذیلی عنوانات دیے ہیں اور اپنی بات دعویٰ اور دلیل کے ساتھ پیش کی ہے۔عنوانات کی فہرست پیش ہے۔(۱) رسول ﷺ کی دعاء دلوں کا چین (۲) قبولیت اعمال کی سند (۳) اعمال کی پاکیزگی (۴) ظاہر اور باطن کی پاکیزگی (۵) علم وفہم والے بھی بھکتے ہیں۔(۶) رسول تزکیہ عطا فرمائے ہیں (۷) صحابہ کرام کا عقیدہ۔دل کی صفائی۔(۸) نبی ﷺ کی دعاء اور قانون مغفرت (۹) بارگاہ رسالت میں صحابہ کرام کی حاضری (۱۰) حضور ﷺ کی دعاء مسلمانوں کے لئے مغفرت کا وسیلہ ہے۔طلب مغفرت کے لئے بارگاہ رسالت میں آنے سے منافقین کا انکار ۔(۱۱) حضور کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہوگی۔(۱۲) نبی کے معنی کی ضرورت ۔(۱۳) رسول کے تشریعی اختیارات۔(۱۴) رسول کو حرام وحلال کا اختیار۔(۱۵) رسول جو دیں وہی شریعت ہے۔

(۱۶) **تشریعی اختیارات کی مثالیں** : حضور نے مدینہ منورہ کو حرم بنایا خصوصی مراعات دینے کا انہیں اختیار ہے۔

خطبہ کی ابتدا سورت التوبہ آیت نمبر ۱۰۳) سے ہوتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے اے محبوب جو لوگ اپنے سوال کو لیکر آپ کی بارگاہ میں حاظر ہوئے ہیں ان کے اموال کے صدقہ کو قبول کرلو اور ان کو آپ پاک وصاف کرو اور ان کے لئے دعاء کردو اس لئے کہ تمہاری دعاء ان کے دلوں کا چین ہے۔

حضرت مدنی اشرفی اسکی وضاحت یوں فرماتے ہیں: علماء نے فرمایا ہے کہ اس صدقے سے مراد مالِ زکوۃ نہیں بلکہ وہ صدقہ ہے جو گناہ کے سرزرد ہونے کے بعد انہوں نے دیا ہے قبول فرمایئے اور اس طرح ان کے گناہ کی کوست سے انہیں پاک کیجئے اور ان کے دل کے آئینہ پر گناہ کا جو گردوغبار ابھی باقی ہے اسے دور فرما کر صاف وشفاف کردیجئے۔ حضور رحمتہ للعالمین شفیع المذبنین کی دعا سب کے دلوں کا چین قلب کا قرار اور دلوں کا اطمینان ہے حضور انور کی دعا رب کی رضا ہے حضور انور کا نام مبارک بھی قرار بے قرار دلوں کا چین ہے (الا بذکر اللہ تطمئن القلوب)

قبولیت اعمال کی سند:۔ بندہ کی ساری عبادت اللہ کو راضی کرنے کیلئے ہوتی ہے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ اس لئے ادا کرتا ہے کہ اللہ اسے قبول کرے۔ مگر قبولیت اعمال کی سند کچھ اور ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ اے محبوب ان کو میرا مقبول ہونے سے پہلے تمہارا مقبول بننا ہوگا اب میری مقبولیت کی سند یہ ہے کہ آپ قبول کرلو اگر یہ آپ کے ہیں تو میرے ہیں اگر آپ کے نہیں تو میرے بھی نہیں۔

اعمال کی پا کیز گی :۔ بات آگے بڑھائی گئی ہے۔ ''اور انہیں پاک کرو'' یہاں دو چیزیں ہیں۔

تصفیہ ظاہر کی صفائی اور طہارت باطن کا تصفیہ۔ آپ ان کا ظاہر بھی صاف کردو اور باطن بھی۔ حضور انور ﷺ ظاہری وباطنی تمام امراض وگندگیوں کو پاک کردیتے ہیں۔

ظاھر اور باطن کی پاکیز گی : دل میں کیسی گندگی ہے کیسی کروٹیں اور خباشتیں ہیں۔ خدا نے حکم دیا قلب اور قالب دونوں کو سنوار دو۔ حضور کا ارشاد ہے دل انسان کے پہلو میں ایسا لو تھڑا ہے اگر وہ فاسد ہے تو سارا جسم فاسد ہے اور صالح ہو تو سارا جسم صالح ہو جاتا ہے۔ یہاں جو

بات قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اگر رسول ﷺ تمہیں پاک کرنا چاہیں تو تمہیں پاکی ملتی ہے تمہارا علم تمہارا عمل اور تمہاری عبادت تمہیں پاک نہیں کر سکتے۔علم وفہم والے بھی بھکتے ہیں۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ بھکنے والا ناسمجھ بے علم اور بے عمل ہو بھکنے والا بہر صورت بھک جاتا ہے۔اس کی عمدہ مثال ''ابلیس'' ہے۔ یہاں جو اہم بات ہے وہ یہ کہ عابد بھک سکتا ہے عارف نہیں۔

تصوف کی اصل:۔ تصوف کی ایک عام سی تعریف۔''تصوف'' تزکیہ باطن' تصفیہ نفس اور تعمیر اخلاق حسنہ بے غرضی اور بے نفسی کا نام ہے۔اور یہ باتیں کتاب اللہ،سنت رسول اللہ کی اتباع اور اعمال حسنہ کی مداومت سے حاصل ہوتی ہے''۔تزکیہ واحسان جسے بعد میں تصوف کی اصطلاح دی گئی۔قرآن کہہ رہا ہے (قد افلح من تزکی)الاعلیٰ ۱۵) جس کسی نے نفس کا تزکیہ کرلیا وہ فلاح پا گیا''۔

''الشمس ۱۰) وہ شخص کامیاب ہوا جس نے خود کو پاک کیا اور وہ شخص ناکام ہوا جس نے اسے آلودہ کیا' قرآن مجید نفس کی اصلاح پر زور دے رہا ہے۔رسول تزکیہ (پاکی) عطا فرماتے ہیں۔''جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول تم میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور تلاوت آیات۔تعلیم کتاب وحکمت کے علاوہ تزکیہ نفس اور تربیت صالحہ سے یہ مبارک عالمگیر اسلامی انقلاب روپذیر ہوا۔فقط قرآن کریم پڑھ لینا اور سیکھ لینا ایمان اور طہارت قلبی نہ دے گا بلکہ پاک فرمانا حضور کا فعل ہے۔آفتابِ رسالت چشمۂ رحمت ہیں جس پر توجہ فرمائیں پاک کردیں۔

صحابۂ کرام کا عقیدہ : صحابہ سے گناہ ہوجاتا تو رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فرماتے ہمیں پاک فرمادیں۔کیونکہ وہ حضور کو وسیلۂ نجات جانتے تھے۔

دل کی صفائی : قلب سارے قالب کا بادشاہ ہے۔اگر یہ ٹھیک ہے تو سارے قالب سے اچھے کام ہونگے۔قلب کی صفائی زندگی ہے اور گندگی موت۔اس کی صفائی کی عبادت وریاضت یا کسی اہل نظر کی نظر ہوتی ہے۔عبادت سے آہستہ آہستہ کامل کی نگاہ سے دفعتاً دل صاف ہوتا ہے۔

نبی کی دعا اور قانون مغفرت :۔اے نبی ان کو پاک صاف کردو اور ان کے لئے دعا کرو۔توبہ ومغفرت کا قانون اور دعا کی قبولیت کا یہی واحد ذریعہ ہے کہ رسول سفارش فرمائیں۔حضور کی سفارش ہی قبولیت دعا کی شرط ہے۔رسول سفارش فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ کرنے والا مہربان پائیں گے۔

حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر نہ ہونے والے کی بخشش نہیں ہوگی۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید (المنٰفقون ر6) میں فرمارہا ہے۔جس میں حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت کا اظہار ہو رہا

ہے۔ نیز مسلمانوں کے لئے مغفرت کی خوشخبری اور بدعقیدہ منافقین کے لئے عذاب کا اعلان ہے۔حضور ﷺ کے گستاخ کی مغفرت ہونے والی نہیں ہے۔ مغفرت تو صرف مسلمانوں کی ہو گی۔حضور ﷺ کے دربارِ گوہر بار میں حاضر ہونے سے انکار کرنے والے کی بخشش نہیں ہوگی۔ یہ اللہ کے قانون کے خلاف ہے۔ حد سے تجاوز کرنے والوں کو اللہ ہدایت کی نعمت نہیں بخشا کرتا۔ نبی ﷺ کی دعاء دلوں کا چین ہے۔اے محبوب اُن کے لئے دعا کرو اس لئے کہ تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔قرآن میں سراحت ہے ''الا بذکر الله تطمئن القلوب '' اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔ انسان چاہے 80 برس ہی کیوں نہ عبادت کرے اسے دعذغہ لگا رہتا ہے کہ عبادت قبول ہوئی ہوگی یا نہیں۔ آدمی کو اطمینان تو ملتا ہے مگر اطمینانِ کلی نہیں، یہاں حضرت نے (صل علیهم) کے نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے خدا رسول اللہ کو حکم دے رہا ہے صل علیهم (تم دعا کرو) یعنی نبی اگر تمہارے اعمال قبول کر لیں تو اللہ بھی قبول کرے گا اور بخشش ہوگی۔

جائز اور ناجائز کام :۔ مولانا مدنی اشرفی قبلہ نے کئی مثالوں سے جائز اور ناجائز کا فرق بتایا ہے۔اور جائز کے اقسام بتائے ہیں۔فرض واجب سنت مؤکدہ، مستحب، اور مباح وغیرہ اور ہر جائز کام لازمی نہیں ہے۔مسلمان کو ناجائز کام سے بچنا چاہیے۔

نبی کے معنی :۔ نبی کے معنی ہیں پیغام رساں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی شان بڑے درجہ والا نبی ہے۔ یا نبی نباء سے بنا بمعنی خبر' نبی والا یعنی غیبی خبر دینے والا یا سب خبر رکھنے والا یا خبر لینے والا۔ اصطلاح شریعت میں نبی وہ برگزیدہ ہستی ہے۔جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا۔حضرت محمد ﷺ کی رسالت بے نظیر ہے اسطرح ان کی نبوت بھی بے مثال ہے۔ وہ نبیوں کے نبی رسولوں کے رسول' سید الانبیا اور امام الرسل بھی ہیں۔ نبی کو اس لئے نبی کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر دیتا ہے جو غیب الغیب ہے۔ جہاں نہ حواس کی پہنچ ہے نہ عقل کی رسائی، قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے فرمایا ''یہ غیب کی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی ہم تمہاری جانب بھیجتے ہیں'' خاص خبر دینے والے کو نبی کہتے۔

نبی کی ضرورت:۔ نبی آتا ہی اس لئے ہے کہ اللہ کی پسند و ناپسند کو ہم پر واضح کر دے۔اسلام نے ناجائز چیزوں کی لسٹ پیش کر دی ہے۔اور ساتھ میں یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ یہ فرض ہے یہ واجب ہے یہ سنت مؤکدہ ہے۔

رسول کے تشریعی اختیارات : رسول زمین پر خدا کے نائب ہیں۔احکام شرعی اور

تمام فیصلوں میں وہ رب تعالیٰ کی مرضی کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔''وفعل لهم الطيبت و يحرم عليهم الخبائث : (الاعراف)
اوراللہ کا رسول ان کے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزیں حرام فرماتا ہے اسی بات کو مولانا نے دلائل کے ساتھ سہل بنا کر پیش کیا ہے انسانی عقل اچھی بُری چیزوں کی تمیز کرتی ہے۔

مختصر یہ کہ فرامین رسول اوراحکام مصطفیٰ کوحکمِ رب کے سوا کچھ اور نہ خیال کیا جائے۔ بلکہ مرضی رسول ہی مرضی خدا ہے۔احکام مصطفیٰ ہی احکام کبریا ہے۔

رسول جو بھی دیں وہی شریعت ہے :۔ خدااور خدائی کے درمیان رسول اس مستحکم رابطے کا نام ہے جس پر عدم اعتماد کی ہلکی سی لکیر بھی دین وایمان کے سارے قلعہ کومنہدم کر دے گی۔اب دیکھیے رب پر یقین اوراعتماد کا واحد ذریعہ ذات رسول ہے۔(الحشر کی آیت نمبر 8) کا مفہوم یہ ہے اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں باز رہواور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے''۔

تشریعی اختیارات کی مثالیں:۔ سرکاردوعالم ﷺ کے تشریعی اختیارات کے جلوے ذخیرۂ احادیث میں وافر تعداد میں ملتے ہیں۔حضور ﷺ نے عرض کیا اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے۔ پس حج کرو۔ایک صحابی رسول کے یہ پوچھنے پر کہ کیا ہم پر ہر سال حج کرنا فرض ہے۔آپ خاموش رہے۔اگرآپ ہاں فرما دیتے تو حج ہر سال کے لئے واجب ہوجاتا۔عام آدمی جس کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔احکام الٰہی حضور اقدس ﷺ کے سپرد ہیں۔حضور ﷺ نے مدینہ کوحرم بنایا۔ابرہیم علیہ اسلام نے مکہ معظّمہ کوحرم بنایااورمحمد عربی ﷺ نے مدینہ منورہ کوحرم بنا دیا ہے۔آپ کا ارشاد ہے : مدینے کے دونوں کناروں میں جو کچھ ہے اسے حرم بنا کر حرام کر دیا کہ۔اس میں نہ کوئی خون بہایا جائے نہ لڑائی کے لئے ہتھیار اٹھائے جائیں۔صرف کسی جانور کے چارہ کیلئے ہی درخت کاٹے جاتے۔

خصوصی مراعات دینے کا اختیار :۔ رسول کسی کو بھی شرعی قانون میں مراعات دینے کا اختیار رکھتے ہیں۔جیسے آپ نے تراویح باجماعت بھی پڑھی اور جماعت چھوڑ کر بھی۔ایک شخص ایمان اس شرط پر لایا کہ وہ دونمازیں پڑھا کرے گا۔حضور نے قبول کرلیا۔حضور نے حضرت عقبہ بن عامر کے حق میں خصوصی حکم یہ نافذ فرمایا کہ وہ ایک سال سے کم عمر بکری کی قربانی کر سکتے ہیں یہ ان کیلئے جائز ہے۔حضور ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کوغزۂ بدر میں شرکت کے بغیر

جہاد کا ثواب اور مال غنیمت کا حصہ دار قرار دیا کیونکہ وہ حضور کی صاحبزادی سیدہ رقیہ کی تیمارداری پر معمور تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے نکاح کی اجازت نہیں۔ بی بی فاطمہ کی وفات پر حضرت علی کو غسل دینے کی اجازت دی۔ حضور ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کو ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دی۔ اسطرح حضرت برا ابن عازب رضی اللہ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنی جائز قرار دی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنی رعایا سے تحفہ لینا حلال فرمایا۔ اس طرح کے اور بھی واقعات جو تشریعی اختیارات کے متعلق ہیں۔ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی نے درج کئے ہیں۔ کتاب میں سارا مواد دعویٰ اور دلیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ جابجا قرآن مجید اور احادیث کے حوالوں سے بات واضح کی گئی ہے۔ حضرت مدنی اشرفی نے کہیں بات کو سمجھنے کے لئے طویل گفتگو بھی کی ہے۔ اور سہل انداز میں اپنی وضاحت پیش کی ہے۔ موجودہ عہد میں جس موضوع پر کتاب لکھی گئی ہے وہ اہم اور وقت کی ضرورت ہے۔ حضرت مدنی صاحب قبلہ نے وقت اور حالات کے پیش نظر اہم موضوعات پر کتابیں پیش کی ہیں جو قابل ستائش ہے۔

اسلوبیاتی جائزہ:۔ زیر مطالعہ چاروں کتب جو اصل میں خطبے ہیں جسے کمپوزنگ کے بعد نظر ثانی اور مناسب توضیحات کے بعد کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ تاہم تحریر میں لانے کے بعد بھی تقریری انداز باقی رہا ہے۔ جو ایک نیا لطف دیتا ہے۔ حضرت مدنی اشرفی کی شخصیت ہمہ جہت اور آفاقی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے پاس فکر وخیال کی بلندی اور تحقیق وتلاش کی بے پناہ قوت ہے۔ کیونکہ انہیں حقائق وصداقت سے پیار ہے۔

حضرت مدنی اشرفی نے اپنی تصانیف اور خطبات میں میں آسان انداز تحقیق اپنایا ہے۔ زبان تو قدرے دقیق معلوم ہوتی ہے مگر اس کے طریقۂ استدلال نے اس کو پُر لطف بنادیا ہے۔ ان کے موضوعات ہمہ جہت ہیں اور اسلوب نگارش بھی ہمہ جہت پہلو لئے ہوئے ہے۔ ان کی نگارشات میں صحت زبان کے ساتھ، سلاست، سادگی پاکیزگی اور صفائی واضح طور پر نظر آتی ہے۔ زبان نہایت سادہ شستہ اور بامحاورہ ہے ان کے یہاں روزمرہ کا برمحل اور مناسب استعمال ہے۔ ان کی تخلیقات اپنے اندر علم وعرفان کے جہانِ معنی سموئے ہوئے ہیں۔ تحریر کی سنجیدگی، لب ولہجہ کی بلند آہنگی مہارت کی واضح دلیل ہے۔

سید محمد مدنی اشرفی قبلہ نہ صرف صاحبِ طرز ادیب ہیں بلکہ وہ ایک مفسر، محدث، فقیہ، خطیب عالم دین، شاعر اور انشا پرداز کی حیثیت سے بھی جلوہ گر ہیں۔ ان کی بصیرت بھی خوب ہے

۔وہ جانتے ہیں کہ کب کہاں کس طرح کی عبارت اور اسلوب مناسب ہوگا۔انہیں اردو زبان پر بھی قدرت حاصل ہے۔ وہ موضوع کے مطابق اسلوب کا استعمال کرتے ہیں۔ ہر موضوع ایک خاص اسلوب کا متقاضی ہوتا ہے۔انہوں نے ہر جگہ ایک منفرد اسلوب اپنایا ہے۔ان کی مذہبی کتب بھی ادبی چاشنی بیان کی لطافت الفاظ کی بندش اور حسین پیرایہ بیان سے مملو ہیں۔انہوں نے ہر بات کی وضاحت کے لئے حوالے پیش کئے ہیں۔اور بحث ومباحث میں ہر ہر دعوے پر اس کی دلیل پیش کی ہے۔ان کے اسلوب میں شگفتگی بھی ہے۔سلاست وروانی بھی۔ان کی عبارت میں رنگیں بیانی نہیں سادگی ہوتی ہے۔اسلوب کی اس سادگی میں زبان کی طاقت کے ساتھ، بیان کا طریقہ بھی نرالا ہوتا ہے۔ان کی تحریروں میں ان کی ذہانت فطانت جودت طبع ،کمالِ فقاہت اور علوم دینیہ کی موثر جھلکیاں ملتی ہیں۔

حضرت اشرفی قبلہ مختلف اصناف کے صاحب طرز اور صاحب اسلوب محقق ہیں۔اور کسی بھی متنازعہ فیہ مسئلے میں جرح وتعدیل کے دوران نہایت محققانہ روش اپناتے ہیں۔ان کی تحریروں میں زبان و بیان کے زور کے ساتھ معنی ومفہوم بھی مہکتے نظر آتے ہیں۔

انہیں زبان و بیان پر زبردست ملکہ حاصل ہے۔موصوف کی خصوصیت یہ ہے کہ بحث و مباحثہ میں بکھری ہوئی باتوں کو موتی کی مانند پروکر الفاظ کو موزوں ومناسب جگہ سجا دیتے تھے۔ اس لئے آپ کی تحریروں میں تسلسل اور روانی کی موجیں اٹھتی نظر آتی ہیں۔آپ کی تصانیف آپ کے عہد کی ترجمان ہیں۔جس میں آپ کا اسلوب نگارش اور طریقہ استدلال صاف نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریروں میں آپ کی شخصیت مکمل طور پر نظر آتی ہے۔یہ بھی اسلوب کی ایک خصوصیت ہے۔

اسلوب ہی دراصل فنکار کو جاوداں بنا دیتا ہے۔اسلوب ہی کسی فنکار کی تحریروں کو حیات جاودانی بخش سکتا ہے۔زبان کی سلاست بیان کی نیرنگی، جذبۂ صادق اور ان کے تبحر علمی نے حضرت سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی کو صاحب طرز انشا پرداز بنا دیا ہے۔

سفرِ آخرت : ایک مطالعہ

—— پرنسپل ڈاکٹر غلام دستگیر عبدالغفور شیخ، یو۔ای۔ایس۔مہیلا مہاودیالیہ، شولاپور

اسلام کی مذہبی، علمی، ادبی، دینی، تاریخی، تہذیبی اور معاشیاتی تاریخ میں مظہرِ غزالی، یادگار رازی، مفتی سوادِ اعظم، رئیس المحققین، امام المتکلمین، تاج دارِ اہلسنت، مجددِ دوراں، غوث زماں، بحثیت شاعر شیخ الاسلام شیخ المشائخ علامہ حضرت سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔ ویسے بہت سے عالم و مفکر اور شاعر گزرے ہیں جن کے افکار و خیالات نے عالم اسلام کے ایک بہت بڑے حصے کو متاثر کیا ہے اور آج بھی ان کی خدمات وہ چاہے دینی ہو یا مذہبی، علمی ہو یا ادبی کے قدر دارنوں کی تعداد ہندو پاک کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں کثرت سے پائے گئے ہیں۔ آپ کی شخصی خصوصیات کے متعلق 'خطباتِ برطانیہ' میں سید محمد جیلانی محامد فرماتے ہیں کہ:

''ہر دور میں ایسی شخصیتیں پروردگارِ عالم پیدا فرماتا رہا ہے جو ملت قوم کی آبرو بن جایا کرتی ہیں۔

آسمانِ رشد و ہدایت کے آفتاب کی طرح چمکتی ہیں۔ سیادت، شرافت و دیانت، حق گوئی و بے باکی، بالغ نظری و فکری اصابت، درویشانہ ادا، فقیرانہ شان، محققانہ صلاحیتیں، الغرض حق پرستی، حق آگاہی، اور حق نوازی جیسی تمام خصوصیات ایک ہی شخصیت میں سمو دیتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کی ذاتِ والا صفات میں ان تمام خوبیوں کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔''

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کی میری تحقیق کے مطابق تقریباً ۳۰ تا ۳۵ کتابیں ایک عدد قرآن کی تفسیر منظر عام پر آئیں ہیں۔ اس میں سے اس حقیر و فقیر نے 'سفرِ آخرت' کا مطالعہ کیا ہے۔ تو 'سفرِ آخرت' کے آغاز میں ہی سورۂ بقرہ کی آیت ''الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُوْنَ۔"

اس سورۃ کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"الف لام میم (یہ) وہ عظیم الشان کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ متقیوں (پرہیزگاروں) کے لئے ہدایت ہے وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔"

اس کے متعلق علامہ اقبال کے چند شعر ملاحظہ فرمائیے:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے ایمان کا ذکر کرتے ہوئے سب کی اصل نماز جو تمام اعمال سے افضل ہے اور جس کا تعلق مومن کے بدن سے ہے۔

اگر خموش رہوں میں تو تُو ہی سب کچھ
جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہو گیا محدود

آپ نے دنیا کی ہر نعمت کو رزق قرار دیا اور بتایا کہ:

"دنیا کی ہر نعمت رزق ہے اور ہر نعمت میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ لیکن ہر چیز کا خرچ کرنا اس کے موافق ہوگا مثلاً ہوا سے سانس لیتے ہیں تو کچھ سانسیں اللہ کے ذکر میں خرچ کرو، یہ سانسوں کی زکوٰۃ ہوئی اگر اولاد آپ کو ملی ہے تو جس طرح چند بچوں کو دنیوی کاروبار میں ماہر بناتے ہو ان میں کم از کم ایک کو حافظِ قرآن یا عالم دین بھی بناؤ اور جس طرح کہ اپنی اولاد کو دنیوی کام سکھاتے ہو کوئی دینی کام بھی سکھاؤ اور ان کو یہ بھی سمجھاؤ کہ تم کس درخت کی شاخ اور کس شاخ کے پھل ہو۔ اس طرح اگر تمہارے پاس مال ہے تو مال کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

یہ بھی اتنا ہی درست ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں ظاہری اور باطنی نعمتیں دی ہیں تو سب کو کچھ نہ کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ آگے چل کر آپ متقین کے متعلق اس طرح فرماتے ہیں کہ:

''متقین وہ ہیں جو ضرورت مندوں پر مال خرچ کرتے ہیں۔ اہل و عیال، قرابت داروں اور عام لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ زبان کو خدا کی راہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے خرچ کرتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں کی طاقت سے کمزوروں کے کام آتے ہیں خدا کی دی ہوئی عقل سے کم عقلوں کو مشورے دیتے ہیں۔ تقویٰ اور پرہیز گاری کے اثر سے ان کو جو روحانیت حاصل ہے۔ اس سے لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ مال و جاہ اولاد، علم و معرفت سب رزق ہیں۔ کسی کا اپنا نہیں بلکہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنوی اس میں ہے کہ وہ ان نعمتوں کے خرچ کرنے میں بخل نہ کرے بلکہ جو لوگ ان نعمتوں سے محروم ہیں ان میں تقسیم کرتا رہے۔ دولت مند اپنی دولت سے، عالم اپنے علم سے اور عارف اپنے روحانی فیوضات سے مستحق کو مالا مال کرے یہ فیض عام متقین کی تیسری علامت ہے۔''

حضرت شیخ الاسلام نے اس کے علاوہ متقین کے شریعت کے حوالے سے سات طرح سے مال خرچ کرنا عبادت بتایا ہے۔ زکوٰۃ کے متعلق آپ نے فتاویٰ عالمگیری کو مدنظر رکھتے ہوئے بتایا کہ:

''زکوٰۃ فرض ہے۔ اس کا منکر کافر اور نہ دینے والا فاسق اور قتل کا مستحق اور ادا میں تاخیر کرنے والا

گنہگار و مردود الشہادہ ہے۔''

قدرت کا اصول ہے کہ خرچ کرنے سے چیز بڑھتی ہے۔ اگر عالم اپنا علم خرچ کرے تو رفتہ رفتہ اس کا علم بڑھتا ہے اور اگر علم خرچ نہ کرے تو علم گھٹتا ہے۔ اگر کنویں سے پانی خرچ نہ کیا جائے تو پانی گندہ ہو جاتا ہے اگر درختوں کی شاخیں نہ کاٹی جائیں تو ان میں آئندہ پھل کم آتے

ہیں۔اسی طرح اگر مالدار اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کیا تو اس کے تجارت کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

قدرت نے ہر چیز کی زکوٰۃ لی ہے۔ بیماری کی زکوٰۃ ہے۔ نیند بیداری کی زکوٰۃ ہے۔ مصائب راحتوں کی زکوٰۃ ہے کھیتوں میں اناج کا نقصان ہو جانا پرندوں کا کھا جانا گویا پیداوار کی قدرتی زکوٰۃ ہے۔ یہ بھی اتنا ہی صحیح ہے کہ ہم اگر اپنے مال سے زکوٰۃ نہ نکالے تو قانونِ قدرت کے خلاف ہوگا۔ شیخ الاسلام نے زکوٰۃ کے متعلق بہترین مثالیں ہمارے سامنے پیش کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ:

''اگر کسی کو کوئی چیز کی ضرورت سے زائد بچ جائے تو وہ اور جگہ بھی خرچ ہوتی ہے۔ کُتّے، سور وغیرہ کے پستان میں اتنا ہی دودھ ہے جتنا اس کے بچے پی سکیں لیکن بھینس گائے بکری اونٹ، وغیرہ کو اس کے بچے کی ضرورت سے زیادہ دودھ دیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اوروں کا بھی حق ہے۔ اگر قدرت نے آپ کو آپ کی ضرورت سے زیادہ مال دیا ہے تو یقیناً اس میں فقراء اور مساکین کا بھی حصہ ہے۔زائد چیز کو علیحدہ کرنا ہی ضروری ہے۔آپ کے بڑے ہوئے ناخن اور بال وغیرہ علیحدہ ہونی چاہئیں۔اس طرح پیٹ کا فضلہ بھی خارج ہونا چاہیے کہ اس کا رہنا بیماری ہے۔اسی طرح زکوٰۃ کا پیسہ بھی علیحدہ ہونا چاہیے کیونکہ اس کا رہنا بیماری ہے۔''

زکوٰۃ کے متعلق آگے بڑھ کر آپ نے اس طرح فرمایا کہ:

''جب ربّ تعالیٰ نے ہماری ہر قسم کی پرورش فرمائی۔ ہمارے آرام کے لئے ہزاروں ملائکہ وغیرہ کے محکمے مقرر فرمائے تو کیا اس کا اتنا بھی حق نہیں کہ ہمارے مال میں سے کچھ طلب فرمائے بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہ مال بھی اسی کا ہے اور ہم بھی اسی کے۔ یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے ہم کو مال دیا اور خود ہم سے لے کر ہم کو ثواب عطا فرما دیا۔''

حضرت شیخ الاسلام زکوٰۃ کے متعلق مزید فرماتے ہیں کہ اس کے مسئلہ گویا زکوٰۃ کے روپے سے کپڑے تقسیم کرنا، سال بھر صدقہ کر کے زکوٰۃ کی نیت کرنا، زکوٰۃ کہے بغیر زکوٰۃ دینا۔

زکوٰۃ کس کو دینا افضل ہے۔ انتباہ، صدقہ فطر، صدقہ فطر کی مقدار اور اس کے مسائل بھی کھُل کر آسان اور سلیس زبان میں بتایا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حکایتیں بھی پیش کی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک مثال ہم درج ذیل میں پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

''حضرت شفیق بن ابراہیمؒ بھیس بدل کر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پاس تشریف لے گئے۔ پوچھا! کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: بلخ سے۔ پوچھا، کیا تم شفیق کو جانتے ہو؟ کہاں ہاں۔ پوچھا: ان کے اصحاب کا کیا طریقہ ہے؟ کہا: جب انہیں کچھ نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں اور مل جاتا تو شکر کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کہا: یہ ہمارے ہاں کُتّوں کا طریقہ ہے۔ شفیق نے پوچھا: پھر کاملین کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ کاملین وہ ہیں جنہیں کچھ نہ ملے تو شکر ادا کرتے ہیں اور مل جائے تو دوسروں کو دے دیتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام نے انسان کی حیثیت اور فرائض کے متعلق اپنے بہترین خیالات سے عوام الناس کو نوازا ہے۔ بتاتے ہیں کہ:

''اس شہر کے رہنے والے کو شرعی زبان میں مقیم کہیں گے اور باہر سے آنے والے کو مسافر کہیں گے۔ مسافر اپنے کو مسافر ہی سمجھنا چاہیے اور مقیم اپنے کو مقیم سمجھنا چاہیے۔ اگر مقیم نے اپنے کو مسافر سمجھ لیا ہے تو سب سے بڑی غلطی اس کی یہ ہوگی کہ جو چار رکعتیں والی نمازیں ہیں وہ اسے قصر کے طور پر دو پڑھنی پڑھے گی اس لئے کہ وہ اپنے کو مسافر سمجھتا ہے اور اگر مسافر اپنے کو مقیم سمجھ لے تو اس سے غلطی یہ ہوگی کہ اسے دو جو دو رکعت (قصر) پڑھنا ہے۔ وہ چار رکعت پڑھے گا۔ آپ کہیں گے کہ وہ تو زیادہ پڑھے گا۔ مگر یہ پڑھنا بھی عجیب ہے کہ چار پڑھ کر بھی وہ بے نمازی رہے گا۔ اس لئے کہ اس پر دو ہی فرض ہے۔ لہٰذا مسافر اپنے کو مسافر ہی سمجھنا چاہیے اور مقیم اپنے کو مقیم ہی سمجھنا چاہیے۔ اپنی حیثیت نہ سمجھنے کا اثر جو ہے وہ مسائل اور احکامات میں بھی پڑ سکتا ہے۔''

حضرت شیخ الاسلام نے 'عالم ارواح سے عالم آخرت کا سفر' اس موضوع پر بہترین

بحث کی ہے۔ عالم ارواح، عالم برزخ اور عالم آخرت ان تین منزلوں کے متعلق آپ درج ذیل میں اس طرح فرماتے ہیں کہ، ملاحظہ فرمائیے:

''عالم ارواح سے ہمارا سفر شروع ہوا تھا۔ جب تک ربّ نے چاہا عالمِ ارواح میں رہے۔ وہاں سے ہمیں شکم مادر (ماں کے پیٹ) میں پہنچا دیا گیا۔ تو جب تک ربّ نے چاہا ماں کے پیٹے میں رہے۔ پھر جب وہاں سے باہر (اس دنیا میں) نکلنے کہہ دیا گیا۔ جب تک ربّ چاہے گا اس دنیا میں رہیں گے جب یہاں سے باہر کر دیا جائے گا تو ہم عالم برزخ (قبر) میں رہیں گے۔ جب تک ربّ چاہے گا ہم عالم برزخ میں رہیں گے۔ جب عالم برزخ سے نکال دیا جائے گا تو جب تک ربّ چاہے گا ہم عالم آخرت میں رہیں گے اور پھر اس کے بعد پتہ چلے گا کہ کس کی منزل کدھر ہے۔''

حضرت شیخ الاسلام نے ہر عالم کی الگ الگ غذا کے متعلق معلومات بتائی ہے۔ مادر شکم میں خون، مادر شکم سے باہر نکلنے کے بعد خون حرام، باہر دودھ ملا۔ یہ دودھ خون سے بنا۔ مگر خون کی حقیقت ختم ہوگی۔ مادر شکم میں خون ناف کے ذریعے غذا کے طور پر دیا جاتا ہے اور باہر منہ سے دودھ غذا کے طور پر دیا جاتا ہے۔ مگر ربّ العزت وہ خون منہ کے ذریعے بھی دے سکتا تھا لیکن جو غذا نجس ہے۔ اس سے اس لئے بچایا کہ تمہارے منہ کو حمد الٰہی کے لئے بنایا گیا ہے۔ نعت مصطفیٰ ﷺ کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس منہ سے اولیا کرام کی منقبت کے لئے بنایا گیا ہے۔ یہ منہ تلاوت پاک کے لئے بنایا گیا ہے۔ خیال رہے کہ ربّ العزت نے ہماری زبان کو جب خود صاف رکھا ہے تو ہم اس کو نجس کیوں کریں۔ جھوٹ بول کر، غیبت کر کے، شراب پی کر، جوّا کھیل کر، حرام کمائی سے، ہم خود اپنی زبان کی حفاظت کریں۔ آخرت کی غذا نیکیاں اور ثواب کی غذا ہے۔ یہ نیکی چاندی، سونا، روپے پیسوں اور دولت سے بنتی ہے۔ کسی بھوکے کو روٹی کھلاؤ گے تو اس کا ثواب ملے گا۔ راہِ خدا میں اپنا مال خرچ کرو گے یہ مال نیکی میں تبدیل ہوگا۔ غرباء فقراء اور مساکن پر خرچ کرنے والی دولت، مال واسباب کا اجر وثواب عالم آخرت میں ہوگا۔ یہی ایصالِ ثواب کی حقیقت ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، حج، تلاوت قرآن ذکر، زیارت قبور، خیر خیرات بلکہ ہر قسم کی عبادت اور ہر نیک عمل، فرض ونفل کا ثواب، مردوں اور زندوں کو پہنچایا جاتا ہے۔ ایصالِ

ثواب شرعاً جائز ہے۔اس کا انکار قرآن وحدیث اور اجماعت امت کی مخالفت ہے۔

حضرت شیخ الاسلام نے کرنسی کا تبادلہ (فارن ایکسچنج) عالم آخرت کی کرنسی، نیکیاں، آخرت کے بینک کا موازنہ کرتے ہوئے تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

''جوتم خرچ کردوگے جوتمہارے پاس ہے وہ فنا ہو جائے گا جوتم خدا کے حوالے کروگے وہی باقی رہے گا۔آپ خیال کریں کہ ایسا کوئی بینک تو مل جاتا یہاں دیتے اور وہاں لیتے اسی آخرت کے ایک بینک کا نام ہے۔ دینی جامعہ، مدرسہ، فلاحی ادارہ، قربتداروں کی امداد، غریب کی شادی، بیماری کا علاج، مسافر کی مدد بھوکے کو روٹی، ننگے کو لباس، تنگدست کی مدد، یتیم کی کفالت اور خبر گیری، خاندان اور محلے کے مستحقین کی مدد، غریبوں، مفلسوں، یتیموں، بیواؤں، پڑوسیوں کی مالی مدد اور حسن سلوک۔''

حضرت شیخ الاسلام کے شعر ملاحظہ فرمائیے:

خدا کی شانِ جلال و جمال کے مظہر
ہر ایک سمت ہے تو ہی تیرے سِوا کیا
بشر کے بھیس میں لاکا لبشر کی شان رہی
یہ معجزہ جو نہیں ہے تو معجزہ کیا ہے

'سفر آخرت' میں حضرت شیخ الاسلام نے تعلیم رحمت اس موضوع پر بہترین خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''تمہارے رسولؐ تو غریبوں، مفلسوں، یتیموں، بیواؤں، پڑوسیوں، یہاں تک کہ چرندوں اور پرندوں پر بھی سراپا رحمت ہیں مگر آج تمہارا عمل و کردار کیا ہے؟ جب تم اپنے دسترخوان پر عمدہ عمدہ اور نفیس ولذیذ غزائیں کھانے کے لئے بیٹھتے ہو تو کیا تمہیں امت رسول کے ان بھوکے غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی یاد آتی ہے۔کئی کئی دنوں سے خشک روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ملا ہے؟''

حضرت شیخ الاسلام عوام الناس سے مخاطب ہو کر حضورؐ کا پیغام سنانے کے لئے کہتے

ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

اپنے دلوں کی دنیا میں ایمانی انقلاب پیدا کراور رحمت للعالمین کی سچّی اطاعت کوزندگی کا نصب العینا ورحیات کا شعار بناؤاور رحم وکرم، الفت و محبت، مہربانی واخوت کے چراغوں سے اندھیری دنیا کوروشنکرواور ساری دنیا کورحمت اللعالمین کا یہ پیغام سنادو۔

شعر ملاحظہ فرمایئے:

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں

صدقۂ جاریہ اوراولادوغیرہ کی طرف سے استغفار کا نفع اس موضوع کوانصاف دیتے ہوئے حضرت ابوامامہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے روایات پیش کئے ہیں۔ جو موزوں ومناسب ہیں۔ ''بے حساب اجروثواب'' اس موضوع کوبھی آپ نے انصاف دیا ہےاور جس سے عوام الناس کوایک درس ونصیحت ہی نہیں بلکہ ہدایت بھی ملتی ہے۔آپ نے بتایا ہے کہ دنیاداری کی بینک اورآخرت کی بینک میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ یہاں کی بینک ایک کا ایک ہی دیتی ہےاورآخرت کی بینک ایک کا دس،اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ دینی جامعات و مدارس ہماری ضرورت ہیں۔ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ دینی جامعات و مدارس کوکسی اینٹ اورپتھر کی عمارت نہ سمجھنا چاہیے بلکہ رسولؐ کے عشق ومحبت،خلوص وایثار کے عظیم الشان قلعے سمجھ کرآگے بڑھنا چاہیے۔ قلعے کا منہدم ہونا صرف اینٹوں اور پتھروں کا منہدم ہونا نہیں ہے بلکہ اقتدار کا صفایا ہونا ہے۔ ناموس کا گر جانا ہی وقار کا گر جانا ہے۔جس حکمران کا قلعہ منہدم ہوتا ہے۔اس کی حکومت بھی ختم ہوجاتی ہے۔اس کا دبدبہ اوررعب بھی ختم ہو جاتا ہے۔اس کی حکومت وحکمرانی ختم ہوتی ہے۔ یہ اینٹوں کے بنے ہوئے مدرسے نہیں ہیں بلکہ دینی تعلیم کے مضبوط قلعے ہوتے ہیں۔ یہ بھی اتنا ہی صحیح ہے کہ دینی مدرسوں کوجتنی ہماری مدد کی ضرورت ہے، اس سے کئی گناہ ہمارے اپنے ایمان وعمل کی ضرورت ہے اس کی حفاظت کے لئے دینی تعلیم کی ضرورت ہے۔ہمیں سب سے اہم اورسب سے زیادہ ضروری ایمان وعمل ہی تو ہے۔ ایمان میں توحید کا ماننا اوراس کے علاوہ دیگر فرائض ہیں۔ان تمام کا ماننا بہت ضروری ہے۔ایمان اوراسلامی قوانین یاشریعت کوماننے سے قبل انہیں یہ جاننا ضروری ہے کہ ہر مسلمان کوکلمہ پڑھنا ضروری ہے۔

نماز اس پر فرض ہے۔روزہ رکھنا ضروری ہے۔مسائل کی معلومات ضروری ہے۔اللہ اگر دولت دیا ہے تو زندگی میں حج کرنا فرض ہے۔اس کا علم ہونا بہت ضروری ہے۔اگر علم نہ ہو تو عمل کس طرح کرینگے یہ علم حاصل کرنے کے لئے ہمیں دینی جامعات اور مدرسوں کی بہت ضرورت ہے۔''تعمیر زمین پر اور مکان جنت میں'' یہ موضوع بھی بڑا عمدہ ہے۔لیکن اس موضوع کے تحت انہوں نے جو مثال دی ہے بڑی اہمیت رکھنے والی ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

''مگر قدرت کا نظام دیکھو کہ اگر تم یہاں مٹی کی اینٹ رکھتے ہو جنت میں وہ سونے کی اینٹ بن رہی ہے اگر مٹی کو سونا بنانا ہو تو خدا کی راہ میں خرچ کردو، مٹی سونا بن جاتی ہے۔یہاں کی مٹی جنت کا سونا بن جاتی ہے۔''

'مسافر کا سامان' میں آپ نے بہترین انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''یہ بھی عجیب بات ہے دولت اسی کی دی ہوئی ہے ہم بھی اسی کے، ہمارا وجود بھی اسی کا، زندگی بھی اسی کی اور دولت بھی اسی کی، سب کچھ دے کر کے پھر توفیق بھی وہی دیتا ہے۔اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی وہیدیتا ہے۔''

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ کُل کائنات اسی کی ہے۔جو وہ چاہتا ہے وہی ہونا ہے۔وہ چاہے انسان ہو، حیوان ہو، نباتات ہو یا جمادات، خدائے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی ہل نہیں سکتا۔بلاؤں، آفتوں اور مصیبتوں سے نجات کے لئے صدقات، اس موضوع پر بھی آپ نے اپنے تبادلہ خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ:

''شریعت میں سخاوت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان فرض صدقے ادا کرے اور طریقت میں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صرف فرض پر قناعت نہ کرے، نوافل صدقے بھی دے۔حقیقت و معرفت والوں کے ہاں اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی ضرورت دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دے۔صدقہ میں جلدی کرو کہ بلاء اس سے آگے نہیں بڑھتی۔''

حضرت شیخ الاسلام نے بلاؤں، آفتوں اور مصائب کے متعلق کھُل کر بحث کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ:

''بعض لوگ آفت آتے ہی میلاد شریف، گیارویں شریف، ختم خواجگان،

ختم غوثیہ، ختم بخاری، ختم آیت کریمہ کراتے ہیں۔ان کا ماخذ (اصل) یہ حدیث ہے کہ ان کاموں میں اللہ کا ذکر، اس کے حبیبؐ کی نعت شریف وغیرہ بھی ہے اور صدقہ بھی، ذکر اللہ بھی دافع بلا ہے اور صدقہ بھی دافع بلا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بلاؤں، آفتوں اور مصائب سے نجات کے لئے محولا بالا ذکر واذکار کا سہارا لیتے ہیں اور اس سے مصائب، آفت اور بلا دافع ہو جاتے ہیں۔ یہ آفتیں بلائیں اور مصائب آنے سے قبل اگر ہم صدقات دیں تو تمام بلاؤں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔آپ نے مثالیں بھی اس طرح دی ہیں مختصر ملاحظہ فرمایئے:

''بے شک مسلمان کا صدقہ (اور صلہ رحم) عمر کو بڑھاتا، گناہ کو بجھاتا ہے۔ اور بری موت سے بچاتا ہے اور مکروہ اندیشہ کو دور کرتا ہے۔ (طبرانی)

بے شک اللہ عزوجل صدقہ کے سبب سے ستر (۷۰) دروازے بری موت کے دفع فرماتا ہے۔(طبرانی)

صدقہ گناہ کو بجھا دیتا ہے۔جیسے پانی آگ کو صدقہ بری بلا کو ٹال دیتا ہے۔

مختصر یہ کہ حضرت شیخ الاسلام نے سفر آخرت میں جن موضوعات پر بحث کی ہے وہ انسانی زندگی کے لئے اہم اور مفید ہیں۔ جو فانی زندگی سے دائمی زندگی کس طرح بہترین بن سکے۔اللہ تعالیٰ ہم تمام کو آپ کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق دیں۔آمین۔

شیخ الاسلام کے نثری اور شعری تصانیف کا اجمالی تعارف

——مولانا افتخار عالم اشرفی قمر بھاگل پوری، بمبئی

یہ اس فردِفرید کا ذکرجمیل ہے، جس کا تعلق خانوادۂ شاہِ سمناں کچھوچھہ مقدسہ سے ہے، یعنی علامہ سید محمد مدنی میاں، جو اپنے علمی و روحانی بلند و بالا قد و قامت کے اعتبار سے سارے عالم اسلام میں بحیثیتِ 'شیخ الاسلام' اور 'رئیس المحققین' سے مشہور و متعارف ہیں۔اب نہ وہ کسی تعارف کے منت کشِ احسان ہیں، نہ کسی تعریف کے محتاج۔ کیوں کہ ان کی علمیت وعبقریت اور شہرت و مقبولیت کی خوشبو دوشِ ہوا پر پھیل کر بحر و بر کی وسعتوں میں پہنچ چکی ہے۔ پھر مجھ جیسا حقیر وفقیر اور سراپا تقصیر، اس قدِ ناز کی کیا کچھ سراپا نگاری، پیکر تراشی اور مرقع نویسی کر سکے گا۔بس یہ مٹھی بھر حروف اس لئے پیش ہیں کہ خریدارانِ یوسف میں کم از کم نام ہی درج ہو جائے۔ چوں کہ عالم یہ ہے۔ ع: اٹھ گئیں سب کی نگاہیں جب وہ آئے بزم میں

شیخ الاسلام کی ولادت باسعادت ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔آج ۲۰۱۵ء کا پہلا مہینہ ہے ،تو حاصل یہ ہوا کہ حضور شیخ الاسلام اب اپنی عمر عزیز کی ۷۷رویں بہار میں داخل ہو چکے ہیں۔ خدائے کریم ان کا سایۂ ہمایونی ہم سارے سنیوں کے سروں پر تا دیر قائم و دائم رکھے۔آمین بجاہ سید المرسلین۔

حضور شیخ الاسلام ایک دو نہیں، بیسیوں اہم خصوصیات وامتیازات کے حامل و مالک ہیں۔وہ ایک عظیم وقدیم علمی و روحانی خانوادہ کے قابل فخر فرزند اور چشم و چراغ ہیں۔آپ ایک ایسے نامی گرامی والد ماجد کے ولدِ عزیز ہیں، جن پر بجا طور پر 'الولد سر لابیه' کا عربی محاورہ صدفی صد صادق آتا ہے، یعنی علم و ادب، تصوف وسلوک اور مذہب وسیاست کے شہر یار و شہسوار حضور مخدوم ابن مخدوم، مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان۔اس نسبی تعلق کے علاوہ بذات خود ان کی ذات والا صفات عبقری الشان ہے۔از شرق تا غرب یکساں طور پر مشہور ومقبول ہیں۔ دو درجن سے زائد علمی وتحقیقی وتنقیدی کتب ومقالات کے مصنف ومحقق ہیں۔لاکھوں ارادتمندوں

کے مربی گرامی ومرشد سامی ہیں۔امت اسلامیہ اورملت مرحومہ کے قائدوپیشوا ہیں۔عوام وخواص اورعلماومشائخ میں محترم ومسلم ہیں۔

جس طرح علم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔اسی طرح قلم بھی اللہ کریم کا ایک بڑاانعام ہے ۔جس کے متعلق قرآن ارشادفرماتا ہے:ن والقلم و ما یسطرون، علم اورقلم میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔اس لئے کہ ہرعالم وفاضل قوتِ قلم کی قدرت اپنے آپ میں نہیں پاتا۔ شوکتِ الفاظ کے ہنرکو برتنے کا ملکہ نہیں رکھتا۔کوئی کوئی قلم کارضرور ہوتا ہے،مگرعلوم وفنون کی وہ گہرائی وگیرائی سے آشنانہیں ہوتا، جو اورعلما کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ رب اکبرکا کیسا بے پایاں احسان ہے کہ حضور شیخ الاسلام جہاں تمام علوم وادبیات اوراصناف واسالیب پرعبورِتام رکھتے ہیں، وہیں تحریروقلم کی تمام ترتوانائیوں سے آراستہ وپیراستہ ہیں۔سرِ دست مجھ خاکسارکا موضوع ہی حضور شیخ الاسلام کی گونا گوں قلمی خدمات اور بوقلموں تصانیف وتحقیقات ہیں، جوموضوعاتی اعتبارسے بھی نوع بہ نوع ہیں،اپنی بساط بھران کا تعارف وتجزیہ ہے۔

حضور شیخ الاسلام کا قلمی سفر،یعنی تحریرکا آغازکب سے ہواہے۔اس کا تعین فی الوقت میرے لئے توجہ طلب ہے۔ہاں!اتنا ضرور پتا ہے۱۹۶۳ء میں آپ نے تحصیل علوم کی تکمیل کی اور۱۹۶۶ء میں دو، ۱۹۶۷ء میں ایک اور۱۹۶۸ء میں ایک، گویا تین سالوں میں چارکتابیں چھپ کرمنظرعام پرآ چکی تھیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور شیخ الاسلام ۱۹۶۶ء سے پہلے ہی تحریروقلم کی جلوہ سامانیوں سے آگاہ وآشنا ہوچکے تھے۔ یہ میں نثر کی بات کررہاہوں۔شاعری کی نہیں۔ لیجیے،حضور شیخ الاسلام کی تصانیف عالیہ اورتحقیقات غالیہ کی رنگارنگی کا نظارہ کیجیے۔

۱......**فریضۂ دعوت وتبلیغ** : یہ کتاب حضور شیخ الاسلام نے اس وقت تصنیف فرمائی، جب آپ کی عمر عزیز ۲۸؍برس کی تھی۔گویاعلم اورلہودونوں جوان اورگرم تھے۔۳۶؍صفحات کی یہ کتاب ایک کوزہ ہے،جس میں ایک علمی دریا موجیں مار رہا ہے ۔ یہ رسالہ سب سے پہلے دار التصنیف والتالیف،مبارک پور،اعظم گڈھ، یوپی سے ۱۹۶۶ء میں شائع ہوکرمنظرعام پرآیا۔پھراس کا دوسرا اورتیسراا ڈیشن ۲۰۰۳ءاور۲۰۰۷ء میں علی الترتیب چھپ کرعام مسلمانوں کے لئے سرمۂ چشم بنا۔ اس رسالہ کی تقریب تصنیف یہ ہوئی کہ نام نہاد ’جماعت اسلامی‘ کے ایک شخص نے تین سوالات حضور شیخ الاسلام کی خدمت میں بھیجا۔جس کے جواب میں پیش نظر رسالہ معرض وجود میں آیا۔ پیچ در پیچ سوالات کیا تھے۔جن کی تہہ داری تک پہنچنا ہرمفتی کا کام نہیں۔حضور شیخ الاسلام کے جوابات

ہی سے وہ تہہ داریاں واضح ہوجاتی ہیں۔مصنف علام اپنے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

’’جماعت اسلامی کے ایک فرد کی جانب سے میرے پاس تین سوالات آئے۔سوالات کو گہری نظر سے دیکھنے کے بعد سائل ’دیوانہ بکارخویش، ہشیار‘ کا مصداق نظر آیا۔سوالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ سائل اپنے سوالات کا جواب نہیں چاہتا اور نہ وہ کسی جواب کو تسلیم کرنے کا اپنے اندر کوئی جذبہ رکھتا ہے۔یعنی وہ ایک خالی الذہن سائلِ محض نہیں ہے۔بلکہ وہ اپنے طور پر عقیدہ وعمل کی ایک فیصلہ کن منزل تک پہنچ چکا ہے۔اسی لئے اس نے پوری فنی چابک دستی کے ساتھ سوالات کے پردے میں ’جماعت اسلامی‘ کی تحریک کی دبے لفظوں میں تائید کی ہے اور اس کو’مزاج شناسِ دینِ اسلام‘ بتایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اشاروں اور کنایوں میں اس جماعت کے علاوہ دوسری باطل جماعتوں ہی کا نہیں، بلکہ سوادِ اعظم کا بھی مذاق اور تمسخر اڑایا ہے۔حتی کہ صحابہ،تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر’جماعت اسلامی‘ کے مذاق کے مطابق طنز وتعریض کیا ہے کہ یہ مقتدر ہستیاں یا تو روح اسلامی سے خالی تھیں یا مزاج شناس اسلام نہیں تھیں یا اتنی صلاحیت واستعداد ہی نہیں رکھتی تھیں،جس سے اسلام پر صحیح طور سے عمل کرسکیں یا کراسکیں۔یعنی اسلام کو اس کے اصلی رنگ وروپ میں جاری و نافذ کرنے کی ان کے اندر کوئی وقعت نہ تھی۔لہٰذا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کو ان لوگوں نے اپنے دل و دماغ اور عقیدہ وعمل سے نکال باہر کردیا اور ایک نئے اسلام کو ماننے والے بن کر رہ گئے۔کیوں کہ ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام ناقابل عمل ہو چکا تھا۔الحاصل انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کو چھوڑ کر ایک ایسے اسلام کو اپنا لیا،جس کو اپنانے سے بہتر یہ تھا کہ لادینی راہ کو اپنا لیتے‘۔

[فریضۂ دعوت وتبلیغ،گلوبل اسلامک مشن، نیویارک،امریکہ،۲۰۰۷ء،ص:۱۱]

سائل چھپنا چاہ رہا تھا۔لیکن چوں کہ مجیبِ مصیب زیرکی ودانائی میں اپنا بدل نہیں رکھتے،سائل کی ساری سادگی اور فنی چابک دستی اجاگر کر دی۔انداز تر دید وتعریض کا نہیں،دعوت و تفہیم کا ہے۔ناصحانہ اور منصفانہ،عالمانہ اور دردمندی کے ساتھ باوقار ہے۔قرآن وحدیث اور فکر واجتہاد کے نصوص وشواہد سے پورا رسالہ کسا ہوا ہے۔زبان سادہ وسلیس ہوتے ہوئے بھی علمی و دعوتی ہے۔مگر علامہ مدنی میاں نے قارئین کوتشنہ نہیں چھوڑا ہے۔یہ ضرور واضح کر دیا ہے کہ سائل اناڑی نہیں،کھلاڑی ہے۔یہ اسی اسلام اور دعوتِ اسلام کی بات کر رہا ہے۔جس کا حقیقی اسلام اور روح اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔رقم فرماتے ہیں:

> ''یہ وہی دورفتنہ ہے،جس کی نشاندہی مخبر صادق علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرما دی تھی کہ بے علم لوگ مسندِ ارشاد و ہدایت اور سریرِ دعوت وافتا پر نظر آئیں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود بھی گمراہ رہیں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے''۔

[فریضۂ دعوت وتبلیغ ،گلوبل اسلامک مشن ،نیویارک ،امریکہ،۲۰۰۷ء،ص:۱۳]

۲......**<u>دینِ کامل :</u>** یہ کتاب ۳۲ رصفحات پر مشتمل ہے۔اس کی تصنیف بھی ۱۹۶۶ء ہی میں ہوئی اور چھپی ہے۔اس کتاب کو تقابل ادیان کا نتیجہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔مذہب اسلام ہی کامل و اکمل اور خدا کا پسندیدہ دین ہے۔اس کے سوا چھوٹے بڑے جتنے ادیان و مذاہب ہیں۔سب کے سب ناقص و نامکمل اور ناقابل و ناقابل عمل ہیں اور مذہب اسلام کے سامنے سب اپنے باطل عقائد ونظریات کی بنیاد پر عاطل و باطل اور منسوخ ہیں۔خصوصاً یہودیت ونصرانیت کو مصنف گرامی علامہ مدنی میاں نے اچھی طرح کھنگھال کر اس کی بطالت وفسطائیت کو اجاگر کیا ہے۔کتاب چھوٹی ہونے کے باوجود علمی وتحقیقی اور قابل مطالعہ ہے۔اس کی زبان بہت ہی سادہ و سلیس ہے۔

۳......**<u>اسلام کا تصورِ الٰہ اور مودودی صاحب :</u>** یہ کتاب ۱۹۶۷ء میں محدثِ اعظم اکیڈمی، کچھوچھہ شریف سے شائع ہوئی۔کل صفحات ۲۰۰ ر ہیں۔اس کا دوسرا اڈیشن ۱۹۹۶ء میں شیخ الاسلام اکیڈمی، ماچھی پور، بھاگل پور، بہار کی طرف سے نئی کتابت وگیٹ اپ کے ساتھ نکلا۔یہ کتاب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے افکار وخیالات اور تفردات واجتہادات کی تنقید وتنقیح کی پہلی کڑی ہے۔جس میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ مولانا مودودی کے خیالات وخرافات اسلام ا

ورعامۃ المسلمین کے لئے کس قدر گمراہ کن اور دین وملت کے لئے کس قدر تباہ کن ہیں۔دراصل مولانا مودودی کی کتاب 'قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں' پیش نظر کتاب کا سببِ تصنیف ہے ۔اپنی اس کتاب میں مودودی نے 'الٰہ، رب، دین اور عبادت' کو زیر بحث لاکر جو خانہ زاد توضیح و تشریح کی ہے، شیخ الاسلام نے اپنی اس کتاب میں صرف لفظ' الٰہ' پر تنقیدی و تحقیقی بحث کی ہے۔لفظ 'رب' پر ضمناً وتذکرۃً گفتگو آ گئی ہے۔دین اور عبادت کے تعلق سے شیخ الاسلام نے دو اور الگ الگ کتابیں تحریر کی ہیں۔جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

یہ کتاب ایک دیباچہ بعنوان' آغازِ سخن' دین ودانش راز آشنا سید مثنیٰ انور کچھوچھوی نے لکھا ہے، پھر پانچ ذیلی عنوانات کے اردگرد پوری کتاب پرزور دلائل و براہین کے ساتھ گردش کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔عنوانات یہ ہیں: [۱] لفظ الٰہ' کی لغوی تحقیق، [۲] مودودی صاحب کی تشریحات کا تحقیقی جائزہ، [۳] اہلِ جاہلیت کا تصورِ الٰہ، [۴] الوہیت کے باب میں املاکِ امر، [۵] مودودی صاحب کے خیالات کا اجمالی جائزہ، تب خاتمہ اور کتابیات کی فہرست ہے۔ پوری کتاب پچاس سے زائد حوالہ جاتی کتب ورسائل کے ۲۱۸ /حوالوں سے لبالب ہے۔مولانا مودودی نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ:

> ''عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا، اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ 'الٰہ' کے کیا معنی ہیں اور رب کسے کہتے ہیں۔کیوں کہ یہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے۔انہیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے۔لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان الفاظ کے وہ اصلی معنی، جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود، بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہو گیا۔اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں ، جو لوگ پیدا ہوئے تھے، ان کے لئے 'الٰہ، رب اور دین اور عبادت' کے وہ معنی باقی نہ رہے تھے، جو نزولِ قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے''۔
>
> [قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص:۱۰]

اس عبارت پر پہلے تو 'آغازِ سخن' کے لکھنے والے دین و مذہب اور تاریخ و ادب پر گہری نظر رکھنے والے سید مثنیٰ انور نے یہ ریویو اور ریمارک لکھا۔ جو مذہبی تحریکات پر نظر رکھنے والوں کے لئے بہت سا سامانِ بصیرت مہیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

''مذکورہ بالا تحریر سے کم از کم اتنا تو معلوم ہو گیا کہ مودودی صاحب 'الٰہ، رب، دین اور عبادت' کے جن مفاہیم کی اشاعت چاہتے ہیں، ان کی تائید و تصدیق کتبِ لغت و تفسیر سے نہیں ہوتی اور ان کتابوں کی موجودگی میں موصوف کے افکار کا 'انوکھا پن' سلامت نہیں رہتا۔ لہٰذا ضرورت محسوس ہوئی کہ پہلے ان کتبِ لغت و تفسیر کو 'دورِ آخر' کی پیداوار بتا کر مشکوک و غیر معتبر کر دیا جائے۔ اس کے بعد ان کتابوں کے مرتب کرنے والوں کو 'خالص عربیت کے ذوق کی کمی' کی وجہ سے 'اصل معنی لغوی' سے بے خبر و نا آشنا کہہ کر مسلمانوں سے بے تعلق بنا دیا جائے۔ اس طرزِ عمل سے اگر ایک طرف مفسرین، محدثین، فقہا اور علما کا صدیوں کا گراں قدر علمی سرمایہ 'حباب بر آب' کی حیثیت رکھتا ہے، تو دوسری جانب ایک ایسی فضا ہموار ہوتی ہے، جہاں مودودی صاحب کے تخمین و ظن 'نصوص کا درجہ حاصل کریں' جہاں ان کے 'خالص عربیت کے ذوق' کا سکہ چلے اور جہاں ان تمام اسلامی افکار سے ان کے براہِ راست واقف و باخبر ہونے کا اعلان جاری رہے، جو 'نزولِ قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے''۔

[اسلام کا تصورِ الٰہ اور مودودی صاحب، ص:۱۲/]

مصنفِ کتاب علامہ مدنی بھرپور یقین و اعتماد کے ساتھ خاتمۃ الکتاب میں لکھتے ہیں:

''ان نصوص کو دیکھ لینے اور سمجھ لینے کے بعد کیا کوئی منصف مزاج ایسا بھی ہے، جو مودودی صاحب کی تحقیقات کو نظرِ اعتبار سے دیکھے؟۔ یہ نصوص اس حقیقت کو روشن کر رہی ہیں کہ وہ آیات، جو مودودی صاحب نے تحقیق الٰہ کے سلسلے میں نقل کی ہیں، ان میں صرف بت پرستوں اور دیگر کفار و مشرکین کا رد ہے''۔

[اسلام کا تصورِ الٰہ اور مودودی صاحب، ص:۱۹۷/]

۳......اسلام کا تصورِ عبادت اور مودودی صاحب : تنقیدِ مودودیات کی یہ دوسر کڑی ہے۔ جو 'قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں' کی لفظ 'عبادت' کی تفصیل وتشریح کی گئی ہے، یہ پوری کتاب صرف اسی لفظ کی تحقیق وتنقید سے بحث کرتی دِکھائی دیتی ہے۔ یہ کتاب سب سے پہلے ۱۹۶۸ء میں 'محدثِ اعظم اکیڈمی' کچھوچھہ شریف سے چھپ کر اہل علم کی میز پر پہنچی تھی۔ نئی کتابت اور خوب صورت طباعت کے ساتھ 'شیخ الاسلام اکیڈمی' ماچھی پور، بھاگل پور، بہار نے ۱۹۹۶ء میں طبع کی ہے۔ تعدادِ صفحات ۲۲۳/ ہیں۔ یہ کتاب بھی ماسبق والی کتاب کی طرح امہاتِ کتب کے ۱۳۴/ حوالوں سے مدلل ومبرہن ہے۔ اس کتاب کا 'افتتاحیہ' بھی سید مثنیٰ انور صاحب ہی نے لکھا ہے۔ مصنفِ گرامی کی طرف سے کوئی دیباچہ ومقدمہ وغیرہ نہیں ہے۔ سیدھے کتاب کی شروعات ہوگئی ہے۔ افتتاحیہ نگار نے روز نامہ 'قومی آواز' لکھنؤ کا وہ تبصرہ بھی اپنی تحریر میں درج کیا ہے، جو 'اسلام کا تصورِ الٰہ اور مودودی صاحب' پر کیا گیا تھا۔ یہ کتاب ۱۹۶۸ء میں جب شائع ہوکر سامنے آئی، تو روز نامہ 'قومی آواز' لکھنؤ نے درج ذیل غیر جانب دارانہ تبصرہ کر کے مصنفِ گرامی کے حق بجانب تحقیق وتنقید ہونے کا ووٹ دے دیا اور کتاب کو حق وصداقت کا آئینہ دار قرار دے کر مہر توثیق ثبت کردی۔ ایک پیراگراف آپ بھی ملاحظہ کریں۔ لکھا ہے کہ:

> ''دین تمام تر منقولی ہے۔ اسے عقل کی کسوٹی پر کسنا گناہ نہیں۔ لیکن اس عقلی پرکھ کو حق وناحق کا واحد معیار بنالینا بلا شبہہ گمراہی ہے۔ کوئی بھی عقلی تعبیر اس سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی کہ وہ ایک انسانی ذہن کی اپج ہے۔ نہ وہ وحی ہے اور نہ حدیث۔ عقلی تعبیریں دینِ متین کا مدار نہیں بن سکتیں۔ کسی معقولی کی اس طرح کی کوششوں کو، بشرطیکہ وہ منقولات سے متصادم نہ ہوں۔ ایک مستحسن کوشش کہا جاسکتا ہے اور بس۔ جب کوئی عقل زدہ فرد یا گروہ اسے عقیدے کی طرح منوانے کی کوشش کرتا ہے یا نہ ماننے والے کے دین کو ناقص قرار دینے کی جرأت کرتا ہے، تو وہ نہ صرف اپنی حد سے بڑھنے کا مرتکب ہوتا ہے، بلکہ دوسروں کو چھیڑ کر بیٹھے بیٹھائے اپنے کو مبتلائے آفات بھی کرلیتا ہے اور نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے کہ ماموئی عقل پرستی

کو حنبلی صداقت پرستی کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ زیر نظر کتاب 'اسلام کا تصور الٰہ اور مودودہ صاحب' بھی عقلیات اور منقولات کے درمیان کشاکش کی ایک مثال ہے''۔

[اسلام کا تصور عبادت اور مودودی صاحب، ص:۶، ۷]

اس کتاب میں مصنفِ محترم نے جو ذیلی عنوانات قائم کئے ہیں ، درج ذیل ہیں۔[۱] عبادت [لغوی تحقیق]، [۲] مودودی صاحب کی علمی خیانتیں، [۳] مودودی صاحب کے دوسرے علمی جواہر پارے، [۴] مودودی صاحب کی ایک غیر ضروری کوشش، [۵] لفظ عبد کی تحقیق، [۶] مودودی صاحب کی تشریحات کا تحقیقی تجزیہ، [۷] مودودی صاحب کا نظریۂ عبادت، [۸] مودودی صاحب کی پریشاں خیالیاں، [۹] مودودی صاحب کے نزدیک ایمان کیا ہے، [۱۰] عبادت کے متعلق مودودی صاحب کے مزید خیالات، [۱۱] امت مسلمہ کے عوام پر برہمی اور بہتانات، [۱۲] خواص امت پر بھی بے جا بر افروختگی، [۱۳] مسئلۂ خلافت و حکومت، [۱۴] لفظ عبادت کا استعمال قرآن میں، [۱۵] عبادت بمعنی اطاعت، [۱۶] عبادت بمعنی پرستش، [۱۷] عبادت بمعنی بندگی واطاعت و پرستش، [۱۸] اسلام کا نظریہ عبادت۔

مذکورہ عنوانات پر شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں نے دوسو سے زائد صفحات تحریر کئے ہیں، جن میں تحقیق وتنقید اور توضیح وتشریح کا دریا بہا دیا ہے۔ کسی بھی پہلو سے کوئی ایسا کچھ نہیں چھوڑا ہے، جس میں قاری کو تشنگی محسوس ہو یا کسی طرح کا التباس پیش آئے۔ مولانا مودودی کی کتاب 'قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں' سے ص:۹، ۱۰ سے ایک عبارت خلاصہ لکھنے کے بعد علامہ مدنی میاں فرماتے ہیں اور لگاتار کئی ایک معارضات بھی قائم کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

''بنیادی اصطلاحیں' ص:۹، ۱۰ کی عبارتوں سے ، جو مفہوم واضح ہوتا ہے، اس کا خلاصہ میں نے اپنے لفظوں میں پیش کیا ہے۔ تاکہ اس کا پورا لب ولہجہ جوابی ہو جائے۔ اس جواب کے سوا مودودیت نواز حضرات کے پاس اور کوئی جواب ہو بھی، تو کیسے؟۔ اس لئے کہ مودودی صاحب کے قلم سے اس سلسلے میں میں اتنا ہی نکلا ہے۔ پھر اس سے زیادہ یہ سوچ بھی کیا سکتے ہیں۔ صدائے بازگشت سے اتنی بھی آواز سنی جا سکتی ہے، جتنی آواز

نکالنے والے نے نکال دی ہے۔ مذکورہ بالا جواب سے چند باتیں سامنے آتی ہیں:

۱......امام لغت علامہ زمخشری ،امام لغت علامہ سید شریف جرجانی، صاحب بیضاوی، صاحب مدارک، صاحب جلالین اور دوسرے مفسرین کا عربیت کا ذوق نہایت ناقص تھا۔

۲......اس پوری جماعت کے خیالات قرآن فہمی کے سلسلے میں ہمیشہ غلط سوسائٹی کے زیر اثر رہے۔

۳......مودودی صاحب نزول قرآن کے تقریباً تیرہ سو برس بعد پیدا ہونے کے باوجود عربیت کا پورا ذوق لے کر پیدا ہوئے۔

۴......مودودی صاحب کو زمانۂ نزول قرآن کے وقت کی وہ لغت کی کتابیں بھی ہاتھ آ گئیں، جن سے سارے مفسرین بے خبر ہی رہے یا ان کو سمجھ نہ سکے۔

دیکھا آپ نے، یہ ہے دین کا تجدید واحیا۔اس حیثیت سے تو مودودی صاحب کو خوش نصیب ماننا ہی پڑے گا کہ وہ ایسے دور میں پیدا ہوئے ، جہاں ان کے نعرۂ 'انا ربکم الاعلیٰ' کا جواب کچھ حضرات سرِ نیاز جھکا کر دینا جانتے ہیں۔ خدا جانے اپنے ان اندھے فرمابرداروں اور اطاعت کرنے والوں کے بارے میں مودودی صاحب کی کیا رائے ہے۔ وہ ان کو اپنا عابد اور اپنے کو ان کا معبود تصور کرتے ہیں کہ نہیں؟۔

[اسلام کا تصورِ الٰہ اور مودودی صاحب، ص:۲۶، ۲۷/]

۴......**<u>دین اور اقامتِ دین</u> :** یہ تردید وتنقیدِ مودودیات کی تیسری کڑی ہے۔۳۰۳/صفحات کی یہ کتاب 'شیخ الاسلام اکیڈمی' ماچھی پور، بھاگل پور، بہار سے ۱۹۹۷ء میں طبع ہوئی ہے۔ جو اٹھارہ ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے اور وہ یہ ہیں:

[۱] دین: لغوی، [۲] دین اور جزا میں نازک سا فرق، [۳] لفظ مذہب کی تحقیق، [۴] لفظ ملت کی تحقیق، [۵] مودودی صاحب کا ارشاد، [۶] قرآن فہمی کے لئے چار ضروری امور، [۷] انصاف پسند مفسر کا فرض، [۸] موجودہ دور کا المیہ، [۹] کیا قرآن کی ترجمانی ممکن

ہے،[۱۰] قرآن میں لفظ دین کا استعمال،[۱۱] مودودی صاحب کی تشریحات کا تحقیقی جائزہ،[۱۲] اقامتِ دین،[۱۳] ایک غلط فہمی کا ازالہ،[۱۴] ایک سطحی اور خطرناک روش،[۱۵] مودودی صاحب کی فکری کجی،[۱۶] ایک مغالطہ اور اس کی اصل وجہ،[۱۷] قرآن مجید کو آنکھ کھول کر پڑھیے،[۱۸] مودودی صاحب اپنے آئینے میں۔

پھر آخر میں خاتمۂ کتاب ہے۔ کتاب کامل تحقیق وتنقید کی آئینہ دار ہے۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ مودودیت نوازوں اور مودودیت بیزاروں، دونوں کے لئے انتہائی قابل مطالعہ ہے۔ کیوں کہ مودودی آرا وافکار کا مطالعہ کرتے وقت کوئی بھی محقق اور دانشوران کتابوں کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس لئے کہ یہ تحقیق وتنقید، محض برائے تحقیق وتنقید نہیں ہے، بلکہ تحقیق وتنقید سراسر برائے دعوت واصلاح اور تعمیر وفلاح ہے۔

۵......**<u>امام احمد رضا اور اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ</u>** : یہ علمی وتحقیقی مقالہ سب سے پہلے ماہنامہ ’المیزان‘ بمبئی میں ۱۹۷۶ء کے آس پاس قسط وار شائع ہوا ہے۔ دراصل یہ محققانہ وفاضلانہ مقالہ ایک دریدہ دہن اور زہر آلود مزاج کے قلمکار کے مسکت جواب کا نتیجہ ہے۔ اس کی تقریب تحقیق و تصنیف کا محرک اصلی حلقۂ دیوبند کے مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی کا وہ مضمون ہے، جو چھ قسطوں میں ماہنامہ ’دارالعلوم‘ دیوبند میں شائع ہوا تھا۔ مولانا قاسمی نے امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن بنام ’کنز الایمان‘ پر بے جا انگشت نمائی کی تھی۔ جس کا اینٹ کا جواب پتھر سے شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں نے دے کر مضمون نگار کو مبہوت وششدر کر کے رکھ دیا۔ یہی مقالہ بعد میں اپنی ہمہ گیر افادیت و مقصدیت کے پیش نظر کتابی شکل میں مرتب ہو کر ۱۹۸۲ء میں مکتبہ انوار المصطفیٰ، حیدر آباد سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس کتاب نے جہاں امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن ’کنز الایمان‘ کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے اور مترجم قرآن امام احمد رضا کے علمی تبحر کو اجاگر کیا ہے، وہیں خود مقالہ نگار کی علمی و فنی بلند پائیگی بھی آئینہ ہو کر سامنے آگئی ہے۔

۶......**<u>مسلم پرسنل لاء یا اسلامک لاء</u>** : یہ کتاب المیزان پبلی کیشنز سے ۱۹۸۵ء سے چھپ کر اطراف ملک میں پہنچی۔ دراصل ۸۷ رصفحے کی یہ کتاب شاہ بانو کیس کے ہنگامی دور کی یادگار ہے۔ اس حوالے اس دور میں جتنے مضامین ومقالات اور کتابیں لکھی اور چھاپی گئیں، ان سب میں اس کتاب کا ایک الگ رنگ وآہنگ ہے۔ مصنف علام نے اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ جو مسلم پرسنل لاء کی اصطلاح رائج ہے۔ وہ بنیادی طور پر غلط ہے۔ کیوں کہ اہل اسلام جس قانون و

اصول کو مانتے ہیں، وہ ان کا ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا ہے۔اس لئے اس میں کسی بھی قسم کی مداخلت شریعت اسلامیہ میں مداخلت کے مترادف ہے۔اس ضمن میں مصنف نے اور بہت سے مسائل پر بھی تحقیقی نظر ڈالی ہے۔نکاح، نان ونفقہ، طلاق اور عائلی قوانین پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔

۷......<u>محبتِ رسول: روحِ ایمان</u> : ۱۹۸۶ء میں سب سے پہلے یہ کتاب ۹۷ صفحات پر مشتمل محدث اعظم پبلی کیشنز، احمد آباد سے شائع ہوئی۔اس کی دوسری اور تیسری اشاعت علی الترتیب ۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۷ء میں گلوبل اسلامک مشن، نیویارک، امریکہ سے چھپ کر اہل علم کے مطالعے کی میز تک پہنچی۔محبتِ رسول ایک ایسا موضوع ہے۔جو اہل ایمان کی ایمانی وروحانی غذا ہے۔اس پر متفق علیہ حدیث: **لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین** ،اور احادیثِ کثیرہ کا ایک زبردست ذخیرہ شاہد عدل ہے۔شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں نے مذکورہ حدیث پاک کو موضوع سخن بنا کر جو ایمان افروز اور روح پرور بحث فرمائی ہے، وہ واقعی مصنفِ علام ہی کا حصہ ہے۔کتاب کی جو شروعات ہوئی ہے، وہ اس بات کا اشارہ ہے کہ امنڈ نے والا علمی سیلاب کیسا ہوگا۔آغاز یوں فرماتے ہیں:

> ۱......'مومن کامل کے ایمان کی نشانی اور پہچان یہ ہے کہ اس مومن کے نزدیک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام چیزوں اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب و معظم ہوں گے۔خواہ وہ باپ یا بیٹے ہوں۔جن سے طبعاً محبت ہوتی ہے یا وہ دوسرے لوگ ہوں، جن سے طبعاً محبت ہو یا اختیاراً محبت کی گئی ہو۔
>
> ۲......'محبت کی قسمیں ہیں۔ایک جبلی اور طبعی اور دوسری اختیاری۔جبلی محبت، جو بندے کے اختیار سے باہر ہو اور اس کی طبیعت اور جبلت کا تقاضہ ہو۔اختیاری محبت، جس میں بندے کے اختیار کو دخل ہو اور اس میں تکلیف جاری ہو سکے۔
>
> اس مقام پر محبت کی پہلی قسم خارج از بحث ہے۔اس لئے کہ حدیث زیر شرح میں کلام ایمان سے متعلق ہے۔جس کی تحصیل و تکمیل کی تکلیف شریعت کی طرف سے ہے۔

۳......’یہاں ’احبیت‘ سے مراد یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی کو دوسروں کے حقوق پر ترجیح دی جائے۔ بایں طور کہ آپ کے دین پاک کو زندگی کے ہر ہر شعبے میں لازمی طور پر اپنائے رکھا جائے ۔آپ کی سنت کی اتباع کی جائے۔آپ کی بارگاہِ اقدس کا پورا لحاظ رکھا جائے اور آپ کی رضا کو زندگی کا نصب العین بنالیا جائے۔ یہاں تک کہ آپ کی محبت کا تقاضہ یہ ہو کہ اپنی جان کو قربان کر دیا جائے یا اپنے چہیتے بیٹے اور شفیق باپ، نیز کسی محبوب شخص یا محبوب و پسندیدہ چیز سے بالکلیہ علاحدگی اختیار کر لی جائے، تو اس میں بھی کوئی تامل نہ کیا جائے۔ جیسا کہ اجلۂ صحابۂ کرام نے کر کے دِکھا دیا‘‘

[محبت رسول: روح ایمان، ص:۱۵]

۸......**وِیڈیو، ٹی وی کا شرعی استعمال** : یہ کتاب ۱۹۸۷ء میں محدث اعظم پبلی کیشنز سے شائع ہوئی ہے۔ تعداد صفحات مجموعی طور پر ۳۱۵ر ہیں۔ یہ ایک نو ایجاد مسئلہ سے متعلق علامہ مدنی میاں کی نئی تحقیق و دریافت ہے ۔اس سلسلے میں ان کا موقف مشروط طور پر ٹی وی، وِیڈیو کا استعمال جائز و درست ہے۔ اسلوب عالمانہ، محققانہ، منطقیانہ اور فقیہانہ ہے ۔من جملہ اوصاف کے خالی الذہن ہو کر کتاب قابل مطالعہ ہے ۔ اس کتاب کے تحقیقی مباحث سے مصنف علام شیخ الاسلام مدنی میاں کی دقیقہ رسی و جزرسی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔جس میں علما و فقہاء کا باہمی علمی اختلاف رہا ہے۔

۹......**مقالاتِ شیخ الاسلام** : یہ کتاب شیخ الاسلام کے پانچ مقالات کا مجموعہ ہے۔ مجموعی صفحات ۱۴۰ر ہیں۔اس میں کئی مقالے ایسے ہیں، جو اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے کتابی روپ اختیار کرنے کے لائق ہیں۔ یہ مقالے مختلف وقتوں کی کاوشِ قلمی کے نتائج ہیں۔عرصہ پہلے رسائل وجرائد میں چھپے بھی تھے۔گلوبل اسلامک مشن، نیو یارک، یو ایس اے نے مرتب کر کے ۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۸ء علی الترتیب دو اڈیشن شائع کئے ہیں۔ ’عرض ناشر‘ کے عنوان سے چھ صفحے کی تحریر جناب محمد مسعود احمد صاحب نے لکھی ہے۔ جو ’گلوبل اسلامک مشن‘ کے چیئر مین ہیں۔ ’تعارفِ مقالات‘ کے عنوان سے بارہ صفحات کا مضمون حضرت مولانا غلام جیلانی اشرفی صاحب نے قلم بند کیا ہے۔ ص:۲۵ر سے ص:۱۳۶ر مقالات مدنی ہیں۔ آخر میں مآخذ و مراجع کی فہرست ہے، جو تقریباً

۴۰؍حوالہ جاتی کتب کو محیط ہے۔ مقالوں کے عنوانات یہ ہیں:

[۱]......اشتراکی سوالات کے اسلامی جوابات،

۲......تین سوالوں کا جواب،

۳......تحریم اور فلسفۂ تحریم،

۴......رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریعی اختیارات،

پہلے مقالے کے تعارف میں بحث کرتے ہوئے تعارف نگار نے لکھا ہے کہ:

> ''اس پوری بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مارکس ازم کی بنیاد مذہب سے انکار پر ہے۔تو جس نظریۂ حیات میں سرے سے مذہب موجود ہی نہ ہو، وہ نظریۂ حیات تادیر قائم نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ بیسویں صدی کے آغاز پر شروع ہونے والا یہ نظریہ، صدی کے اختتام سے پہلے ہی زمیں بوس ہوگیا''

[مقالاتِ شیخ الاسلام، ص:۱۹]

علامہ مدنی میاں نے سائل یا سائلین کو کئی خانوں میں تقسیم کر کے جوابات رقم کئے ہیں۔اس پر گفتگو کرتے ہوئے تعارف نگار رقمطراز ہیں:

> ''یہ امر وقعہ ہے کہ سائلین کو ان خانوں میں تقسیم کئے بغیر ان سوالات کے جوابات دینا ممکن نہیں ہے۔ جو شیخ الاسلام کے سامنے پیش کئے گئے۔ حضرت شیخ الاسلام نے ان سوالات کے بہترین جوابات از روئے روایت و درایت بہت عمدگی کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں اور ہر سوال کے جواب میں مختلف قسم کے سائلین کو پیش نظر رکھ کر اطمینان بخش جواب دیا ہے۔ چوں کہ سوالات میں اسلام کے معتقدات و معاملات، ہر دو پر سائل حملہ آور ہوا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے دلیل و برہان سے اسلامی معتقدات و معاملات کا دفاع کیا ہے''۔

'۔[مقالاتِ شیخ الاسلام، ص:۱۹، ۲۰]

دوسرا مقالہ شہر جون پور کی ایک تعلیم یافتہ کے تین سوالات کے جواب میں وجود پذیر ہوا ہے۔ مذکورہ خاتون 'جماعتِ اسلامی' کے چمک دار اور بھڑک دار لٹریچر سے متاثرہ ہے۔اس

لئے سوالات بغرض حصولِ علمِ شرع یا طلبِ ہدایت نہیں ہیں۔سوالوں کے بطن اور بین السطور سے بہت کچھ اور بھی جھانک رہا ہے۔جس کا ادراک دور اندیش دینی دانشور اور دور بیں مفتی ہی کرسکتا ہے۔ مدنی میاں تو شیخ الاسلام ٹھہرے۔ مافی السطور اور مافی البطن، دونوں کا ایسا نپا تلا اور ہر زاویہ سے ایسا کسا ہوا جواب رقم فرمایا کہ سائلۂ مذکورہ کے ذہن و دماغ کے چودہ طبق روشن ہوگئے ہوں گے۔شیخ الاسلام تحریر کرتے ہیں:

''سائل نے بظاہر تین سوالات کئے ہیں۔لیکن ہر سوال کے بطن میں کئی ایک سوال نظر آئے۔لہٰذا میں نے مناسب خیال کیا کہ جواب سے پہلے ایک ایسی تمہید پیش کر دی جائے، جس سے بآسانی تمام سوالات کے جوابات حاصل کئے جاسکیں''۔

چند سطور آگے فرماتے ہیں:

''اسلام کسی ملکی، شہری، خانگی، بیرونی، مجموعی یا انفرادی نظام زندگی کا نام نہیں، بلکہ یہ ان اٹل، بے بدل اور غیر متبدل قوانینِ الٰہیہ کا نام ہے، جس کا امین و محافظ صحیفۂ ربانی یعنی قرآنِ کریم ہے اور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سنتِ کریمہ ہے۔ ہاں! بلاشبہہ یہ قوانین و اصول اپنے اندر ایسی جامعیت رکھتے ہیں کہ ملکی و شہری، مجموعی و انفرادی اور دنیوی و اخروی زندگی کی فلاح و بہبودی کا واحد علاج ہیں اور ہر شعبۂ حیات کے لئے تا قیامِ قیامت مینارۂ ہدایت ہیں۔اسلام کی زندگی فی الحقیقت انہی قوانین کی زندگی ہے اور موت دراصل انہی اصولوں کی موت ہے۔اسے دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ اسلام اس وقت تک فنا نہیں ہوسکتا، جب تک یہ قوانین فنا نہ ہو جائیں۔لہٰذا ان قوانین کے وجود کو تسلیم کر لینے کے بعد اسلام کے وجود کا اقرار کرنا لازمی و ناگزیر ہے''۔

[مقالاتِ شیخ الاسلام، ص:۶۵، ۶۶]

تیرا مقالہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریعی اختیارات سے متعلق ہے۔ یہ ایک مختصر تحریر ہے۔اسی موضوع سے متعلق ایک بسیط تحریر اسی مجموعے میں آگے بھی ہے۔اس میں قانون ساز نبی دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ تشریعی اختیارات، جو حلال و حرام کے تعلق سے

ہیں،ان پر جم کرروشنی ڈالی گئی ہےاور گیارہ صفحوں کی تحریر مدلل انداز میں پیش کی گئی ہے۔معنی ومراد اور حقیقت ومجاز پر کھل کر بحث کی گئی ہے۔

چوتھا مقالہ،تیسرے مقالے کی توسیعی صورت ہے۔جو موضوع ومباحث تیسرے مقالے کی ہیں، وہی اس مقالے کی بھی ہیں۔فرق یہ ہے کہ یہ ذرا نہیں، بہت ہی مبسوط اور وسیع انداز میں ہے۔دراصل اس مقالے کی تقریب تحریر یہ ہوئی کہ مذہب وسیاست کے قدآور قائد وپیشوا ، دینی رہبر ورہنما ،متکلم ومناظر،علم راسخ اور قلم شامخ کے تاجدار مخدوم الملت حضور سید شاہ محمد کچھوچھوی معروف بہ محدث اعظم ہند قدس سرہ کی ایک کتاب ہے'التحقیق البارع فی حقوق الشارع'جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اختیاراتِ تشریعی پر مدلل ومفصل بحث فرمائی گئی ہے۔جو حقیقتاً ایک استفتا کا منصوص ومبرہن جواب ہے۔حضرت مدنی میاں کا یہ مقالہ اسی کتابِ مستطاب ونایاب کی زبردست شرح اور حاشیہ آرائی ہے۔علامہ مدنی میاں اپنے 'تکملہ' میں فرماتے ہیں:

''رسول کریم کے'اختیاراتِ تشریعی' کے خلاف منکرین کی بہت ساری مو شگافیون کا جواب حضرت قبلہ گاہی[محدث اعظم ہند]نے متن کتاب اور میں اپنے حاشیے میں مفصل طور پر دے دیا ہے''۔

[مقالاتِ شیخ الاسلام،ص:۱۳۰]

۱۰۔ __نظریۂ ختم نبوت اور تحذیر الناس__: حقیقتاً یہ ایک علمی وتنقیدی مقالہ ہے، جو کبھی ماہ نامہ 'المیزان' بھیونڈی[بمبئی] میں شائع ہوا تھا۔اس عالمانہ ومحققانہ اور ناقدانہ وفاضلانہ تحریر کی ہمہ گیر افادیت کے پیش نظر ۲۰۰۴ء میں کتابی صورت میں چھاپا گیا۔تمام باشعور دنیا اس بات سے واقف وآگاہ ہے کہ اسماعیل دہلوی کی 'تقویت الایمان' سے ہندوستان میں، جو بے دینی و لا مذہبی کی ہوا چلی،جلتی پر تیل رکھ کر مزید طوفان بنانے میں 'تحذیر الناس'اور'براہین قاطعہ'اور حفظ الایمان' وغیرہ نے کلیدی کردار ادا کیا۔گروہِ دیوبند کے سرگروہ مولانا قاسم نانوتوی نے اپنی زبان اور قلم سے یہ شوشہ چھوڑا کہ حضور پرنور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے،تو رسول اللہ کی نبوت کی خاتمیت میں کچھ بھی فرق نہیں پڑے گا۔یہ کیسا غیر اسلامی عقیدہ وکلمہ ہے۔اس قسم کے کفریات وضلالات اور ہفوات وخرافات سے پوری کتاب 'تحذیر الناس' آراستہ ہے۔اس کے سیکڑوں جوابات دیے جا چکے ہیں اور پچاسوں مناظرے بھی ہوئے

ہیں۔شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں کے خامۂ گرہ کشا نے قاسم نانوتوی کی کفری اور ضلالت آمیز عبارتوں کی سختی سے تردید کی ہے اور حق یہ ہے کہ تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔

۱۱......انما الاعمال بالنیات : یہ کتاب ۳۸؍صفحات پر مشتمل ہے۔انما الاعمال بالنیات، یہ بڑی مشہور و معروف حدیث پاک ہے۔جس کی کثیر اہل علم نے شرح و تفسیر کی ہے۔شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں قبلہ نے بھی اس کی تشریح و توضیح کی ہے۔جو اپنی نوعیت میں 'ہر گلے را رنگ و بوئے دیگراست' کے مصداق ہے اور اس حدیث پاک کے وہ اسرار و معارف اور حقائق و دقائق کی عقدہ کشائی فرمائی ہے۔جو ان کے خامہ زرنگار کا خاصہ ہے۔شرحِ حدیث کی اس کتاب نے خود علامہ مدنی میاں قبلہ کی فہم حدیث، درکِ حدیث اور روایت و درایت پر عقابی نگاہ کو اظہر من الشمس کردیا ہے۔یہ دیکھ کر یہ کہنا بے جا نہ ہو کہ شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں قبلہ دامت فیوضہم جس سمت عنانِ قلم موڑتے ہیں، ایک نیا جہان آباد کرتے چلے جاتے ہیں۔کیوں نہ ہو کہ وہ محدث اعظم ہند کے پارۂ جگر ہیں اور اپنے والد ماجد کی شخصیت اور علوم و افکار کا عکس جمیل بن کر مکمل آب و تاب کے ساتھ جانشینی کا حق ادا کر رہے ہیں۔اسی کو تو کہتے ہیں: پسر نمونۂ پدر۔

۱۳......تعلیم دین و تصدیق جبرئیل امین: جب ماہنامہ 'المیزان' شائع ہوتا تھا۔۱۹۷۰ء کی بات ہے کہ حضرت شیخ الاسلام قبلہ اس میں 'تفہیم الحدیث' کا کالم لکھا کرتے تھے۔یہ سلسلہ رسالہ جاری رہنے تک جاری و ساری رہا۔یہ کتاب انہی سلسلہ وار اور قسط وار مجموعۂ احادیث کا منتخب مجموعہ ہے، جو کتابی انداز میں شائع کیا گیا۔اس میں حدیث جبرئیل امین کے علاوہ اور بھی حدیثوں کی خاصی تعداد ہے، جو 'مشکوٰۃ المصابیح' سے اخذ کی گئی ہیں۔۱۱۰؍صفحات پر پھیلی ہوئی یہ کتاب مندرجہ ذیل شہ سرخیوں پر مشتمل ہے:

[۱] حدیث جبرئیل، [۲] جواہر پارے، [۳] حضور کے لئے مٹی کے چبوترے کی تعمیر، [۴] حضرت جبرئیل کا لباس بشری میں تشریف لانا، [۵] حضور کا حضرت جبرئیل کو پہنچان لینا، [۶] حضرت جبرئیل کا بارگاہِ رسالت میں ادب سے بیٹھنا، [۷] حضرت جبرئیل کا اسلام کے بارے میں سوال کرنا، [۸] توحید کا بیان، [۹] شرک کا بیان، [۱۰] محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت، [۱۱] رسالتِ رسول کتنے کمالات جلیلہ اور صفاتِ حمیدہ کی حامل ہے، [۱۲] صلوٰۃ کا بیان، [۱۳] زکوٰۃ کا بیان، [۱۴] روزۂ رمضان کا بیان، [۱۵] حج کا بیان، [۱۶] حضرت جبرئیل کا ایمان کے بارے میں سوال کرنا، [۱۷] مسئلۂ قضا و قدر کا

بیان، [۱۸] حضرت جبرئیل کا احسان کے بارے میں سوال کرنا، [۱۹] حضرت جبرئیل کا ساعت قیامت معلوم کرنا، [۲۰] حضرت جبرئیل کا قیامت کی نشانیوں کے بارے میں سوال کرنا، [۲۱] حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت عمر کو مطلع فرمانا، [۲۲] وحی کی مختلف صورتوں کا بیان، [۲۳] حضرت جبرئیل دین سکھانے آئے تھے، [۲۴] عقیدۂ علم غیب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں قبلہ نے اس حدیث پاک کی شرح وتفسیر کرتے وقت ۱۵۳ر نکات ایسے بیان کئے ہیں، جن مین ۵۹ر شرح حدیث کی مشہور کتاب 'اشعۃ اللمعات' سے ماخوذ ومستفاد ہے۔ جنہیں 'جواہر پاروں' کے خوب صورت عنوان سے معنون کیا گیا ہے۔ چالیس آیاتِ مبارکہ اور پچیس احادیث کریمہ کے مفاہیم ومطالب اور اقوال وارشادات محدثین کی جلوہ گری سے کتاب کی قدر و قیمت مین دوبالگی پیدا ہوگئی ہے۔

جواہر پارے کے چند نمونے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

۱...... ''حدیث مذکورہ کا نام 'حدیث جبرئیل' ہے۔ وجہ تسمیہ یہ کہ اس میں سائل سیدنا جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ لہٰذا اس کو حدیث جبرئیل کہہ دیا گیا۔ اس کا دوسرا نام 'ام الاحادیث' اور تیسرا نام 'ام الجوامع' ہے۔ اس لئے کہ احادیث سے جتنے علوم کی تعلیم ہوئی، یہ حدیث ان تمام علوم پر مشتمل ہے۔ جس طرح 'فاتحۃ الکتاب' کو بھی 'ام القرآن' اور 'ام الکتاب' کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ سورۂ مبارکہ قرآن کریم کے جملہ معانی و مقاصد کو متضمن ہے۔

۲...... 'جملہ ائمۂ حدیث اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں۔ بخاری ومسلم اور دوسرے ائمۂ کرام نے اپنی کتابوں میں مختلف صحابۂ کرام کے طرق سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

۳...... 'حدیث: **انما الاعمال بالنیات**، کے بعد جو جملہ طاعات و عبادات کی اصل الاصول ہے۔ اس حدیث کو کتاب الایمان 'مشکوٰۃ' میں اس لئے ذکر کیا کہ یہ حدیث دین کے جملہ اصول وفروع پر مشتمل ہے۔

۴...... '...... **فاستدرک رکبتیه الی رکبتیه**، حضرت جبرئیل علیہ

السلام نے آں حضرت سے اتصال وقرب میں مبالغہ فرمایا۔تا کہ دونوں
جانب سے سوال و جواب کا سننا، سنانا آسان ہو جائے یا اس کی وجہ کمال
وداد و محبت اور غایت موانست تھی۔ جو ان کے مابین میں تھی"۔
[تعلیم دین وتصدیق جبرئیل امین، اشاعت اول،۲۰۰۴ء گلوبل اسلامک مشن، نیویارک، یو ایس
اے،ص:۱۵]

۱۴......الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی : یہ کتاب بھی گلوبل اسلامک مشن، نیویارک، سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی ہے۔زمانۂ قدیم سے 'اربعین' لکھنے کی روایت چلی آ رہی ہے۔علما و محدثین نے موضوعاتی لحاظ سے بھی 'اربعین' کی تالیف وترتیب کی ہے۔مثلاً ایک موضوع، کسی خاص موضوع کو منتخب کر کے اسی نوعیت کی حدیثوں کو جمع کر دیا ہے۔جیسے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی 'احادیث شفاعت'۔شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں کی 'الاربعین الاشرفی' بھی اس سلسلہ کی ایک روشن کڑی ہے۔یہ بھی اسی ماہنامہ 'المیزان' کے کالم 'تفہیم الحدیث' کی منتخبہ حدیث کا مجموعہ ہے۔جس کا انتخاب حدیث کی مشہور کتاب 'مشکوٰۃ المصابیح' سے ماخوذ ومنتخب ہے ۔بابِ حدیث میں یہ علامہ مدنی میاں قبلہ کی یہ چوتھی، پانچویں کوشش ہے۔جو باب حدیث اور فن حدیث سے ان کے گہرے اشتغال اور شغف کا اشاریہ ہے۔جن احادیث کا اس مجموعہ میں انتخاب کیا گیا ہے۔ان کا تعلق مندرجہ ذیل موضوعات سے ہے۔ارکانِ خمسہ، ایمان کے درجات، ایمان کی لذت، مسلمان کی تعریف ، معیار، محبتِ رسول، زمانے کی حقیقت، حقوق اللہ، حقوق العباد، فرائض ونوافل، جہاد ، اوامر ونواہی، صدقہ وخیرات، مغفرتِ گناہ، صبر وثواب، دخولِ جنت،۔

۱۵......دلوں کا چین : شیخ الاسلام اکیڈمی، حیدر آباد، دکن، اشاعت اول، مارچ، ۲۰۰۷ء

اس کتاب کا پورا نام 'رسول کی دعا، دلوں کا چین' ہے۔یہ کوئی با قاعدہ تصنیف وتالیف نہیں ہے، بلکہ حضور شیخ الاسلام علامہ محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی کا وہ تاریخی خطابِ نایاب ہے، جو حضرت شیخ الاسلام نے بہادر شاہ ظفر گراؤنڈ ملے پلی، حیدر آباد میں آج سے ٹھیک ۳۴ / برس پہلے ۱۹۸۰ء میں کیا تھا۔نہایت قابل مبارک باد ہیں ملک التحریر حضرت علامہ محمد یحیٰ انصاری اشرفی حیدر آبادی مدظلہ العالی کہ انہوں نے اتنے برسوں سے اس تاریخ ساز اور ایمان پرور و ذہن ساز تحریر پر تنویر کو سنبھال کر رکھی۔یہی نہیں بلکہ افادۂ عام کی خاطر کتابی صورت میں مرتب فرما کر ہم

اہل سنت پر کرم فرمائی کی اوردل بھاتے حواشی بھی تحریر فرمائے۔اس لئے علامہ اشرفی موصوف شکریہ کے مستحق ہیں۔اس کتاب کی سرخیاں یہ ہیں:

[۱]رسول کی دعا ،دلوں کا چین،[۲]قبولیت اعمال کی سند،[۳]اعمال کی پاکیزگی،[۴] ظاہر و باطن کی پاکیزگی،[۵]علم وفن والے بھی بھٹکتے ہیں،[۶]تصوف کی اصل،[۷]رسول تزکیہ عطا فرماتے ہیں،[۸]صحابۂ کرام کا عقیدہ: دل کی صفائی،[۹] نبی کی دعا اور قانون مغفرت،[۱۰] بارگاہِ رسالت مین صحابۂ کرام کی حاضری،[۱۱]حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مسلمانوں کے لئے،[۱۲] مغفرت کا وسیلہ ہے،طلب مغفرت کے لئے،[۱۳] بارگاہ رسالت میں آنے سے منافقین کا انکار،[۱۴]حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوالے کی بخشش نہیں ہوگی،[۱۵] نبی کی دعا ،دلوں کا چین ہے ،[۱۶]ائمۂ مجتہدین اور علما،[۱۷] نبی کے معنی[۱۸] نبی کی ضرورت،[۱۹] رسول کے تشریعی اختیارات،[۲۰] رسول کو حلال و حرام کا اختیار،[۲۱] رسول جو دیں،وہی شریعت ہے،[۲۲]تشریعی اختیارات کی مثالیں،[۲۳]حضور نے مدینہ منورہ کوحرم بنادیا،[۲۴]خصوصی مراعات دینے کا اختیار۔

مندرجہ بالاعنوانات کس قدر دل کش ہیں۔جو یہ بتانے کے لئے کافی ہیں کہ ہےتو یہ ایک تقریر،مگرعلم وادب،فکروفہم ، جذبۂ اصلاح عوام اور جذبۂ عشق رسالت پناہی کی فراوانی ،غرض کیا ہے، جواس کتاب میں نہیں ہے۔قرآن مجید کی اس آیت: خذمن اموالھم صدقۃً ۔کی تفسیر ،جو شیخ الاسلام کی زبان سے دوران تقریر ہوئی ہے،ایسی ایمان افروز تفسیر کوئی کتاب دیکھ کر شاید ہی کر سکے۔ایک مثال بس ہے۔قبولیت اعمال کی سند' کے تحت فرماتے ہیں۔

''اۓ محبوب! تم ان کے صدقے کو قبول کرلو!!' خذمن اموالھم صدقۃً ۔یہ جو اموال لے کر آئے اور صدقہ دے رہے ہیں،قبول کرلو۔ میں سوچنے لگا کہ نیا کام آدمی اس لئے کرتا ہے کہ خدا قبول کرے۔نماز اس لئے پڑھی کہ خدا قبول کرے اور روزہ اس لئے رکھا کہ خدا قبول کرے۔

زکوٰۃ دی،خدا قبول کرے۔صدقہ دیا،خدا قبول کرے اور یہاں خدا یہ ارشادفرمارہاہے:اۓ محبوب !تم قبول کرلو!! یہاں یہ اشارہ کردیا:اۓ محبوب! جس کوتم قبول کریں،وہ میں قبول کرلوں گا اور جسےتم نے یہاں رد

کر دیا،اسے میرے یہاں بھی ٹھکانہ نہ ملے گا۔اگر تم قبول کرلو گے،تو ان کی نماز،مومن کی نماز ہوگی۔اگر تم قبول کرلو گے،تو ان کی زکوٰۃ،مومن کی زکوٰۃ ہوگی۔اگر تم قبول کرلو گے،تو ان کا حج،مومن کا حج ہوگا۔اگر تم قبول کرلو گے،تو ان کے اعمالِ خیر وخیرات،مومن کے اعمال ہوں گے۔

مگر اے محبوب! اگر تم قبول نہ کرو گے،تو ان کی نماز،منافق کی نماز ہوگی۔اگر تم نہ قبول کرو گے،تو ان کا روزہ،منافق کا روزہ ہوگا۔اگر تم قبول نہ کرو گے،تو ان کا حج،منافق کا حج ہوگا۔ان کے اعمال،منافق کے اعمال ہوں گے۔اے محبوب! ان کو میرا مقبول ہونے سے پہلے تمہارا مقبول بننا ہوگا۔بس میری مقبولیت کی سند یہ ہے کہ تم قبول کرلو۔اگر یہ آپ کے ہیں،تو میرے ہیں۔اگر آپ کے نہیں،تو میرے بھی نہیں ہیں۔ہماری نیکیاں تب قابل قبول ہیں،جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ رب کی بارگاہ میں پیش ہوں۔یہی صحابۂ کرام کا عقیدہ تھا۔دیکھو! صدقہ رب کی عبادت ہے۔مگر حضرات صحابہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں کہ آپ اپنے ہاتھ شریف سے فقرا کو دیں کہ آپ کے ہاتھ کی برکت سے قبول ہو جائے۔اے محبوب! تم ان کو قبول کرلو۔واقعی بات بھی عجیب ہے۔آپ سوچیں گے کہ یہ معاملہ کیا ہے''۔

[رسول کی دعا،دلوں کا چین،ص:٦]

١٦......سفرِ آخرت : صفحات:٣٢/اشاعت اول ٢٠٠٩ء،شیخ الاسلام اکیڈمی،حیدرآباد

یہ بھی ایک تقریر کا مرتبہ مجموعہ ہے۔جس کی ترتیب وتہذیب وہی ملک التحریر حضرت علامہ محمد یحیٰ انصاری اشرفی صاحب قبلہ نے کی ہے۔حضور شیخ الاسلام صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے اپنے اس خطاب مستطاب میں وہ وہ نکات نادرہ اور اسرار عارفانہ بیان کئے ہیں کہ دیکھ دیکھ کر عقل حیران ہوا جاتی ہے۔اندازے کے لئے ذرا عنوانات پر ایک نظر ڈالیں۔

[١] متقیین کی علامت،[٢] راہِ خدا میں مال خرچ کرنا،[٣] ہر نعمت رزق ہے،[٤] سات طرح مال خرچ کرنا عبادت ہے،[٥] انسان کی حیثیت اور فرائض،[٦] عالم ارواح سے عالم آخرت کا سفر،[٧] ہر عالم کی الگ الگ غذا،[٨] کرنسی کا تبادلہ [فارین ایکسچینج]،[٩] عالم

آخرت کی کرنسی نیکیاں، [۱۰] آخرت کا بینک، [۱۱] تعلیم رحمت، [۱۲] صدقۂ جاریہ اوراولاد وغیرہ کی طرف استغفار کا نفع، [۱۳] بے حساب اجر وثواب، [۱۴] دینی جامعات و مدارس ہماری ضرورت، [۱۵] تعمیر زمین پر اور مکان جنت میں، [۱۶] مسافر کا سامان، [۱۷] بلاؤوں اور آفتوں اور مصیبتوں سے نجات کے لئے صدقات، وغیرہ وغیرہ۔

جی چاہتا ہے کہ یہاں بھی ایک مثال قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں۔ حضور شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں قبلہ دامت برکاتہم العالیہ 'تعمیر زمین پر اور مکان جنت میں' کے تحت فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے اکرامات وانعامات کے جلوے بھی آپ دیکھیں۔ ایک چھوٹی سی مثال عرض کروں۔ میں یہاں ایک مکان بناؤں۔ یہاں ایک اینٹ رکھ دوں، تو مکان کہاں بنے گا ؟۔ جہاں اینٹ رکھی جائے گی ، وہیں تو مکان بنے گا۔ یہاں کوئی ایسا انجینئر نہیں ہے یا ایسا مکان بنانے والا نہیں ہے، جو اینٹ رکھے احمد آباد میں اور مکان بنے کچھوچھہ شریف میں۔ ایسا کوئی طریقہ نہیں کہ ہم اینٹ یہاں رکھیں اور مکان بمبئی میں بنے ۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو کہ خدا کی راہ میں خوشنودیٔ الٰہی کے لئے اور خالصۃً لوجہہ اللہ جو اینٹ ہم یہاں رکھیں گے۔ مکان جنت میں بن رہا ہے۔ اینٹ یہاں رکھی جارہی ہے اور مکان جنت میں تعمیر ہورہا ہے۔ اچھا! لطف کی بات بتاؤں کہ اینٹ رکھنے والا تو اپنی حیثیت کے مطابق رکھے گا۔ کسی نے ایک رکھ دیا۔ کسی نے دو رکھ دیا۔ بتاؤ کہ کہیں ایک اینٹ سے کوئی عمارت بنی ہے؟۔ دو اینٹ سے کوئی محل تیار ہوا؟۔ مگر رب تعالیٰ کی نوازش دیکھو۔ یہاں اخلاص سے ایک اینٹ رکھو، تو وہاں ایک اینٹ نہیں ملے گی، پورا مکان ملے گا۔ یہ نہیں کہ وہاں بھی اینٹ مل جائے۔ خاص بات یہ بھی ہے کہ یہاں اگر مٹی کی اینٹ رکھتے ہو، تو وہ سونے کی اینٹ نہیں بنے گی۔ پتھر رکھ دیں گے، تو وہ چاندی نہیں بنے گا۔ جو رکھتے ہیں، وہی رہے گا۔ مگر قدرت کا انتظام دیکھو کہ یہاں اگر مٹی کی اینٹ رکھتے ہو، تو جنت میں وہ سونے کی اینٹ بن رہی ہے۔ اگر مٹی کو

سونا بنانا ہو،تو خدا کی راہ میں خرچ کردو۔مٹی سونا بن جاتی ہے۔یہاں کی
مٹی جنت کا سونا بن جاتی ہے‘‘۔

[سفرآخرت،ص:۲۵،۲۶]

۱۷......رسول اکرم کے تشریعی اختیارات: اشاعت اول،محدث اعظم اکیڈمی، کچھوچھہ شریف ،۱۹۶۶ء،اشاعت دوم،شیخ الاسلام اکیڈمی، ماچھی پور، بھاگل پور، بہار،۱۹۹۸ء،صفحات:۷۲

یہ ایک استفتا کا جواب ہے۔استفتا یہ ہے:

’’کیا فرماتے ہیں۔علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

[۱] نماز پنجگانہ فرض ہیں۔اس میں سے تین وقت کی نماز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس صحابی کو معاف فرمادی؟۔یہ کس حدیث میں ہے اور وہ اس مرتبہ کی ہے کہ قرآن شریف کی ناسخ ہوسکتی ہے یانہیں؟۔

[۲] کیا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں،حلال فرمادیں اور جس چیز کو چاہیں،حرام فرمادیں؟۔یہ اختیار کس آیت اور حدیث میں ہے؟۔حضرات شیعہ اپنے ائمہ کو بھی یہی اختیار دیتے ہیں۔یہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک صحیح ہے یانہیں؟۔

مستفتی:محمد عبدالرحمٰن ،ڈھال گرٹولہ، جون پور۔

تاریخ:۱۵؍اپریل ۱۹۳۸ء‘‘۔

[رسول اکرم کے تشریعی اختیارات،ص:۶]

اسکا جو جواب حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے دیا۔اسی کا نام ’التحقیق البارع فی حقوق الشارع‘ ہے۔جب یہ رسالہ ’محدث اعظم اکیڈمی، کچھوچھہ شریف سے مجیب ومصنف علام کے وصال کے پانچ سال بعد ۱۹۶۶ء میں کتابی شکل میں چھپنے لگا،تو جانشین مخدوم الملت محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں نے اس پر شرح وحواشی کا اضافہ فرمایا۔یہ کتاب دراصل اسی شرح وحواشی کی مجموعی کتابی صورت ہے۔کتاب کے ابتدائیہ نگار سید مثنی انور صاحب لکھتے ہیں:

’’۱۹۳۸ء کی بات ہے کہ ایک جون پوری صاحب نے دوسوالات پر مشتمل ایک استفتا مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔مذکورہ استفتا میں رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے اختیارات تشریعی کوموضوع سخن بنا کر کتاب وسنت کی روشنی میں جواب لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی۔حضور مخدوم الملت نے یہ جان کر کہ سائل ایک مخصوص مکتبۂ فکر سے منسلک ہے۔جو سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات تشریعی کا منکر ہے۔کتاب وسنت سے حجت و براہان جمع کرنے میں خصوصی توجہ فرمائی اور مذکورہ مسئلہ کو اس طرح واضح فرمادیا کہ لب کشائی کی کوئی گنجائش نہ رہے۔لیکن اسی کے ساتھ بلاغت فکر اور اسلوب بیان کے ایجاز و اختصار نے اسے 'کوزہ میں دریا' کے مصداق بنادیا۔

لہٰذا ضرورت تھی کہ شرح وحواشی کا اضافہ کیا جائے اور ان تمام نکاتِ علمیہ، نیز تحقیقی محاسن کو شرح وبسط کے ساتھ منظر عام پر لایا جائے۔جن سے صرف علما اور ارباب علم وفن ہی محظوظ ہو سکتے ہیں۔خدا کا شکر ہے کہ اکیڈمی کے اس منصوبے کو عملی شکل دینے میں فاضل علوم اسلامیہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدعمرہ نے معاونت کی اور اپنے غیر معمولی علمی مشاغل رکھنے کے باوجود پوری تندہی اور انہماک کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔شرح وحواشی کے علاوہ مولانا کا گراں قدر اضافہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے 'تکملہ' کے عنوان سے مسئلۂ اختیارات کے منکرین کے ان مزید شکوک وشبہات کا بھی ازالہ کر دیا۔جنہیں حضور مخدوم الملت نے نظر انداز فرمادیا تھا''۔

[رسول اکرم کے تشریعی اختیارات، ص:۴،۵]

۱۸......کتابت نسواں اور عصری تقاضے :صفحات:۷۰،ناشر:محدث اعظم پبلی کیشنز ،احمد آباد، گجرات

یہ کتاب فی الحقیقت ایک سوال کا جواب ہے۔لڑکیوں اور عورتوں کی مخلوط تعلیم اور خصوصاً کتابت کے حوالے سے فقہا وعلما میں اختلاف رہا ہے۔شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں قبلہ نے زمانے کے حالات اور جدید تقاضون کے پیش نظر جواز کا فتوی دیا ہے۔جو عقلی ونقلی دلائل سے مزین ہے۔چوں کہ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔اس لئے ہم یہ مسئلہ علما وفقہائے عصر کی صوابدید پر

چھوڑتے ہیں۔

۱۹......سیدالتفاسیر،معروف بہ'تفسیر اشرفی :

مخدوم الملت سرکار محدث اعظم ہند قدس سرہ کے عظیم وجلیل تاریخ ساز کارناموں میں خدمت قرآن کے حوالے سے ان کا اردو ترجمۂ قرآن موسوم بہ 'معارف القرآن' بھی ہے۔ سرکار محدث اعظم ہند قدس سرہ نے ترجمۂ قرآن کے بعد 'تفسیر قرآن' کا بھی منصوبہ تیار کیا اور عملاً کام بھی شروع فرما دیا۔ تین پارے کی تفسیری خدمت بھی انجام دی۔ لیکن ان کی دیگر علمی و دینی مصروفیات اور تھکا دینے والے اسفار اور پھر بڑھتی عمر کے ضعف و علالت نے تکمیل فرمانے کا موقع نہ دیا۔ اس علمی وقرآنی منصوبے کو عملی جامہ ان کے شایان شان جانشین شیخ الاسلام والمسلمین علامہ مدنی میاں قبلہ نے پہنایا۔ تفسیر وتحقیق کے وقت محدث اعظم ہند کی کی ہوئی تین پاروں کی تفسیر میں صرف پہلے پارے کی تفسیر ہی مل سکی۔ دوسرے دو پارے کا مسودہ نہ معلوم کیوں نہ مل سکا۔ المختصر شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں نے اپنے والد ماجد کے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر تمام اہل سنت کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔ اب یہ تفسیری کارنامے کا کریڈٹ انہی کے سر سجتا ہے۔ تمام جلدیں چھپ کر قرآنی وتفسیری دنیا میں زبردست اضافہ کا باعث بن چکی ہیں۔

۲۰......تجلیات سخن : ۲۵۴ ؍صفحات ہیں۔ ایقان آفسیٹ لکھنؤ سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ دوحصوں میں منقسم اس شعری مجموعہ کا پہلا حصہ 'باران رحمت' کے نام سے موسوم ہے۔ جب کہ دوسرا حصہ 'پارۂ دل' کے خوب صورت نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں حمد ہے، نعت ہے اور منقبت ہے۔ جب کہ دوسرے حصے میں غزلیں ہیں اور نظمیں ہیں۔ تبرکاً ان کے ایک کلام کے مطلع ومقطع پر ہم اس مضمون کا اختتام کرتے ہیں۔

خدائے برتر وبالا ہمیں پتا کیا ہے ترے حبیب مکرم کا مرتبہ کیا ہے
کھڑا اختر عاصی درِ مقدس کا حضور آپ کی رحمت کا فیصلہ کیا ہے

افکارِ مودودی اور شیخ الاسلام

——— ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی، بمبئی

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ میں اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے والد مولوی سید احمد حسن [متوفی ۱۹۲۰ء] وکالت کرتے تھے۔ مودودی کی تعلیم و تربیت اپنے والد کی کڑی نگرانی میں ہوئی۔ بعد میں مولانا عبدالسلام رام پوری سے غیر رسمی استفادہ کیا۔ ۱۹۲۲ء میں اخبار 'مسلم' دہلی کی ادارت وصحافت سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۳۲ء سے تصنیف وتالیف کی شروعات کی۔ اگست ۱۹۳۷ء میں پٹھان کوٹ پنجاب کا پہلا سفر کیا۔ چودھری نیاز علی خان کی پیش کش پر مارچ ۱۹۳۸ء میں حیدرآباد سے پٹھان کوٹ منتقل ہو گئے۔ ۱۹۴۱ء میں 'جماعتِ اسلامی' کی داغ بیل ڈالی۔ آخر اگست ۱۹۴۷ء میں لاہور شفٹ ہو گئے۔ ۱۹۷۹ء مودودی نے میں وفات پائی۔ لاش امریکہ سے لاہور لائی گئی اور یہیں دفن کی گئی۔ خمینی سمیت ایرانی و لاہوری شیعہ صحافیوں اور دانشوروں نے جم کرادارتی نوٹس اور تعزیتی مضامین لکھے اور نوحہ و ماتم کا بازار گرم کیا۔ یہ انعام تھا شیعیت نوازی کا اور روافض وخوارج نوازی کا۔ دیکھیے ہفت روزہ 'شیعہ' لاہور، 'نوائے وقت' راولپنڈی، ماہنامہ 'پیغام اسلام' برمنگھم وغیرہ۔ تصانیف اور خطبات ومقالات کے مجموعے قریب بیس کے ہوں گے۔

علامہ سید محمد مدنی میاں، جو 'شیخ الاسلام' اور 'رئیس المحققین' کے معزز القاب سے مشہور اکناف وآفاق ہیں، ۱۹۳۸ء میں بستی کچھوچھہ شریف میں پیدا ہوئے۔ پرورش وتربیت اور ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۴؍ برس کی عمر ۱۹۵۲ء میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا۔ ۱۹۶۳ء میں درسیاتِ نظامی کی تکمیل فرمائی۔ یاد رہے کہ دورانِ تعلیم ہی دسمبر ۱۹۶۱ء میں آپ کے والد گرامی [محدثِ اعظمِ ہند] کا وصال ہوا۔ فراغت کے بعد درس وتدریس، تصنیف و تحقیق، وعظ وخطاب اور پھر رشد وہدایت کا سلسلہ جاری ہوا۔ دعوت واصلاح، تحقیق وتصنیف اور ہدایت وارشاد آپ کا آبائی وموروثی منصب ہے۔ قریب دو درجن کتب ومقالات کے مصنف و

محقق ہیں۔ جو سب کے سب نہایت علمی وتحقیقی نوعیت کی ہیں۔ دعوت وخطاب کے حوالے سے ہندو پاک کے علاوہ آپ نے ۱۹۷۴ء میں مغربی ممالک کا سفر کیا۔ جو بے حد کامیابی اور مقبولیت سے ہمکنار رہا۔ خصوصاً مندرجہ ذیل شہروں میں آپ کی 'علمی مجالس' نے ایک انقلاب برپا کر دیا ۔ جو خالص اصلاحی ودعوتی، تربیتی وتذکیری اور سوال وجواب پر مشتمل ہوا کرتی تھیں۔ برطانیہ میں لندن، برمنگھم، مانچسٹر، بولٹن، بلیک برن، پریسٹن، لنکا شائر، بریڈ فورڈ، ڈیوز بری، ہالینڈ ،ایمسٹرڈیم، بلجیم کی راجدھانی برسلز، کناڈا میں ٹورنٹو، فرانس کے دارالحکومت پیرس میں اور شمال امریکہ میں نیو یارک، نیو جرسی، شکاگو، ہیوسٹن، وغیرہ۔ تصانیف وتحقیقات کی تعداد تقریباً دو درجن کی ہے۔ بحمداللہ ابھی حیات ہیں۔

مولانا مودودی کے علمی وتحریری سرمائے میں ایک کتاب 'قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں' بھی ہے۔ جس پر مولانا مودودی کو فخر بھی تھا۔ یہ پوری کتاب ۱۱۲ر صفحات پر مشتمل ہے اور الٰہ، رب، عبادت اور دین کے معنی ومفہوم سے بحث کرتی ہے اور مولانا مودودی کا دعوی ہے کہ یہ 'قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں' ہیں۔ علامہ مدنی میاں کی تحقیق وتنقید اور تجزیہ وتبصرہ کا محورِ اصلی یہی کتابِ مذکور ہے۔ علامہ مدنی میاں کی پہلی کتاب 'اسلام کا تصورِ الٰہ اور مودودی صاحب' ہے۔ جو ۲۲۳ر صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری کتاب 'اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب' ہے، جس کے ۱۹۸ر صفحات ہیں۔ تیسری کتاب 'دین اور اقامتِ دین' ہے۔ یہ کتاب ۳۰۴ر صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ رب سے متعلق گفتگو بحث الٰہ کے ضمن میں آگئی ہے۔ ۔پہلی اور دوسری کتاب جب ۱۹۶۷ء، ۱۹۶۸ء میں چھپ کر سامنے آئی، تو مولانا مودودی حیات تھے کہ وصال ۱۹۷۹ء کو ہے اور ان کی خدمت میں رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجی گئی۔ اس کے بعد مولانا مودودی بارہ سال زندہ رہے۔ مگر نہ مودودی نے کوئی جواب لکھا اور نہ کسی مودودی نواز کو جواب دینے کی جرأت ہوئی اور اب تک مودودی نوازوں پر یہ قرض باقی ہے۔ ردونقد کا یہ قدم کیوں اٹھایا گیا؟۔ جی نے چاہا، تو ردوقدح اور تنقید وتعاقب کے اس منظر نامہ کی ایک جھلک، اس مضمون کے آخر میں پیش کر دی ہے، جو اس وقت کے متحدہ ہندوستان میں چھایا ہوا تھا۔ آخر مولانا مودودی نے ایسا کیا کچھ کر دیا تھا۔ جو ہندوستا ن کی ساری دینی فضا اور مذہبی ہوا ان کے خلاف چل رہی تھی۔ تا کہ سند رہے کہ گھر کے بھیدی مولانا مودودی کے بارے میں کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی دہلی نے سر آغا خان کا خاکہ لکھا ہے اور قلمی چہرے کی، جو تصویر اتاری ہے۔ چند الفاظ ذرا آپ بھی دیکھیں۔ لکھا ہے کہ:

''سر آغا خان، زمانہ سازی میں انگریز، دولت مندی میں امریکی، قوتِ ارادی میں جرمن، عیش پسندی میں فرانسیسی، مطلب بر آری میں اطالوی، بذلہ سنجی میں ایرانی، پروپیگنڈے میں روسی، فرقہ پرستی میں ہندوستانی اور غرض مندی میں عرب ہیں۔وہ دیکھنے میں بدیشی یوروپین، برتنے میں سودیشی مسلمان، اپنی ہندو امت کے لئے وشنو کا اوتار، ایران، ترکستان، افریقہ، عرب اور ہندوستان کے اسماعیلیوں کے لئے حاضر امام، ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کے لئے مسولینی اور ہٹلر۔بڈھی برطانیہ کے لئے عصائے پیری، یورپ کے ہوٹلوں کے لئے سنہرے مہمان، گھڑ دوڑ کے لئے کامیابی، اپنی یورپین بیگم کے لئے پریم مورتی، اپنے فرقہ اور برٹش گورنمنٹ کے لئے کچھ بھی ہوں، مسلمانوں کی پراگندہ قوم کو مرکز پر جمع کرنے کا ان کو مدت سے شوق ہے''۔

یہ اقتباس ذرا مستعار لے کر مولانا مودودی پر اگرفٹ کیا جائے، تو سوفی صد فٹ نہیں، تو سوفی صد انفٹ بھی نہیں ہوگا۔ٹھیک اسی لب و لہجے میں مولانا مودودی کی شخصیت و فکر کی، جو خاکہ نگاری و مرقع نویسی دین و دانش کے ممتاز اسکالر سید مثنیٰ انور کچھوچھوی نے کی ہے، وہ بالکل ' طابق النعل بالنعل ' ہے۔تاریخِ اسلام کے پس منظر میں جھانک کر بطورِ ما حصل لکھا ہے کہ:

''مودودی صاحب کی تحریک دراصل مختلف تحریکی عناصر سے مرکب ہے۔جس میں خارجیوں کی آزادہ روی، سبائیوں کی موقع آرائی، معتزلہ کی عقلیت پرستی، اخوان الصفا کا تفلسف، باطنیوں کا ذوقِ اسرار بینی، قرامطہ کی جدت طرازی، ظاہریہ یا مجسمہ کا جوشِ افکار و زورِ خطابت، وہابیت کا نشۂ اقتدار اور انیسویں صدی عیسوی کی نیچریت سازی حجاب اندر حجاب ہوتے ہوئے بھی ظاہر و آشکار ہے''۔

اسی طرح کا ایک اور تشبیہاتی و استعاراتی اقتباس دیکھیں۔مولانا مودودی کی ایک عبارت پر طنز کرتے ہوئے علامہ مدنی میاں لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ اصنام شکن آیتوں کو انبیا شکن، اولیا شکن، شہدا شکن اور صالحین شکن بنانے میں مودودی صاحب ابن تیمیہ، ابن قیم،

ابن عبدالوہاب اورابن عبدالغنی کے سچے جانشین ہیں۔جبھی تو اس عبارت میں'ابنائے مذکورہ' کی روحیں بولتی نظر آرہی ہیں''۔

خلافِ عادت یہ جملہ معترضۂ ذرا طویل ہوگیا۔مگر فضا بندی اور ذہنی ہمواری کے لئے یہ ضروری بھی تھا۔تاکہ مواد ومفہوم کی تفہیم میں آسانی ہو۔خوارج وروافض کو چھوڑ کر افکارِ مودودی کی تردید وتعاقب بنامِ اسلام ہی سہی ،جن اسلامی حلقوں کی طرف سے ہوا ہے ،اس کا یہ ایک سرسری جائزہ مضمون کے اخیر میں شامل ہے۔یہاں صرف سوادِ اعظم اہل سنت [بریلوی مکتبۂ فکر] کی جانب سے افکارِ مودودی کی ،جوتنقید وتردید ہوئی ہے ۔اس کی ایک نا تمام فہرست یہ ہے۔

[۱] کہرالمعبود، یہ جماعت اہل سنت کے معروف عالم دین اور مناظر اسلام حضرت مولانا شاہ محمد حشمت علی خان لکھنوی نے لکھی اور مودودی خیالات وخرافات کا جائزہ شرع وعقل کی روشنی میں لیا، جوشائع ہوکر اہل اسلام کی دینی رہنمائی کا زبردست سبب بنی۔

[۲] جماعتِ اسلامی، یہ کتاب جماعتِ اہلِ سنت کے مشہور عالم دین، ناقد ومبصر اور متکلم و مناظر علامہ ارشد القادری نے لکھی۔روایت ودرایت، نقل وعقل اور اصولِ نقد وجرح کی روشنی میں افکارِ مودودی کو پرکھ کر امتِ مسلمہ کے دینی حمیت وغیرت کو جھنجھوڑا اور اہل اسلام کے عام شعور کو بیدار کیا۔

[۳] جماعتِ اسلامی کا شیش محل، اس لاجواب کتاب کے مصنف ہیں پاسبانِ ملت علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی، اس کتاب نے افکارِ مودودی کے ڈھول کا پول کھول کر رکھ دیا اور عوام وخواص کو یہ باور کرا دیا کہ جماعت اسلامی، کی ساری لٹریری چمک دمک شیش محل، ریت محل اور ہوا محل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

[۴] دستور جماعتِ اسلامی کا تنقیدی جائزہ، اس کتاب کے جائزہ وتنقید نگار، دین ودانش کے عظیم دانشور سید مثنیٰ انور کچھوچھوی ہیں۔انہوں نے دستور اور دستور سازی اور مودودی ذہنیت کا بھرپور جائزہ لیا ہے اور دستور کے عقلی وشرعی قباحتوں کو واضح کیا ہے۔اس سے آنے والے اور اٹھنے والے طوفان کی آہٹ کا واضح طور پر احساس دلا دیا ہے۔حلقۂ دیوبند سے بھی 'مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت، نامی کتاب چھپی تھی۔

[۵] اسلام کا تصورِ الٰہ اور مودودی، یہ تصنیف وتحقیق ہے علامہ سید محمد مدنی کی، جو اپنے حلقے

میں یہاں سے لے کر یوروپ تک 'شیخ الاسلام' کے مؤقر لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۶۷ء میں 'محدث اعظم اکیڈمی' کچھوچھہ شریف سے شائع ہوئی۔ ۱۹۹۷ء میں اس کا دوسرا اڈیشن 'شیخ الاسلام اکیڈمی' ماچھی پور، بھاگل پور سے نکلا۔ ۲۲۳ر صفحات ہیں۔ اس کتاب میں کیا ہے۔ اس پر گفتگو آگے آتی ہے۔

[۶] اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی، یہ بھی شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں کی تحقیق وتصنیف ہے۔ جس کی پہلی اشاعت ۱۹۶۸ء میں 'محدثِ اعظم اکیڈمی' کچھوچھہ شریف سے ہوئی۔ دوسری اشاعت 'شیخ الاسلام اکیڈمی' ماچھی پور، بھاگل پور سے ۱۹۹۶ء میں ہوئی۔ کل صفحات ۱۹۸ ہیں۔

[۷] دین اور اقامتِ دین، یہ بھی شیخ الاسلام سید شاہ علامہ محمد مدنی میاں کی ہی تصنیف وتحقیق ہے۔ مودودی افکار ونظریات کے تنقیدی سلسلے کی یہ تیسری کڑی ہے۔ جو 'شیخ الاسلام اکیڈمی' ماچھی پور، بھاگل پور سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوکر منظر عام پر آئی ہے۔

[۸] جماعت اسلامی اور شیعہ مذہب، از محمد یحی انصاری اشرفی حیدر آبادی، طبع محمدی بک ڈپو، دہلی ۲۰۰۷ء

اب آیئے! آمدم برسر مطلب، 'قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں' یہ وہ کتاب ہے، جس پر مولانا مودودی کو ناز تھا۔ مودودی کو اعتراف ہے کہ لوگ ان کی تحقیق کو ان کی ذاتی رائے سمجھتے ہیں۔ تاہم اپنی کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> ''اگر چہ میں اس سے پہلے اپنے متعدد مضامین میں ان کے مفہوم پر روشنی ڈالنے کی کوشش کر چکا ہوں۔ لیکن جو کچھ اب تک میں نے بیان کیا ہے، وہ نہ تو بجائے خود تمام غلط فہمیوں کو صاف کرنے کے لئے کافی ہے اور نہ اس سے لوگوں کو پوری طرح اطمینان حاصل ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ لغت اور آیاتِ قرآنی سے استشہاد کے بغیر لوگ میری ہر تشریح کو میری ذاتی رائے سمجھتے ہیں''۔

ذرا آگے یوں لکھتے ہیں:

> ''اس مضمون میں کوشش کروں گا کہ چاروں اصطلاحوں کا مکمل مفہوم واضح کردوں اور کوئی ایسی بات بیان نہ کروں، جس کا ثبوت لغت اور قرآن سے نہ ملتا ہو''۔

فارسی کی ایک مثل ہے 'جبل گردد، جبلت نہ گردد'۔ مولانا مودودی اس مثل کے مکمل مصداق نظر آتے ہیں۔ ان کا ہر دعوی بلند بانگ اور ہر اسلوب بلند آہنگ ہوتا ہے۔ مگر دلائل وشواہد کی سطح پر پھر وہ کھرے اترنہیں پاتے۔ ان کے قارئین اور ناقدین کا یہ ایک عام تاثر ہے۔ ان کی مزعومہ 'چار بنیادی قرآنی اصطلاحیں' کا پہلا لفظ اور پہلی اصطلاح 'الٰہ' اور 'رب' ہے۔ علامہ مدنی میاں کی پہلی کتاب 'اسلام کا تصورِ الٰہ اور مودودی صاحب' اسی مصطلحہ لفظ 'الٰہ' سے متعلق ہے۔ مولانا مودودی حسبِ عادت طمطراق کے ساتھ اپنے اسی بلند آہنگ اسلوب میں لکھتے ہیں:

''عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا، اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ 'الٰہ' کے کیا معنی ہیں اور 'رب' کسے کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے۔ اس لئے جب ان سے کہا گیا کہ اللہ ہی اکیلا 'الٰہ' اور 'رب' ہے اور الوہیت و ربوبیت میں کسی کا قطعاً کوئی حصہ نہیں، تو وہ پوری بات کو پا گئے۔ انہیں بلا کسی التباس و اشتباہ کے معلوم ہو گیا کہ دوسروں کے لئے کس چیز کی نفی کی جا رہی ہے اور اللہ کے لئے کس چیز کو خاص کیا جا رہا ہے۔ جنہوں نے مخالفت کی، یہ جان کر کی کہ غیر الٰہ کو الوہیت و ربوبیت کے انکار سے کہاں کہاں ضرب پڑتی ہے اور جو ایمان لائے، یہ سمجھ کر ایمان لائے کہ اس عقیدے کو قبول کر کے ہمیں کیا چھوڑنا اور کیا اختیار کرنا ہوگا۔ اسی طرح عبادت اور دین کے الفاظ بھی ان کی بولی میں پہلے سے رائج تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ عبد کسے کہتے ہیں۔ عبودیت کس حالت کا نام ہے۔ عبادت سے کون سا رویہ مراد ہے اور دین کا کیا مفہوم ہے۔ اس لئے جب ان سے کہا گیا کہ سب کی عبادت کو چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرو اور ہر دین سے الگ ہو کر اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ تو انہیں قرآن کی دعوت کو سمجھنے میں کوئی غلط فہمی پیش نہ آئی۔ وہ سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ تعلیم ہماری زندگی کے نظام میں کس نوعیت کے تغیر کی طالب ہے۔ لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی، جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہر ایک

اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود، بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہوگیا۔اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں، جو لوگ پیدا ہوئے تھے،ان کے لئے الٰہ اور رب اور دین اور عبادت کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے، جو نزولِ قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے۔انہی دونوں وجوہ سے دورِ آخر کی کتبِ لغت وتفسیر واکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانے لگی، جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے۔مثلاً لفظ'الٰہ' کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنا دیا گیا۔رب کو پالنے اور پوسنے والے یا پروردگار کا مترادف ٹھہرا دیا گیا۔عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کے کئے گئے۔دین کو دھرم اور مذہب اور ریلیجن کے مقابلے کا لفظ قرار دیا گیا۔طاغوت کا ترجمہ بت یا شیطان کیا جانے لگا۔نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصل مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہوگیا''۔

مقدمہ کی اس عبارت کی، جو اٹھان ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی تان کہاں جا کر ٹوٹے گی۔دعوی تو قرآن سے استشہاد کا تھا۔لیکن مذکورہ دونوں عبارتوں میں اس کا کہیں کچھ پتا نہیں۔یہی حال پوری کتاب کا ہی ہے۔اگر کہیں قرآن کا نام یا کسی آیت کا حوالہ دیا بھی گیا ہے، تو فقط وزنِ شعری کے لئے اور بس۔کیوں کہ مولانا مودودی کا یہ بھی دعوی ہے کہ:

''قرآن وسنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے، مگر تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں''۔

لیجیے بات ہی ختم ہوگئی۔اس پر اطمینان نہیں ہوا، تو ذرا اور آگے رقمطراز ہیں:

''قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں ہے۔ایک اعلیٰ درجے کا پروفیسر کافی ہے۔جس نے قرآن کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہو اور طرزِ جدید پر قرآن

پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو''۔

پھر ایک طرف مولانا مودودی کو اپنی کم مائیگی کا یہ بھی اقرار ہے کہ انہیں شرعی علوم اور فقہ وفتاوی میں درک واہلیت نہیں۔لکھتے ہیں:

''یہ درحقیقت ایک استفتا ہے، جس کے اصل مخاطب علمائے کرام ہیں ۔راقم سطور کو نہ منصب افتا حاصل ہے، نہ وہ اس کا اہل ہے کہ مسائلِ شرعیہ میں فتوی دینے کی ذمہ داری اٹھا سکے''۔

یہ ہیں ان کی تضاد بیانیاں اور قلابازیاں۔یہی وجہ ہے کہ 'اسلام کا تصورِالٰہ اور مودودی صاحب' کے تقریظ نگار سید مثنیٰ انور نے مذکورہ عبارت پر یوں جرح کی:

'مذکورہ بالا تحریر سے کم از کم اتنا تو معلوم ہو گیا کہ مودودی صاحب الٰہ، رب، دین اور عبادت کے، جن مفاہیم کی اشاعت چاہتے ہیں، ان کی تائید و تصدیق کتبِ لغت و تفسیر سے نہیں ہوتی اور ان کتابوں کی موجودگی میں موصوف کے افکار کا 'انوکھا پن' سلامت نہیں رہتا۔لٰہذا ضرورت محسوس ہوئی کہ پہلے ان کتبِ لغت و تفسیر کو 'دورِآخر' کی پیداوار بتا کر مشکوک و غیر معتبر کر دیا جائے۔اس کے بعد ان کتابوں کے مرتب کرنے والوں کو 'خالص عربیت کے ذوق کی کمی' کی وجہ سے 'اصل معنی لغوی' سے بے خبر و نا آشنا کہہ کر مسلمانوں سے بے تعلق بنا دیا جائے۔اس طرزِ عمل سے اگر ایک طرف مفسرین، محدثین، فقہا اور علما کا صدیوں کا گراں قدر سرمایہ 'حباب بر آب' کی حیثیت رکھتا ہے، تو دوسری جانب ایک ایسی فضا ہموار ہوتی ہے ، جہاں مودودی صاحب کے تخمین و ظن ،نصوص کا درجہ حاصل کریں، جہاں ان کے 'خالص عربیت کے ذوق' کا سکہ چلے اور جہاں ان تمامی اسلامی افکار سے ان کے براہِ راست واقف و باخبر ہونے کا اعلان جاری رہے، 'جو نزولِ قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے'۔یہ بات کچھ کم اہم نہیں کہ مودودی صاحب 'دورآخر' کی قید لگا کر ہمارے اذہان کو 'دورِاول' کی سمت لے جانا چاہتے ہیں۔جس کی امتیازی شان انہیں کے لفظوں میں یہ ہے:

' عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا، اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ 'الٰہ' کے کیا معنی ہیں اور 'رب' کسے کہتے ہیں۔کیوں کہ یہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے۔انہیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس

مفہوم پر ہوتا ہے''۔

لیکن یہ دیکھ کر ہماری حیرانی اور بڑھ جاتی ہے کہ اتنا عظیم الشان اور انقلاب آفریں دعوی اور دلیل میں نہ کسی کتابِ لغت کا حوالہ اور نہ کسی تفسیر کا ذکر۔ آخر کس کتابِ لغت کو معتبر سمجھا جائے اور کس تفسیر کو سر آنکھوں پر بیٹھایا جائے ؟۔ اس لئے کہ لغت اور تفسیر کی جس قدر کتابیں آج موجود ہیں، وہ سب بقول مودودی صاحب 'دورِ آخر' کی پیداوار ہیں اور 'دورِ اول' سے ان کا ربط و تعلق نہیں۔ یہاں جس 'دورِ اول' کی فضیلت بیان کی جارہی ہے، اس عہد میں تدوینِ کتب کا تصور ہی نہیں تھا۔ لہٰذا کوئی بتائے کہ مودودی صاحب کی معلومات کا اصل ماخذ کیا ہے'؟۔ اور یہ علم ان پر کس طرح منکشف ہو گیا کہ 'دورِ اول' کے قرآنی الفاظِ مصطلحہ بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ اپنا چولا بدلتے گئے۔' یہاں تک کہ ہر ایک [لفظ] اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود، بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہو گیا'۔

یہی وہ مقام ہے، جہاں پہنچ کر مودودی صاحب کی انانیت پسندی، تحکمانہ مزاج، ما فوق البشری طرزِ تکلم اور نفسیاتی ردِ عمل کا شدید احساس ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ان کی 'بے قید میں' والی ذہنیت بھی بے نقاب ہو جاتی ہے۔

''اسلام کا تصور الہ اور مودودی صاحب کے مصنف حضرت شیخ الاسلام سید محمد مدنی اشرفی جیلانی نے اپنے دیباچے میں از راہِ خیر خواہی اور اصلاحِ فکر و نظر کے ضمن میں لکھا ہے کہ کسی فرد یا تنظیم کی عملی حرکت اور ظاہری کشش، مدارِ صحت و صداقت نہیں، جب تک کہ اس کے ایمانی و اعتقادی محرکات کو خوب خوب پر کھ نہ لیا جائے۔ یہ بڑے پتے کی اور سومن کی بات ہے۔ رد و کد ہی مصنف کتاب کا مطمحِ نظر نہیں، بلکہ اصل ہدف تفہیم و ہدایتِ عامۃ المسلمین ہے۔ مصنفِ علام لکھتے ہیں:

> ''اسی لئے محاکمہ کے لئے میں نے اسی کتاب [قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں] کا انتخاب کیا ہے۔ لیکن میری ترتیب یہ رہے گی، الٰہ، عبادت، رب دین۔ ان شاء اللہ پیشِ نظر کتاب صرف لفظ 'الٰہ' کی تحقیق و تعبیر سے متعلق ہے۔ اس مقام پر ان حضرات سے میری گزارش ہے، جو 'مودودی تنظیم' کی ظاہری فسوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ وہ میری تحریر کو شروع سے آخر تک 'جماعتی تعصب' سے الگ ہو کر پوری طمانیت قلب کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں اور پھر جو ان کا ضمیر فیصلہ کرے، اس کو مان لیں اور یہ بھی گزارش

کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ کسی شخصیت کا اس وقت تک صحیح مطالعہ نہیں ہوسکتا، جب تک کہ پہلے اس کے 'اعتقادی محرکات' پھر ان کے کھرے کھوٹے کو اچھی طرح سمجھ نہ لیا جائے۔ صرف کسی کی 'عملی حرکت' کو دیکھ کر اس سے متاثر ہو جانا کوئی دانش مندانہ رویہ نہیں۔ اس سطحی طرزِ عمل کو دین کی خدمت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ یہ آگے چل کسی بڑی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے''۔

مصنفِ علام نے ہوا میں تیر وتلوار نہیں چلائی ہے۔ بلکہ جدید اصولِ نقد وتحقیق کی روشنی میں پہلے لفظ 'الٰہ' کی لغوی تحقیق، لفظ 'الٰہ' کا مادہ اور پھر لفظ 'الٰہ' کے ماخذ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور لغت، تفسیر اور حدیث کی کتابوں سے قریب ۳۷/ دلائل وشواہد سے اپنے موقف کی وضاحت کی ہے۔ جس سے دو اور دو چار کی طرح یہ بحث آئینہ ہو کر سامنے آ گئی ہے۔ یہ پوری بحث ص: ۲۵/ تا ۴۹/ تک پھیلی ہوئی ہے۔ 'لغوی تحقیق' کا خلاصہ علامہ مدنی میاں نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

''الحاصل 'الٰہ' یا تو اَلَہَ یالَہُ الوہیۃ کا مصدر ہے یا اسم جنس۔ دونوں صورتوں میں اس کے معنی معبود ہیں۔ پہلی صورت میں لفظ الٰہ کا اَلَہَ یالہ الہۃ سے مشتق ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ الٰہ کو معنی مصدری سے نکال کر معنی مفعولی میں لیا گیا۔ گویا الٰہ بمعنی مالوہ مشتق ہے، اَلَہَ یالہ، الٰہیۃ سے۔ اور دوسری صورت میں یعنی اسم جنس ہونے کی صورت میں اس کے اشتقاق کا مطلب یہ ہوگا [مشتق مِنہ کوئی بھی ہو] کہ وہ ایک اصل سے ماخوذ ہے، اس اصل میں قدرے قلیل تصرف کر کے۔ الٰہ کا معنی معبود ہی ہے۔ اس خیال کی تائید مودودی صاحب کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے: 'ان تمام معانی مصدریہ پر غور کرنے سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اَلَہ یالہ الٰہۃً کے معنی عبادت [پرستش] اور الٰہ کے معنی معبود کس مناسبت سے ہوئے'۔ 'مودودی صاحب کے ترجمۂ قرآن کے بھی بعض مقامات نظر سے گزرے ہیں۔ جہاں انہوں نے الٰہ کا معنی معبود ہی کیا ہے''۔

لغوی تحقیق کے بعد علامہ مدنی میاں نے لفظ الٰہ کا مادہ اور ماخذ کیا ہے، اس پر خامہ

فرسائی کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ کا مادہ یا تو ا،ل،ہ، ہے یا و،ل،ہ، ہے۔ جب کہ مودودی نے ا،ل،ہ، پر اپنی تحقیق ختم کردی ہے اور ایک مادہ ل،ا،ہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ لفظ اللہ کے لغوی و وضعی معنی پر بحث کرتے ہوئے علامہ مدنی میاں لکھتے ہیں:

''الحاصل ہر الٰہ [حق ہو یا باطل اپنے پرستار کے نزدیک] حاجت روا ہے ۔لیکن ہر حاجت روا [اپنے ماننے والے کے نزدیک] الٰہ نہیں۔یعنی لزوم ایک ہی طرف سے ہے، جانبین سے نہیں۔ اسی پر باقی الفاظ کو قیاس کر لیجیے۔ان تحقیقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے، آیئے! مودودی صاحب کی نظر کی اس گہرائی کو بھی ملاحظہ کرتے چلیے، جو انہیں 'علم لغت' میں حاصل ہے۔

لفظ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں: اس کا مادہ ا،ل،ہ، ہے'۔

ظاہر ہے کہ اس تحریر کا منشا ہرگز یہ نہیں کہ مودودی صاحب ان تمام الفاظ و کلمات کا احصاو شمار کرنا چاہتے ہیں، جن کا مادہ ا،ل،ہ، ہو۔ بلکہ ان کا مقصود صرف اتنا ہے کہ ان الفاظ کی تشریح کردی جائے، جو لفظ اللہ کا ماخذ بن سکتے ہوں اور جنہیں مختلف اقوال کی بنا پر اس کا ماخذ قرار دیا گیا ہے۔

لیکن آپ کی حیرت کی انتہا نہ ہوگی۔ جب آپ یہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ مودودی صاحب نے تمام ماخذوں میں 'لاہ یلیہ لیھا و لاھا' کو بھی شمار کیا ہے۔حالاں کہ نہ تو لاہُ کا مادہ ا،ل،ہ، ہے اور نہ اللہ اس سے مشتق ہے۔ کسی 'پنج گنج' اور 'علم الصیغہ' پڑھنے والے معمولی طالب علم سے دریافت کر لیجیے۔ وہ بھی کہہ دے گا کہ لاہُ دراصل لیہُ تھا، جو تعلیل کے بعد لاہ ہو گیا۔تو لاہ کا مادہ ل،ی،ہ ہوا''۔

اس کے بعد پھر پانچ معتبر کتبِ لغات مصباح اللغات، غیاث اللغات، صراح، منتی الارب اور قاموس سے شہادت پر شہادت پیش کرتے ہوئے مصنف علام سید مدنی میاں رقمطراز ہیں:

''ان شواہد سے تھوڑی دیر کے لئے صرفِ نظر کر لیجیے اور صرف 'لَاہَ یَلِیہُ' کے لفظ پر ہی غور کر لیجیے۔ لاہ ماضی ثلاثی مجرد کا صیغہ ہے۔ ماضی ثلاثی مجرد کے تمام حروف اصلیہ کا متحرک ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ 'میزان' پڑھنے

والا بھی جانتا ہے۔ لاہ کا درمیانی حرف یعنی الف ساکن ہے۔اسی سے پتا چل گیا کہ یہ الف اس کے مادہ میں نہیں ہے، بلکہ کوئی اور حرف ہے، جس کو کسی قاعدہ کی بنا پر الف کر دیا گیا ہے اور یہ بھی متعین ہے کہ وہ لفظ[واؤ ہے یا 'یاء'۔اس لئے کہ 'وٗ اور 'ی' ہی صرفی قاعدہ کے تحت کہیں کہیں الف سے بدل دی جاتی ہے۔'یلیہ ' نے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ 'وٗ'، جس کو بدلا گیا ہے، بلکہ 'ی' ہے ورنہ 'یلیہ ' نہ ہوتا۔ بلکہ 'یلوہ' ہوتا۔لہٰذا ثابت ہو گیا کہ 'لاہ' کی اصل 'یلیہ' ہے۔جس سے پتا چلا کہ اس کا مادہ ل، ی، ہ، ہے اور جو ثلاثی مجرد کا مادہ ہوتا ہے، وہی اس کے مصدر کا بھی مادہ ہوتا ہے۔لہٰذا جو لاہ کا مادہ ہے، وہی اس کے مصدر لاہُ کا بھی مادہ ہوا یعنی ل، ی، ہ۔ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ لاہ میں درمیانی حرف ہمزہ ہو، جو الف کر دیا گیا۔ میں عرض کروں گا۔ یہ وہی کہے گا، جو صرفی قواعد سے نابلد ہو۔اس لئے کہ اگر بالفرض اس کے درمیانی حرف کا ہمزہ مان لیا جائے، تو اس کو ہمزہ ہی رکھنا پڑے گا۔اس کو الف کرنے کا یہاں کوئی قاعدہ نہیں۔لہٰذا 'لاہ یلیہ ' کو اب 'لئہ یلئہ یا 'لَئَہَ یَلَہ' کہنا پڑے گا''۔

ایک دفعہ مولانا ابوالکلام آزاد پر طنز کرتے ہوئے امام احمد رضا نے کہا تھا کہ 'مِن ' کا معنی ''سے'' اور 'اِلیٰ' کا معنی ''تک'' جان لینے سے نہ عربی زبان دانی آتی ہے اور نہ قرآن فہمی۔ٹھیک وہی تیور اور منظر علامہ مدنی میاں نے مولانا مودودی کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ذیل کی عبارت میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

'اس مقام پر اتنی تفصیل وتشریح کی ضرورت نہ تھی۔باوجود اس کے میں نے بڑی تفصیل سے کام لیا۔تاکہ ایک معمولی طالب علم بھی اس حقیقت کو سمجھ لے کہ مودودی صاحب اپنے جس علم سے اجتہاد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں، وہ کس قدر ناقص اور ناقابل اعتماد ہے۔جس کو نظر اعتبار سے دیکھنا ہی کم یافتہ یا علومِ عربیہ سے نابلد ہونے کی دلیل ہے'۔

پھر اشتقاق صغیر، اشتقاق کبیر اور اشتقاق اکبر اور پھر لغت اور صرفی قواعد پر بحث کرتے ہوئے اور مولانا مودودی اور مودودیت نوازوں کو آئینہ دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الحاصل مودودی صاحب کا لاہُ کو الہ کا ماخذ بتانا اور ان کلمات میں شمار

کرنا، جن کا مادہ اَ، ل، ہ، ہو، ایک ایسا اجتہاد ہے، جو زبان و بیان کے اماموں سے بھی نہ ہو سکا۔ اس بے مثال اجتہاد پر مودودیت نواز حضرات جتنا بھی فخر کریں، کم ہے۔ مودودی صاحب نے الٰہ کے معنی اور اس کے ماخذوں کے معانی کے مابین مناسبتِ معنوی کی تشریح کے لئے چار مقدموں کی تشکیل ہے، جس میں نمبر۲ اور نمبر۳ کا اکثر حصہ الٰہ اور لاہ کے معنوں کے مابین مناسبت کی توضیح میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ لاہ الٰہ کا ماخذ نہیں، تو مقدمہ نمبر۲ و نمبر۳ کی عمارت زمین پر آ رہی۔ اب اگر اس مقدمہ پر مزید بحث و نظر نہ کی جائے، جب بھی کافی ہے۔ اس لئے کہ جس بنیاد پر اس عمارت کی تعمیر کی گئی تھی، جب وہ بنیاد ہی نہ رہی، تو پھر عمارت کہاں سے رہے گی۔ کاش کہ میں اس کو مودودی صاحب کا سہو قرار دے سکتا، لیکن میرے سامنے اس کتاب کا چوتھا اڈیشن ہے یہ کیسا سہو کہ کتاب کے چار اڈیشن بازار میں آ گئے اور آنکھ نہ کھلی۔ ویسے بھی ہم اس بنیاد کو سہواً کیسے تسلیم کر سکتے ہیں، جس پر ایک عمارت کی تعمیر کی گئی ہو۔ اس مقام پر کافی تشریح و تفصیل کا مقصود یہ ہے کہ عملی طور پر ائمۂ اسلاف کے گراں قدر سرمایۂ علمی کو بے کار کہنے والے کا سرمایۂ تحقیق نگاہوں کے سامنے آ جائے۔ مودودی صاحب اور مودودیت نواز تمام حضرات کی خاص توجہ درکار ہے۔ لاہُ، الٰہ کی نہیں، بلکہ لفظ اللہ کی اصل ہے''۔

مولانا مودودی نے اس بحث کے ضمن میں اپنے کچھ ذاتی خیالات کا بھی اظہار کیا ہے، جو پرِ کاہ اور پاگل کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ جن کو بنام علمی دلائل وہ پیش کرتے ہیں، علمائے اعلام نے صدیوں پہلے ان کے جوابات دے دیئے ہیں اور بعد میں بھی دیئے جاتے رہے ہیں۔ مولانا مودودی نے بھی اپنے دور میں ابن تیمیہ، شیخ نجدی اور ابن عبدالغنی دہلوی کے چبائے ہوئے خیالات میں سے تین کا یہاں اعادہ کیا ہے۔ لکھا ہے کہ:

پہلا خیال: ''اگر میں پیاس کی حالت میں یا بیماری میں خادم یا ڈاکٹر کو پکارنے کے بجائے کسی ولی یا کسی دیوتا کو پکارتا ہوں، تو یہ ضرور اس کو

اللہ بنانا اوراس سے دعا مانگنا ہے‘۔

دوسرا خیال: ’اگر کوئی شخص اللہ کی سند کے بغیر کسی کے حکم کو واجب الاطاعت سمجھتا ہے،تو وہ ایسا ہی شرک کرتا ہے،جیسا کہ ایک غیر اللہ سے مانگنے والا شرک کرتا ہے‘۔

تیسرا خیال: ’کسی میں یہ طاقت نہیں کہ تمہاری فریادرسی کر سکے۔ دعائیں قبول کر سکے۔پناہ دے سکے۔ حامی و ناصر اور ولی و کارساز بن سکے۔نفع یا نقصان پہنچا سکے‘۔

ان عبارتوں کونقل کر کےعلامہ مدنی میاں نے کچھ ذیلی عنوانات قائم کئے ہیں۔مثلاً امان، پناہ دہندگی، حاجت روائی، زندگی دینا ،شفا بخشنا،غیب بتانا،حرام کو حلال کرنا، تدبیر کائنات، پناہ،نگہبان، حامی و ناصر،ولی و کارساز، بالا تری و بالا دستی ،ملکیت و غلبہ، استعانت و دہائی۔پھراجمالی جواب کے طور پر سولہ صفحات تحریر کئے ہیں ۔قرآن کریم ،بخاری،مسلم، نسائی،الحاکم ،ابویعلی،احمد،طبرانی،ابن حبان،ابونعیم،الرافعی،تحفۂ اثناعشریہ،الامن والعلی،الزلال الانقی وغیرہ کتب معتمدہ سے بیسوں حوالے نقل فرمائے ہیں۔اس بحث کے اختتامیہ میں تحریر کرتے ہیں:

’’اس اجمالی جواب کے سلسلے مین جو کچھ میں نے عرض کیا ہے، وہ ایک قطرہ ہے،اس دریا کا،جس کا نام’ **الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء**‘ ازافاداتِ عالیہ مجددمأ ۃ حاضرہ امام احمدرضارضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ہرحق کے متلاشی کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید بخش ہے‘‘۔

شیخ الاسلام کی یہ کتاب، جو تنقیدی وتردیدی ہونے باوجود اعلیٰ درجے کی علمی وتحقیقی بھی ہے ،اس کی استنادی حیثیت کے لئے مستقلاً وضمناً قریب باون امہاتِ کتب سے ۲۱۸ ردلائل وشواہد کافی ووافی ہیں۔اس کا خاتمہ شیخ الاسلام نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے۔جواز بس یاد کر لینے کی ضرورت ہے۔رقمطراز ہیں:

’’ان نصوص کو دیکھ لینے اور سمجھ لینے کے بعد،کیا کوئی منصف مزاج ایسا بھی ہے، جو مودودی صاحب کی تحقیقات کونظر اعتبار سے دیکھے؟۔یہ نصوص اس حقیقت کو روشن کر رہی ہیں کہ وہ آیات، جو مودودی صاحب

نے تحقیق الٰہ کے سلسلے میں نقل کی ہیں، ان میں صرف بت پرستوں اور دیگر کفار و مشرکین کا رد ہے اور ان میں اللہ نے جن جن صفات کو اپنے لئے خاص فرمایا ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ اللہ کی اپنی ذاتی صفات ہیں۔ جس میں سے بتوں کو تو کچھ بھی نہیں عطا کیا گیا۔ پھر اے مشرکو! تم ان کو کیوں پوجتے ہو؟۔ عبادت کا مستحق تو وہی ہے، جو اپنی ہر ہر صفت میں مستقل بالذات ہو اور یہ شان تو اللہ کے سوا کسی میں بھی نہیں، تو پھر غیر اللہ کی پرستش یا ان کی اللہ سے ہم سری و ہم جنسی، چہ معنی دارد؟۔ لیکن اس کلام کا یہ منشا ہر گز نہیں کہ اللہ نے اپنے محبوب بندوں کو بھی ان صفاتِ عالیہ سے نہیں نوازا۔ اللہ مختارِ کل ہے اور قادرِ مطلق ہے۔ جس کو چاہے، اپنی جو صفت عطا فرما دے۔ پھر بھی بندے کو وہی دیا جائے گا، جو ایک ممکن کے لئے ممکن ہو۔ لہٰذا اللہ کی کسی صفت سے مساوات کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی ہر صفت ذاتی اور بندے کی ہر صفت عطائی ہے۔ اللہ کا ہر کمال نفس الامر میں غیر متناہی اور بندے کا ہر کمال نفس الامر میں متناہی، خواہ وہ دوسرے بندوں کے فہم و ادراک سے ماورا ہو!۔ یہی وہ صحیح و سالم راست وطریقہ ہے، جس سے تمام نصوص اثبات و نفی بحسن وخوبی توجیہہ کی جا سکتی ہے''۔

حضرت مدنی میاں صاحب کی دوسری کتاب ہے 'اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب'۔ صفحات ۲۲۳؍ ہیں۔ مآخذ و مراجع میں قرآنِ کریم کے علاوہ بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابو داؤد شریف، نسائی شریف اور ابن ماجہ یعنی صحاح ستہ کی ساری کتابیں، ان کے علاوہ طحاوی شریف۔ مسند امام احمد، مشکوٰۃ شریف، کتب احادیث، اس کے بعد مدارک شریف، جلالین شریف، روح البیان، جامع البیان، فتح العزیز یعنی تفسیر عزیزی، خزائن العرفان، نور العرفان، کنز الایمان [ترجمہ] حواشی جدیدہ علی البیضاوی، حواشی جدیدہ علی الجلالین، عالمگیری، شفا شریف، مواہبِ لدنیہ، زرقانی شرح مواہب، اتقان۔ جوہر منظّم، ازالۃ الخفا، الزلال الانقی، الامن والعلی، التحقیق البارع، نفع المفتی، اصول الشاشی، مثنوی شریف، مختصر المعانی، ابر المقال، صدیق اکبر، سید احمد شہید کی صحیح تصویر، تفہیم

القرآن، کتب لغت قاموس، صراح، منتی الارب، مصباح اللغات،غیاث اللغات، منتخب اللغات وغیرہ سے۱۳۴؍نصوص وشواہد پیش کئے ہیں۔

کتاب کا ’افتتاحیہ‘ دینی وادبی دانشور سید مثنیٰ انور نے لکھا ہے۔مصنف نے ۱۸؍عنوانات قائم کئے ہیں۔ ،مثلاً عبادت[لفظی تحقیق]،مودودی صاحب کی علمی خیانتیں، مودودی صاحب کے دوسرے علمی جواہر پارے، مودودی صاحب کی ایک غیر ضروری کوشش، لفظِ عبد کی تحقیق، مودودی صاحب کی تشریحات کا تحقیقی جائزہ،مودودی صاحب کا نظریۂ عبادت،مودودی صاحب کی پریشاں خیالیاں، مودودی صاحب کے نزدیک ایمان کیا ہے، عبادت کے متعلق مودودی صاحب کے مزید خیالات، امتِ مسلمہ کے عوام پر برہمی اور بہتانات، خواصِ امت پر بھی بے جابر افروختگی، مسئلہ خلافت وحکومت، لفظِ عبادت کا استعمال قرآن میں، عبادت بمعنی اطاعت، عبادت بمعنی پرستش، عبادت بمعنی بندگی واطاعت و پرستش، اسلام کا نظریۂ عبادت۔

اس میں پہلی بحث لفظ عبد اور عبادت سے شروع ہوتی ہے۔مولانا مودودی نے بتایا ہے کہ:

> ’’مادۂ عبد کا اساسی مفہوم کسی کی بالا دستی و برتری تسلیم کر کے اس کے مقابلے میں اپنی آزادی وخودمختاری سے دست بردار، سرتابی ومزاحمت چھوڑ دینا اور اس کے لئے رام ہو جانا ہے۔یہی حقیقت بندگی اور غلامی کی ہے‘‘۔

علامہ مدنی میاں نے یہاں پہلے عبادت کی لفظی تحقیق کی ہے۔اس کا حقیقی اور مجازی معنی اور محلِ استعمال لغت اور تفاسیر کے حوالے سے قلم بند کیا ہے اور پھر مثالوں سے بھی بات واضح کی گئی ہے۔طاعت مع الخضوع کو عبادت کہتے ہیں۔مصنفِ علام لکھتے ہیں:

> ’’اس لفظ[عبادت] کا مادہ ع،ب،د ہے،جس کے بنیادی اور اساسی مفہوم میں تذلل اور خضوع کا معنی داخل ہے۔عبادت از روئے لغت ’**طاعت مع الخضوع**‘ کا نام ہے‘‘۔

کسی لفظ کا معنی کب لغوی ولفظی، کب حقیقی واصلی اور کب اصطلاحی اور کب مجازی یا عرفی مراد ہوتا ہے اور کیوں ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف عدول کیا جاتا ہے۔اس کی وجہ اور سبب کیا ہے۔لفظ عبادت پر گفتگو کرتے ہوئے حقیقت ومجاز کی بحث کے ضمن میں تین مثالیں دے کر لکھتے ہیں:

''ان تینوں مثالوں میں عبادت اپنے حقیقی معنی میں نہیں۔اس لئے کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں، جو شیطان کو پوجتا ہو۔ ہر کوئی اس پر لعنت وملامت بھیجتا ہے۔ پھر اس کی پوجا کا سوال ہی کیا؟ ۔لہٰذا یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ یہاں شیطان کے کہنے پر چلنے ،اس کے احکام کی اطاعت کرنے اور اس کے اشارے پر دوڑ پڑنے کو مجازاً عبادت کہا گیا ہے ۔ یہ اصول اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ جہاں حقیقت کا مراد لینا متعذر یا مہجور ہو یا حقیقت کے خلاف مراد لینے کا کوئی قرینہ موجود ہو،تو وہاں مجاز مراد لیا جاتا ہے۔ ہاں! جہاں حقیقت متعذر و مہجور نہ ہو، نیز اس کے خلاف مراد لینے پر قرینہ بھی نہ ہو،ایسی صورت میں مجاز مراد لینا درست نہیں''۔

یہاں مدنی میاں صاحب نے حاشیہ میں دو مثالیں بھی دی ہیں۔ایک حقیقت متعذرہ کی اور دوسری حقیقت مہجور کی۔پہلی کی مثال یہ ہے:

''ایک شخص نے قسم کھائی ،'میں اس برتن سے یا اس درخت سے کچھ نہ کھاؤں گا'۔تو یہاں برتن اور درخت کا عین مراد لینا متعذر ہے۔ بلکہ یہاں برتن سے مراد وہ ہے، جو برتن میں ہے۔اسی طرح درخت سے مراد درخت کا پھل ہے۔اب اگر قسم کھانے والا بتکلف اور بمشقت برتن کا ہی ٹکڑا کھالے یا درخت کا کوئی حصہ چبالے،تو وہ قسم توڑنے والا قرار نہیں دیا جائے گا۔

دوسری کی مثال:'کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں کے گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔تو اس سے مراد یہی سمجھی جائے گی کہ وہ داخل نہ ہونے کی قسم کھا رہا ہے ۔تو وہ اگر سواری سے بھی گھر میں گیا ، جب بھی قسم توڑنے والا ہو جائے گا۔اس مقام پر گو'قدم رکھنے کا حقیقی معنی بلا تکلف مراد لیا جاسکتا ہے'۔لیکن عادۃً متروک و مہجور ہے''۔

یہاں پہنچ کر علامہ مدنی میاں فرماتے ہیں:

''مزید وضاحت کے لئے ایک مثال بھی عرض کردوں۔صلوٰۃ کا معنی از

روئے لغت طلب رحمت ہے۔مگر اصطلاحِ شریعت میں صلوٰۃ ایک عبادت مخصوصہ یعنی نماز کا نام ہے۔جس میں قیام وقعود اور رکوع وسجدہ وغیرہ سب شامل ہیں۔الحاصل لغت میں صلوٰۃ کا معنی موضوع لہ طلب رحمت ہے اور شریعت میں اس کا معنی موضوع لہ نماز ہے۔اب جب اہل لغت،اہل لغت کی حیثیت سے لفظ صلوٰۃ کا استعمال کریں،تو طلب رحمت ہی مراد ہوگی۔بشرطیکہ اس کا مراد لینا ممکن ہو یا اس کے خلاف مراد لینے پر قرینہ نہ ہو،مگر جب اہل شریعت ،اہل شریعت کی حیثیت سے اس کو استعمال فرمائیں گے،تو وہاں نماز ہی مراد ہوگی۔بشرطیکہ اس کا مراد لینا ممکن ہو یا اس کے خلاف مراد لینے پر قرینہ نہ ہو۔اسی لئے 'اقیموا الصلوٰۃ' میں صلوٰۃ کا معنی نماز ہی رہے گا اور یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ لغت میں اس کا کیا معنی ہے۔اس لئے شرعی اصطلاح کے پیش نظر نماز ہی صلوٰۃ کا معنی حقیقی ہے۔

اب آیئے،لفظ عبادت پر غور فرمایئے۔جو زیر بحث ہے۔لفظ عبادت کا ایک لغوی معنی ہے اور ایک اصطلاحی معنی۔لغت میں جہاں عبادت کا معنی کھلے لفظوں میں پرستش بتایا گیا ہے،وہیں اس کی تشریح طاعت ،نیز طاعت مع الخضوع سے بھی کی گئی ہے۔اس کے علاوہ صلہ و متعلق کے پیش نظر دوسرے معانی بھی بتائے گئے ہیں۔لیکن اصطلاح شرع میں اس کا صرف ایک معنی ہے۔جس کو فارسی میں پرستش اور ہندی میں پوجا کہا جاتا ہے۔لہٰذا اب کتب شریعت میں جہاں جہاں اس لفظ کا استعمال کیا جائے،یا اہل شریعت جب بھی اس لفظ کو بولیں،تو وہاں پرستش کے سوا کچھ اور مراد لینا تحقیق نہیں،تحریف ہے۔ایسے وقت میں لغت کی آڑ لینی خودفریبی یا فریب دہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔الحاصل اصطلاح شرع میں عبادت کا معنی موضوع لہ یعنی معنی حقیقی صرف پرستش ہے۔اب اگر کہیں اس کا مراد لینا متعذر رہو یا اس کے خلاف مراد لینے پر قرینہ ہو،تو مجاز مراد لیا جائے گا۔جیسا کہ اس کی مثالیں گذر چکی ہیں۔خواہ وہ مجاز از روئے لغت

حقیقی معنی ہو۔لیکن اہل شریعت اپنی خاص اصطلاح کے پیش نظر اس کو معنی مجازی ہی قرار دیں گے۔ کشاف، بیضاوی، مدارک اور جلالین سے عبارت کی جو تشریح ملی ہے، وہ اصطلاح شرع کے پیش نظر ہے۔ میں نے اسی خاص اصطلاح پر اپنی ماقبل کی گفتگو کی اساس رکھی ہے''۔

مولانا مودودی کی تشریحات کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد علامہ مدنی میاں فرماتے ہیں:

''ان تمام تفصیلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب 'قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں' میں مودودی تشریحات دیکھی جائیں، تو اس میں ایک کمی کا شدید احساس ہوتا ہے کہ اس میں اصطلاحی معنی کی وضاحت تو بڑی چیز، اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا ہے''۔

مولانا مودودی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

''عربی زبان میں عبودۃ، عبودیۃ اور عبدیت کے اصل معنی خضوع اور تذلل کے ہے۔ یعنی تابع ہو جانا، رام ہو جانا، کسی کے سامنے ایسا سپر ڈال دینا کہ اس کے مقابلہ میں کوئی مزاحمت یا انحراف اور سرتابی نہ ہو اور اپنے منشا کے مطابق جس طرح چاہے، خدمت لے''۔

مولانا مودودی کی اس عبارت پر علامہ مدنی میاں کے ایرادات و معارضات ملاحظہ کیجیے۔ لکھتے ہیں:

''کیا مودودی صاحب یا مودودی نواز حضرات اس عبارت مذکورہ کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دینے کی زحمت گوارہ کریں گے؟:

ا: خضوع و تذلل کے معنی تابع ہو جانا، رام ہو جانا کہاں سے ہاتھ آیا؟۔

۲: کیا عاجزی، خاکساری اور فروتنی، فرمانبرداری کے مرادف ہے؟''۔

حقیقت حال یہ ہے کہ خضوع و تذلل کے معنی تابع ہو جانا اور رام ہو جانا نہیں، بلکہ اس کا اصل معنی عاجزی، انکساری، فروتنی اور خاکساری کرنا اور سر افگندہ ہو جانا ہے۔ اگر طاعت اور خضوع کا ایک ہی معنی ہوتا، تو پھر عبادت کی تشریح 'الطاعۃ مع الخضوع' سے نہ کی جاتی۔ لسان العرب کی اس تشریح نے بتا دیا کہ طاعت و فرمابرداری اور ہے اور خضوع و تذلل اور۔ ادی

اصطلاحیں، ص:۱۰۹ پر لکھتے ہیں۔ **العبادۃ ،الطاعۃ مع الخضوع**'۔عبادت اس طاعت کو کہتے ہیں، جو پوری فرمابرداری کے ساتھ ہو'۔

معلوم نہیں کہ اگر لفظ اطاعت ،طاعت کا ترجمہ ہے ،تو فرما برداری کس لفظ کا ترجمہ ہے؟۔اور اگر لفظ فرمابرداری، لفظ طاعت کا ترجمہ ہے،تو پھر لفظ اطاعت کی زیادتی کی ضرورت کیا تھی؟۔نیز بچارے خضوع نے کیا قصور کیا تھا۔جس کو بے ترجمہ ہی چھوڑ دیا گیا؟۔کہیں ایسا تو نہیں کہ لفظ فرمابرداری کو لفظ خضوع کا ترجمہ لیا گیا ہو۔مودودی صاحب جیسے خالص عربیت کا ذوق رکھنے والوں سے یہ کوئی بعید بات بھی نہیں۔آگے چل کر رقم طراز ہیں:

> ''**ایاک نعبد ای نطیع الطاعۃ اللتی نخضع معھا**'
> ہم تیری اطات کرتے ہیں،یعنی ہم تیری اطاعت پوری فرمابرداری کے ساتھ کرتے ہیں''۔

اس مقام پر تو صاف لفظوں میں خضوع کا ترجمہ فرمابرداری کیا ہے۔اسی طرح تھوڑی دور آگے چل کر '**ھو الخاضع لربہ**' میں بھی خاضع کا ترجمہ فرمابردار کیا ہے۔یہ سارے شواہد اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ مودودی صاحب کے نزدیک طاعت اور خضوع ایک دوسرے کے مرادف ہیں۔تو کیا اب مجھے اجازت ملے گی کہ میں عرض کروں۔**ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین**'۔ مولانا مودودی نے ایمان کی تعریف درج ذیل عبارت سے کی ہے:

> ''اپنے حقیقی معبود یعنی خدائے واحد کی ایسی معرفت، جو بالکل خالص ہو۔جس میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو۔کسی سے عبدیت کا تعلق قائم نہ کیا جائے۔اسی کا نام ایمان ہے''۔

اس جگہ علامہ مدنی میاں نے پہلے ایمان کی وہ تعریف نقل کی ہیں، جو ہر دور میں علمائے اعلام نے کی ہے۔پھر ایمان کی تعریف معرفت کرنے کو غلط ثابت کرتے ہوئے ایسی گرفت فرمائی ہے کہ بس 'نہ جائے رفتن، نہ پائے ماندن' کی کیفیت پیدا کردی ہے۔تحریر کرتے ہیں:

> ۱ 'ایمان کی تعریف معرفت سے غلط ہے۔اس لئے کہ ایمان باللہ کا مطلب ،تصدیق باللہ ،یعنی اللہ کی تصدیق ہے ،نہ کہ اس کی معرفت۔لغت میں 'ایمان بہٖ' تصدیق کرنے اور اعتماد یا بھروسہ کرنے کو کہتے ہیں۔اللہ کی معرفت ایمان نہیں، بلکہ ایمان کا نتیجہ ہے۔

۲ شائبۂ شرک سے کیا مراد ہے؟۔ کیا اس قسم کا شائبہ بھی نہ ہو، جو لفظ 'ابوالاعلیٰ' میں موجود ہے۔ اس لئے کہ 'اعلیٰ' کا استعمال جہاں غیر خدا کے لئے ہے، وہیں اسے غیر خدا کی صفت کے طور پر بھی بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ کم از کم ہر نماز پڑھنے والا روزانہ نہ جانے کتنی بار 'سبحان ربی الاعلیٰ' کہتا ہے۔ تو 'ابوالاعلیٰ' میں اگر 'اعلیٰ' سے مراد وہ ہے ،جس کا علو اپنا ذاتی نہیں ، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے، تو پھر اس نام میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر کم سے کم اتنی بات تو رہے گی کہ 'ابوالاعلیٰ' کا 'اعلیٰ' 'ربی الاعلیٰ' کے 'اعلیٰ' کا صورۃً ،شکلاً ،حرفاً اور تلفظاً شریک ومماثل ہے۔ تو اس کو شرک نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اس میں شائبۂ شرک تو رہا۔ لہٰذا اگر ایمان کے لئے اس طرح کا شائبۂ شرک بھی مضر ہے اور ایسے شرک سے بھی اپنے کو بچائے بغیر کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ تو مودودی صاحب پر لازم ہے کہ اپنے اس نام کو بدل کر دوبارہ اعلانیہ ایمان لائیں اور زوجہ رکھتے ہوں، تو تجدید نکاح بھی فرمائیں اور ان لوگون کے بارے میں شرعی حکم صادر کریں، جو اس نام کے رکھنے میں غیر محتاط دکھائی دیں۔

اسی طرح نماز میں جو ثنا پڑھی جاتی ہے۔ اس میں 'وتعالیٰ جدک' کا بھی لفظ ہے اور ظاہر ہے کہ 'جد' کا معنی جہاں بزرگی ہے، وہیں اسے 'دادا' کے معنی میں بھی بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی شائبۂ شرک موجود رہا۔ تو اب چاہیے کہ مودودی صاحب ببانگِ دہل اعلان فرما دیں کہ ثنا کے پڑھنے کو ترک کرنا لازمی ہے۔ اس لئے کہ اس کا پڑھنے والا مومن نہیں رہ جاتا۔

۳ کسی سے عبدیت کا تعلق وابستہ نہ کیا جائے۔ اس مقام پر اس بات کی وضاحت ضروری تھی کہ کیا اس قسم کی عبد کا بھی تعلق وابستہ نہ کیا جائے، جس قسم کی عبدیت کا تعلق سیدنا فارق اعظم نے سرکار رسالت سے وابستہ کر کے باعلان فرمایا تھا کہ 'کنت عبدہ وخادمہ'۔

الحاصل مودودی صاحب کی ایمان کی تعریف صرف یہی نہیں کہ ناقص وغیر صحیح ہے، بلکہ خود انہی کو دعوتِ ایمان دے رہی ہے''۔

علامہ مدنی میاں نے مودودی کی کتاب 'تفہیمات' سے ایک طویل عبارت نقل کی ہے۔ پھر اس عبارت چند لفظوں میں تبصرہ کر کے اس عبارت خلاصہ لکھا ہے اور پھر اس خلاصہ کے نتائج پر منصفانہ تبصرہ کیا ہے، جو خاصے کی چیز ہے۔ پہلے تبصرہ دیکھیے۔ جو اس طرح کیا گیا ہے۔:

''مذکورہ بالا اقتباس میں مودودی صاحب کی شرافت بالکل برہنہ ہو گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خانہ ساز تحریک کی خاطر خواہ کامیابی نہ دیکھ کر بھرے بیٹھے تھے اور پھر برس پڑے۔ سارا دل کا غبار نکال کر رکھ دیا۔ مودودی صاحب عوام وخواص کی دو قسمیں کی ہیں۔ نہ جانے خود کو کس قسم میں رکھا ہے۔ میرے خیال میں اخص الخواص میں رکھا ہوگا۔ عوام کی جو صفتیں مودودی صاحب کی تسلیم کردہ ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱ پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں۔
۲ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔
۳ سال میں مہینہ بھر روزہ رکھتے ہیں۔
۴ مال سے خیرات بھی نکالتے ہیں۔
۵ عمر میں ایک بار حج بھی کرتے ہیں۔

مگر ان کا یہ سارا عمل عبادت نہیں۔ اس لئے کہ:

۱ یہ معبودِ برحق کے سجدے سے سر اٹھاتے ہی معبودِ باطل کے آگے جھک جاتے ہیں۔
۲ اللہ کے سوا ہر زندہ، مردہ کو حاجت روا بناتے ہیں۔
۳ ہر اس بندے کو خدا بنا لیتے ہیں، جس میں ذرہ برابر بھی نقصان پہنچانے اور نفع دینے کی قوت دیکھتے ہیں۔
۴ روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے کفار ومشرکین کے آگے صرف ہاتھ ہی نہیں جوڑتے اور صرف ان کے پیر ہی نہیں چومتے، بلکہ ان کفار ومشرکین ہی کو اپنا رازق سمجھتے ہیں۔

۵ کفار و مشرکین کو عزت اور ذلت دینے والا تصور کرتے ہیں۔

۶ کفار و مشرکین کی طاعت کے پیش نظر انہیں کے قانون کو قانون جانتے ہیں۔

۷ صر یہی نہیں کہ خدا کے قانون کو بے تکلف توڑ دیتے ہیں، بلکہ ان کا خیال یہ ہے کہ خدا اپنے قانون کو نافذ کرنے کی قوت بھی نہیں رکھتا۔''

یہ ہے مولانا مودودی کی طویل عبارت کا خلاصہ، جو 'تفہیمات' ص:۵۶،۵۷ پر ہے ۔اصل عبارت اصل کتاب میں دیکھنی چاہیے۔علامہ مدنی میاں لکھتے ہیں کہ:

''مسلم عوام آ کر اس مودودی آئینے میں اپنی تصویر دیکھیں اور پھر مودودی صاحب کے اس نتیجے پر غور کریں، جو انہوں نے مسلم عوام کے متعلق صحافیانہ لب و لہجے میں نکالا ہے کہ 'مسلم عوام نہ تو ایمان والے ہیں' نہ اسلام والے اور نہ ہی عبادت والے'۔ یہ اندازِ فکر تو ابن عبدالوہاب نجدی اور اسماعیل مقتول دہلوی کی یاد تازہ تازہ کرا دیتا ہے ،جن کے نزدیک اپنے چند افراد پر مشتمل مخصوص جماعت کے سوا ساری امتِ مسلمہ ہمیشہ آلودۂ شرک و کفر اور دائرۂ اسلام سے خارج رہی۔مودودی صاحب کی طرف سے مسلم عوام پر جرائم کی، جو دفعات نکالی گئی ہیں، وہ کچھ اس قدر بھیانک ہیں کہ اس کا مرتکب سب کچھ ہو سکتا ہے،لیکن مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مجھے حیرت ہے کہ ایک طرف مودودی صاحب جرائم نمبر ۱،۲،۳،۴،۵،۶،۷ کا انتساب مسلمانوں کی طرف کرتے ہیں۔دوسری طرف انہیں مسلمان بھی سمجھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان سے اسلامیت کی نفی بھی کرتے ہیں۔مودودی صاحب کا یہ وہ فلسفہ ہے،جس کو عقل انسانی سمجھنے سے قاصر ہے''۔

اس بحث کے اخیر میں علامہ مدنی میاں نے چار معارضات قائم کئے ہیں،جن کے جوابات آج تک مودودیت نوازوں پر قرض ہیں۔وہ معارضات وایرادات یہ ہیں:

۱ اپنی اس تحریر میں مسلم عوام کہہ کر آپ [مودودی] نے جن صفات کو بیان کیا ہے، وہ ان صفات کی موجودگی میں لفظ مسلم کا مصداق کیسے ہو

گئے؟۔

۲ اور جب وہ لفظ مسلم کے مصداق نہیں ہو سکتے، تو پھر ان جملہ خیالات کے باوجود انہیں مسلم عوام کے زمرے میں شامل کرنا، کیا اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتا ہے کہ ان خیالات کے ساتھ ساتھ بھی ایک انسان لفظ مسلم کا مصداق بن سکتا ہے؟۔

۳ اور جب یہ مسلمان ٹھہرے، پھر ان کی عبادتوں کا، جن کا اعتراف خود آپ [مودودی] کو بھی ہے، عبادت کہنے میں کیا تکلف ہے؟۔ کیا کوئی نص آپ کے سامنے ایسی ہے، جس کی بنیاد پر گنہگار کی عبادت، عبادت نہیں؟۔

۴ ان کی ذلت وخواری کے اسباب کی توضیح کے سلسلے میں بلا وجہ ان کی طرف باطل عقائد ونظریات بطور بہتان وافترا منسوب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟۔ جب صرف اعمال کی کوتاہیوں کو ذلت ورسوائی کا سبب قرار دینا کافی تھا''۔

اسی 'تفہیمات' ص: ۵۷، ۵۸ میں مولانا مودودی نے امت کے طبقۂ خواص صوفیا، مشائخ، علمائے محققین پر نہایت جسارت بھری اور بے جا نکتہ چینی کی ہے۔ اس دو صفحے کی عبارت کے علامہ مدنی میاں دو رخ متعین کئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

'خواص کی وہ صفات، جو مودودی صاحب کی تسلیم کردہ ہیں، ان کا ایک رخ یہ ہے:

۱ تسبیح ومصلی کے ساتھ حجرہ نشین ہیں۔
۲ نفل پر نفل پڑھتے جا رہے ہیں۔
۳ تسبیح کے دانوں کو گردش دے رہے ہیں۔
۴ ہو حق کے نعرے لگا رہے ہیں۔
۵ قرآن پڑھتے ہیں۔
۶ حدیث پڑھتے ہیں۔
۷ سیرتِ پاک اور اسوۂ صحابہ پر وعظ فرماتے ہیں۔

دوسرا رخ یہ ہے:

۱ قرآن پڑھتے ہیں۔مگر ثوابِ تلاوت کی خاطر۔

۲ حدیث پڑھتے ہیں۔مگر صرف حصولِ برکت کے لئے۔

۳ سیرتِ پاک اور اسوۂ صحابہ پر وعظ فرماتے ہیں، مگر قصہ گوئی کا لطف اٹھانے کے سوا کچھ مقصود نہیں''۔

مودودی کی مذکورہ عبارت کے ماحصل کو بیان کر کے علامہ مدنی میاں فرماتے ہیں:

''اس دوسرے رخ کے ہر حصے کو دو ٹکڑوں میں الگ کیا جا سکتا ہے ،جس میں ایک کی معرفت کا تعلق مشاہدے سے ہے اور دوسرے کی بنیاد محض وہم و خیال پر۔قرآن پڑھتے ہیں۔حدیث پڑھتے ہیں اور سیرت پاک اور اسوۂ صحابہ پر وعظ کہتے ہیں۔یہ وہ امور ہیں،جن کو مشاہدہ سے جانا جا سکتا ہے۔لیکن قرآن مجید کا ثوابِ تلاوت کی خاطر پڑھنا،حدیث شریف کا فقط تبرکاً مطالعہ کرنا اور صرف قصہ گوئی کا لطف اٹھانے کے لئے وعظ کہنا، ان امور کو مشاہدہ سے نہیں سمجھا جا سکتا۔اس لئے ان کا تعلق سراسر نیت اور ارادہ سے ہے۔تو اب اگر ان کا انتساب خواص امت کی طرف کیا جائے،تو وہم و خیال سے زیادہ اس کو کوئی مقام دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟۔مودودی صاحب کا ایک الزام ان خواص پر یہ بھی ہے کہ ان کو قرآن و حدیث میں اور سیرت پاک اور اسوۂ صحابہ میں دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کوئی سبق نہیں ملتا۔میں سوچ رہا ہوں کہ کیا مودودی صاحب ان سیرت پاک اور اسوۂ صحابہ پر پوری زندگی وعظ کہنے والوں کا کوئی ایسا وعظ پیش کر سکتے ہیں،جس میں نہ دعوت الی الخیر ہو؟،نہ امر بالمعروف اور نہ ہی نہی عن المنکر ہو؟؟۔اور اگر مودودی صاحب اس کو پیش کرنے سے قاصر ہیں،تو مجھے کہنے دیجیے کہ خواص امت پر مودودی صاحب کا یہ الزام ایک وہم باطل سے زیادہ کچھ نہیں۔ایک طرف حجرہ نشین بتانا ،دوسری طرف مسند رشد و ہدایت پر دِکھانا ،کیا اس بات کا اعتراف نہیں ہے کہ یہ حجرہ نشین،صرف حجرہ نشین ہی نہیں تھے، بلکہ منارۂ

ہدایت بھی تھے‘‘۔

اسی طرح کی تحقیقات نادرہ اور سوالات قاہرہ سے لبریز ہے۔ کامل استفادے کے لئے اصل کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہاں وہ خلاصہ، جو ماحصل کے طور پر شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں نے رقم کیا ہے، جی چاہتا ہے کہ اسے پیش کردوں۔ تحریر فرماتے ہیں:

’’خیر جب اس عنوان کو قائم ہی کر دیا ہے، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عبادت سے متعلق جتنی تحقیقات پیش کی جا چکی ہیں۔ مختصر لفظوں میں ان کا خلاصہ پیش کردوں۔

۱ از روئے اصطلاح شرع عبادت کا صرف ایک ہی معنی ہے اور وہ ہے پرستش، یعنی انتہائی درجے کی فروتنی۔ عمل کو قصد و ارادہ بلفظ دیگر عقیدہ، انتہائی درجے کی فروتنی تک پہنچا دیتا ہے۔

۲ عبادت کا استعمال اطاعت کے معنی میں مجازاً ہوا ہے۔

۳ بندگی و اطاعت، ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں۔

۴ یہ اصولاً غیر صحیح ہے کہ کسی کلام میں ایک لفظ عبادت سے ایک ہی وقت میں پرستش بھی مراد ہو اور اطاعت بھی۔

۵ عبادت از روئے اصطلاح شرع اطاعت و پرستش کے مابین مشترک نہیں۔ یہ نمبر ۵ دراصل نمبر کی مزید توضیح ہے۔

۶ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، یہ سب خود عبادات مقصودہ ہیں۔ کسی اور عبادت کے لئے از قسم تمرینات نہیں۔

۷ عبادت بہر صورت عبادت ہے، خواہ مسجد میں کی جائے، خواہ مدرسے میں، خواہ خانقاہوں میں کی جائے، خواہ میدان جنگ میں اور خواہ کسی اور جگہ، نکوکار کرے یا گنہگار کرے۔

۸ اضطراری و غیر اختیاری اعمال و افعال پر عبادت کا اطلاق صحیح نہیں۔ اسی لئے ایسے اعمال پر قرآن کریم میں کہیں لفظ عبادت کا اطلاق نہیں ملتا۔

۹ انبیا و اولیا کو با اختیار سمجھنا، ان سے استعانت کرنا، ان کی بندگی و غلامی کا طوق گردن میں ڈالنا، ان کو اپنا سفارشی سمجھنا، ان کی پناہ ڈھونڈنا، تکلیفوں اور مصیبتوں میں ان کو پکارنا، ان کو ذریعۂ تقربِ بارگاہِ الٰہی سمجھنا، ان میں سے کسی پر بھی عبادت کا اطلاق صحیح نہیں۔

۱۰ صوفیائے کرام کی عبادات کو اسلامی عبادات نہ کہنا اور اس کو جوگیانہ عبادات کہہ کر اس کی تضحیک و تنقیص کرنا شقاوتِ قلبی کی دلیل ہے اور سارے مومنین کے دلوں کو مجروح کرنا ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ پورے غیر منقسم ہندوستان میں ایک مذہبی ہیجان و اضطراب پیدا ہوا، اعتراض و احتجاج اور شدید تنقید و تعاقب کا نہ تھمنے والا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ مولانا مودودی کے ارکان و ممبران سے لے کر اعوان و انصار اور احباب و رفقا تک 'جماعت اسلامی' کی رکنیت و شمولیت اور اس کے امیر و قائد کی صحبت و سنگت سے ہٹنے اور کٹنے لگے۔ ہٹنے اور کٹنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ یہاں چند نام پیش ہیں، جن کو سب جانتے ہیں۔

مولانا منظور عالم نعمانی، جنہوں نے 'جماعت اسلامی' کے تاسیسی اجتماع میں کلمۂ شہادت کی تجدید کر کے رکنیت و شمولیت اختیار کی تھی۔ ایک پوری کتاب لکھ کر 'جماعت اسلامی' کی رکنیت و شمولیت سے اپنی برأت و بے زاری کا اعلان کر دیا۔ اس کتاب کا نام ہے 'مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت اور اب مرا موقف''۔ مولانا کوثر نیازی، مدیر ہفت روزہ 'شہاب' لاہور، جو پاکستانی پنجاب حلقے کے امیر و قیم بنائے گئے تھے۔ سترہ سال کی جاں گداز کارگزاریوں کے بعد پہلے تو اپنے معروضات پیش کیے۔ پھر یہی معروضہ نامہ ان کے استعفیٰ نامہ پر جا کر منتج ہوا۔ یہ تمام کچھ کچا چٹھا روز نامہ 'قومی آواز' لکھنؤ میں ۱۹۶۵ء ہی میں طشت از بام ہو چکا ہے۔ ماہنامہ 'الرسالہ دہلی' والے مولانا وحید الدین خان قریب پندرہ سال جماعت اسلامی کے سرگرم رکن رکین رہے۔ پھر انہوں نے ۳۴۴ رصفحات کی 'تعبیر کی غلطی' نامی کتاب لکھ کر 'جماعت اسلامی' کی رکنیت اور مولانا مودودی کی رفاقت و سنگت سے اپنی خفگی و ناراضگی کا اظہار کیا۔ واضح رہے کہ ۱۹۶۳ء میں مولانا وحید الدین خان نے ایک دو تین کہا۔ یہ اور بات ہے کہ تاڑ سے گرے اور کھجور پہ اٹکے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ مولانا مودودی کا سیاسی تشدد اور مولانا وحید الدین خان کا دعوتی تشدد ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔

بزعم خود 'پیام انسانیت' کے پیامبر اور ندویت نواز ادبا و دانشوران کے مفکرِ اسلام مولانا ابو الحسن علی ندوی نے نہایت طمطراق کے ساتھ ۱۹۳۹ء میں مولانا مودودی سے ملنے کے لئے لاہور کا سفر کیا۔ ۱۹۴۱ء میں نہایت سرگرمی سے مولانا ندوی نے مولانا مودودی کو لکھنؤ مدعو کیا۔ اسی سال مولانا ندوی نے 'جماعت اسلامی' کی بطیبِ خاطر رکنیت قبول کی اور لکھنؤ ایریا کے ذمہ دار قرار ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں مجلس عاملہ کی میٹنگ منعقدہ لاہور میں شرکت کی اور مولانا مودودی کے حق میں ووٹ دیا۔ اکتوبر ۱۹۴۲ء میں پھر مجلس عاملہ کی دوسری میٹنگ دہلی میں منعقد ہوئی، تو مولانا ندوی بہجت وانبساط کے ساتھ اس میں شریک ہوئے اور مولانا مودودی کے ساتھ علی گڈھ تک کا سفر کیا۔ تین سال کی طویل رفاقت وجاں نثاری اور جذب وکشش کے بعد ۱۹۴۳ء میں مولانا ندوی نے علاحدگی اختیار کر لی اور مولانا مودودی کے حوالے سے بقول مولانا سلیمان ندوی درج ذیل تاثر چھوڑا:

> ۱...... مولانا [مودودی] کے بارے میں جماعت کے افراد کے اندر غلو پیدا ہوتا جارہا ہے اور یہ تاثر عام ہو رہا ہے کہ انہوں [مولانا مودودی] نے ہی دین کو سمجھا ہے۔
>
> ۲...... ان [مولانا مودودی] میں تنقید کا عنصر بڑھتا جا رہا ہے۔ [یہ تو ۱۹۴۳ء کا حال تھا۔ ۱۹۷۹ء، جو ان کا سالِ وصال ہے، تک کیا کیا گل نہیں کھلایا ہوگا۔]
>
> ۳...... ان کے اندر دین کے ذوق وعمل کی کوئی ترقی، اصلاحِ نفس کا کوئی نمایاں جذبہ اور تعلق مع اللہ میں ترقی کی کوئی سنجیدہ کوشش نظر نہیں آتی''۔

ابو الحسن علی ندوی کے استاذِ تفسیر اور مرشدِ تربیت واجازت وخلافت مولانا احمد علی لاہوری کی نظر میں 'جماعتِ اسلامی' ایک متوازی اور نیا اسلام ہے۔ مولانا لاہوری نے لکھا ہے:

> ''برادرانِ اسلام! مودودی صاحب کی تحریک کو بہ نظرِ غور دیکھا جائے، تو ان کی کتابوں سے جو چیز ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ مودودی صاحب ایک نیا اسلام مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اور نیا اسلام لوگ تب ہی قبول کریں گے، جب پرانے اسلام کے در و دیوار منہدم کر کے دکھا

دیئے جائیں اور مسلمانوں کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ ساڑھے تیرہ سو سال کا اسلام، جو تم لئے پھرتے ہو، وہ نا قابل قبول اور نا قابل عمل ہو گیا ہے۔ اس لئے اس نئے اسلام کو مانو اور اسی پر عمل کرو، جو مودودی صاحب پیش کر رہے ہیں''۔

[حق پرست علما کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب، ص:۴، بحوالہ 'شیش محل' ص:۱۰]

ہفت روزہ 'چٹان' لاہور کے مدیر اور معروف ادیب وصحافی شورش کاشمیری کی پہلی رائے، لکھتے ہیں:

''مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، جو اسلامی نظام برپا کرنے کے سیاسی داعی ہیں، ان کے ساتھ ایک بھی دینی پیشوا نہیں۔ وہ اپنا چراغ تنہا جلانا چاہتے ہیں اور علما وائمہ ہیں کہ ان کے ساتھ ایک قدم بھی چلنے کو تیار نہیں۔ جو لوگ فہمِ دین کے معاملے میں ممتاز تھے اور ان کے ساتھ تھے، اب ایک ایک کر کے کٹ چکے ہیں۔ ہمیں اس میں گونا گوں خطرات نظر آرہے ہیں، جو خود مولانا [مودودی] کی دعوت کے حق میں مفید نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ مولانا [مودودی] کی سیاسی شخصیت اپنی دینی تنہائی کا غیر شعوری طور پر ان لوگوں سے انتقام لینے کی دھن میں اپنا وجود ہی کھو بیٹھے''۔

ڈیڑھ سال بعد شورش کاشمیری کی دوسری رائے یہ ہے۔ رقمطراز ہیں:

''مولانا مودودی یا ان کے متبعین نے اسلام کو اپنی میراث سمجھ رکھا ہے اور بزعمِ خویش اس وہم میں مبتلا ہیں کہ اسلام کو جس طرح وہ سمجھتے ہیں اور کوئی نہیں سمجھتا۔ گویا باقی سب کے لئے اسلامیت کے باب میں فہم ونظر کے دروازے بند ہو چکے ہیں''۔

اور اب دارالعلوم دیوبند کا فتوی، امیر 'جماعت اسلامی ہند' کا سوال اور دیوبندی جماعت کے صدر نشین مولانا حسین احمد مدنی کا جواب حسبِ ضرورت اقتباس ملاحظہ کیجیے۔ دارالعلوم دیوبند کے فتوے کی شہ سرخیاں یہ تھیں:

☆...... 'سہارن پور سے مودودی فتنہ کو مٹا دو'۔ ☆...... 'مودودی تحریک مہلک اور زہر قاتل ہے'۔ ☆...... 'مودودی کے ہم خیال گمراہ

ہیں‘۔☆......’مودودیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھو‘۔

ان عنوانات اور فتوی کو دیکھ کر امیر ’جماعت اسلامی ہند‘ مولانا ابواللیث ندوی تلملا اٹھے اور صدر دیوبند مولانا حسین احمد مدنی کو خط لکھا۔خط کا ضروری حصہ یہ ہے:

”......اس وقت فوری مسئلہ، جس پر میں گفتگو کی سخت ضرورت محسوس کرر ہا ہوں ،وہ دار العلوم دیوبند کا وہ فتوی ہے، جو ’سہارن پور سے مودودی فتنہ کو مٹادو‘ ’مودودی تحریک مہلک اور زہر قاتل ہے‘ ’مودودی کے ہم خیال گمراہ ہیں‘ ’مودودیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھو‘ کی موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔معلوم نہیں یہ فتوی آنجناب کی نگاہ سے گزرا ہے یا نہیں؟۔یہ فتوی قدرتی طور پر ان تمام لوگوں کے لئے انتہائی حد تک تکلیف دہ اور دل آزار ہے، جو ’تحریکِ اسلامی‘ کو حق سمجھ کر اس میں شریک ہوئے ہیں یا اس کو حق سمجھتے ہیں“۔

مولانا حسین احمد مدنی کے جواب کا درج ذیل پیراگراف دیکھیں اور مولانا مدنی کا واضح موقف کا اندازہ لگائیں۔لکھتے ہیں:

”محترم!میرا پہلے یہ خیال تھا کہ آپ کی ’تحریک اسلامی‘ مسلمانوں کی علمی اور عملی ،دنیاوی اور دینی کمزوریوں اور ان کے انتشارات دور کرنے اور مسلمانوں کو منظّم کرنے تک ہی محدود ہے۔اگر چہ طریقِ تنظیم میں اختلافِ رائے ہو۔اس لئے میں نے اس کے خلاف آواز اٹھانا یا تحریر کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔اگر چہ افرادِ جماعت اور قائدِ جماعت کی طرف سے بسا اوقات ناشائستہ کلمات،تقریر اور تحریر میں معلوم ہوئے۔مگر ان سب سے چشم پوشی کرنا ہی انسب معلوم ہوا۔مگر آج جب کہ میرے سامنے اطراف و جوانب ہندو پاکستان سے آنے والے مودودی صاحب کی تصانیف کے اقتباسات کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور پانی سر سے گزر گیا ہے۔تو ان کے دیکھنے اور سمجھنے سے میں مندرجہ ذیل نتیجے پر پہنچنے میں اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔

آپ کی ’تحریک اسلامی‘ خلافِ سلف صالحین مثل معتزلہ،خوارج،روافض وغیرہ فرقِ قدیمہ اور مثل قادیانی،چکڑالوی،مشرقی،نیچری،مہدوی،بہائی

وغیرہ فرقِ جدیدہ ایک نیا اسلام بنانا چاہتی ہے اور اسی کی طرف لوگوں کو کھینچ رہی ہے۔ اس لئے میں مناسب جانتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس تحریک سے علاحدہ رہنے اور مودودی صاحب کے لٹریچروں کے نہ دیکھنے کا مشورہ دوں''۔

'مکتوباتِ شیخ الاسلام' کے مرتب مولوی نجم الدین اصلاحی کا بیان، جو حاشیہ میں ہے، وہ بھی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔لکھا ہے:

''......مودودی تحریک، جو 'جماعت الاسلامی' کے نام سے ہند اور پاکستان میں چلائی جا رہی ہے۔ دیوبند، سہارن پور، دہلی، پھلواری شریف، خانقاہِ امدادیہ اعظم گڑھ، لکھنؤ، جون پور، مؤ، خانقاہِ رحمانیہ، کچھوچھہ شریف، سورت، ڈابھیل، بمبئی، کان پور، بنارس، دائرہ شاہ اجمل الہ آباد وغیرہ کے مفتی صاحبان اور معمر علما کی اکثریت اس جماعت کو مسلمانوں کے لئے مضر سمجھتی ہے اور جمیعۃ علما، تبلیغی جماعت، احرار، مسلم لیگ اور اہل حدیث، جماعتی حیثیت سے تحریک کے اندر مذہبی اور سیاسی گمراہیاں پا کر مسلمانون کو مشورہ دیتی ہیں کہ مسلمان اس جماعت سے کنارہ کش رہیں۔ دین کی سلامتی اسی میں ہے''۔

صدر دیوبند مولانا حسین احمد مدنی کی تحریر کا ایک اور تیکھا تیور ملاحظہ ہو۔لکھتے ہیں:

''اب تک ہم نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت نام نہاد 'جماعتِ اسلامی' کی اصولی غلطیوں کا ذکر کیا ہے، جو انتہائی درجے میں گمراہی ہیں۔اب ہم ان کی قرآن شریف اور احادیثِ صحیحہ کی کھلی ہوئی مخالفتوں کا ذکر کریں گے، جن سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ مودودی صاحب کا کتاب وسنت کا بار بار فرمانا محض ڈھونگ ہے۔ وہ نہ کتاب کو مانتے ہیں اور نہ سنت کو مانتے ہیں۔ بلکہ وہ خلافِ سلفِ صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں اور اسی پر لوگوں کو چلا کر دوزخ میں ڈھکیلنا چاہتے ہیں''۔

اور اب تمام تر حلقۂ دیوبند کے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا فرمانِ قہر سامان، جو

اس حلقے کے سب کے لئے 'مستند ہے ان کا فرمایا ہوا' کا درجہ رکھتا ہے، درج ہے۔لکھا ہے:

''میرا دل اس تحریک [جماعتِ اسلامی] کو قبول نہیں کرتا''۔

[۴۷] اشرف السوانح، جلد آخر، ص: ۲۴، بحوالہ شیش محل، ص: ۱۰

مراجع ومصادر:

[۱] کتاب نما دہلی کا خصوصی شمارہ، خواجہ حسن نظامی، مرتبہ نثار احمد فاروقی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء، ص: ۸۱، ۸۲

[۲] اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی، از علامہ سید محمد مدنی کچھوچھوی، طبع دوم، شیخ الاسلام اکیڈمی، بھاگل پور، ۱۹۹۶ء، ص: ۱۰

[۳] اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، طبع دوم، شیخ الاسلام اکیڈمی، بھاگل پور، ۱۹۹۶ء، ص: ۸۳

[۴] مقدمہ 'قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں' ص: ۱۰

[۵] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص: ۱۲

[۶] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، مقدمہ، ص: ۸، ۹

[۷] تنقیحات، ص: ۱۱۴

[۸] تنقیحات، ص: ۱۹۳

[۹] تفہیمات، ۲/۳۱۴

[۱۰] اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، ص: ۱۱ تا ۱۳

[۱۱] اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، ص: ۲۳

[۱۲] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص: ۱۳، ۱۴

[۱۳] اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، ص: ۲۸، ۲۹

[۱۴] بنیادی اصطلاحیں، ص: ۱۳

[۱۵] اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، ص: ۳۴، ۳۵

[۱۶] اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، ص: ۳۶، ۳۷

[۱۷] اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، ص: ۳۷

[۱۸] اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، ص: ۳۹، ۴۰، ۴۱

[۱۹]قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں،ص:۱۸
[۲۰]قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں،ص:۳۰

[۱۵]

[۲۱]اسلام کا تصور الہ اور مودودی صاحب،ص:۱۹۶
[۲۲]اسلام کا تصور الہ اور مودودی صاحب،ص:۱۹۸
[۲۳]قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں،ص:۸۲
[۲۴]اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب،ص:۱۴
[۲۵]اسلام کا نظریۂ عبادت،ص:۱۸،۱۹،۲۰
[۲۶]اسلام کا نظریۂ عبادت،حاشیہ،ص:۱۹،۲۰
[۲۷]اسلام کا نظریۂ عبادت،ص:۲۳،۲۴
[۲۸]اسلام کا نظریۂ عبادت،ص:۲۶
[۲۹]قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں،ص:۱۰۸
[۳۰]ایضا،ص:۱۰۹
[۳۱]اسلام کا نظریۂ عبادت،ص:۳۰،۳۱،۳۲
[۳۳]تفہیمات،۱/۵۳
[۳۳]اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب،ص:۷۴،۷۵
[۳۴]اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب،ص:۱۰۰،۱۰۱
[۳۵]اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب،ص:۱۰۱
[۳۶]اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب،ص:۱۰۴
[۳۷]اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب،ص:۱۱۰،۱۱۱
[۳۸]اسلام کا نظریۂ عبادت،ص:۲۱۸ تا ۲۲۰
[۳۹]سہ ماہی ’فکر اسلامی‘ مفکر اسلام نمبر،دار العلوم الاسلامیہ بستی،یوپی،جولائی ۲۰۰۰ء تا جون ۲۰۰۱ء،ص:۲۷
[۴۰]ہفت روزہ ’چٹان‘ لاہور ۲۳/جون ۱۹۶۳ء
[۴۱]ہفت روزہ ’چٹان‘ لاہور،۴/جنوری ۱۹۶۵ء

[۴۲] حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام، جلد۱ص:۳۵۶، بحوالہ جماعت اسلامی، از علامہ ارشد القادری

[۴۳] مکتوبات شیخ الاسلام، جلد دوم، ص: ۳۷۷، بحوالہ جماعت اسلامی، از علامہ ارشد القادری

[۴۴] حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام، جلد دوم، ص: ۳۰۷، بحوالہ جماعت اسلامی، از علامہ ارشد القادری

[۴۵] مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت، ص: ۴۶، بحوالہ شیش محل، ص: ۱۰، از علامہ مشتاق احمد نظامی

[۴۶] اشرف السوانح، جلد آخر، ص: ۲۴، بحوالہ شیش محل، ص: ۱۰، بحوالہ علامہ مشتاق احمد نظامی

نوٹ: مولانا مودودی کی کتب کے تمام حوالے علامہ مدنی میاں کی کتابوں میں درج ہیں۔ وہیں سے یہ نقل ہوئے ہیں۔

”دین اور اقامت دین“ پر ایک نظر

——سیف خالد اشرفی، بھاگل پور (بہار)

اردو کے صاحبِ طرز انشاء پرداز پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم نے کہا ہے کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ مغلوں نے ہندوستان کو کیا دیا؟——تو میں بے ساختہ کہوں گا ”اُردو اور تاج محل“——بالکل اسی لب و لہجے میں اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ غوث العالم محبوبِ یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی (قدس سرہٗ) نے دنیا کو کیا دیا؟——تو میں بلا جھجک کہہ دوں گا ”لطائفِ اشرفی اور سید عبدالرزاق نورالعین“——”لطائفِ اشرفی“ کی علمی حیثیت تصوف سے شغف رکھنے والے کسی طالب علم سے پوشیدہ نہیں۔ بقولِ محدثِ اعظم ہند قدس سرہٗ ”یہ کتاب اپنے ماقبل تصوف پر لکھی گئی ہر کتاب سے بے نیاز کرنے والی ہے اور اس کے بعد لکھی گئی، تصوف کی کسی کتاب کو اس سے بے نیازی نہیں“——جہاں تک جگر پارۂ غوث صمدانی، مخدوم الآفاق، سیدنا شیخ عبدالرزاق نورالعین قدس سرہٗ کا تعلق ہے، تو ان کی عظمت وعبقریت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ درسگاہِ مخدومی کے براہِ راست تربیت یافتہ، ان کے فیضِ صحبت سے آراستہ و پیراستہ، ان کی آنکھوں کے نور، ان کے خلیفۂ مطلق اور جانشینِ برحق ہیں۔

حضرت نورالعین کے بعد بشارتِ مخدومی کے مطابق تاریخ کے ہر دور میں آپ کی نسل سے علم وعمل میں آفتاب و ماہتاب کا درجہ رکھنے والی شخصیات عالمِ ظہور میں آتی رہیں، جنہوں نے ”مخدومی مشن“ کو عام کرنا اپنا مقصدِ حیات بنایا۔ اسلامی فکر ونظر کی خدمت کے لئے جہاں ان حضرات نے مختلف ذرائع کو استعمال کیا، وہیں اس راہ میں ”قلم کے کردار“ کی اہمیت سے بھی غافل نہیں رہے۔ چنانچہ مختلف موضوعات پر معلوماتی کتابوں کا ایک معتد بہ ذخیرہ ان کے کتاب خانوں کی زینت بنا ہوا ہے، جو ایک طرف معارف کا بیش بہا خزانہ ہیں تو دوسری طرف ادب کے نادِر شہ پارے بھی۔

چودھویں صدی کی ابتدا میں نسلِ نورالعین قدس سرہ میں ایک شخصیت نے اس دنیائے

آب و گل میں قدم رکھا جسے دنیا نے بعد کے دور میں محدثِ اعظم ہند کے لقب سے جانا۔ حضرت سید محمد محدثِ اعظم ہند خانوادۂ اشرفیہ کی وہ شخصیت ہیں جس پر اس خاندانِ عالیشان کے اکابر نے ناز کیا اور تا قیامت یہ خاندانِ سراپا فیضان اپنے اس سپوت پر ناز کرتا رہے گا۔ علم و عقل میں جہاں وہ اپنے دور کے رازی و غزالی تھے وہیں طریقت و معرفت میں اپنے اسلاف کی زندہ یادگار۔ مسند تدریس و افتاء کے شیخ الحدیث و مفتی تو کرسیٔ خطابت کے امیر، میدانِ تحقیق کے شہسوار تو مملکتِ قلم کے بادشاہ اور صاحب طرز ادیب و انشاء پرداز۔ مترجم قرآن و مفسر محدث و شارحِ حدیث، فقیہہ، متکلم مناظر برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے علماء کی کانفرنس کے صدر مجلس استقبالی، سوادِ اعظم اہلسنت کے قائد بے مثال، صاحبِ جاہ و جلال، علماء اہلسنت کے متفقہ حکم۔ الغرض علم و فضل، تدبر و فراست، تقویٰ و حسن اخلاق اور بے شمار ظاہری و معنوی محاسن میں نادرِ روزگار تھے۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ دین و سنیت کے لئے وقف کر دیا۔ برصغیر کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے گوشے گوشے میں پہونچ کر اشرفی برکات و معارف کے خزانے لٹائے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی اسی نادرِ روزگار اور عبقری شخصیت کے فرزندار جمنداور پروردہ ہیں۔ عمر کے ۲۴ رسال تک شیخ الاسلام کو اپنے والد بزرگوار حضرت محدثِ اعظم ہند کی حیاتِ ظاہری سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا۔ اور اس مؤرِ دِرَوِی اور چشمۂ صافی سے ربع صدی تک نہال ہوتے رہے۔ درسِ نظامی کی تکمیل آپ نے دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور کے قابل ترین اساتذہ سے بکمال جانفشانی کی۔ منقولات و معقولات کی کوئی اہم کتاب نہیں جسے آپ نے اپنے اساتذہ سے نہیں پڑھی۔ فن کی بعض اہم کتابیں آپ نے رمضان المبارک کی چھٹیوں میں جونپور حاضر ہو کر وقت کے نامور مدرس اور جید عالم دین شمس العلماء حضرت علامہ شمس الدین جونپوری (تلمیذ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ) سے پڑھیں۔

دورِ طالب علمی ہی میں آپ نے وقت کی قیمت کا ادراک کیا اور اس کی قدر کی چنانچہ کوئی لمحہ آپ کا ضائع گیا ہو ایسی نوبت ہی نہیں آئی۔ آپ کی طالب علمی کا زمانہ کس قدر محنت و مشقت اور جانفشانی سے پُر تھا۔ اس کا بخوبی اندازہ حضور شیخ الاسلام کے اس مختصر اور جامع لفظ سے ہو جائے گا۔

میں جب دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں بحیثیت طالب علم داخل ہوا تھا۔
میں نے اپنے نفس کو یہ باور کرایا کہ مجھ سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہے۔ جس

کی پاداش میں مجھے جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ اور ایک قیدی کا دنیا کی نعمتوں سے کیا سروکار۔

حضور شیخ الاسلام نے خود کو حصولِ علم کے جذبے اور Commitment کا قیدی سمجھا اور اس راہ میں آنے والی دشواریوں کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا۔ اور جب مدرسے کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو اسی وقت آپ ایک جید عالم دین تھے، شریعتِ اسلامیہ کے مصادر و مراجع کے فہم پر آپ کو قدرت حاصل تھی۔

تین باتیں جس انسان کے اندر پائی جائیں گی اس کے عبقریٔ وقت ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہوسکتا۔ (۱): ذہانت (۲): محنت (۳): اور ذوق مطالعہ۔

حضرت شیخ الاسلام ان خوش نصیبوں میں ہیں جنہیں مذکورہ ہر سہ وہبی و کسبی اوصاف و خصوصیات سے وافر حصہ ملا ہے۔ آپ کی ذہانت وقوتِ حافظہ کا کیا کہنا۔ آپ کی رگوں میں محدثِ اعظم ہند جیسے خیرالاذکیا کا خون گردش کررہا ہے۔ فطری ذہانت میں آپ کی انفرادیت کا چرچا ہر زبان پر ہے۔ اسی ذہانت کے بطن سے طباعی جنم لیتی ہے۔ پھر نکتہ آفرینی کے گل بوٹے کھلتے ہیں اور دماغ کو معطر اور قلب کو مسحور کرتے ہیں۔

جہاں تک محنت وجدوجہد اور حصولِ علم میں ذہنی ارتکاز Concentration کا تعلق ہے تو اس خصوص میں حضرت شیخ الاسلام کی ذات ایک مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ کل پڑھے جانے والے سبق کا مطالعہ اور آج جو سبق پڑھا گیا اسے ذہن میں محفوظ کرنا بلکہ اس پر عبور حاصل کرنا، اگر کچھ وقت بچا تو مشقِ سخن کے لئے وقف کردینا، دورِ طالب علمی کے، آپ کے جملہ اوقات انہیں دو کام میں منحصر رہے۔ گپ شپ کے شوقین طلبہ کی مجالست سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ نے یہ ترکیب نکالی کہ اپنے کمرے کے دروازے پر ایک پیپر چپکا دیا یا لٹکا دیا تھا جس میں بعد فجر سے لے کر ۱۱ ربجے رات تک کے معمولات کی تفصیل درج تھی۔ عصر و مغرب کے وقفے کے سوا اس کاغذ کے اندر آپ کے اوقات کا کوئی حصہ کسی کو کبھی خالی نظر آیا ہی نہیں۔ تنہائی اور یکسوئی کو متاثر کرنے والی کوئی بات پیدا ہی نہیں ہوئی۔ نصابی کتب کے اندر انہماک وارتکاز کی انتہا یہ ہے کہ آپ نے طلبہ کی ہفتہ واری جلسۂ مشقِ تقریر میں کبھی حصہ نہیں لیا۔

طالب علمی کے زمانے میں اور شغل تدریس کے دوران انسان مطالعہ عام طور پر مسرور ہوکر نہیں بلکہ مجبور ہوکر کرتا ہے۔ حضور شیخ الاسلام تعلیم سے فراغت کے بعد کبھی تدریس کے شغل

سے وابستہ نہیں رہے۔تاہم مطالعے کا شوق جو عہد طالب علمی میں تھا۔ بعد کے زمانے میں بھی اس کے اندر کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اضافہ ہی ہوا۔اور مطالعۂ کتب کے ضمن میں موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔مطالعۂ کتب کا اعلیٰ درجہ کا ذوق رکھنے والی شخصیتوں میں صفِ اول میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

الحاصل: فطری ذہانت وذکاوت کے ساتھ ساتھ سخت محنت واستقامت اور مطالعے کے تسلسل نے اور سب سے بڑھ کر فضل ربی اور اسلاف واجداد رحمہم اللہ کی روحانی سایہ گستری نے آپ کو اپنے زمانے کا جید عالمِ دین، عبقری اور رئیس المحققین بنایا۔

اب آپ مودودی صاحب کا دینی تعلیمی پسِ منظر ملاحظہ فرمائیے۔حقیقت یہ ہے کہ ان کا کوئی تعلیمی پسِ منظر ہے ہی نہیں۔جامعہ نظامیہ یا حیدرآباد کے کسی مدرسے میں مولوی کی جماعت میں پڑھ رہے تھے کہ سلسلہ منقطع کرلیا۔روایت ہے کہ ان کے اساتذہ میں سے حیدرآباد کے کسی عالم نے اپنی فراستِ مومنانہ سے ان کے مستقبل کو بھانپ لیا تھا جس کا انہوں نے اظہار بھی کیا کہ یہ شخص آنے والے زمانے میں مجسم فتنہ بن جائے گا۔مودودی صاحب کے ذوقِ مطالعہ اور ذہانت کا ہم انکار نہیں کرتے۔اور کسی دانشور کے لئے اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ کسی بھی فن کی اگر بنیاد کمزور ہو تو اس فن کا مطالعہ اور ذہانت کا استعمال، خصوصاً اس فن کے ماہرین کو ''آنکھیں دکھا کر''، نتیجۂ معکوس ہی لے کر آئے گا۔صحیح معنی اور مفہوم کچھ ہے اور وہ سمجھے گا کچھ۔ حامد کی ٹوپی محمود کے سر رکھے گا۔اس کے ذاتی افکار ونظریات نصوص کا درجہ حاصل کریں گے۔

اس تمہید کے بعد میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔حضرت شیخ الاسلام اور مودودی صاحب ہر دو حضرات کا تعلیمی پس منظر بیان کرنے کا مقصود صرف یہ ہے کہ دنیا اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ لے اور دیدۂ دل وا کر کے محسوس کرلے کہ دینی موضوعات پر خامہ فرسائی خصوصاً قرآنی الفاظ کے معنی کا بیان اور ان کی شرح وتوضیح، نیز قرآن کی تفسیر لکھنے کی جرأت کرنے کی اہلیت مذکورہ بالا دو شخصیات میں کس کے اندر ہے۔حضرت شیخ الاسلام اس نازک اور مہتم بالشان کام کے اہل ہیں یا مودودی صاحب—— پھر اپنے ضمیر کی آوز سننے کے لئے دل کی کان کو کھلا رکھئے۔اگر مودودی صاحب اس کام کی اہلیت کے حامل ہیں تو پھر تمام انگریزی کے ماہرین بلکہ سارے انگریزی داں بھی میڈیکل اور قانون وغیرہ کی کتابوں کی تشریح وتوضیح کے لئے درکار اہلیت کے حامل ہیں اور انہیں قانون وطب وغیرہ موضوعات پر خامہ فرسائی کی اجازت ہونی

چاہیے۔ کیا ایک عاقل اور عاقبت اندیش ایسے شخص کو اس کام کی اجازت دینے کو تیار ہوسکتا ہے۔ اگر نہیں اور ہرگز نہیں، بلکہ عقلاء اس قسم کی جرأت کو ''جرأتِ رندانہ'' سے تعبیر کرتے ہیں تو اس حق بات کا بھی برملا اظہار کیجئے کہ مودودی صاحب جیسا تعلیمی پس منظر رکھنے والا شخص قرآنی الفاظ کی شرح وتوضیح اور کلامِ الٰہی کی تفسیر کرنے کا اہل نہیں ہوسکتا۔ نا اہل ہے incompetent ہے۔

اس وقت میرے سامنے حضرت شیخ الاسلام کی تصنیف کردہ ایک کتاب ''دین اور اقامتِ دین'' ہے۔ جس پر ایک مختصر تبصرے کی غرض سے قلم کو ہاتھ میں لے کر بیٹھا ہوں۔ یہ کتاب مودودیات پر سنجیدہ اور عالمانہ تنقیدی سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ اس سلسلے کی دو کتابیں ''اسلام کا تصّور الٰہ اور مودودی صاحب''، ''اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب'' بھی حضرت کے قلم معارف رقم سے نکل چکی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب کی تالیف وترتیب اور اشاعت کے ساتھ وہ قلمی کاوش اپنی انتہا کو پہونچ گئی ہے جس کا آغاز ''اسلام کا تصّور الٰہ'' سے ہوا تھا اور جس سلسلے کی دوسری کڑی ''اسلام کا نظریۂ عبادت '' ہے۔ گویا ''دین اور اقامتِ دین'' مودودی صاحب کی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' کی تلبیسی تحریر کے جواب کی آخری قسط ہے۔

''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' جن حضرات کی نظر سے بھی گزری ہے، ان پر مخفی نہیں ہوگا کہ مودودی صاحب نے اس کتاب کے اندر لفظ'' الٰہ '' ''رب'' ''عبادت'' اور ''دین'' کے مفہوم ومعنٰی کی تعیین کی کوشش کی تھی۔ جہاں تک'' الٰہ ''اور''عبادت'' کا تعلق ہے، قرآن کی ان دو بنیادی اصطلاحوں کی تشریح وتوضیح میں ''مودودی قلم'' نے جہاں جہاں ٹھوکریں کھائی ہیں، ان کی مکمل نشاندہی اور ان اصطلاحوں کا صحیح اسلامی مفہوم مستند تفاسیر اور معتمد لغات کی روشنی میں ''اسلام کا تصّور الٰہ'' اور'' اسلام کا نظریۂ عبادت'' کے اندر موجود ہے۔ ''تصور الٰہ'' کی اشاعت نے علمی حلقوں میں اپنا کیا رنگِ اعتبار جمایا۔ وہ ''نظریۂ عبادت'' کے افتتاحیہ میں منقول بعض تراشوں سے بخوبی واضح ہے۔

> ''جماعتِ اسلامی کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ایک خاص نہج سے دین اور متعلقہ امور کو سمجھانے میں مقبول بھی ہوئے ہیں اور مطعون بھی ....مودودی صاحب کی جہاں کہیں گرفت کی گئی ہے، دینی تعبیر کی

غلطیاں ہی کہہ کر کی گئی ہے۔ دین کی تعبیر کی اہم ذمہ داری قبول کر لینے والے پر اپنے مقصد سے لگن اور اپنی صداقت اور بے لوثی کی گواہی کے لئے دوسرے درجے کے مسائل سے جس درجے میں بے تعلقی اور دامن کشی لازم ہوا کرتی ہے، مودودی صاحب نے اس کا لحاظ نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ان کی تعبیریں ایک نیک نیت کے معصوم طرزِ فکر کے بجائے چوٹ اور کبھی کبھی دل آزاری بن کر بعض حلقوں میں پہنچیں جس کا ویسا ہی دل آزار اور ضاربانہ ردِّعمل ہونا بالکل فطری ہے۔

زیرِ نظر کتاب جس کے مصنف فاضل علوم اسلامیہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی ہیں اس ردِّعمل کا واضح ثبوت ہے۔

دین تمام تر منقولی ہے، اسے عقل کی کسوٹی پر کسنا گناہ نہیں لیکن اس عقلی پرکھ کو حق و ناحق کا واحد معیار بنالینا بلا شبہہ گمراہی ہے۔ کوئی بھی عقلی تعبیر اس سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی کہ وہ ایک انسانی ذہن کی اپج ہے، نہ وہ وحی ہے اور نہ حدیث۔ عقلی تعبیریں دین کا مدار نہیں بن سکتیں۔

کسی معقولی کی اس طرح کی کوششوں کو بشرطیکہ وہ منقولات سے متصادم نہ ہوں، ایک مستحسن کوشش کہا جاسکتا ہے اور بس۔ جب کوئی عقل زدہ فرد یا گروہ اسے عقیدہ کی طرح منوانے کی کوشش کرتا ہے یا نہ ماننے والے کے دین کو ناقص قرار دینے کی جرأت کرتا ہے تو وہ نہ صرف اپنی حد سے بڑھنے کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ دوسروں کو چھیڑ کر بیٹھے بٹھائے اپنے کو مبتلائے آفات بھی کر لیتا ہے اور نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے کہ مامونی عقل پرستی کو حنبلی صداقت پرستی کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب (اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب) بھی عقلیات اور منقولات کے درمیان کشاکش کی ایک مثال ہے۔

روزنامہ قومی آواز لکھنو-۲ر جولائی ۱۹۶۷ء

فاضل جلیل حضرت مولانا سید محمد مدنی صاحب اشرفی جیلانی نے زیرِ نظر کتاب (اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب) میں مولانا مودودی کی

تالیف ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' کی ''الٰہ'' سے متعلق بحث پر تنقید فرمائی ہے اور حق یہ ہے کہ تنقید کا حق ادا کر دیا ہے۔ موصوف نے اپنے مدعا کے اثبات میں لغات اور تفاسیر واحادیث کی مستند شہادتوں کا انبار جمع کر دیا ہے۔ زبان نہایت شگفتہ اور طرزِ استدلال نئے ذہن کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔

ماہنامہ جامِ نور، کلکتہ- مئی ۱۹۶۷ء

مذکورۃ الصدر دونوں کتابیں بالترتیب ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئیں۔ مودودی صاحب ان کتب کی اشاعت کے بعد دس برس تک زندہ رہے۔ کتابیں رجسٹرڈ ڈاک سے ان کی خدمت میں ارسال کی گئیں اور جواب کا مطالبہ کیا گیا، مگر ان کی طرف سے سکوتِ مسلسل کے سوا کسی سرگرمی کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ اور نہ کسی مودودی نواز نے ان کی حمایت میں قلم اٹھانے کی جرأت کی۔ البتہ ایک صاحب جن کی عمر کا ایک بڑا حصّہ بارگاہِ مودودیت میں دن کی روشنی میں سجود نیاز لٹانے میں صرف ہوا ہے جو عامر عثمانی صاحب ایڈیٹر ''تجلی دیوبند'' سے مشہور تھے۔ انہوں نے قلم کو حرکت دی اور غالبًا ''اسلام کا نظریۂ عبادت'' پر یہ مختصر، جامع اور مبنی برحقیقت تبصرہ قلمبند فرمایا۔ ''اس کتاب کو سب خرید کر جلا دینے میں ہی مودودیت کا فائدہ ہے۔'' دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی بقاء اور مارکیٹ میں اس کا موجود رہنا مودودیت کے لئے زہرِ ہلاہل سے کم نہیں ہے۔ یہ اعتراف جہاں **الفصل مَا شهدت به الاعداء** کی زندہ مثال ہے وہیں مودودی فکری سرمایے کی بے مائیگی کا اس کے ایک معتمد وکیل کی جانب سے اعتراف واقرار بھی۔ حیرت ہے کہ عثمانی صاحب جیسے پختہ کار صحافی، دانشور اور نقاد ایک ایسے انسان کو قبلہ وکعبہ بنا کر پوری عمر سجودِ نیاز لٹاتے رہے جس کے فکر واعتقاد کی عمارت مثلِ تارِ عنکبوت ہونے کا دوسروں سے زیادہ خود انہیں عرفان حاصل ہے۔

''دین اور اقامتِ دین'' کی ترتیب وتالیف کا محرّک مودودی صاحب کی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' کا وہ حصہ ہے۔ جہاں وہ لفظ ''دین'' سے بحث کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

لفظ ''دین'' کے مفہوم ومراد کی تشریح وتوضیح کے سلسلہ میں مودودی صاحب نے اس کتاب میں حسبِ ذیل عنوانات قائم کیا ہے۔ (۱) لغوی تحقیق (۲) قرآن میں لفظ دین کا

استعمال (۳) دین ایک جامع اصطلاح ۔۔لغوی تحقیق کے ضمن میں تو انہوں نے اپنا مرجع و ماخذ ارباب لغت کو بنایا ہے۔لیکن جب وہ آگے بڑھتے ہیں اور قرآن میں لفظ ''دین'' کے استعمال کا مرحلہ آتا ہے، اب اس لفظ کی ''الٰہی مراد ''متعین کرنے کے سلسلے میں کسی کو مرجع و ماخذ بنانے کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ قرآنی آیات میں استعمال شدہ لفظ ''دین'' کے معنی کی تعیین میں تفسیر کے حوالے کی ان کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔آیات کا مفہوم بیان کرنے میں تفاسیر کو درخور اعتناء نہ سمجھنے والا انسان قرآن کی ترجمانی کرے گا یا اپنی ''میں '' کی ؟اس سوال کا جواب مودودی نواز حضرات یہ ذہن میں رکھتے ہوئے عنایت فرمائیں کہ ہر انسان کو خواہی نہ خواہی بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونا ہے۔

فاضل مصنّف نے بھی مذکورہ بالا عنوانات قائم کر کے ان کے متعلقات پر تفصیلی بحث کی ہے۔ان عنوانات کے تحت مودودی صاحب جہاں چند صفحات تک محدود رہ گئے ہیں، حضرت مصنّف نے تمام ضروری گوشوں کا احاطہ کیا ہے۔اور مسائل کی تحقیق میں کتاب وسنت کے علاوہ درجنوں کتب معتبرہ کے حوالہ جات کا انبار لگا دیا ہے۔اور موضوع کا ہر گوشہ دلائل و براہین سے مضبوط اور آراستہ ہو کر بصارت و بصیرت کو بالیدگی عطا کرنے کا سبب بن گیا ہے۔ساتھ ہی فصاحتِ زبان اور حسنِ اسلوب کے پردے میں ''مودودی قیاس آرائیاں'' مکمل طور پر بے نقاب ہو گئی ہیں۔

مذکورہ بالا عنوانات کے علاوہ ہمیں کئی اہم ذیلی عنوانات بھی نظر آتے ہیں جیسے ''دین اور جزاء میں نازک فرق''، ''قرآن فہمی کے لئے چار ضروری امور''، ''انصاف پسند مفسر کا فرض''، ''کیا قرآن کی ترجمانی ممکن ہے؟''، ''مودودی صاحب کی تشریحات کا تحقیقی تجزیہ''۔اقامتِ دین والا حصہ سوا سو صفحات پر مشتمل ہے۔اس کے تحت بھی کئی عنوانات ہیں۔''ایک غلط فہمی کا ازالہ''، ''ایک سطحی اور خطرناک روش''، ''مودودی صاحب کی فکری کجروی''، ''ایک مغالطہ اور اس کی اصل وجہ''، ''قرآن مجید کو آنکھ کھول کر پڑھئے''۔

اس سلسلے کی سابقہ کتب کی طرح یہ کتاب بھی انتہائی محنت اور دیدہ ریزی کے ساتھ ترتیب دی گئی ہے۔کتاب کے اندر پیش کردہ اعلیٰ معیارِ تحقیق، شرح و توضیح کا اچھوتا اور دل پذیر انداز اور مطمئن کر دینے والے طریقِ استدلال سے جہاں حضرت مصنف کے تبحرِ علم، اسلامی علوم کے مختلف شعبوں پر وسیع و عمیق نظر اور سلف سے کامل طور پر علمی و اعتقادی وابستگی کا پتہ چلتا ہے وہیں

مودودی صاحب کی اصل حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے۔اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ سلفِ صالحین اور ائمۂ مجتہدین پر بے محابا تنقید کرنے والا انسان خود علمی اعتبار سے کتنا کوتاہ قد ہے۔نہ علم حدیث میں بصیرت کا حامل ہے نہ قرآن فہمی کے لئے درکار صلاحیتوں سے آراستہ ہے اور علم اصول حدیث واصولِ فقہ، بدیع وبیان وغیرہ سے تو دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''دین اور اقامتِ دین'' دو حصے پر مشتمل ہے۔(۱) دین (۲) اقامتِ دین—— ''دین'' والا حصہ ص ۸ر سے شروع ہو کر ص ۱۷۸ر پر ختم ہوتا ہے۔''اقامتِ دین'' والا حصہ ص ۱۷۹ر سے لے کر ۲۹۸ر صفحہ تک ہے۔اخیر میں ''مودودی صاحب اپنے آئینے میں'' کی سرخی قائم کر کے حضرتِ مصنف نے مودودی صاحب کے سامنے خود ان کا اپنا آئینہ رکھ دیا ہے۔اس سے ہر صاحبِ نظر پر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ آخر کیا سبب ہے کہ مودودی صاحب نے دین کے مسلمات ویقینیات اور ائمۂ دین کے ارشادات پر پے در پے حملے کرنا اپنی عادت بنا لی ہے۔

''دین'' والے حصے سے کتاب شروع فرمائی ہے اور سب سے پہلے اس لفظ کی لغوی تحقیق سے اپنے اشہبِ قلم کو میدانِ تحقیق میں دوڑایا ہے۔

مصباح اللغات، صراح، قاموس، اقرب الموارد، نہایہ ابن اثیر، منتہی الارب، مفرداتِ امام راغب، مجمع البحار، الاتقان اردو، بیضاوی، جلالین شریف، مدارک، تفسیر کبیر، الحواشی الجدیدہ علی البیضاوی، التعریفات وغیرہ کتب لغات وتفسیر سے لفظ ''دین'' کی لغوی تحقیق اور اس لفظ کے مشتقات کے استعمال کی چند مثالیں پیش کرنے کے بعد طحاوی شرح معانی الآثار سے نقل کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی حضرتِ مصنفِ علام نے لایا ہے جو ایک مصرعے کی شکل میں حضرت اعشی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بارگاہ رسالت میں ایک معروضہ ہے۔

''يَا مَالِكَ النَّاسِ وَدَيَّانَ الْعَرَبِ'' اے تمام انسانوں کے مالک اور عرب کے جزا وسزا دینے والے۔

لفظ دَيَّانُ کا ترجمہ حضرتِ مصنف نے ''جزا وسزا دینے والے۔'' کیا ہے۔حضرتِ مصنف کا دعویٰ ہے کہ یہ ترجمہ متکلم کی منشا کے مطابق ہے۔اپنے دعویٰ کے ثبوت میں معرکۃ الآراء بحث کرتے ہوئے جو عالمانہ گفتگو کی ہے اس کا مطالعہ جہاں حضرتِ مصنف کی وسعت نظر، فکری گہرائی اور نصوص کے فہم میں اعلی مقامی پر شاہدِ عدل ہے وہیں مضمون کے لفظ لفظ سے ہر مومن،

عاشقِ رسول کا دل باغ باغ اور دماغ روشن ہوجاتا ہے۔آپ بھی دیکھیں۔

''اس کلام میں ''دیَّان'' کا جو ترجمہ میں نے کیا ہے وہ میرے خیال میں متکلم کی منشا کے مطابق ہے۔اس لئے کہ جو شاعر اپنے ممدوح کو **مالک الناس** تمام انسانوں کا مالک'' سمجھ رہا ہو اور کہہ رہا ہو وہ یقیناً **دَیَّان** کو اسی مفہوم میں استعمال کرے گا جو تمام انسانوں کے مالک کی شان کے لائق ہو اور اس کو زیب دے ...... قاضی سے وہ مفہوم ادا نہیں ہو رہا ہے جس کیلئے لفظ **دَیَّان** کو اختیار کیا گیا ہے، بالخصوص ہمارے ملک کے ماحول وسوسائٹی میں جہاں ایسوں کو بھی قاضی بلکہ قاضی القضاۃ کہا جانے لگا ہے جنہیں نکاح خوانی اور نماز جنازہ پڑھانے کے سوا کچھ نہیں آتا..... کسی کے کلام کا ترجمہ کرتے وقت مترجم کے لئے ضروری ہے کہ پہلے متکلم کی اصل منشا کو اسی کے کلام کی روشنی میں سمجھے۔اور پھر اس کو ایسے الفاظ میں ظاہر کرے جو اس کی منشا کی صحیح اور بے داغ ترجمانی کرسکیں منشا و مراد کو ظاہر کرنے میں ایسے لفظوں کے استعمال سے احتراز کرے جو عرف عام کی ستم ظریفیوں کا شکار ہوچکے ہیں ۔جس طرح ہمارے عرف میں لفظ مہتر اور حلال خور اپنی مظلومیت پر اشکبار ہیں ۔لغت میں ان دونوں لفظوں کے معانی کتنے شاندار اور عظیم المرتبہ ہیں مگر کہہ تو دیجئے کسی شاندار و عظیم المرتبہ کو مہتر یا حلال خور، پھر دیکھئے کہ ہر طرف سے آپ کی کیا تواضع ہوتی ہے۔آپ کی الماریوں کی ساری کتب آپ کو عرف عام کے عتاب سے نہ بچاسکیں گی۔دیکھا آپ نے یہ ہے بابِ اطلاقات میں عرف عام کی دسترس اور اس کی نادرشاہی....... ایسی صورت میں عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ ذاتِ مقدس جس کو ''تشریعی اختیارات'' حاصل ہوں اور جس کو **مالک الناس** کہا جارہا ہو اس کو قاضی کہہ کر اس کی شخصیت کے کسی گوشے کی بھی پوری تصویر کشی نہیں کی جاسکتی۔(دین اور اقامتِ دین ص۱۴)

نہایہ ابن اثیر اور اس سے نقل کر کے مجمع البحار میں **مالک الناس** کا لفظ ہے۔مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' میں یہ مصرعہ مجمع البحار ہی سے لیا ہے اور

امام طحاوی کی **مالک الناس** والی عبارت لینے سے گریز کیا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کی نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو **مالک الناس** کہتے ہوئے مودودی صاحب کی توحید کے ماتھے پر شکن پڑ رہا تھا لیکن حضرت مصنف علام نے ثابت کر دیا ہے کہ **مالک الناس** اور **سید الناس** میں نتیجۃً کوئی فرق نہیں اور فرار کے تمام راستے بند کر دیے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

''**مالک الناس** و**سید الناس**۔ نتیجۃً ان دونوں میں کوئی فرق نہیں اس لئے کہ ظاہر ہے کہ جو سارے انسانوں کا مالک ہوگا وہ بالیقین تمام انسانوں کا سلطان و سردار ہوگا۔ یوں ہی جو سارے انسانوں کا سلطان و سردار ہوگا وہ یقیناً تمام انسانوں کا مالک ہوگا۔ لہٰذا میری مذکورہ بالا گفتگو پر ان دونوں روایتوں کا یہ ہلکا سا فرق اثرانداز نہیں ہوتا..... **مالک الناس** والی روایت میں رسول کی ملکیت بالکل واضح ہے، اتنی وضاحت **سید الناس** والی روایت میں نہیں..... نبی ایسا سردار ہے جو انسانوں کے جسم و جان کا بھی مالک ہے۔ قرآن و حدیث اس پر شاہد عدل ہیں...... یہ بات ان سرداروں کو حاصل نہیں جو غیرِ نبی ہیں۔'' (ایضاً ص ۱۵، ۱۸ ملتقطاً)

اس کے بعد حدیث **یمرقون من الدین** دین سے نکل جائیں گے تیر کے شکار سے نکل جانے کی طرح، جو حدیثِ خوارج سے مشہور ہے، پر حدیث و شروح احادیث کی روشنی میں بحث کرتے ہوئے مکمل ۱۳ رصفحات تک تحقیق کے موتی لٹانے کے بعد اپنی تحقیق کے ترکش سے ''طنزِ ملیح'' کا ایک تیر چھوڑتے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ مودودی صاحب اس تیر کا زخم کھا کر ایک ''نفسیاتی الجھن'' کے احساس سے دوچار ہوئے ہوں گے۔ اور یہ فیصلہ نہیں کر پا رہے ہوں گے کہ اس تیر کے زخم پر مسکراؤں یا روؤں۔

''اس بحث کے آخر میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ مودودی صاحب نے ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' ص ۱۳۴ کے حاشیے پر حضرتِ علی کے ارشاد کو بنیاد و معیار بنا کر **یمرقون من الدین** میں '' دین'' کا معنی طاعت قرار دیا ہے جب کہ اس کے دوسرے معانی کے بھی امکانات تھے۔ یہ تو حدیث فہمی میں حضرتِ علی کو معیارِ حق بنا لینا ہوا جس

سے ہمارا دل تو باغ باغ ہوگیا مگر مودودی صاحب کی جماعت کے دستور کی دفعہ ۶ رشدید طور پر مجروح ہوگئی۔'' (ایضاً ص ۳۱)

یہ حدیث، حدیثِ خوارج کے نام سے مشہور ہوئی۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نام نہیں دیا۔ بلکہ ان روایات میں جو کچھ ہے، ان سے غیب داں نبی کا مقصود ان حقائق کا اظہار تھا جو نگاہِ نبوت دیکھ رہی تھی۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔

''اس مقام پر یہ بھی خیال رہے کہ دور مرتضوی میں جن کو خاجی کہا جاتا رہا ، یہ ضروری نہیں کہ اس دور کے بعد کے خارجی کہے جانے والے اپنے فساد و سرکشی میں انہی کی سطح کے ہوں بلکہ اس بات کا بہر حال امکان ہے کہ بعد کے آنے والے خارجی اپنی سرکشی وتمرد میں اپنے اسلاف کے اوصاف ہی کو اپنا کر نہ رہ جائیں بلکہ ان پر بھی سبق لے جائیں۔ یہ امکان صرف امکان ہی نہیں رہ گیا بلکہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ دور میں خوارج کا ایک طبقہ بارگاہِ رسالت کی اہانت کا ارتکاب کرکے اپنے اسلاف پر سبقت لے گیا ہے۔ لہٰذا اگر کسی دور کے خارجیوں کے متعلق معتمد و مستند علماء وائمہ میں سے کسی کی کوئی رائے یا کسی کا کوئی فیصلہ ملے تو اسے اسی دور کے خارجیوں تک محدود رکھا جائے گا۔'' (ایضاً ص ۲۱)

پھر آپ نے ''دین'' و ''جزا'' میں نازک فرق کو حاشیۂ بیضاوی کے حوالے سے دکھایا ہے۔ لفظ ''دین'' کی مکمل تحقیق کے بعد جو ۸ر تا ۳۲ رصفحات اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے قلم کا رخ لفظ ''مذہب'' و ''ملت'' کی تحقیق کی طرف موڑا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ''دین و مذہب'' اور ''دین وملت'' میں از روئے لغت کوئی حقیقی فرق نہیں ہے۔ ''ان کے مابین اگر کوئی فرق ہے تو محض اعتباری ہے یا از روئے استعمال ہے۔ از روئے لغت ہر دین، مذہب ہے اور ہر مذہب، دین ہے۔''

پھر ''مودودی صاحب کا ارشاد'' کے ذیلی عنوان کے تحت ان کی اس عبارت پر سخت گرفت کی ہے۔

''اللہ کے لئے دین کو خالص کرنے کا مطلب صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی مذہبِ اسلام قبول کرلے اور ہندو یا عیسائی یا یہودی نہ رہے اس بناء

پر ہر شخص جو مذہبِ اسلام میں ہے، یہ سمجھ رہا ہے میں نے اللہ کے لئے دین کو خالص کر رکھا ہے۔ حالانکہ دین کے وسیع تر مفہوم کے لحاظ سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جس کا دین اللہ کے لئے خالص نہیں ہے۔'' (ایضاً ص ۳۸)

حضرتِ مصنف علام فرماتے ہیں۔

''اس تحریر سے مودودی صاحب یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ دینِ اسلام اور مذہبِ اسلام از روئے لغت دو چیزیں ہیں...... مجھے یقین ہے کہ اگر مودودی صاحب کے پاس ایسی کوئی مثال ہوتی تو وہ ضرور پیش فرماتے۔ایسی صورت میں مودودی صاحب کی مذکورہ بالا تحقیق اسی کا سرمۂ نگاہ بن سکے گی جو انہیں ''معیارِ حق'' سمجھ رہا ہو۔نیز انہی کی جماعتِ نوزائیدہ کے دستور کی دفعہ ۶/ سے بغاوت پر آمادہ ہو۔الحاصل ترکیب'' دینِ اسلام'' میں لفظ'' دین'' جس قدر وسیع مفہوم رکھتا ہے بالکل اسی قدر وسیع مفہوم ترکیب'' مذہبِ اسلام'' میں لفظ'' مذہب'' بھی رکھتا ہے۔ایسا کوئی شخص نہ ملے گا جو مذہبِ اسلام کو تو مانے مگر دین اسلام کا ماننے والا قرار نہ پائے۔یا دینِ اسلام کو تو تسلیم کرے اور مذہبِ اسلام سے روگردانی کے الزام کا مرتکب ٹھہرایا جاسکے۔دینِ اسلام کی جو بھی تشریح کی جائے گی بعینہ وہی مذہبِ اسلام کی تشریح قرار پائے گی۔'' (ایضاً ص ۳۹)

پھر حضرت مصنف علام نے'' قرآن فہمی کے لئے چار ضروری امور'' کی سرخی کے تحت مقدمۂ تفسیر ابن کثیر و مفردات القرآن اردو کے اندر پھیلے ہوئے تفصیلی مواد کا خلاصہ'' اردوئے مبین'' میں پیش کیا ہے جو تحقیقی ذوق کے حامل اور قرآن فہمی کی مبارک خواہش رکھنے والوں کی آنکھ کا سرمہ بننے کے لائق ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے۔(۱) قرآن کی تفسیر قرآن سے تلاش کی جائے (۲) قرآن کی تفسیر قرآن میں نہ ملے تو سنت کی طرف رجوع ضروری ہے۔(۳) کتاب و سنت کے بعد اقوالِ صحابہ کا درجہ ہے، کیونکہ صحابۂ کرام نزولِ قرآن کے زمانہ میں موجود تھے۔اور قرائن و احوال کے مشاہدہ کی بناء پر سب سے زیادہ قرآن کا فہم رکھتے تھے (۴) اگر کسی آیت کے

مفہوم پر اقوال صحابہ سے بھی روشنی نہ پڑتی ہو یا ان کے اقوال باہم مختلف ہوں تو اولاً: قرآن و سنت اور پھر عام لغتِ عرب کے محاورات کی طرف رجوع کی ضرورت ہوگی اور مفرداتِ قرآن کو سمجھنے کے لئے کتبِ لغت سے مدد لی جائے گی۔ حضرتِ مصنف علام فرماتے ہیں۔

''مذکورہ بالا چار امور سے بے نیاز ہو کر قرآن کی تفسیر کی جائے تو وہ تفسیر بالرائے ہوگی جس کی حدیث میں سخت مذمت آئی ہے۔'' (ایضاً ص ۴۴)

اس کے بعد آپ نے ''تفہیم القرآن'' سے نقل کر کے قرآن فہمی کے اصول وضوابط سے متصادم مودودی صاحب کی ''میں'' کا نظارا کرایا ہے۔ ان کا کہنا ہے اور ہر دینی روشنی کا حامل مسلمان ان کے مندرجہ بالا قول کو معتوب ذہن کی پیداوار کے سوا کوئی اور نام دینے کو تیار نہیں ہوگا۔

''میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کردوں۔ اسلوبِ بیان میں ترجمہ پن نہ ہو۔ ''عربیٔ مبین'' کی ترجمانی ''اردوئے مبین'' مین ہو۔'' (ایضاً ص ۴۷)

آزاد ترجمانی سے مودودی صاحب کی مراد ہے ''عربیٔ مبین'' کی ترجمانی ''اردوئے مبین'' میں کرنا۔ حضرت مصنف علام کا دعویٰ ہے کہ قرآن کا ترجمہ تو ہر زبان میں ہوسکتا ہے مگر قرآن کی ترجمانی کسی زبان میں ممکن نہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی اپنے خیال کی ترجمانی کی تعبیر قرآن کی ترجمانی سے کرنے لگے۔ واضح رہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ترجمۂ قرآن کو قرآن کی ترجمانی قرار دے تو گویا وہ اس بات کا مدعی ہے کہ میرا کلام اختلافِ زبان کے سوا من کل الوجوہ قرآن کی نظیر و مثال ہے۔ ظاہر ہے کہ جب قرآنِ کریم کی صرف ایک سورہ کی مثال خود اس زبان میں نہ پیش کی جاسکی جس زبان میں یہ قرآن نازل کیا گیا تھا تو پھر موجودہ دور کے کسی صحافی کی اردوئے مبین، قرآن کریم کی عربیٔ مبین کا جواب کیسے بن سکتی ہے۔

حضرت مصنف علام فرماتے ہیں۔ مودودی صاحب کی ''میں'' اس دور کا ایک بڑا المیہ ہے۔

''اسلامیات کی توضیح وتشریح اور اس کی تعبیر وتفہیم کے سلسلے میں مودودی

صاحب کی ''میں'' وقت کا ایک بہت بڑا المیہ ہے جس نے علوم اسلامیہ سے بے گانہ افراد اور دینی شعور سے خالی اذہان کو ایک ایسے نازک مقام پر پہونچا دیا ہے جہاں سے ان کا پلٹ کر صراط مستقیم پر آنا توفیقِ ربانی ہی پر موقوف ہے۔مودودی صاحب کی ''میں'' کے آگے دن کی روشنی میں سجودِ نیاز لٹانے والے کا یہ عالم ہے کہ ان کی نظر میں رسولِ کریم کا فیضِ صحبت اٹھانے والوں کا بھی دینی اخلاص اور ان کی للہیت مشکوک ہو کر رہ گئی ہے۔افسوس صد افسوس! مودودی صاحب کی خدا پرستی کی کاغذی دعوت اور غلبۂ اسلام کی کتابی تحریک قلعۂ کفر وطغیان کا تو کوئی ستون نہ گرا سکی۔ لیکن امتِ مسلمہ کے سادہ لوح افراد کو صحابہ وتابعین جیسی عظیم شخصیتوں کے علم و کردار، ان کی دینی فہم و بصیرت اور خلوص وللٰہیت سے مایوس کر دیا۔ان بزرگ ہستیوں کی تنقیص پر تنقید کا غلاف چڑھا دیا جس کا بھیانک نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر آشوب دور کے انسان کو ان کی بارگاہ میں موشگافیاں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔'' (ایضاً ص ۴۸)

قرآن کی ترجمانی کو محال و ناممکن ثابت کرنے میں دلائل و براہین کا انبار لگانے کے بعد آپ نے یہاں تک فرما دیا اور عقل ونقل کی روشنی میں صد فی صد صحیح وحق فرمایا۔اس کی تایید لسانیات کا ہر واقف کار کرے گا اور اس سیمینار میں تشریف فرما زبان وادب کے سمندر میں غوطے لگا کر موتیاں چننے والے ہمارے منصف مزاج ،قابلِ احترام پروفیسر حضرات بھی حضرتِ مصنفِ علام کی درج ذیل رائے سے اتفاق کریں گے۔شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔

''میرا تو خیال یہ ہے کہ کسی بھی زبان کی ترجمانی دوسری زبان میں ناممکن ہے۔اس لئے کہ ہر زبان کا ادب اپنے اندر کچھ ایسی خاص خوبیاں ضرور رکھتا ہے جس کو دوسری زبان میں منتقل نہیں کیا جاسکتا۔'' (ایضاً ص ۵۲)

جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے ،ظاہر ہے ان پر حضرتِ مصنفِ علام کی باتیں،خواہ الٰہی منشاومراد کے کتنے ہی قریب کیوں نہ ہوں،کس طرح اثر انداز ہوسکتی ہیں۔

مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' میں ''قرآن میں

لفظ دین کا استعمال'' کی سرخی قائم کی ہے۔بعینہ یہی سرخی حضرت مصنفِ علام نے بھی کتاب زیر تبصرہ میں لگائی ہے۔۶۵ر مقامات پر قرآن کریم کے اندر لفظ'' دین'' کے استعمال کی نشاندہی کی ہے۔ ہر جگہ دین سے کیا مراد ہے اس کی بقدرِ ضرورت وضاحت فرمائی ہے۔ جہاں جہاں مودودی صاحب کی بے اعتدالیاں نگاہوں کے سامنے آئیں، ان تمام مقامات پر اپنی توضیحات کے ضمن میں راہِ اعتدال اور صراطِ مستقیم کو روشن کرتے ہوئے آگے بڑھے ہیں۔اس بحث نے کتاب کا ص ۵۴ تا ص ۱۷۸ اپنے اندر سمولیا ہے۔ص ۱۳۹ر پر پہونچ کر آپ نے ایک وقفہ لیا ہے۔اور ذہنی تحفظ سے آزاد ایک سلیم الطبع قاری کے اس احساس کا ذکر کیا ہے۔

''میری ان تمام تشریحات وتوضیحات کو سامنے رکھ کر جب آپ'' قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' کے اس حصے کو ملاحظہ فرمائیں گے جو لفظ'' دین'' کی تحقیق وتعبیر سے متعلق ہے یا مودودی صاحب کی ان تحریروں کو دیکھیں گے جس میں لفظ'' دین'' کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے تو آپ کو جا بجا مودودی صاحب کی فکری کجی کا شدید احساس ہوتا رہے گا۔'' قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' اور میری اس تحریر کا تقابلی مطالعہ خود آپ کو اس مقام تک پہونچا دے گا جہاں سے آپ ان کی تشریحات کا تحقیقی تجزیہ کر سکتے ہیں۔'' (ایضاً ص ۱۳۹)

قرآن میں مستعمل لفظ'' دین'' کے مفہوم ومعنی پر معرکۃ الآراء گفتگو ۵۵ر صفحات تک پھیلانے کے باوجود تحقیق کی پیاس نہیں بجھ سکی، چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

''مگر پھر بھی اس سلسلے میں بعض امور کی طرف اشارہ کرنے کے لئے میں آپ کا تھوڑا سا وقت لینا چاہتا ہوں۔'' (ایضاً ص ۱۳۹)

اس کے بعد'' مودودی صاحب کی تشریحات کا تحقیقی تجزیہ'' کے تحت مزید ۳۸ر صفحات لیا ہے اور لفظ'' دین'' کے'' الٰہی مراد'' کی تعیین کی سعی مشکور و ماجور کی ہے اور مودودی صاحب کی مزعومہ'' قرآن کی ترجمانی'' کی حقیقت کیا ہے، اسے بے نقاب کیا ہے۔اور ان الفاظ کے ساتھ اپنی گفتگو ختم کی ہے۔

''بحمدہ تعالیٰ لفظ'' دین'' کو قرآنِ کریم میں جہاں جہاں استعمال کیا گیا ہے ہر مقام پر اس کے مفاہیم کی تعیین سے متعلق ضروری تشریح، مفید حواشی

اور حوالہ جات کے ساتھ کرتا ہوا اور شاخ در شاخ نکلے ہوئے دوسرے مضامین پر حسبِ ضرورت کلام کرتا ہوا اس مقام پر آ گیا ہوں جہاں اب مجھے صرف ''اقامتِ دین'' کے قرآنی تصور کو پیش کر کے قلم کو روک لینا ہے۔'' (ایضاً ص ۱۷۸)

زیرِ تبصرہ کتاب کے صرف اس عنوان ''قرآن میں لفظ دین کا استعمال'' پر تبصرہ کرنے کوئی بیٹھ جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے گی، پھر بھی حقِ تبصرہ ادا نہیں ہوگا۔

''اقامت دین'' والے حصے پر بھی حضرت مصنف علام نے نہایت عالمانہ اور محققانہ گفتگو کی ہے اور حقائق و معارف کا انبار لگا دیا ہے۔ اقامتِ دین کی تشریح و توضیح میں جن بھیانک اور ایمان شکن غلطیوں کا ارتکاب مودودی قلم نے کیا ہے، موضوع پر تحقیق کے ضمن میں، حضرت شیخ الاسلام نے مستحکم دلائل سے ان پر تنبیہ کرتے ہوئے مودودی قیاس آرائیوں کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ صرف چند سطور میں ان پر تبصرہ کر کے اور مودودیات پر حضرت شیخ الاسلام کی ہر سہ کتب کے از اول تا آخر پورے سکون و اطمئنان کے ساتھ قائینِ کرام کو مطالعہ کرنے کی دعوت دے کر مجھے اپنے قلم کو روک لینا ہے۔

لفظ ''دین'' پر حضرتِ مصنف کی بحث و تحقیق سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس لفظ سے وہ تمام انفرادی و اجتماعی، قومی و بین الاقوامی احکام مراد لیے جا سکتے ہیں جن کا تعلق اسلامی شریعت سے ہے۔ جہاں تک قرآن میں مستعمل لفظ ''دین'' کا تعلق ہے تو اس کے مفہوم و معنی کی تعیین حضرت مصنف نے اپنے قیاس سے کرنے کے بجائے قرآن فہمی کے اصولوں کی روشنی میں کی ہے جس کا ذکر ''قرآن فہمی کے چار اصول'' کے اندر بالتفصیل ہے۔ چونکہ بحث کا تعلق ''دین'' کے ساتھ ساتھ ''اقامتِ دین'' سے بھی ہے، اس لئے کتاب کے اس حصے کو حضرتِ مصنف نے ''اقامتِ دین'' پر گفتگو کے لئے مختص کیا ہے۔ پہلے مفہومِ ''دین'' کو الگ واضح فرمایا۔ اب لفظ ''اقامت'' کی تحقیق کی طرف اپنے رہوارِ قلم کو موڑا ہے۔ مفہومِ دین اور مفہومِ اقامت الگ الگ سمجھ لینے کے بعد ''اقامتِ دین'' کا سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا۔

لفظ ''دین'' کی طرح سب سے پہلے آپ نے ''اقامت'' کا لغوی معنی کتبِ لغات اور تفسیر کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔ پھر سورۂ شوریٰ کی آیت میں لفظ اقیمـو االدین کا معنی و مفہوم کے بیان میں کتبِ تفسیر کے کثیر حوالے دئے ہیں اور آیت زیرِ بحث میں ''دین'' کا کیا معنی ہے،

اس پر اپنی تحقیقات کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

''**الحاصل**: یہاں جس دین کی اقامت کا حکم دیا جا رہا ہے وہ قائم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب عقل و منطق کا تقاضہ یہی ہے کہ اس خاص آیت کریمہ میں ''اقامتِ دین' سے مراد اسی قائم شدہ دین کو قائم رکھنا، اس کو کجی وغیرہ سے بچانا ہے۔ نیز اس کی حفاظت کرنی ہے۔ اور کسی کوتاہی اور سستی کے بغیر اس کو اپنی عملی زندگی سے وابستہ رکھنا ہے۔'' (ایضاً ص ۲۰۶)

مودودی صاحب نے اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ کی یہ توضیح کی ہے کہ ''جہاں جہاں دین قائم نہیں ہوا وہاں وہاں قائم کرو دین کو۔'' اس کے مطابق ہر جگہ دین قائم کرنا نبی کا فریضہ ہوا۔ اور نبی ہر جگہ دین قائم کرنے پر مامور ہے۔ اس توضیح کے نتیجے میں معاذ اللہ! وہ جلیل القدر، اولوا العزم انبیائے کرام بھی اس حکمِ الٰہی کی تعمیل میں ناکام رہے جن کا ذکر قرآنِ مقدس میں ہے۔ انتہا یہ کہ خود پیغمبرِ آخر الزماں سید الرسل ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مفوضہ فرائض سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ کیوں کہ حضرتِ آدم سے لے کر نبیٔ آخر الزماں تک کسی دور میں ہر جگہ دین قائم نہیں ہو سکا۔ ہر دور میں بعض مقامات ایسے رہے جو دین کی روشنی سے محروم رہے۔ نیز ہر عہد میں کوئی نہ کوئی دینی جماعت اقتدار کے سائے تک سے دور رہی۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ قرآنی الفاظ کا معنی و مفہوم بیان کرنے میں سلفِ صالحین اور مفسرین کرام کی اتباع سے سرتابی کی روش کس خطرناک موڑ تک مودودی صاحب کو لے گئی۔ اس ایمان افروز کتاب سے یہ آخری اقتباس نقل کر کے میں اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔

''اب اگر ہر جگہ دین کا قائم کرنا نبی کا فریضہ ہو اور نبی اس کے لئے مامور ہو تو یہ ناممکن ہے وہ اس کام کو انجام نہ دے سکے۔ ایک نبی کی اس سے بڑھ کر تنقیص اور کیا ہوگی کہ اس کو حکمِ الٰہی کی تعمیل میں ناکام و نامراد کہا جائے؟ .... غیرِ نبی کے لئے تو یہ امکان ہے کہ اس کو کوئی حکم دیا جائے مگر وہ اس کو بجالانے میں غفلت سے کام لے مگر نبی کی ذات کے لئے یہ امکان بھی منافیٔ ایمان ہے۔ نبی جس کام کے لئے مامور ہوگا ناممکن ہے کہ وہ اس کی مکمل تعمیل نہ کرے...... سب سے بڑھ کر جس چیز سے تعبیر کی یہ غلطی متصادم ہوتی ہے وہ خود رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی سیرتِ

طیبہ ہے۔اس لئے آیت زیرِ بحث میں اَقِیْمُوا الدِّیْنَ کی یہ توضیح وتشریح ..... دو ہی صورت رکھتی ہے۔یا تو معاذ اللہ نبیٔ کریم پر یہ الزام عاید کیا جائے کہ آپ تو ہر جگہ دین..... کو قائم کر دینے پر مامور ہوئے تھے بلفظِ دیگر آپ کو اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ سارے جہان پر بقول مودودی حکومتِ الٰہیہ کا قیام کر دیں مگر آپ نے جو بقول مودودی حکومت بنائی تو صرف عرب کے ایک خطے پر بنا کر رہ گئے۔اورامرِ ربانی کی مکمل تعمیل نہیں کی۔یا پھر اللہ تعالیٰ پر یہ الزام رکھا جائے کہ وہ سورۂ شوریٰ میں مذکورہ بالا حکم دے چکنے کے بعد خود اپنی بات سے منحرف ہو گیا اور اس نے اپنے آخری نبی سے صرف ایک خطے میں بقولِ مودودی حکومت قائم کر دینے کا کام لیا جو اس سورہ میں حکم فرمودہ ''اقامتِ دین'' سے بہت تھوڑا ہے اور اس تھوڑے ہی کام کی تکمیل پر یہ مژدہ بھی سنا دیا۔**الیوم اکملت لکم دینکم** .....ان دو صورتوں کے علاوہ اگر کوئی تیسری صورت ایسی نکلتی ہو جس سے اقامتِ دین کی ''مودودی تعبیر'' بھی قائم رہے اور اللہ اور اس کے رسول پر کوئی الزام بھی نہ عاید ہوتا ہو تو ہم ضرور اسے معلوم کرنا چاہیں گے۔''

آیت: مَا کَانَ لَهٗ اَنْ یَّاخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ کی تفسیر میں مودودی صاحب کی گرفت

مولانا محبوب عالم اشرفی، مہتمم دار العلوم اہل سنت امام احمد رضا حیدر آباد

اللہ سبحانہ تعالیٰ کے محبوب دانائے غیوب آبروئے کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہو گیا مگر آپ کی محبوبیت کے تصدق آپ کی امت پر اللہ رب العزت کا خصوصی انعام و اکرام ہوا کہ اس نے امت کی ہر قرن میں اپنے محبوبین و مقربین کے ذریعے رہنمائی فرمائی۔ اور صبح قیامت تک یہ محبوبین اپنے علم و عرفان و کمالات سے فیض یاب کرتے رہیں گے۔ حضور رحمت عالم ﷺ کا ارشاد ہے: میری امت کے علماء ربانیین بنی اسرائیل کے انبیاء کے مثل ہیں اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ، اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان والے کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے درجے بلند فرمائے گا۔ (سورہ مجادلۃ، آیت ۱۱) انہیں علماء ربانیین میں حضور شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی دامت برکاتہم العالیہ ہیں۔ آپ کی ولادت یکم رجب ۱۳۵۷ھ بمطابق ۲۸ اگست ۱۹۳۸ء بمقام کچھوچھہ مقدسہ میں ہوئی جو ہمیشہ علم و عرفان کا مرکز اور مخدومی فیضان کا سرچشمہ رہا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام علم و عمل کے سنگم تھے۔ آپ کی زندگی شریعت و طریقت کی آئینہ دار تھی۔ گویا آپ اصحابہ صفہ کے امانتوں کے امین ہیں۔ رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور دعوت و تبلیغ کے مینارہ نور ہیں۔ اخلاص و للّٰہیت کے علمبردار اور مخدومی مشن کے نقیب نظر آتے ہیں۔ فکر و تدبر اور شعور و آگہی کو جلا بخشنے والی ذات کا نام شیخ الاسلام ہے۔ اس مقام پر علامہ اقبال کے دو شعر یاد آ رہے ہیں جو آپ کی شخصیت پر منطبق ہوتے ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائے وہ طوفان

یقیناً آپ بلند پایہ شخصیت کے حامل ہیں، آپ کا گھرانہ عارفوں کا گھرانہ ہے جہاں ظاہری اور باطنی علوم وفنون کے بے شمار بحر بیکراں موجود ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ دین متین کے لئے وقف کردیا ہے۔ جس کی تفصیلات کے لئے ایک مضمون نہیں بلکہ دفتر چاہئے۔ حضرت شیخ الاسلام ایک عالمگیر ہمہ جہت شخصیت کا نام ہے۔ جو نصف صدی سے عطائے الٰہی بن کر ابر رحمت کی صورت میں برستے رہے ہیں اور اپنے علم وعمل، فضل کمال اور جوہر خطابت کے ذریعے پورے عالم اسلام کو سیراب کرتے آرہے ہیں۔ اور آج بھی حضرت شیخ الاسلام کے ارشادات وتبلیغ وارشاد کی صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ ہندو بیرون ہند میں اسلام کی مقدس تعلیمات کی کرنیں بکھیرتے ہوئے اور معرفت الٰہی کے گوہر لٹاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک زمانے تک سر زمین حیدرآباد دکن میں اٹھنے والے فتنۂ وہابیت کی سرکوبی اور عقائد اہل سنت والجماعت کے تحفظ اور حیدرآباد کے غیور مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسالت کی شمع جلانے کے لئے بلائے گئے اور اپنے دلائل وبراہین سے لبریز خطاب کے ذریعہ مردانہ وار مقابلہ کیا اور سنی مسلمانوں کے عقائد پر ہونے والے ہر حملے کا دنداں شکن جواب دے کر ایمان وعقیدے کا تحفظ فرمایا۔ اور اہل سنت والجماعت کو عشق رسالت کے مضبوط بندھن میں باندھ کر حضور کی سچی محبت عطا کر کے رشتہ غلامی کو ہمیشہ کے لئے گنبد خضریٰ سے مربوط ومنسلک کردیا۔ حضور شیخ الاسلام کی تحریروں کا کمال دیکھنا ہے تو ان کی تصانیف کا بغور مطالعہ کریں۔ آپ کے عظیم کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ آپ کی تفسیر ''تفسیر اشرفی'' ہے۔ ان کے مطالعہ سے اپنے دلوں کو منور ومجلّا کر کے اپنے ایمان وعقیدے کو جلا بخشیں اور مخدومی مشن کو ساری دنیا میں پہونچاتے ہوئے آپ کے دست وبازو بن جائیں۔

اس وقت میرے سامنے حضرت کی ایک محققانہ تصنیف ''دین اور اقامت دین'' ہے جو مودودیات پر تنقیدی سلسلے کی تیسری اور آخری کڑی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب دو حصے پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے کا تعلق ''لفظ دین'' سے ہے۔ دوسرا حصہ ''اقامت دین'' کے معنی ومفہوم پر بحث کے لئے مخصوص ہے۔ حضرت مصنف نے لفظ ''دین'' پر گفتگو کے سلسلے میں ''قرآن میں لفظ دین کا استعمال'' کی سرخی قائم کی ہے۔ اور قرآن کریم کے اندر جتنے مقامات پر بھی لفظ دین کا استعمال ہوا ہے ان تمام مقامات پر لفظ دین کا جو ترجمہ وتفسیر

مفسرین کرام نے کیا ہے انہیں اپنی کتاب کے اندر نقل کیا ہے۔ یہ مقامات تعداد میں (۶۵) ہیں۔ آیت یہ ہے: **مَا كَانَ لِيَاخُذَ اَخَاه فِي دِيْنِ الْمَلِكِ** ۔ بادشاہی قانون میں اسے نہیں پہنچتا تھا کہ اپنے بھائی کو لے لے۔

حضرت مصنف کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں لفظ دین استعمال ہوا ہے اس کا معنی ومفہوم بیان کرتے ہوئے اس خاص مقام پر مودودی صاحب سے تعبیر میں جو غلطی ہوئی اور اپنے خیالات کو قرآن کے سر تھوپنے کی جو نا محمود اور ایمان شکن کوشش انہوں نے کی ہے ان کی جابجا نشاندہی کرتے ہوئے آگے بڑھے ہیں اور مستند تفاسیر کے حوالے سے مودودی اہمال سرائیوں کے پراخچے اڑا کر رکھ دئے ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ وتفسیر اور آیت کے تحت جن خیالات کا اظہار مودودی نے کیا ہے ان کے مطابق مفسرین کرام عربیت سے نا آشنا قرار پاتے ہیں بلکہ بات انبیاءِ کرام کی توہین و تنقیص تک پہنچتی ہے۔ مودودی صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

> ''اس کا یہ کام نہ تھا کہ بادشاہ کے دین (یعنی مصر کے شاہی قانون) میں اپنے بھائی کو پکڑتا'' (تفہیم القرآن، بحوالہ دین اور اقامتِ دین ص۸۲)

مودودی صاحب نے یہ ترجمہ اس اعتراف کے ساتھ کیا ہے کہ میری یہ روش مترجمین و مفسرین کے فرمودات وارشادات کے خلاف ہے۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

> ''عام طور پر اس آیت کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ ''یوسف بادشاہ کے قانون کی رو سے اپنے بھائی کو نہ پکڑ سکتا تھا۔'' یعنی **مَا كَانَ لِيَاخُذَ** کو مترجمین ومفسرین عدم قدرت کے معنی میں لیتے ہیں، نہ کہ عدم صحت اور عدم مناسبت کے معنی میں۔'' (ایضا)

مودودی صاحب نے یہ ترجمہ جس بنیاد پر کیا اس کا سبب یہ ہے۔

> ''اول تو یہ ترجمہ وتفسیر عربی محاورے اور قرآنی استعمالات دونوں کے لحاظ سے ٹھیک نہیں، کیونکہ عربی میں عموماً **ما كان له** بمعنی **ماينبغى له، ما صح له، ما استقام له** وغیرہ آتا ہے اور قرآن میں بھی یہ

زیادہ تر اسی معنی میں آیا۔مثلاً: **ما کان الله ان یتخذ من ولد. ما کان لنا ان نشرک بالله من شئی. ما کان الله لیطلعکم علی الغیب. ما کان الله لیضیع ایمانکم. فما کان الله لیظلمهم. ما کان الله لیذر المومنین علی ما انتم علیه. ما کان لمومن ان یقتل مومنا. (ایضا۸۳)**

اب شیخ الاسلام، مودودی صاحب کی اس بنیاد کی رکاکت کا تحقیقی تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مودودی صاحب خود اعتراف کررہے ہیں کہ عربی زبان میں **ما کان له** کبھی کبھی ان معانی کے سوا دوسرے معانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جب صورت حال یہ ہے تو اگر مفسرین اس لفظ کا وہی دوسرا معنی متعین کریں تو ان حضرات پر یہ الزام کیسے درست ہوگا کہ عربی زبان کے محاورے سے یہ لوگ بے خبر ہیں۔**ما کان له** بقول مودودی صاحب اگر اکثر اور بالعموم عدم صحت اور عدم مناسبت کے معنی ہی میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے اس لفظ کے عدم قدرت کے معنی میں استعمال کی نفی کیسے ہوجائے گی۔اس بنیاد یعنی ''قرآنی استعمالات کے لحاظ سے ٹھیک نہیں'' کا دوسرا حصہ کی رکاکت پر حضرت مصنف بحث فرماتے ہیں۔

> ''قرآن کریم میں **ما کان له** ،**ما امکن له** کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔اس کی صرف دو مثال دوں گا۔اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ مثال مودودی صاحب کی پیش کردہ مثالوں سے نکالوں گا جس میں سوءفہمی کے سبب انہیں اپنی مدعا کی تائید نظر آرہی ہے۔''

پھر حضرت مصنف نے دو آیتیں پیش کی۔**ما کان الله ان یتخذ من ولد** ۔اللہ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔'**فما کان لیظلمهم** ''۔پھر اللہ کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ ظلم کرے۔خدا کا اپنا بیٹا بنانا محالات سے ہے اور محالات تحت قدرت نہیں۔اگر اس کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ خدا کے لئے مناسب نہیں ،درست نہیں، صحیح نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ مترجم (مودودی صاحب) کے نزدیک خدا کا کسی کو اپنا بیٹا بنالینا ممکن تو تھا مگر مناسب نہ تھا، درست نہ تھا، صحیح نہ تھا اور یہ ظاہر البطلان ہے۔''**فما کان لیظلمهم** '' ۔کے تعلق سے بھی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک اللہ تعالیٰ ظلم کرنے پر تو قادر ہے

مگر ایسا کرنا مناسب نہیں، درست نہیں، صحیح نہیں۔

پھر حضرت مصنف نے مودودی صاحب کی تفسیر ''ترجمان القرآن'' سے دو اقتباس پیش کیا ہے۔ یہ اقتباسات کتاب زیر تبصرہ کے صفحہ ۹۲ تا ۹۴ نقل کئے گئے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ ان دونوں اقتباسات سے جتنے امور معلوم ہوئے، شیخ الاسلام نے ان کا خلاصہ کیا ہے۔ پھر نمبروار مودودی صاحب کی فکری کجی بیان کی ہے۔ اور صحیح الٰہی مراد کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا ہے۔ مودودی قیاسات وظنیات کا خلاصہ شیخ الاسلام کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

''(۱) اللہ تعالیٰ نے شاہی قانون کے لئے ''دین الملک'' کا لفظ استعمال فرما کے ''ما کان لیاخذ'' کے اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے جو مودودی صاحب فرمارہے ہیں۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو دین اللہ جاری کرنے کے لئے مبعوث فرمایا نہ کہ ''دین الملک'' جاری کرنے کے لئے۔ (۳) باایں ہمہ۔ حضرت یوسف حالات کے مجبوری کے پیش نظر بہت سارے امور میں ''دین الملک'' ہی جاری کرتے رہے اور ''دین اللہ'' کو پورے طور پر جاری نہ کرسکے۔ (۴) پھر بھی اپنے ذاتی معاملات میں ''دین الملک'' پر عمل کرنا حضرت یوسف کے لئے مناسب نہ تھا۔ (۵) شاہ مصر کے قانون تعزیرات میں اس بات کی پوری گنجائش تھی کہ چوری کی سزا میں حضرت یوسف اپنے بھائی کو پکڑ سکتے۔ تھے (۶) حضرت یوسف نے اپنے بھائی کو روک رکھنے کی خود جو تدبیر کی تھی، وہ ناقص تدبیر تھی۔ اس لئے کہ اس میں یہ خلل رہ گیا تھا کہ بھائی کو روکا تو ضرور جاسکتا تھا، مگر شاہ مصر کے قانون تعزیرات سے کام لینا پڑتا۔ (۷) حضرت یوسف کی اپنی تدبیر انہیں ایک بدنما غلطی کی طرف لے جارہی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرما کر ان کے دامن پر اس بدنما غلطی کا داغ لگنے نہ دیا۔ (دین اور اقامت دین، ص۹۴۔۹۵)

مودودی صاحب کے ان خیالات پر بالترتیب حضرت شیخ الاسلام کے تعاقبات کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) قرآن کریم نے شاہی قانون کو **دین الملک** سے تعبیر کردیا تو اس سے یہ اشارہ سمجھنا غلط ہے کہ **لیاخذ** کا معنی مودودی صاحب جو فرمارہے ہیں وہی ہے۔

(۲) نظام تمدن، نظام معاش کوئی نظام ہو ایک نبی کی تائید وتوثیق کے بعد وہ خود اس نبی کی شریعت کا جز ہوکر دین اللہ میں شامل ہوجاتے ہیں۔لہٰذا حضرت یوسف کی سرپرستی میں جو نظام چلا وہ قطعاً دین یوسفی بلفظ دیگر دین اللہ تھا۔

(۳) حضرت یوسف کے لئے یہ دعویٰ کرنا کہ وہ حالات کے پیش نظر سابق قوانین برقرار رکھنے پر مجبور تھے یہ دعویٰ صریح غلط ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت یوسف کی شان میں صریح توہین ہے۔اور نبی پر یہ الزام عائد کرنا ہے کہ وہ باطل حالات وقوانین سے سمجھوتہ کرسکتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کے لئے اس کا تصور بھی ایمان سوز ہے۔ نبی، نبی ہوتا ہے موجودہ دور کا کوئی لیڈر نہیں ہوتا۔ نبی اللہ کے حکم کے نفاذ کے لئے کسی ماحول وسوسائٹی کا انتظار نہیں کرتا۔مزید برآں حضرت یوسف کو ایسی کوئی مجبوری بھی نہیں تھی ساری سرزمین مصر ان کی تھی۔اور انہیں کامل تسلط اور ہمہ گیر اقتدار حاصل تھا۔

(۴) کسی بادشاہ کے ایسے قانون پر جسے نبی باطل سمجھ رہا ہو، نبی کا عمل کرنا ناممکن ہے۔خواہ وہ اپنے ذاتی معاملات کی بات ہو خواہ غیر کے معاملات کی۔۔

(۵) یہ بات غلط ہے کہ شاہ مصر کے قانون تعزیرات میں اس بات کی پوری گنجائش تھی کہ چوری کی سزا میں حضرت یوسف اپنے بھائی کو پکڑ سکتے تھے۔ بلکہ شاہ مصر کے قانون میں یہ تھا کہ چور پر کوڑے لگائے جائیں اور اس سے دوگنا مال لے کر چھوڑ دیا جائے۔

(۶) حضرت یوسف کی تدبیر میں خلل دیکھنے والے نے اتنا بھی غور نہ کیا کہ یہ درحقیقت خدا کی تدبیر تھی۔حضرت یوسف جس ظہور کے ایک کڑی تھے۔

(۷) مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' اور اپنی تفسیر ''ترجمان القرآن'' کے اندر اپنے فکری رجحانات کو قرآن کریم کے سر تھوپنے کے لئے مفسرین ومترجمین کی روش سے ہٹ کر جو گفتگو کی ہے اس کے نتیجے میں وہ متعدد سوالات کا نشانہ بنے۔دین تمام تر منقولی ہے۔اس کی تشریح میں عقل کو واحد معیار بنالینا مامونی عقل پرستی کے سوا

کچھ نہیں۔ حضرت شیخ الاسلام حنبلی صداقت کا آفتاب بن کر آسمان علم پر چمکے۔ مذکورہ بالا آیت پر اپنی گفتگو کا اختتام ان الفاظ سے کیا۔

''تفہیم القرآن میں آیت زیر بحث کے تحت ترجمہ وتفسیر میں مترجمین ومفسرین کرام کی روش سے ہٹنے کے سبب مودودی صاحب نے جو پیچ وتاب کھائی ہے اور اہمال سرائیوں کا جو طومار باندھ دیا ہے اس کی حیثیت میری اس تحریر کو انصاف و دیانت کی نظر سے دیکھنے والوں کے نزدیک توہمات کے سوا کچھ نہیں، دور سے دیکھو تو آب، قریب جاؤ تو سراب۔'' (ص ۱۱۳)

قرآن کی تفسیر اور اسلامیات کی توضیح وتشریح میں مودودی تعبیر کی غلطی، ان کی فکری کجی اور قیاسات وظنیات پر تفصیلی عالمانہ تنقید اور معرکۃ الآرا بحث کو تفصیل سے پڑھنے کے لئے میں حضرت شیخ الاسلام کی تصانیف خصوصاً مودودیات پر حضرت کی تین کتابیں (۱) اسلام کا تصور الٰہ (۲) اسلام کا نظریہ عبادت (۳) دین اور اقامت دین کا گہری نظر اور ٹھنڈے دل کے ساتھ مطالعہ کرنے کی میں قارئین کرام سے گزارش کروں گا۔ مولیٰ تعالیٰ حضرت شیخ الاسلام کا سایہ اہل سنت پر دراز فرمائے اور آپ کے فیضان کی روشنی سے دنیا جگمگاتی رہے۔

جنوبی ہندمیں شیخ الاسلام کے نامور خلفاء اور مریدین کے علمی وادبی کارنامے

——سید صادق انواری اشرفی سرگپوی، کامل الحدیث جامعہ نظامیہ حیدرآباد۔ایم اے میسور یونیورسٹی

الحمد للّٰہ الذی ابدع الافلاک والارضین والصلوٰۃ والسلام علیٰ من کان نبیٌ وّآدم بین الماء والطّین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین امابعد

بعد حمد وصلوٰۃ کے یہ بات سب پر عیاں ہے کہ مفسر قرآن رئیس المحققین شیخ الاسلام ابو الحمزہ حضرت علامہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی جانشین محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف ادام اللہ فیوضھم العالی کی ذات پر شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی: شخص اور عکس کے عنوان پر پہلی مرتبہ کل ہند سہ روزہ قومی سمینار سرزمین بلگام کرناٹک میں منعقد کیا گیا ہے۔

اس سمینار کے انعقاد کے حسین موقع پر مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت سیّد عبداللہ باشیبان اکیڈمی بلگام کرناٹک کے ذمہ داران اور اشرفی برادران اور قوم وملت کے محبان اولیاء کو صمیم قلب سے مبارک بادی پیش کرتا ہوں۔ اس سمینار میں میرا عنوان ''جنوبی ہند میں شیخ الاسلام کے نامور خلفاء اور مریدین کے علمی وادبی کارنامے'' ہے۔

جہاں میں ہے بڑا شہرہ ولایت ہو تو ایسی ہو — ملایا حق سے لاکھوں کو ہدایت ہو تو ایسی ہو
شہِ سمناں تھے پہلے پھر ہوئے کونین کے سرور — ہدایت ہو تو ایسی ہو نہایت ہو تو ایسی ہو
مُریدوں کی قیامت میں رہائی نار دوزخ سے — کریں گے اشرف سمناں حمایت ہو تو ایسی ہو
شہِ سمناں کی مدحت سے نویدِ مغفرت پائی — سخن کی اشرفؔی خستہ جو غایت ہو تو ایسی ہو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے نبیوں ورسولوں کو روانہ فرمایا اور بیشمار خصوصیات کے علاوہ دو نعمتیں کتاب، اور معجزہ بھی عطا فرمایا۔امت میں جو لوگ عقل سلیم رکھتے ہوں۔ اللہ اسکے رسولوں کے پیغام اور کتاب کی تعلیم کے ذریعہ ہدایت حاصل کریں۔ جو سنجیدگی کے ساتھ کتاب کی تعلیمات کو حاصل کرنے کا شوق نہیں رکھتے اور مشاہدہ چاہتے تھے ان کو

اپنی قدرت کے مظہر کا مشاہدہ کرانے کے لئے معجزہ جیسی نعمت عطا فرمائی۔ جب نبیوں و رسولوں کے سردار آقائے دو جہاں ﷺ کو مبعوث فرما کر منصب نبوت و رسالت پر مہر ثبت فرمائی تو اپنے بندوں اور آقا ﷺ کی امت کے رشد و ہدایت کے لئے قرب قیامت تک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اولیاء و صالحین کا وجود میں لایا۔ اور ان کوئی نئی کتاب یا معجزہ کے بجائے اُسی کتاب و حکمت کی تعلیم اور کرامت کو عطا فرما کر روانہ فرمایا ہے۔ اور اپنے بندوں کو بھی حکم دیا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُو ااتَّقُوْ االلّٰہَ وَ کُوْ نُوْ ا مَعَ ا لصّٰدِ قِیْنَ ہ (اے ایمان والو! تقوی و پرہیزگاری اختیار کرو (اللہ تعالیٰ سے ڈرو) اور سچوں کے ساتھ رہو۔ (التوبہ۔١١٩)

صادقین و صالحین کے ساتھ ہونے میں ایمان و تقویٰ کی حفاظت و سلامتی ہے۔ جس طرح پیارے آقا ﷺ نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے عہد لیا کرتے تھے۔ اسی عہد و پیمان کو بیعت کا نام دیا گیا ہے۔ اس بیعت کے اقسام کئی ہیں جس کے بارے میں شریعت و طریقت کے علماء و صوفیائے کرام نے اپنے مکتوبات، مقالات، تعلیمات میں ذکر کیا ہے۔ تاہم بیعت اسلام، بیعت ایمان، بیعت عقبہ، بیعت رضوان، بیعت جہاد، بیعت تقویٰ، بیعت توبہ، بیعت اعمال، بیعت تربیت، بیعت علم بیعت ارادت، بیعت طریق، بیعت خلافت، بیعت ولی عہدی، بیعت اطاعت، بیعت امامت، مشہور ہیں۔ بیعت کرنے والے کو مرید اور جن کے دست مبارک پر بیعت کی جائے اُن کو پیر و مرشد کہتے ہیں۔

مرید: جس شخص کا ارادہ حق سبحانہ تعالیٰ کے ارادہ میں محو ہو گیا ہو جس کے لئے اسمائے الٰہی کا دروازہ کھولا گیا ہو اور اس دروازہ سے وہ متوصّل الی اللہ ہو گیا ہو۔ جو ماسویٰ سے منقطع ہو کر حق سے ملحق ہو گیا ہو۔ مرید کی جمع مریدین ہے۔

خلافت:

شیخ جب مرید میں دوسروں کو تعلیم دینے کی استعداد دیکھ لیتے ہیں تو اُسے خلافت عطا فرماتے ہیں صوفیاء و اہل تصوف کے نزدیک خلافت کی سات قسمیں ہیں۔ (١) خلافت اصالۃً (٢) خلافت اجازۃً (٣) خلافت اجماعاً (٤) خلافت وراثۃً (٥) خلافت حکماً (٦) خلافت تکلیفاً (٧) خلافت اویسیاً بعض مشائخین کے نزدیک خلافت کی دو قسمیں ہیں خلافت صغریٰ اور خلافت کبریٰ۔ ان تمام کی تعریفات الگ الگ ہیں۔

خلافت رکھنے والے کو خلیفہ کہتے ہیں اور خلفاء اس کی جمع ہے۔ دنیا میں بیشمار صلحاء،

خلفاء ومریدین گذرے ہیں۔لیکن آج کے مأ ڈّی پسند دور کو قحط رجال کا دور کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔تلاش وجستجو کے باوجود کامل انسان کا وجود نظر سے اوجھل رہ جاتا ہے۔حق کے متلاشیوں کے ارادے وقوت کی طرح ہے حضرت شمس تبریز علیہ الرحمہ اور مولانا رومؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور امیر خسروؒ، حضرت نصیر الدین چراغ دلیؒ اور بندہ نواز گیسودرازؒ، حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ اور عبدالرزاق نورالعینؒ کی طرح پیر ومرید کی تلاش، محبت، جستجو، جذبہ وتڑپ اپنا نمونہ کہاں پیش کرسکتی ہے۔

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

ماضی میں جنوبی ہند کی سرزمین کو قدیم اولیائے کاملین کے قدوم میمنت لزوم نے شرف بخشا ہے۔بیشمار اولیائے کرام کی طرح حضرت شیخ دکن حضرت شیخ سراج الدین جنیدی علیہ الرحمۃ والرضوان، قطب دکن حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز گیسودراز علیہ الرحمۃ والرضوان، حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ العزیز کچھوچھہ شریف کے آمد سے فیضیاب ہوئی۔ان جیسی مبارک ہستیوں کی تعلیمات ہی کی وجہ سے اسلام ومسلمانوں کا وجود آج تک باقی ہے انشاء اللہ صبح قیامت تک رہے گا۔

حضور تاجدار سمناں علیہ الرحمہ اپنے فیضان کو عام کرنے،اور اپنے روحانی مشن کو فروغ دینے،اور اپنی جانشینی کے لئے اپنے خواہرزادے حضرت سید عبدالرزاق نورالعین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب فرما کر اپنی آغوشی میں لے کر تمام کمالاتِ ظاہری وباطنی کا مظہرِ اتم بنادیا۔حضرت نور العین رحمۃ اللہ علیہ حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی دسویں پشت میں آپ کے شہزادے حضرت سید تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق جیلانی رضی اللہ عنہٗ کی نسل سے ہیں اس طرح نسباً جیلانی اور ارادۃً اشرفی ہوکر مجمع البحرین ہوگئے آپ کی نسل ہی ''خاندانِ اشرفیہ'' سے معروف ہوئی اس خانوادے سے نسبی وارادتی فیض یافتہ صوفیائے کرام نے جنوب ہند میں دینی وروحانی تعلیمات اور خانقاہی نظام کے فروغ کے لئے صدیوں سے اپنی مساعیٔ جمیلہ صرف کئیں جن میں بیجاپور کی سرزمین پر برادرزادے حضرت اشرف سمناںؒ حضرت سیدنا حافظ حسینی علیہ الرحمۃ والرضوان،اور ان کے صاحبزادے حضرت سیدنا حمزہ حسینی علیہ الرحمۃ والرضوان اور ان کا خانوادہ،اور گوگی شریف ضلع شاہ پور میں حضرت سیدنا جلال چندا حسینی علیہ

الرحمۃ والرضوان اوران کے خانوادے کے کل اولیاء ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی شمالی ہند کی نامور مایہ ناز علمی شخصیت خاندان مخدوم اشرف کے درخشاں ستارے حضور محدث اعظم حضرت علامہ سید محمد اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ والرضوان کی ہے آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے خاص شاگردوں میں تھے جنوب ہند میں سب سے زیادہ اعلیٰ حضرتؒ کی تعلیمات اور افکار کو عام فرمایا۔جن کا سلسلۂ طریق دور دور تک پھیلا۔ جنوب ہند میں کافی تعداد میں مریدین ہیں اور آپ اکثر جنوبی ہند کے مشہور مقامات کے دورے،مریدین کو وعظ ونصیحت اور عوام کے لئے جلسۂ عام سے خطاب فرماتے تھے۔

حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کے وصال ظاہری کے بعد گزشتہ صدی کی ساتویں دہائی میں خانوادۂ اشرفیہ کے قابل صد احترام صوفی،عالم،و عالمی خطیب ومبلغ،رہبر راہ سلوک،مفسر قرآں حضور شیخ الاسلام والمسلمین رئیس المحققین علامہ مفتی سید شاہ محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہٗ العالی جانشین حضور محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف کے دنیا بھر بیشمار مریدین وخلفاء ہیں۔جس کا احاطہ بہت مشکل ہے۔پھر بھی میں نے ''جنوبی ہند میں شیخ الاسلام کے نامور خلفاء اور مریدین کے علمی وادبی کارنامے''عنوان پر حضور شیخ الاسلام کے مریدین وخلفاء کے علمی ادبی کارناموں کو اجاگر کرنے پر کچھ کوشش کی۔اس مقالہ میں جہاں کہیں مساجد،خانقاہ،مدارس،کالج،اسکول اور محدث اعظم مشن کا تذکرہ کیا گیا ہے وہاں خلفاء ومریدین وجمیع سلسلہ اشرفیہ کے خدمات تصور کئے جائیں۔

مساجد کی تعمیر:

کرناٹک میں ہبلی کی سرزمین پر مدنی مسجد۔بلہاری کی سرزمین پر بھی مدنی مسجد۔ناگپور میں اشرف المساجد۔گوا کے شہر پنجی میں مدنی سنی جامع مسجد موجود ہے۔گنتکل ضلع اننتا پور میں حضور شیخ الاسلام والمسلمین کے تجویز کردہ نام پر ایک مسجد اشرف المساجد جس کی سنگ بنیاد نائب جانشین محدث اعظم ہند و بارگاہ حضور امیر ملتؒ کچھوچھہ شریف حضرت علامہ سید محمد حسن عسکری میاں اشرفی الجیلانی نے رکھی تھی اپنی تعمیری مراحل سے گذر کر مکمل ہوئی ہے۔کڈپہ میں مسجد اشرفیہ اہل سنت والجماعت تعمیر ہورہی ہے۔ادونی میں بھی محدث اعظم مشن کے تحت مسجد بی بی خدیجہؓ کی تعمیر ہورہی ہے۔

مدارس کا قیام:

کرناٹک کے شہر بلہاری میں دارالعلوم شیخ الاسلام قائم ہے۔ دھارواڑ ضلع میں ہبلی وہ سرزمین ہے جہاں حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ تشریف لائے اور بیشمار لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے انہیں کے فیضان کو حضور شیخ الاسلام والمسلمین قبلہ نے عام فرمایا۔اور یہاں مدنی میاں عربک کالج ہے جو کہ حضور شیخ الاسلام والمسلمین کی سرپرستی اور ان کے فرزند آغوشی حضرت علامہ مولانا سید شاہ محمد حسن العسکری قبلہ اشرفی الجیلانی کی سربراہی میں اپنی ایک انفرادیت کے ساتھ چل رہا ہے خوب صورت و عالی شان عمارت ہے جس میں یتیم وغریب ایک سو پچاس طلبہ زیر تعلیم ہیں جن کے قیام وطعام علاج ومعالجہ تعلیم وتربیت کا معقول انتظام ہے طلبہ کی تعلیم وتربیت کے لئے بشمول بارہ اساتذہ بیس حضرات کے عملہ کی تنخواہ کالج ہی کے ذمہ ہے۔کالج کے لئے بنام شیخ الاسلام لائبریری کا تعمیری کام مکمل ہوگیا ہے۔تقریباً ۳۰ سال کی قلیل مدت میں دین وسنّیت کی ترقی واشاعت کے لئے علماء، فضلاء، حفاظ وقراء کی کثیر تعداد فارغ التحصیل ہوئی۔

اس کالج کے تحت سمر کیامپ، انگریزی، کنڑا، ٹیلرنگ کلاس، اور کمپوٹر تعلیم کا بھی انتظام ہے۔اور مرکزی حکومت کا ذیلی ادارہ ''قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی'' کے تعاون سے ایک عظیم الشان کمپوٹر انسٹی ٹیوٹ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔جس سے بیروزگار نوجوانوں کے لئے ایک سالہ کمپوٹر ڈپلومہ کورس کرنے پر سنٹرل گورنمنٹ سے سرٹیفکیٹ مل رہی ہے۔بیس کلاس روم کے علاوہ ایک وسیع وعریض ہال میں کئی کمپیوٹر ہیں اور ایک سائنس ہال اور ایک لائبریری بھی ہے اس ادارے کی کمیٹی کے صدر عالی جناب الحاج قاضی عبد الصمد اشرفی بن قاضی عبد الرؤف اشرفی، جنوب ہند کی سرزمین پر محدث اعظم مشن ہبلی کا یہ عظیم کارنامہ بھی ہے کہ اس مشن کے تحت ایک اردو اسکول نرسری پرائمری سے ہائی اسکول تک بنام محدث اعظم مشن ہائی اسکول اردو میڈیم قائم ہے اور یل۔کے۔جی سے لیکر دسویں جماعت تک کل بیس کلاسوں میں گورنمنٹ آف کرناٹک کے منظور شدہ نصاب کے مطابق تعلیمی وتدریسی خدمات جاری ہیں جس سے ملت کے نونہالوں کو دنیاوی تعلیم سے آراستہ کیا جارہا ہے اور انشاء اللہ مستقبل قریب میں جونیر کالج کے افتتاح کی بھی کوشش ہے۔

خانقاہِ اشرفیہ:

طور سینا ہے کہ ہے یہ خانقاہِ اشرفی
کس قدر رونق فزا ہے جلوہ گاہ اشرفی

شہر گلستاں بنگلور میں خانقاہِ اشرفیہ ہے۔ بلہاری میں خانقاہ اشرفیہ موجود ہے۔ ہاسپیٹ ضلع بلہاری میں خانقاہِ اشرفیہ تعمیر ہو چکی ہے۔ گنتکل ضلع انتا پور میں خانقاہ کے لئے جگہ بھی خریدی گئی ہے۔ کڈپہ میں خانقاہ کی تعمیر ہونے والی ہے۔ ادونی میں بھی خانقاہ تعمیر ہو رہی ہے۔

مریدین وخلفاء:

اس وقت مختلف مما لک میں حضور شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے خلفاء اتنی تعداد میں موجود ہیں کہ ان کو شمار کرنا بہت مشکل ہے۔ اور جب خلفاء کا یہ حال ہے تو پھر مریدین کے اعداد وشمار کو بھلا ہم کیسے یقین سے بیان کر سکتے ہیں۔ البتہ بعض حضرات کے اندازے کے مطابق مریدین کی تعداد ۲۵، ۳۰ ر لاکھ کے آس پاس بتائی جاتی ہے جن میں تقریباً ۸، ۹ ر لاکھ تو گجرات ومہارشٹرا وغیرہی کے علاقے میں بیان کئے جاتے ہیں (واللہ اعلم بالصواب)۔

جنوب ہند کے وہ مشہور علاقے کرناٹک میں ہبلی، دھارواڑ، (ہبلی دھارواڑ کے اطراف واکناف) باگام، بنگلور، سرا، بلہاری، ہاسپیٹ، سرگپہ، گلبرگہ شریف، بسوا کلیان، رائچور، مانوی، تلنگانہ و آندھراپردیش میں حیدرآباد، ادونی، محبوب نگر، انت پور، گنتکل، تاڑ پتری، پامبڑی، گتّی، اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ داخل سلسلۂ اشرفیہ ہوئے۔

حضور شیخ الاسلام والمسلمین نے اپنے مریدین میں جن کو قابل جانا ہے اُن منتخب وابستگانِ سلسلہ کو خلافت کی نعمتِ بے بہا سے سرفراز فرمایا۔ خلافت کے متعلق حضور شیخ الاسلام والمسلمین ارشاد فرماتے ہیں سلف صالحین اپنے کسی مرید کو خلافت عطا فرمانا چاہتے تو طویل مجاہدے و ریاضت کے بعد یہ نعمت عطا فرماتے تھے لیکن اب وہ کیفیت نہیں پائی جاتی۔ اب ہم تین وجوہات میں سے کوئی بھی وجہ پاتے ہیں تو خلافت عطا کرتے ہیں (۱) کسی کے بارے میں اپنے بزرگوں سے مجھے حکم ہو (۲) یا کوئی مجھے پسند آجائے (۳) یا اُس میں علمی قابلیت اتنی ہو کہ کام آجائے۔ اور جب میں کسی کو خلافت عطا کرتا ہوں تو سمجھے کہ یہ ایک تحفہ ہے مثلاً ایک شخص کو تحفہ میں کار مل گئی تو اس کو اپنے پاس رکھ لے جب وہ چلانے کے قابل ہو جائے تو اس کو (چلائے) استعمال کرے۔

جنوب ہند میں کئی فلاحی، دینی، روحانی تنظموں اور اداروں کے علاوہ حضور شیخ الاسلام والمسلمین صاحب قبلہ کی سرپرستی میں بیشمار جگہوں پر محدث اعظم مشن قائم ہے مشن کے اغراض و مقاصد وہی ہیں جس کو دستور العمل محدث اعظم مشن کے نام سے حضور شیخ الاسلام والمسلمین سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی مدظلہٗ العالی جانشین محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے مرتب فرمایا ہے جس

کے تحت ملک کے کئی مقامات پر فلاحی، ملی، معاشرتی، تعلیمی، دینی و دنیاوی ترقی ہورہی ہے جنوب ہندوستان میں کئی مقامات پر محدث اعظم مشن شاخ قائم ہے اختصار کرتے ہوئے صرف صدر وسکریٹری صاحبان کے اسماء کے ساتھ حضور شیخ الاسلام کے چند خلفاء کے مختصر خدمات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

ریاست کرناٹک میں محدث اعظم مشن اور خلفاء:

☆ بلگام: ضلع بلگام میں بھی محدث اعظم مشن قائم ہے وہاں بھی عوام الناس کے فلاحی کام انجام دئے جارہے ہیں۔حضور شیخ الاسلام والمسلمین کے بیشمار مریدین ومتوسلین کے علاوہ بلگام میں خلفائے حضور شیخ الاسلام میں حضرت مولانا سید نور پاشاہ باشیبان انعامدار اشرفی صاحب بن حضرت سید محمد دستگیر صاحب باشیبان عرف سید محبوب پاشاہ انعمدار صاحب آپ کی تاریخ پیدائش ۱۲رجون ۱۹۶۰ء ہے آپ کرناٹک کے مشہور شہر بلگام کے رہنے والے ہیں۔آپ کا شمار ساداتِ باعلوی کے جلیل القدر بزرگ صاحب سلوک حضرت سید عبداللہ باشیبان علیہ الرحمہ کی نویں پشت میں ہوتا ہے۔آپ کی ابتدائی تعلیم سرکاری مدرسہ نمبر ۵ میں ہوئی۔اورآپ نے پی۔یو۔سی کیا۔آپ عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کے لئے جامعہ عربیہ سلطان پور یوپی میں تعلیم حاصل کی۔

تحریک بزم باشیبان، فیضان باشیبان ٹرسٹ، دارالعلوم حضرت سید ابوبکر باشیبان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فقیہُ المقدم اردو پرائمری بائز انفارمیشن اینڈ ٹیکنالاجی، ''باعلوی بیت المال'' ان تمام ادارجات میں اپنے برادر اصغر جناب سید منیر پاشاہ باشیبان انعامدار اشرفی کے معاون ومددگار ہیں آپ ''تحریک منہاج الحسینؓ'' کے بانی ہیں شہر بلگام میں کئی سال سے یہ تحریک چل رہی ہے اس تحریک کے تحت محرم الحرام میں بارہ روزہ پروگرام ہوتے ہیں جس کا مقصد عوام الناس میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہٗ کے مقصد شہادت کو بیان کرنا اوران کے طریقہ اور ان کے پیغام کو پہنچانا ہے۔

آپ ایک اچھے خطیب و واعظ، بااخلاق، متواضع، منکسر المزاج ہیں۔آپ بارگاہِ باشیبان مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے ہیں اس کے علاوہ عید میلاد النبی ﷺ، شہادت حضرت امام حسین وشہدائے کربلا رضی اللہ عنہم، گیارہویں شریف، عرس باشیبانؒ وغیرہ میں شہر اور ریاست کے پروگراموں میں بحیثیت مقرر خصوصی تشریف لیجاتے رہتے ہیں۔آپ کی ایک تصنیف منظر عام پر آچکی ہے جس کا نام یہ ہے ''حضرت امام حسینؓ کی حقانیت تاریخ کے آئینہ میں

''فی الحال آپ کی ایک کتاب زیر تالیف ہے'' آہ حسینؓ واہ حسینؓ'' آپ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلۂ العالی کے مرید ہیں ۱۹۹۰ء میں حضور شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلۂ العالی نے نعمتِ خلافت سے نوازا۔لیکن اس کا باضابطہ اعلان ۲۵/جولائی ۱۹۹۱ء بروز جمعرات بوقتِ عصر بمقام شہر بلگام میں ہوا۔

☆ بلگام میں حضور شیخ الاسلام قبلہ کے دوسرے خلیفہ حضرت مولانا سید منیر پاشاہ باشیبان انعامدار اشرفی صاحب بن حضرت سید محمد دستگیر صاحب باشیبان عرف سید محبوب پاشاہ انعمدار صاحب آپ کی تاریخ پیدائش ۲۲/جولائی ۱۹۶۴ء ہے آپ کرناٹک کے مشہور شہر بلگام کے رہنے والے ہیں۔آپ کا شمار ساداتِ باعلوی کے جلیل القدر بزرگ صاحب سلوک حضرت سید عبداللہ باشیبان علیہ الرحمہ کی نویں پشت میں ہوتا ہے۔آپ کی ابتدائی تعلیم سرکاری مدرسہ نمبر ۵ میں ہوئی۔آپ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا بھی شغف رکھتے تھے اعلیٰ تعلیم میں آپ نے انجمن آرٹس و کامرس کالج بلگام سے ۱۹۸۶ء میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔پھر آپ نے کرناٹک یونیورسٹی سے ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۵ء میں دو مرتبہ ایم۔اے کیا۔

آپ نے ،نوجوانوں کی دینی تربیت کے لئے تحریک بزم باشیبان، دینی وعصری علوم کے لئے فیضان باشیبان ٹرسٹ، دینی تعلیم عالمیت اور حفظ قرآن مجید کے لئے دارالعلوم حضرت سید ابوبکر باشیبان رحمۃ اللہ علیہ،لڑکوں کی عصری تعلیم کے لئے حضرت فقیہُ المقدم اردو پرائمری بائز اسکول،لڑکیوں کی عصری تعلیم کے لئے حضرت اُم الفقراء اردو پرائمری اسکول، جدید کمپوٹر کی دنیا میں حضرت فقیہُ المقدم انسٹی ٹیوٹ فار انفارمیشن اینڈ ٹیکنالاجی،ملت اسلامیہ کے مفلس افراد کے لئے'' باعلوی بیت المال'' ان تمام ادارجات میں آپ کے صدارتی اور سرپرستی خدمات نمایاں ہیں۔آپ نے فن کتابت بھی سیکھا اور اپنے تحریری وقلمی خدمات میں اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے اپنے دست مبارک سے پورے قرآن مجید تحریر کیا۔اسی طرح ۲۰۰۷ء میں انہوں نے مکمل قرآن مجید کو زعفران سے لکھکر اپنی زندگی کا بڑا کارنامہ انجام دیا۔

اسی طرح آپ نے'' حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کی علمی وادبی خدمات'' پر ایم فل کے لئے تحقیقی مقالہ تحریر کیا جو کہ ایم اقبال بُک ڈپو کھڑے بازار بلگام کرناٹک سے طبع ہوا ہے۔آپ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلۂ العالی کے دامن کرم وارادت میں ۲۲/جنوری ۱۹۸۲عیسوی میں داخل ہوئے ۲۵/جولائی ۱۹۹۱ء بروز جمعرات بوقت

عصر بمقام شہر بلگام حضور شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہ العالی نے آپ کو نعمتِ خلافت سے سرفراز کیا۔ بعدازاں جدّہ سعودی عرب کے مشہور بزرگ حضرت علامہ سید زین بن سُمیط دامت برکاتہم القدسیہ نے خاندانی خلافت سے بھی سرفراز کیا۔

☆ بلہاری: کرناٹک کے بلہاری میں دارالعلوم شیخ الاسلام کے علاوہ حضور شیخ الاسلام والمسلمین کی کنیت پر ایک اکیڈمی قائم ہے جس کا نام ابوالحمزہ اکیڈمی بلہاری ہے۔ بلہاری میں خانقاہ اشرفی بھی ہے ہر ماہ حلقۂ ذکر بھی ہوتا ہے۔ بلہاری میں خلفائے حضور شیخ الاسلام قبلہ میں عالی جناب حضرت مولانا صدیق شاہ صاحب چشتی قادری نظامی صابری فخری اشرفی ؒ جو کہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان اور حضور شیخ الاسلام والمسلمین صاحب قبلہ دونوں مبارک شخصیات سے خلافت عطاء ہوئی ہے، جن کا وصال ۲۰۰۲ء میں ہوا۔ مزار بلہاری کے تاریخی قبرستان میں ہے۔

☆ عالی جناب حضرت الحاج شیخ محبوب اشرفی محبوبؔ بن شیخ صدرالدین صاحب آپ کی پیدائش بلہاری میں ۳؍جولائی ۱۹۳۷ء کو ہوئی آپ نے دینی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی اور عصری تعلیم کو بھی حاصل کیا آپ نے ۱۹۷۱ء میں حج بیت اللہ وزیارت روضۂ رسول اکرم ﷺ سے مشرف ہوئے۔ عوام الناس کے فلاحی، دینی، ملی خدمات کو انجام دینے کے لئے آپ نے کئی تنظیموں میں کام کیا۔ عمر کے آخری حصہ میں بسبب ضعف تمام تنظموں سے کنارہ کش اختیار کر کے صرف محدث اعظم مشن بلہاری کی صدارت پر فائز رہے۔ آپ ایک بہترین کہنہ مشق شاعر تھے آپ نے دینی، ادبی محفلوں میں اپنی شاعری سے اہل ادب واہل سخن کو بہت متأثر کیا آپ نے شاعری کی بہت ہی نازک صنف، اور رسول پاک ﷺ سے روحانی تعلق والی صنف یعنی نعت رسول مقبول پر کثرت سے طبع آزمائی کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

دل چل وہاں پے جن کی جانب یہ رات ہے
وہ آرہے ہیں جن کے خدا سات سات ہے
میری نہیں ہے عرش بریں کی یہ بات ہے
نعلین مصطفیٰ کے تلے کائنات ہے

اور دینی محافل اور خاص کر کچھوچھہ مقدسہ میں اپنی شاعری کے ذریعہ بلہاری کے نام کو

روشن کیا۔آپ نے ۱۹۶۱ء میں حضور محدث اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان سے اس جذبہ کے ساتھ بیعت کی۔

ڈھونڈتی پھرتی ہے کیوں تو در بہ در منزل مجھے
سایۂ دیوارِ سید کے تلے آ مل مجھے
ڈال کر نظر کرم آنکھوں کی پُتلی پر میری
آئینہ میں دیکھنے کے کر دیا قابل مجھے
ہر مصیبت دور ہی سے کرکے جاتی ہے سلام
آپ نے حلقہ میں جب سے کر لیا شامل مجھے

آپ کی رب ذوالجلال سے آخری تمنا اور خواہش یہ تھی۔

ایک تمنا ہے میرے دل کی مٹادے یا رب
ایک اچھی سی کوئی نعت لکھا دے یارب
ان سے ملنے کا اگر موت ہی ذریعہ ہے تو
زندگی میری جہاں تک ہو گھٹا دے یا رب
اُن کی پہچان ضروری ہے لحد میں محبوبؔ
نزع میں جلوہ محمد کا دکھا دے یا رب

عالی جناب الحاج حضرت شیخ محبوب اشرفی محبوبؔ نوراللہ مرقدہٗ کا وصال ستمبر ۲۰۱۳ء میں ہوا۔ بلہاری کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

☆حضرت مولانا قاضی غلام غوث صدیقی اشرفی بن قاضی غلام محمود صدیقی صاحب کی پیدائش شہر بلہاری میں جنوری ۱۹۵۶ء میں ہوئی ۱۹۸۳ء میں آپ نے اپنا پہلا حج کیا جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن کے فیض یافتہ فرزند ہیں ریاست کرناٹک کے علمی ودینی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں عرصۂ دراز سے شہر بلہاری میں قضائت کا منصب آپ ہی کے خانوادہ میں چلا آرہا ہے آپ ایک اچھے خطیب و واعظ، بااخلاق، متواضع، منکسر المزاج، دل دردمند اور فکر ارجمند کے مالک، اور اپنے اسلاف کی خاندانی علمی وروحانی امانتوں کے وارث ہیں۔آپ کے برادران گرامی بھی جامعہ نظامیہ سے فارغ التحصیل ہیں شہر بلہاری میں سلسلۂ اشرفیہ کے سرکردہ اصحاب

میں آپ کا شمار ہوتا ہے شہر بلہاری میں عیدین کے موقع پر تاریخی عیدگاہ میں خطابت وامامت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ قاضی صاحب کو حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہٗ العالی نے بتاریخ ۱۵؍ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۶؍جنوری ۲۰۰۶ء بمقام بلہاری صوبۂ کرناٹک میں سلسلہ عالیہ اشرفیہ کی تحریری نعمت خلافت واجازت عطا فرمائی۔ حضرت شاہ فصیح الدین نظامی اشرفی قبلہ مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد نے برکات اشرفی (حسینی) کے ساتھ منسلک رسالہ بنام مشائخ وعلماء حیدرآباد و کچھوچھہ شریف کے روحانی وعلمی تعلقات میں بھی آپ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

☆ حضرت مولانا قاضی غلام طاہر صدیقی اشرفی صاحب بن قاضی غلام محمود صدیقی صاحب آپ کی پیدائش بلہاری ۵؍جنوری ۱۹۷۳ء میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم دارالعلوم عربیہ کاورم پیٹ جڑچرلہ ضلع محبوب نگر میں ہوئی اور جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے ۱۹۹۴ء میں فاضل وکامل الحدیث سے فراغت حاصل کی ہے شہر بلہاری میں مدنی مسجد میں تقریباً تیرہ سال امامت کے فرائض انجام دئے فی الحال نندی انٹرنیشنل اسکول بحیثیت ملازم، مدرسۃ النعمان القاضیہ میں بحیثیت مدرس، اور مسجد فاروق اعظم میں بحیثیت خطیب اپنے نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں آپ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہٗ العالی سے مرید ہوکر دلائل الخیرات کا اجازت نامہ حاصل کیا۔ اور ۲۰۱۰ء مطابق ۱۴۳۱ھ میں سلسلہ قادریہ چشتیہ اشرفیہ میں اجازت خلافت مشرف سے ہوئے۔

☆ حضرت مولانا حافظ محمد ساجد حسین اشرفی بن جناب محمد حاجی باشاہ صاحب آپ کی تاریخ پیدائش ۲۲؍فروری ۱۹۸۵ء ہے آپ نے شعبۂ حفظ کی ابتداء مدنی میاں عربک کالج ہبلی سے اور تکمیل جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے کی۔ اور اعلیٰ تعلیم میں آپ نے جامعہ نظامیہ سے کامل الفقہ کیا۔ آپ نورانی مسجد اہل سنت والجماعت بلہاری کے امام وخطیب اور مدرسۂ مظہر العلوم الانواریہ بلہاری کے ناظم اعلیٰ ہیں اور ابوالحمزہ اکیڈمی بلہاری کے سرپرست بھی ہیں۔ آپ کی ایک تصنیف ''براہینِ ختم نبوت وفتنۂ قادیانیت'' مطبوعہ ہے آپ کو ۲۰۱۰ء میں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہٗ العالی سے تحریری نعمتِ خلافت حاصل ہے۔

☆ حضرت مولانا الحاج مفتی محمد احمد اشرفی مصباحی جنہوں نے دارالعلوم شیخ الاسلام بلہاری میں کئی سال علمی خدمت انجام دی ہے فی الحال شیخ الحدیث دارالعلوم غوث اعظم، خطیب

جامع مسجد سعیدہ بنگلور ہیں ان سے رابطہ کر کے تفصیلات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن رابطہ نہیں ہوسکا۔☆ حضرت مولانا حافظ شیخ محمد علی اشرفی فاضل وکامل الفقہ جامعہ نظامیہ وامام خطیب قادریہ مسجد بلہاری ☆ حضرت مولانا قاضی غلام محمود محامد صدیقی اشرفی بن حضرت مولانا قاضی غلام غوث صدیقی اشرفی پیدائش بلہاری میں بتاریخ ۱۶رستمبر ۱۹۸۶ء ہوئی۔ابتدائی تعلیم دارالعلوم النعمانیہ شاہ علی بنڈہ حیدرآباد میں حاصل کی۔اور جامعہ نظامیہ فاضل وکامل الحدیث اورعثمانیہ یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے موروثی قضائت کے عہدۂ جلیلہ اور بلہاری کی جامع مسجد،اور تاریخی عیدگاہ کی خطابت کے عہدے پر فائز ہیں۔☆ حضرت مولانا حافظ محمد احمد علی اشرفی نے حفظ قرآن مجید کے بعد ایک عرصہ سے مسجد زینت الاسلام بلہاری میں امامت فرمارہے ہیں۔ مذکورہ تمام حضرات کو حضور شیخ الاسلام والمسلمین نے خلافت سے سرفراز فرمایا ہے۔

☆ سرگپہ : سرگپہ ضلع بلہاری میں ایک تعلقہ ہے یہاں بھی محدث اعظم مشن قائم ہے جس کے صدر عالی جناب قاضی سید عبدالرزاق قادری اشرفی خلیفۂ حضور شیخ الاسلام والمسلمین نائب صدر حافظ پی محمد شکیل احمد اشرفی اور سکریٹری جناب جی محمد زکریا اشرفی ہیں۔اس مشن کے تحت سرگپہ میں بیشمار فلاحی خدمات انجام دئے جارہے ہیں گرمائی تعطیلات میں مقامی علمائے کرام کے تعاون سے عصری تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے لئے دینی اخلاقی سمر کیامپ، غریب مریضوں کا علاج،غریبوں کی شادیوں میں مدد، رمضان المبارک میں غریبوں میں اناج کی تقسیم،غریب طلباء کی تعلیم کے لئے مدد، یہ تمام فلاحی خدمات انجام دئے جارہے ہیں محدث اعظم مشن شاخ سرگپہ ضلع بلہاری کے آمد ورفت کے حساب وکتاب کو حضرت العلامہ سید محمد حسن عسکری میاں اشرفی الجیلانی نائب جانشین محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف نے بیحد پسند فرمایا۔ ۲۰۰۶ء میں اہل سرگپہ کے لئے مسرت وشادمانی کے وہ تین دن تھے جن میں حضور شیخ الاسلام والمسلمین نے اپنا قیام فرمایا ان مبارک ایام کو بھولا نہیں جاسکتا۔ان ایام کو غنیمت جان کر راقم نے بیجاپور سے آکر وہیں اپنے وطن سرگپہ میں رہا اور حضور سے فیض حاصل کر کے سلسلۂ اشرفیہ میں بیعت کی۔بحمدللہ حضور شیخ الاسلام قبلہ نے ۲/اپریل ۲۰۱۴ء کو احقر کے لئے نعمت خلافت عطا فرما کر مجھ پر احسان عظیم فرمایا۔ سرگپہ میں ہر قمری ماہ کی ۲۸/تاریخ کو حلقۂ ذکر ہوتا ہے۔ ہر ماہ ادونی سے حضرت مولانا قاضی الحاج محمد عبدالحیٔ اشرفی علیہ الرحمہ خلیفۂ حضور شیخ الاسلام والمسلمین تشریف

لایا کرتے تھے آپ کے وصال وفراق سے اہلیان سرگپہ کو بیحد رنج وملال ہوا۔ فی الحال حضرت سید عبدالرزاق قادری اشرفی سرحلقہ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

☆ عالی جناب حضرت قاضی سید عبدالرزاق قادری اشرفی بن قاضی سید عبد الستار قادری سرگپہ ضلع بلہاری رہنے والے ہیں آپ کی تاریخ پیدائش ۷/جون ۱۹۵۸ء ہے آپ نے دینی تعلیم عالی جناب مرحوم محمد مخدومؒ صاحب المعروف ہوڑے استاد سے حاصل کی آپ نے عصری تعلیم میں پی۔یو۔سی۔کیا۔ آپ سرگپہ ضلع بلہاری کے موروثی قاضی،اور محدث اعظم مشن سرگپہ کے صدر ہیں قاضی صاحب ۲۱/اگسٹ ۱۹۸۷ء میں حضور شیخ الاسلام والمسلمین کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اور ابوالفضل حضرت سید شاہ مرتضی قادری سجادہ نشین درگاہ حضرت سید شاہ قاسم قادری بیجاپور و گومرسی سے بھی خلافت حاصل ہے اور حضور شیخ الاسلام والمسلمین نے ۲۰۰۶ء میں نعمت خلافت سے سرفراز فرمایا۔

☆ ہاسپیٹ: ضلع بلہاری میں ایک تعلقہ ہاسپیٹ ہے یہاں بھی محدث اعظم مشن قائم ہے جس کے صدر جناب الحاج محمد عبدالرحمٰن اشرفی ہیں اور سکریٹری جناب الحاج محمد ابراہیم اشرفی ہیں ہاسپیٹ میں ماہانہ حلقۂ ذکر قمری ماہ کی ۲۸/تاریخ کو کیا جاتا ہے۔

☆ ہاسپیٹ میں حضور شیخ الاسلام کے خلیفہ حضرت مولانا حافظ وقاری محمد ابوبکر اشرفی ہیں۔حضرت مولانا حافظ وقاری محمد ابوبکر اشرفی ولد الحاج محمد اکبر صاحب آپ کی پیدائش ۱۲/ جنوری ۱۹۵۸ء ہاسپیٹ ضلع بلہاری کرناٹک میں ہوئی ابتدائی تعلیم جماعت اول تا چہارم ہاسپیٹ ہی میں اور پنجم سے دسویں جماعت تک گنتکل ضلع اننت پور آندھرا پردیش میں ہوئی ۱۹۷۸ء میں آپ نے دارالعلوم غوثیہ ہبلی میں قرآن مجید کا حفظ کیا اور ۱۹۸۵ء جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے فن قرأت وتجوید کو حاصل کر بہترین قاری ہوئے درس نظامی کی اعلیٰ تعلیم اور فراغت جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے ۱۹۸۸ء میں ہوئی اور آپ نے جامعہ سے فضیلت کی ڈگری حاصل کی۔آپ نے عصری تعلیم میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔

اور ۱۹۸۹ء میں انجمن آرٹس، سائنس و کامرس کالج بیجاپور میں بحیثیت اسوسیٹ پروفیسر تا حال عربی کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔آپ ۱۹۸۹ء سے ۲۰۰۹ء تک اہل سنت وجماعت کے رکن اور بعد میں اہل سنت وجماعت کے سکریٹری بھی رہے ہیں ۱۹۷۸ء سے حیدرآباد کے علاوہ کرناٹک کے مشہور مقامات بلاری، ہبلی میں امامت، خطابت اور تراویح کے

خدمات انجام دینے بعداب پچھلے کئی سال سے بیجاپور ہی میں فی سبیل اللہ امامت پنجگانہ و تراویح فرمارہے ہیں اسطرح موصوف نے اپنی زندگی میں مسلسل 35 سال سے ماہِ رمضان المبارک کی نمازِ تراویح میں قرآن مجید کوسُنایا ہے۔ ۲۰۰۷ء میں آپ نے حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول اکرم ﷺ سے شرف یابی حاصل فرمائی ہے مجلّہ انوارنظامیہ حیدرآباد، انوارجلالیہ گوگی شریف، سالار ویکلی، روزنامہ سیاست بنگلور اور سراج ملت گلبرگہ شریف میں تقریبا ۱۲ مضامین اوردومقالات آپ کے قلمی وتحریری خدمات ہیں۔آپ نے ۱۹۸۱ء بمقام کرنول حضور شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں صاحب قبلہ اشرفی الجیلانی کچھوچھہ شریف سے بیعت وارادت حاصل کی۔اور ۲۰۰۶ء بمقام بلگام حضرت ہی نے نعمت خلافت سے سرفراز فرمایا۔مولانا موصوف سال کے اکثر مہینے بیجاپور سے اپنے آبائی وطن ہاسپیٹ ۲۰۰ سو سے زائد کیلومیٹر کا سفر طے کر کے سلسلہ اشرفیہ کی ماہانہ فاتحہ وحلقۂ ذکر میں شرکت کے لئے تشریف لیجاتے ہیں۔حضرت شاہ فصیح الدین نظامی اشرفی قبلہ مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد نے برکات اشرفی (حسینی) کے ساتھ منسلک رسالہ بنام مشائخ وعلماء حیدرآباد وکچھوچھہ شریف کے روحانی وعلمی تعلقات میں بھی آپ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

☆ بنگلور: شہر گلستاں بنگلور میں بھی خانقاہِ اشرفیہ ہے حضرت العلامہ سید محمد حسن عسکری میاں اشرفی الجیلانی نائب جانشین محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف اور حضرت علامہ مولانا سید حمزہ میاں اشرفی فرزند آغوثی وجانشین شیخ الاسلام والمسلمین دونوں حضرات نے اس کے افتتاح کے لئے تشریف لائے تھے۔اور یہاں مدنی فاؤنڈیشن بھی قائم ہے ان دونوں کی ذمہ داری مولانا حافظ محمد مختار احمد اشرفی خلیفۂ حضور شیخ الاسلام والمسلمین کی ہے اور آپ مکہ مسجد بنگلور کے خطیب وامام ہیں۔

☆ دھارواڑ: دھارواڑ جو کرناٹک کا ضلع ہے اس میں بھی محدث اعظم مشن قائم ہے جس کے تحت فلاحی کام چل رہے ہیں۔ یہاں پر حضور شیخ الاسلام کے خلفاء میں حضرت مولانا سید یوسف شاہ قادری اشرفی عرف مگدوالے صاحب بن حضرت سید محبوب شاہ قادری صاحب جو کہ حضرت سید ثابت علی شاہ قادریؒ کی اولاد سے ہیں آپ کی تاریخ پیدائش ۲۱/اکتوبر ۱۹۷۹ء ہے۔آپ مدنی میاں عربی کالج ہبلی کے فارغ التحصیل ہیں اورسن ۲۰۰۴ء میں جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے فضیلت کی ڈگری حاصل کئے ہیں آپ نے پانچ سال مدنی میاں عربک کالج میں مدرس اور نائب مفتی رہے فی الحال مدرسہ قادریہ اشرفیہ مگد ضلع دھارواڑ میں تدریسی خدمات

انجام دے رہے ہیں اور مسجد قادریہ احاطہ درگاہ حضرت سید شاہ ثابت علی شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ میں امامت وخطابت فرمارہے ہیں غالباً ۱۹۹۹ء میں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہٗ العالی سے بیعت کیا تھا قادریہ سلسلہ میں خاندانی خلافت اور حضور شیخ الاسلام سے سلسلہ اشرفیہ میں خلافت حاصل ہے۔

☆ ہبلی: کرناٹک میں ہبلی کی سرزمین پر محدث اعظم مشن بھی ہے جس کے صدر عالی جناب الحاج اللہ بخش ہلّورا اور سکریٹری عالی جناب محمد اسمٰعیل خطیب اشرفی ہیں۔ہبلی میں مدنی فاؤنڈیشن قائم ہے جس کے صدر مولانا سید نثار احمد اشرفی چھگن اور نائب صدر مولانا سید یوسف شاہ قادری اشرفی عرف مگدوالے اور سکریٹری مولانا محمد نعیم الدین شیخ اشرفی ہیں۔

☆ سرزمین ہبلی میں حضور شیخ الاسلام کے خلفاء میں عالی جناب سید عبدالرحمٰن باندار اشرفی صاحب ؒ جن کا مزار مدنی میاں عربک کالج ہبلی میں ہے مدنی میاں عربک کالج ہبلی کا مختصر تعارف مدارس کا قیام کے ضمن میں کیا گیا ہے

☆ حضرت مولانا قاضی سید شمس الدین برکاتی مصباحی اشرفی صاحب بن حضرت قاضی سید غوث شاہ قادری اشرفی صاحب آپ کی تاریخ پیدائش ۱۰/اکتوبر ۱۹۶۳ء ہے آپ کا اصل مقام ہری ہر ہے اور آپ نے شہر ہبلی میں سکونت اختیار کی ہے۔آپ سرکار غوث صمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شہزادے حضرت سید شاہ شیخ تاج الدین عبدالرزاق قادری علیہ الرحمہ کی اولاد میں حضرت سید شاہ عبداللہ شاہ قادری مکی علیہ الرحمہ (جو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دورحکومت غالباً ۱۹۰۹ء میں ہندوستان تشریف لاکر سکونت اختیار کی اور ہری ہر کے قریب باتی نامی قریہ میں پہاڑ پر مدفون ہیں) کی اولاد سے ہیں۔آپ کی ابتدائی تعلیم دارالعلوم غوثیہ ہبلی میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور تشریف لے گئے اور وہاں سے آپ نے فضیلت کی ڈگری حاصل کی۔عربی فارسی الہ آباد بورڈ سے بھی اعلیٰ تعلیم کی ڈگری حاصل کی۔

آپ پہلے کئی تنظیمات سے منسلک رہے اب ان تنظیمات سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے صرف مدنی میاں عربک کالج ہبلی کے مہتمم اور ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے تھے پچھلے کچھ ماہ سے وہ مدنی میاں عربک کالج سے علیحدگی اختیار کرکے اپنے ذاتی مصروفیات میں ہیں اور موصوف اپنے آبائی وطن ہری ہر شہر اور تعلقہ کے موروثی سرقاضی ہیں اور ہری ہر کی جامع مسجد،اور وہاں کے عیدگاہ کی خطابت پر مامور ہیں۔آپ نے پہلی مرتبہ ۱۹۹۹ء میں سفر حج بیت اللہ

اورزیارت روضۂ رسول ﷺ مشرف ہوئے ہیں ملک کے کئی مقامات پر آپ کے خطابات بھی ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں آپ کے زمانۂ طالب علمی میں کچھ مضامین آل انڈیا گورکھپور اسٹیشن سے نشر ہوئے ہیں معارف اسم محمد ﷺ پر آپ کے تأثرات بھی قابل دیدہ ہیں موصوف نے غالباً ۱۹۸۰ء میں احسن العلماء حضرت علامہ سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن برکاتی علیہ الرحمہ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اور حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلۂ العالی نے 1991عیسوی میں آپ کواور آپ والد ماجد حضرت قاضی سید غوث شاہ قادری اشرفی صاحب کو نعمت خلافت سے سرفراز فرمایا ہے۔

☆ حضرت مولانا قاری الحاج قاضی محمد ظہیر الدین اشرفی رضوی چیف قاضی آف ہبلی بن حضرت قاضی محمد فاروق صاحب آپ کی تاریخ پیدائش یکم/مارچ ۱۹۵۳ء میں رانی بنور میں ہوئی۔ آپ کا اصل وطن ہبلی ہے۔ آپ حضرت علامہ مفتی عبدالغفار عرف چھابو میاں شطاری القادری ولد حضرت قاضی حسام الدین علیہ الرحمہ کی اولاد میں ہیں (جوکہ ایسٹ اندیا کمپنی کے دور حکومت سے قبل ہبلی کے قاضی ہیں)۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے لئے امروہہ تشریف لے گئے اور جامعہ محمدیہ حنفیہ سے ۱۹۸۰ء میں فضیلت کی ڈگری حاصل کی۔ اور خصوصیت کے ساتھ حضرت قاری احمد جمال قبلہ اور حضرت قاری محبّ الدین قبلہ کے پاس قرأت سبعہ سیکھی۔

آپ نے حصول علم کے بعد کئی جامعات کے علاوہ سات سال مدنی میاں عربک کالج بھی میں تدریسی خدمت انجام دی ہے فی الحال مسجد حضرت سید بوڈ کے شاہ نزد ریلوے اسٹیشن ہبلی اور الجامعۃ الاشرفیہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات ہبلی کے صدر مدرس کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہیں ہیں۔ آپ شہر ہبلی کے مورثی قاضی اور شہر ہبلی کی عیدگاہ کے شاہی خطیب ہیں۔ آپ کئی مرتبہ حج بیت اللہ وزیارت روضۂ رسول ﷺ مشرف ہوئے ہیں۔ اور آپ الھاشمی حج وعمرہ ٹور بھی چلاتے ہیں۔ ملک کے کئی مقامات پر آپ کے خطابات بھی ہوتے ہیں۔ آپ نے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے بیعت کیا ہے اور ۱۹۸۹ء میں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلۂ العالی نے آپ کو نعمت خلافت سے سرفراز فرمایا ہے۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ ہبلی میں حضور شیخ الاسلام قبلہ کے خلفاء میں ☆ حضرت الحاج قاضی عبدالصمد اشرفی صاحب ہری ہر ☆ حضرت مولانا غلام مدنی اشرفی مہتمم مدنی میاں عربک کالج ہبلی ☆ حضرت مولانا حافظ مظفر حسین اشرفی نائب مہتمم مدنی میاں عربک کالج ☆ حضرت

مولانا مفتی نثار احمد مصباحی صدر مدرس مدنی میاں عربک کالج ☆ حضرت مولانا محمد اکبر اشرفی مدرس مدنی میاں عربک کالج ☆ حضرت حافظ محمد یٰسین صاحب اشرفی مدرس مدنی میاں کالج ☆ حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی مدرس مدنی میاں کالج ☆ حضرت مولانا حافظ ارشاد احمد اشرفی امام انجمن کامپلکس ہبلی ☆ حضرت مولانا سید نثار احمد اشرفی چھگن ہبلی، حضرت مولانا خواجہ معین الدین عرف پٹن والے پیراں ☆ حضرت مولانا حافظ عمران اشرفی ☆ جناب حضرت الحاج محمد حنیف مجاہد استاد ہیں

☆ جناب ڈاکٹر سید ریاض احمد قاضی ولد سید قاضی احمد صاحب ہیں آپ کی تاریخ پیدائش ۱۱/اکٹوبر 1947ء بمقام رانی بنور میں پیدا ہوئے آپ کی تعلیم ایم بی بی ایس کمس۔ ڈی او ایم ایس۔ ہایف آئی ایس ایچ۔ گورنمنٹ 1972ء ملازمت۔ 1975ء ہبلی ٹرانسفر کمس آئے۔ آپ کا سب سے اہم وصف خدمت خلق ہے۔ آپ مخلص و محنتی ڈاکٹر ہیں والدین نے ان کی تربیت دینی ماحول میں کی۔ یہ رنگ ان پر کافی چمکتا ہے۔ آپ کو تصوف سے بھی گہرا ربط ہے۔ اسی ربط کی بنا پر آپ کو حضور شیخ الاسلام قبلہ نے بیعت و خلافت کا شرف بخشا ہے ان کی شخصیت کا اہم پہلو علم پروری اور عاجزی وانکساری ہے۔

اگر ڈاکٹر ریاض احمد ریاض کو ان کی عقیدت مسلسل نعت کہنے پر مجبور کر رہی ہے تو انھیں ہبلی و اکناف ہبلی ہی میں کسی جید استاد سے اصلاح لینے میں کیا عار ہے جو صرف زبان و بیان کی غلطیوں کی اصلاح کرے بلکہ انھیں معنوی اعتبار سے ان نزاکتوں سے آگاہ کرے جو نعت کے لئے لازمی ہیں تاکہ ان کی نعت واقعی نعت بن سکے۔ بحر و قافیہ کو بالائے طاق رکھ کر ان کی نعتیہ اشعار کو عقیدت و محبت رسول ﷺ کی عینک لگا کر پڑھتے ہیں۔

یا قاسم عطائیں للہ مجھ کو عطا کیجئے
ایک شعر آپ کی نعت کا مجھ کو بنا دیجئے
خلق خدا کیا جانے کہ شان مصطفیٰ کیا ہے
صرف خدا جانے کہ عظمت مجتبیٰ کیا ہے

سرا: سرا میں حضرت مولانا محمد محوی صدیقی المعروف محمد ایوب اشرفی حضور شیخ الاسلام کا عطا کردہ نام مکی شاہ صاحب چشتی قادری نظامی صابری فخری اشرفی ابن حضرت مولانا صدیق شاہ صاحب

چشتی قادری نظامی صابری فخری اشرفی ؒ آپ کی پیدائش بلہاری میں ۲۶ر ستمبر ۱۹۶۵ء کو ہوئی آپ نے دینی تعلیم گھر ہی میں اپنے والد گرامی سے حاصل کی اور عصری تعلیم میں آپ نے فزیکس میں ایم۔ایس۔سی۔کیا۔ آپ عباس خان کالج بنگلور میں ۱۹۹۰ء سے تاحال فزیکس کے پروفیسر ہیں اور ٹی۔وی چیانل پر آپ کے دینی مباحث بھی نشر ہوتے ہیں اور آپ نے اردو اور انگریزی میں تیس سے زائد کتب عوام الناس کے لئے سہل انداز میں شائع کیا ہے اور کرناٹک کے مشہور ضلع سرا میں حضرت خواجہ غریب النواز ویلفیر ٹرسٹ قائم کر کئی جگہوں پر اس کی شاخیں قائم کی تا کہ عوام الناس کے فلاحی، دینی، ملی کام انجام دی جاسکیں۔اور آپ شہر سرا میں ایک سو بیس سال سے قائم خانقاہِ سُبحانیہ کے سجادہ نشین ہیں اور اس خانقاہ کی بنگلور و بلہاری میں شاخیں موجود ہیں آپ کو حضور شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہٗ العالی نے ۲۰۰۵ عیسوی میں سفر حج کے مقدس موقع پر مکہ مکرمہ میں نعمت خلافت سے سرفراز فرمایا۔

☆ کاروار: مولانا حافظ وقاری محمد یوسف اشرفی ولد سید صاحب ڈانڈیلی ضلع کاروار کے رہنے والے ہیں اور ابتدائی تعلیم دار العلوم قادریہ ڈانڈیلی ضلع کاروار میں حاصل کی اور جامعہ نظامیہ حیدرآباد میں زیر تعلیم ہیں درس وتدریس۔شعر وشاعری۔تصنیف وتالیف آپ کا مشغلہ ہے۔آپ نعتیہ شاعری کرتے ہیں۔آپ نے حضور شیخ الاسلام سے بیعت کی ہے۔موصوف عموماً اپنی نعت کے مقطعہ میں اپنے تخلص کے آس پاس اپنے مرشد گرامی کا اسم گرامی پیش کرتے رہے ہیں۔مثلاً

کاش محشر میں آقا یہ کہہ دیں، آجا یوسف تو کملی میں میرے
تو نے تھاما جو مدنی کا دامن، مغفرت کا صلہ بن گیا ہے

اسی طرح ایک اور نعت کے مقطعہ میں فرماتے ہیں۔

حضرت مدنی کا صدقہ ہے کہ یوسفؔ تم بھی
نعت پڑھتے ہوئے اب نعت لکھا کرتے ہیں

☆ گلبرگہ: گلبرگہ شریف میں محدث اعظم مشن قائم ہے۔مشن کے صدر حضرت مولانا الحاج حافظ وقاری سید عبد الرؤف اشرفی اور سکریٹری جناب عبد المجیب اشرفی پردھان ہیں گلبرگہ شریف میں شیخ الاسلام ٹرسٹ بھی قائم ہے جس کے تحت زمین خریدی گئی ہے انشاء اللہ

مستقبل قریب میں اس کے ذریعہ قوم وملت کا بیشمار علمی دینی وروحانی فائدہ ہوگا۔گلبرگہ شریف میں قمری ماہ کی ہر۲۹ رویں شب حلقۂ ذکر ہوتا ہےاور تعلیمات صوفیۂ کرام بیان ہوتے ہیں۔

☆ گلبرگہ میں حضور شیخ الاسلام قبلہ کے خلفاء میں حضرت مولانا الحاج حافظ وقاری سیدعبدالرؤف اشرفی صاحب ہیں،آپ کا اسم گرامی حافظ سیدعبدالرؤف ولدسید یوسف ہے اورتخلص انوؔر ہے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۴ راگسٹ ۱۹۷۰عیسوی ہے ابتدائی تعلیم دارالعلوم عربیہ کاورم پیٹ جڑچرلہ ضلع محبوب نگر میں حاصل کی اورمولوی تا کامل جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے کامیاب کرنے کے بعدیہیں سے دکتورہ کی سندبھی حاصل کی۔پچھلے کئی سال سے دارالعلوم دینیہ بارگاہِ بندہ نوازؒگلبرگہ شریف کے صدرمفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں عالمانہ تحریری وتقریری صلاحیتوں کے حامل ہیں درس وتدریس سیوالہانہ لگاؤ ہے۔

کئی قومی سمینار میں فقہ اور تصوف پر تحقیقی مقالات پیش کر چکے ہیں۔جامعہ نظامیہ کے شعبۂ تحقیقات اسلامیہ سے آپ نے ایک نہایت تحقیقی اور گرانقدر مقالہ جوکہ بارہ سوصفحات پر مشتمل ہےجس کا نام'' **مرویات اهل البیت الکرام فی کتب المحدثین من اهل السنت والجماعة** . پیش کرکے دکتورہ کی ڈگری حاصل کی ہے اور یہ مقالہ غیرمطبوعہ ہے اورآپ کے بیشمار مضامین کےعلاوہ ایک تصنیف **الاربعین للنووی** کااردوترجمہ تحریرفرمایا۔اور گلبرگہ سے جاری ہونے والے انقلاب دکن اور کے۔بی۔ین۔ٹائمز میں طبع شدہ سوالات کے جوابات کا مجموعہ غیرمطبوعہ ہے۔

آپ محدث اعظم مشن،اورشیخ الاسلام ٹرسٹ گلبرگہ شریف کے صدر ہیں آپ اہل سلسلہ کومجتمع رکھتے ہوئے سلسلہ اشرفیہ کی تعلیمات ونیک نامی کونہایت عمدہ اسلوب میں پیش کرنے کی سعی جاری رکھے ہوئے ہیں۔مولانا موصوف کوحضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سیدمحمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہٗ العالی نے بتاریخ ۲۵ رڈسمبر ۲۰۰۵ء بمقام مہمان خانہ دیوڑھی بزرگ گلبرگہ شریف میں اپنے دست مبارک سے سلسلہ عالیہ اشرفیہ کی تحریری نعمت خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔حضرت شاہ فصیح الدین نظامی نے برکات اشرفی (حسینی) کے ساتھ منسلک رسالہ بنام مشائخ وعلماء حیدرآباد وکچھوچھہ شریف کے روحانی وعلمی تعلقات میں بھی آپ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

☆ حضرت مولانا محمد تنویر احمد تنوؔیر اشرفی۔آپ کا اسم گرامی محمد تنویراحمداشرفی ولد محمدقاسم اشرفی صاحب نوراللہ مرقدہٗ ہےاورآپ کے جدمحترم حضرت عبدالباسط صاحبؒ ہیں آپ

کی پیدائش بلہاری کرناٹک میں بتاریخ یکم؍جون ۱۹۶۹ عیسوی میں ہوئی آپ کی ابتدائی تعلیم دارالعلوم عربیہ کاورم پیٹ جڑ چرلہ ضلع محبوب نگر میں ہوئی۔اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ نظامیہ تشریف لے گئے اور وہاں سے سن ۱۹۹۸ء میں کامل کیا۔اور سن ۱۹۹۷ء میں جامعہ نظامیہ کے جلسۂ تقسیم اسناد میں ایک گولڈ میڈل بنام محدث دکن علیہ الرحمہ حاصل کیا ہے۔

اعلیٰ تعلیم کی فراغت کے بعد گلبرگہ شریف مقیم ہوئے۔جامعہ نظامیہ حیدرآباد کی ملحقہ شاخ دارالعلوم دینیہ بارگاہِ بندہ نوازؒ گلبرگہ شریف میں سن ۱۹۹۷ء سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور آپ گلبرگہ شریف میں کئی سال سے امامت وخطابت پر فائز ہیں۔فی الحال مسجد مارکٹ گلبرگہ شریف میں امات وخطابت پر مامور ہیں اور آپ شیخ الاسلام ٹرسٹ شاخ گلبرگہ کے سکریٹری اور رؤیت ہلال کمیٹی گلبرگہ کے رکن ہیں آپ ۲۰۰۳ عیسوی میں فریضۂ حج بیت اللہ وزیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ہیں۔آپ کے تدریسی خدمات کے علاوہ ریاستی اور قومی اجتماعات میں خصوصی خطابات کے لئے جاتے ہیں اور مختلف تعلیمی اداروں اور دینی مدارس کے تعلیمی مشیر کے خدمات بھی انجام دیتے ہیں آپ کے مختلف مضامین۔کے۔بی۔این ٹائمز اور انقلاب دکن میں شائع ہونے کے علاوہ دو رسالوں۔روح کائنات،اور فضیلت اہل بیت کے مرتب ہیں۔آپ نے ۱۹۹۲ء میں سیدی شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی مدظلہ النورانی سے سلسلہ طریق میں بیعت حاصل کی۔

☆ حضرت مولانا حافظ غلام محمد اشرفی۔آپ کا اسم گرامی حافظ غلام محمد اشرفی ولد غلام دستگیر اشرفی صاحب ہے آپ کی پیدائش بلہاری کرناٹک میں بتاریخ ۱۱؍سپٹمبر ۱۹۷۴ عیسوی میں ہوئی آپ کی ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم جامعہ نظامیہ میں ہوئی اور وہاں سے سن ۲۰۰۰ء میں کامل الحدیث کیا۔اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے ۲۰۱۰ء میں۔ایم۔اے۔ایل کی ڈگری حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کی فراغت کے بعد گلبرگہ شریف مقیم ہوئے۔ جامعہ نظامیہ حیدرآباد کی ملحقہ شاخ دارالعلوم دینیہ بارگاہِ بندہ نوازؒ گلبرگہ شریف میں سن ۲۰۰۰ء سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور آپ گلبرگہ شریف میں کئی سال سے امامت وخطابت پر فائز ہیں۔آپ حافظ قرآن بھی ہیں تقریباً (۲۲ محراب) تراویح میں ۲۲ مرتبہ قرآن مجید مکمل کئے ہیں اور آپ شیخ الاسلام ٹرسٹ شاخ گلبرگہ کے سکریٹری اور رؤیت ہلال کمیٹی گلبرگہ کے رکن ہیں آپ پہلی مرتبہ ۲۰۰۰ عیسوی میں فریضۂ حج بیت اللہ وزیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ہیں۔آپ کے کچھ

مضامین انقلاب دکن میں شائع ہوئے ہیں۔آپ نے ۱۹۹۵ء میں سیدی شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی مدظلہ النورانی سے سلسلہ طریق میں بیعت حاصل کی۔

☆ ہاویری ضلع میں خلفائے شیخ الاسلام میں حضرت مولانا سید شاہ محمد محی الدین اشرفی قیسؔ کا اسم گرامی سید محمد محی الدین شاہ ولد سید محمد حضرت شاہ صاحب ہے آپ کا تخلص قیسؔ ہے۔ آپ کی پیدائش بمقام بمن ہلی تعلقہ ہانگل ضلع ہاویری کرناٹک میں بتاریخ ۱۵/اگست ۱۹۸۷ عیسوی میں ہوئی آپ کی ابتدائی وطن مالوف میں ہوئی۔اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ نظامیہ تشریف لے گئے اور وہاں سے فاضل کیا۔فی الحال ترٹس میں مقیم ہیں اور وہاں محدث اعظم مشن ترٹس کے تحت چلنے والے المدرسۃ الاشرفیہ فاطمۃ الزہریٰ للبنات کے نگران کار اور صدر مدرس ہیں۔آپ ایک اچھے شاعر ہیں آپ کے کلام کا ایک مجموعہ ازھار مدینہ سن ۲۰۰۶ عیسوی میں دہلی سے طبع ہوا ہے اور مجدد الف ثانی کوئز بھی شائع ہوئی ہے اور غزلیات قیسؔ زیر طبع ہے۔ملک التحریر الحاج مولانا محمد یحییٰ انصاری اشرفی صاحب کی کئی تصانیف میں آپ اشعار طبع ہوئے ہیں آپکو حضور شیخ الاسلام نے حضرت الحاج مولانا محمد یحییٰ انصاری اشرفی اور حضرت مولانا سید خواجہ معزالدین اشرفی کے ساتھ نعمت خلافت عطا فرمائی ہے پھر کچھ ماہ بعد حضور شیخ الاسلام نے اشرفی رومال کے ذریعہ دستار بھی عنایت ہوئی۔

☆ حضرت مولانا حافظ وقاری غلام ربانی فدا اشرفی کی پیدائش ہیرور ضلع ہاویری میں ہوئی آپ کے والد ماجد جناب نوراحمدا کی اپنے علاقہ کے سیاسی لیڈر ہیں۔اور والدہ ماجدہ فیروز بانو شیوپور تعلقہ ہانگل کے متوطن ہیں فداؔ نے دارالعلوم قادریہ ڈانڈیلی سے قرآن مجید حفظ کیا اور جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے عالم کامیاب کیا۔اور عثمانیہ سے ایم اے کیا۔آپ نے اردو تفاسیر قرآن کا تقابلی مطالعہ پر مقالہ پیش کر کے پی۔ایچ۔ڈی۔کی ڈگری حاصل کی۔دینی تعلیم کے ساتھ کمپیوٹر میں بھی مہارت ہے۔

اعلیٰ تعلیم سے فراغت کے بعد درس وتدریس، خطابات، اور صحافت سے تعلق ہے۔ غلام ربانی فدا صاحب کو اردو ادب میں عموماً اور مذہبی ادب میں خصوصاً دلچسپی اور شغف ہے نثر ونظم دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔آپ نعتیہ شاعری کے نوجوان شاعر ہیں۔اور آپ نے شاعری کے ابتدائی دور میں جناب میکش اجمیری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ریاست و بیرون ریاست کے مختلف اہم شہروں میں مشاعرے پڑھنے کا موقع ملا ادبی موضوعات پر آپ کے تحقیقی

مضامین ومقالات مقامی،ملکی و بین الاقوامی اخبارات، رسائل اور جرائد میں شائع ہوئے۔آپ کے مضامین کا دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔موصوف کا بیان ہے کہ درجن سے زائد کتب کے مؤلف ہیں جوشائع ہوچکی ہیں پانچ نعتیہ(۱)گلزارنعت(۲) جلوہ گاہ طیبہ(۳)یامصطفیٰ(۴) گلشن مدینہ (۵) صحرائے مدینہ۔اور دوغزلیہ مجموعے(۶) شہرآرزو میں (۷) غزلیہ دیوان۔ صحرائے سخن۔ سوانح نگاری میں۔ ۸) سید مقبول۔۔۔کہ گم اس میں ہیں آفاق ۹) داستان کربلا''صحرالہولہو'' ۱۰)علامہ اختر کچھوچھوی۔فن اور شخصیت۔۱۱) علامہ اختر کچھوچھوی بحیثیت شاعر(طویل مقالہ) مضامین کا مجموعے۱۲)قلم آشنا۔۱۳) آداب نعت گوئی۔قرآن اورعصری تحقیقات پر مشتمل۔۱۴) قرآن اور کائنات۔۱۵)قرآن اور سائنس(تقابلی مطالعہ) ۱۶) درد کا رشتہ(ناول)انٹریوز پر مشتمل کتاب۔۱۷)روبروجلداول طبع ہوکرمنظرعام پرآچکے ہیں۔

آپ ہندوستان میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے حمد ونعت کا معیاری ادبی رسالہ جہان نعت سہ ماہی کا اکتوبر۲۰۱۰ءمیں ہری ہر سے آغاز فرمایا آپ اس کے اڈیٹر ہیں۔پچھلے تمام شمارے انٹرنیٹ پر دستیاب ہیں جسے مشہور سائٹ jahan-e-naat کے الفاظ سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔اورربانی فؔدا کا مقصدزندگی فروغ نعت ہے۔اسی بناپراگست ۲۰۱۰ءمیں آل انڈیا تحریک فکر نعت کی بنارکھی جس کا مقصدنعت گوشعراء کے مجموعہائے کلام شائع کرنا،ادب نعت کے حوالے سے مذاکرے نعتیہ مشاعرے منعقد کرنا،خاص حمد ونعت کا رسالہ جاری کرنا ہے۔بسبب طوالت آپ کے خدمات کواختصار کیا گیا۔آپ نے حضورشیخ الاسلام سے بیعت کی اورنعمت خلافت حاصل کی۔

☆سورج کرناٹکی کی پیدائش ۲۰رجون۱۹۶۲عیسوی کو بیاڑگی ضلع ہاویری میں ہوئی آپ کااسم گرامی میں نور احمد اور والد گرامی کا نام حسین میاں ہے ابتدائی تعلیم بیاڑگی ہی میں ہوئی۔ڈپلومہ ان ٹیچنگ، بی اے،ایم اے، کی ڈگریاں حاصل کی۔حصول تعلیم کے بعد شعبۂ تعلیمات میں بحیثیت مدرس ملازمت اختیارکی۔ظہیررانی بنوری، یعقوب بیگانہ،ڈاکٹرانور مینائی،کوثرجعفری سے شرف تلمذ حاصل ہے موصوف ایک اچھے شاعر ہیں ان مجموعہائے کلام میں'' آئینہ حیات'' کے صفحہ پر ایڈیٹران چیف جہان اردو بھی درج ہے۔سورج کرناٹکی ایک متحرک شخص ہیں۔ادبی اور ملی خدمات میں پیش پیش رہتے ہیں۔آپ کی تصنیفات میں (۱) صبح امید(غزلیات) (۲) کرشمۂ حیات(غزلیات) (۳)تجلیات مدنی (نعت ومنقبت) (۴)عکس سورج(غزلیات)۔ان کو

اعتراف خدمات میں بہت سارے اعزازات حاصل ہوئے ہیں اور انہوں نے حضور شیخ الاسلام سے بیعت کی ہے اور یہ انکے مرید ہیں

ضلع ہاویری میں دیگر خلفاء میں ☆ حضرت الحاج قاضی سید غوث شاہ قادری اشرفی ہبلی ☆ حضرت مولانا قاضی سید احمد رضا سقافی اشرفی ☆ عالی جناب سید انور احمد اشرفی ترّس ☆ عالی جناب قاری اصغر علی شیگاؤں مقیم بلگام ☆ جناب مولانا مفتی مشتاق احمد مقبولی ہانگل مقیم میسور ہیں۔ شیگاؤں میں خلفائے شیخ الاسلام میں ☆ حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم بنگالی ☆ حضرت مولانا سید شبیر احمد اشرفی ☆ مولانا اسماعیل اشرفی ☆ حضرت مولانا الیاس اشرفی دھاواڑ ہیں۔

ریاست تلنگانہ وآندھرا پردیش میں محدث اعظم مشن اور خلفاء

حیدرآباد: جنوب ہند کا تہذیب یافتہ تاریخی شہر حیدرآباد ہے یہ شہر سلاطین دکن کے علاوہ بزرگانِ دین، صالحینِ کرام، مشائخین عظام، علماء وحفاظ کا گہوارہ تھا اور ہے۔ یہاں پر بیشمار دینی مدارس وخانقاہ موجود ہیں۔ اور یہاں حقیقت آگاہ، عارف باللہ، استاذ سلاطین دکن، بانی جامعہ نظامیہ حضرت امام حافظ محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ مرجع خلائق ہے۔ اس شہر میں بیشمار کتب خانوں کے علاوہ ایک مکتبہ انوار المصطفٰے مغلپورہ حیدرآباد بھی ہے جس کی بنیاد شیخ الاسلام رئیس المحققین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی قبلہ کی اجازت سے رکھی گئی اور اسی کے تحت شیخ الاسلام اکیڈمی بھی رواں دواں ہے جس کے ذریعہ کئی کتابوں کے علاوہ حضور شیخ الاسلام قبلہ کے تقریباً پچاس تقاریر اور کئی کتب کو طبع کیا گیا جس کے روح رواں الحاج مولانا یحیٰ انصاری اشرفی خلیفۂ حضور شیخ الاسلام قبلہ ہیں آپ کے بیرون ملک دورے کے موقع پر مولانا سید خواجہ معز الدین اشرفی خلیفۂ حضور شیخ الاسلام قبلہ اس کے نگران کار ہوتے ہیں۔

☆ خلفائے حضور شیخ الاسلام میں حضرت مولانا محمد فرحت علی صدیقی اشرفی ۳/مارچ ۱۹۵۷ء کریم نگر (اے پی) میں پیدا ہوئے ہیں۔ محترم محمد ریاست علی صدیقی تاؔج چشتی اشرفی مرحوم کے فرزند ہیں آپ ایم اے، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی، ریسرچ اسکالر، فاضل دینیہ درس نظامیہ، اور ''محدث اعظم سید محمد اشرفی کی نعتیہ شاعری'' پر تحقیقی مقالہ عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے تحریر کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے انوار القدسیہ (فضائل درود)، عید میلاد النبی ﷺ عظمت و آثار مبارک۔ تذکرۂ غوث اعظم۔ رفاعی ابن رفاعی۔ (تذکرہ حضرت احمد کبیر

رفاعیؒ)۔تذکرہ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء۔تحریر وتقریر کا اچھا ملکہ رکھتے ہیں سات کتب کے مصنف ہیں۔خطابات میں آپ خطبات شہادت امام حسین (سات خطبات) خطبات میلاد وسیرت رسول اللہ ﷺ (سات خطبات) خطبات جامعہ نظامیہ (تین خطبات) خطبات معارف القران (چار خطبات) خطبات تصوف (سات خطبات) خطبات رفعت مصطفیٰ ﷺ (سات خطبات) خطبات عظمت مصطفیٰ ﷺ (سات خطبات) من جملہ ستر (۷۰) خطبات کا مجموعہ جمع ومرتب کیا ہے۔

آپ کو بزم طلبائے قدیم جامعہ نظامیہ جدہ سعودی عرب کی جانب سے بہترین خدمات پر توصیفی سند ۱۹۹۸ء میں بدست زین الفقہاء علامہ مفتی خلیل احمد صاحب قبلہ دامت برکاتہم شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن دی گئی۔اکابر علماء وشیوخ حضرت علامہ مشتاق احمد نظامیؒ،حضرت علامہ ارشد القادریؒ،حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی،حضرت غازئ ملت علامہ سید محمد ہاشمی میاں اشرفی الجیلانی،شہزادۂ سرکارکلاں حضرت شیخ اعظم کچھوچھویؒ،شہزادگانِ محبوب ملت حضرت مولانا منصور علی خان رضوی و حضرت مولانا مقصود علی خان رضوی،حضرت مولانا عبید اللہ خاں اعظمی کی صدارت ومعیت میں ملک وبیرون ملک شرف تخاطب حاصل کیا ہے ریڈیو سری لنکا کے علاوہ مختلف ٹی وی چیانلس سے آپ کی تقاریر نشر ہوئیں ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۰ء تک جدہ سعودی عرب میں قیام رہا کئی مرتبہ حج وزیارت اور دو حج پیرومرشد کی معیت میں ادا کرنے کی سعادت و مسرت حاصل ہوئی ہے چنور گورنمنٹ کالج چنور ضلع عادل آباد آندھرا پردیش میں بحیثیت لکچرر خدمات انجام دیئے۔

آپ نے سلسلہ اشرفیہ میں حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہٗ العالی نے بتاریخ ۲۰؍محرم الحرام ۱۴۲۷ہجری،مطابق ۱۹؍فروری ۲۰۰۶ء سلسلہ اشرفیہ چشتیہ قادریہ کی خلافت مبارکہ باضابطہ مثال الاجازۃ والخلافہ مع مہر ودستخط عنایت فرمائی ہے۔سلسلہ قادریہ میں حضرت علامہ سید شاہ فقیر محی الدین حسنی قادری المعروف بالاپور کے حضرت سے سلسلہ چشتیہ میں حضرت علامہ سید مہدی میاں چشتی گدی نشین اجمیر شریف اور حضرت علامہ سید فضل المتین چشتی گدی نشین اجمیر شریف میں بھی خلافت حاصل کی ہے۔برکات اشرفی (حسینی) کے ساتھ منسلک رسالہ بنام مشائخ وعلماء حیدرآباد و کچھوچھہ شریف کے روحانی وعلمی تعلقات میں بھی آپ کا تذکرہ موجود ہے بتاریخ ۲۵؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۸؍مارچ ۲۰۱۳ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ حرکت

قلب بند ہونے کی وجہ سے آپ کا وصال ہوا اور آندھرا پردیس کے کریم نگر ضلع میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

☆ حضرت مولانا قمر احمد اشرفی ولد محمد شعیب اشرفی کی پیدائش ۱۰/اگسٹ ۱۹۷۲ء ابراھیم بھاگلپور بہار میں ہوئی ابتدائی تعلیم دارالعلوم قادریہ سہرسہ بہار میں ہوئی۔سن ۱۹۹۱ء میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے فضیلت کے بعد دوبارہ ۱۹۹۴ء میں جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے فضیلت اور ۱۹۹۶ء کامل الفقہ سے فراغت حاصل کی۔اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد ہندو بیرون ہند میں مختلف مذہبی ودینی خدمات کے بعد فی الحال حیدرآباد ہی میں مقیم ہیں اور وہاں مغلپورہ حیدرآباد میں سنی سنٹر کے بانی و مہتمم ہیں۔ اور وٹے پلی حیدرآباد میں دارالعلوم محمدیہ کے بھی بانی و مہتمم ہیں۔ملک کے مختلف حصوں میں مذہبی خطابات کے لئے تشریف لیجاتے ہیں اور تحریری ملکہ بھی رکھتے ہیں لیکن مصروفیات کی وجہ سے قلم کو جنبش دینا گوارہ نہیں فرماتے ویسے اشرف الفتاویٰ پر آپ کا تحریر شدہ مقدمہ قابل دید ہے۔آپ نے ۱۹۸۷ء میں سرکار کلاں حضرت سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ سن ۲۰۰۲ء میں حضور شیخ الاسلام والمسلمین نے نعمت خلافت سے سرفراز فرمایا۔

☆ حضرت الحاج مولانا محمد یحییٰ انصاری اشرفی ولد جناب محمد یعقوب انصاری اشرفی صاحب حیدرآباد ہی کے ہیں۔آپ نے عصری تعلیم میں بی۔کام۔کیا ہے آپ سعودی عربیہ الحائل میں تجارت کرتے ہیں آپ نے متعدد مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اکرم ﷺ سے شرف یابی حاصل کی ہے۔ اور دینی تعلیم باضابطہ کسی درسگاہ سے نہیں حاصل کیا بلکہ یہ اپنے شوق، علمی حضرات کی صحبتیں، اور کثرت مطامعہ سے حاصل کیا ہے۔آپ کی چھوٹی بڑی تقریباً ایکسو پچاس (۱۵۰) کتابوں کے مصنف ہیں۔جس میں ساڑھے سات سو صفحات پر قصص المنافقین من ایات القرآن، ایک ہزار صفحات پر سنی بہشتی زیور اشرفی، اور ایک ہزار صفحات پر فتنۂ اہلحدیث قابل ذکر ہیں۔آپ نے شیخ الاسلام رئیس المحققین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی کی اجازت سے حیدرآباد مغلپورہ میں ۱۹۷۵ء میں مکتبہ انوار المصطفیٰ کو قائم کیا اور اسی کے تحت شیخ الاسلام اکیڈمی بھی چلارہے ہیں آپ نے ۱۹۷۵ء میں حضور شیخ الاسلام والمسلمین کے دست مبارک پر بیعت کر کے سلسلۂ اشرفیہ میں شامل ہوئے۔آپ کو ۲۶/صفر المظفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۳/جنوری ۲۰۱۱ء بروز دوشنبہ کو حضور شیخ الاسلام والمسلمین نے نعمت خلافت سے سرفراز فرمایا۔

☆ حضرت مولانا سید خواجہ معزالدین اشرفی صاحب ولد سید خواجہ نصیرالدین قادری کی تاریخ پیدائش ۱۰ر جون ۱۹۶۰ء ہے آپ نے عصری تعلیم میں بی۔اے۔کیا ہے پولس محکمہ میں بحیثیت سب انسپکٹر کے عہدہ پر فائز ہیں ملازمت سرانجام دے رہے ہیں اور دینی تعلیم باضابطہ کسی درسگاہ سے نہیں حاصل کیا بلکہ یہ اپنے شوق، علمی حضرات کی صحبتیں، اور کثرت مطامعہ سے حاصل کیا ہے۔آپ تقریباً اٹھارہ سال سے جامع مسجد محمدی کشن باغ حیدرآباد میں فی سبیل اللہ بحیثیت خطیب خدمت انجام دے رہے ہیں۔آپ نے دومرتبہ عمرہ کیا اور زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہوئے۔آپ نے چھوٹی بڑی اٹھائیس کتابیں تالیف کی ہے جو کہ منظر عام پر آچکی ہیں ان کتابوں میں ایک ''عورتوں کی نماز'' قابل ذکر ہے۔اس کے علاوہ آپ نے ادارہ تحقیقات علمیہ بھی قائم کیا جس کے تحت عصر حاضر کے دینی وشرعی مسائل پر قران، حدیث، مفتیان کرام وعلمائے عظام کے فتاویٰ، دارالافتاء جامعہ نظامیہ حیدرآباد، دارالافتاء جامعہ اشرفیہ مبارک پور یوپی وغیرہ کے فتاوی کی روشنی میں طبع کر کے تقسیم فرماتے ہیں۔آپ نے ۱۹۸۱ء میں حضور سرکارکلاں حضرت علامہ ابوالمسعود مفتی سید محمد مختار اشرف اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ والرضوان سے بیعت کر کے سلسلہ اشرفیہ سے وابستہ ہوئے۔آپ کو ۲۶ر صفرالمظفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۳ر جنوری ۲۰۱۱ء بروز دوشنبہ کو حضور شیخ الاسلام والمسلمین نے نعمت خلافت سے سرفراز فرمایا۔

☆ حضرت مولانا محبوب عالم اشرفی ولد محمد سکندر خان کی پیدائش ۱۹۷۲ء سنگرام پور ضلع بھاگلپور بہار میں ہوئی۔ جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے فاضل وکامل الحدیث کے بعد حیدرآباد ہی میں مقیم ہیں اور دارالعلوم امام احمد رضا کے ناظم اعلیٰ ہیں اور آپ حیدرآباد ہی کی سرزمین پر اسلامک ریسرچ سنٹر چلا رہے ہیں آپ تحریر وتقریر کے ذریعہ دین حنیف کی خدمت انجام دے رہے ہیں آپ کے تصانیف اعمال وعقائد کا مجموعہ'' توشۂ آخرت'' مسئلۂ ختم نبوت وردقادیانیت، فضائل ماہِ رمضان اور بیس رکعات تراویح کا ثبوت، تبرکات نبوی ﷺ، فضائل اہل بیت وپنجتنِ پاک۔سنی حنفی طریقۂ نماز، احکام رمضان، فضائل، شب برأت منظر عام پر آچکیں ہیں۔آپ نے سرکارکلاں حضرت سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ کے دست مبارک پر بیعت کی۔اور حضور شیخ الاسلام والمسلمین نے نعمت خلافت سے سرفراز فرمایا۔

☆ حضرت مولانا محمد بشارت علی صدیقی اشرفی ولد محمد رفعت علی صدیقی کی تاریخ پیدائش ۲۵ر مئی ۱۹۸۷ء آندھراپردیس میں ہوئی آپ نے عصری تعلیم حاصل کی اور مخصوص طور

پر دینی علوم کا حضرت مولانا عبدالسلام عزیز نظامی جدہ، حضرت مولانا فرحت علی صدیقی اشرفی حیدرآباد اور حضرت مولانا اختر القادری مصباحی حیدرآباد حضرت مولانا رضاالحق اشرفی مصباحی اور حضرت مولانا قمر احمد اشرفی مصباحی سے علمی استفادہ کیا۔ آپ ایک سو سے زائد اردو کتب کی انگریزی زبان میں ترجمہ کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ جس میں امام جلال الدین سیوطیؒ کے بیں، امام احمد رضا خاں قادری فاضل بریلویؒ کے بیں۔ علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمیؒ، حضور حافظ ملت کے کتب ورسائل خاندان بدایون و کچھوچھہ مقدسہ کے اکابر علماء ومشائخ کے کتب بھی شامل ہیں۔ آپ نے حضور شیخ الاسلام سے بیعت کی ہے۔ اور حضرت قبلہ ہی کی خلافت آپ کو حاصل ہے۔ اوران حضرات کے علاوہ ☆ حضرت مولانا ہارون اشرفی صاحب کو بھی حضور شیخ الاسلام کی خلافت حاصل ہے۔

محبوب نگر میں بھی محدث اعظم مشن قائم ہے اور یہاں بھی اس کے ذریعہ فلاحی کام ہورہے ہیں اس مشن کے صدر جناب الحاج سید ممتاز علی اشرفی اور معتمد جناب الحاج محمد طاہراللہ خان اشرفی ہیں۔ محبوب نگر میں ہر مہینہ دو مرتبہ ہر قمری ماہ کی سولہ تاریخ اور ہر شمسی ماہ کے دوسرے ہفتہ کو حلقۂ ذکر منعقد کیا جاتا ہے۔ یہاں پر خلفائے حضور شیخ الاسلام میں ☆ جناب الحاج سید ممتاز علی اشرفی اور ☆ جناب الحاج محمد طاہراللہ خان اشرفی ہیں۔ ہر ہفتہ مولانا سید خواجہ معزالدین اشرفی خلیفۂ حضور شیخ الاسلام قبلہ محبوب نگر تشریف لاتے ہیں اور درس تفسیر اشرفی ہوتا ہے۔

ادونی: ادونی مدینۃ الاولیاء کی سرزمین ہے اور حضور محدث اعظم علیہ الرحمہ نے بھی اس زمین پر اپنے قدم مبارک کو رکھا ہے یہاں حضور محدث اعظم علیہ الرحمہ کے ایک خلیفہ بھی موجود تھے جن کا وصال ہوا اوران کا اسم گرامی حضرت مولانا منشی محمد نور قریشی اشرفیؒ تھا۔ اور یہاں حضور شیخ الاسلام والمسلمین بھی کئی مرتبہ تشریف لا چکے ہیں۔ اس سرزمین پر بیشمار وابستگان سلسلہ اشرفیہ موجود ہیں ادونی میں ۱۹۹۶ء میں محدث اعظم مشن کو قائم کیا گیا جس کے تحت کئی غریبوں، یتیموں، بیماروں کی مدد کئی گئی۔ اور یہاں مدنی میاں ایجوکیشن سوسائٹی بھی قائم ہے جس کے تحت زمین خریدی گئی ہے جہاں مسجد و خانقاہ کا کام چل رہا ہے اور یہاں اشرفی بیت المال بھی ہے اس کا مقصد غریب مسلمانوں کو سود کی لعنت سے بچانا ہے جہاں پر زیورات کے بدلے ۸۰۔۹۰/ فیصد قرض حسنہ ایک سال کی مدت کے لئے دیا جاتا ہے ابھی تک لاکھوں روپیوں کی مدد کی جاچکی ہے محدث اعظم مشن اور مدنی ایجوکیشن سوسائٹی کے صدر الحاج ایم فضل محمود اشرفی اور سکریٹری عالی

جناب جی اعجاز احمد اشرفی اور خازن مرحوم الحاج جمیل احمد اشرفی گلفروش کے فرزند عالی جناب گلفروش شفیع احمد اشرفی ہیں۔ادھونی میں ہر ماہ کی سولہ تاریخ کو حلقۂ ذکر منعقد ہوتا ہے۔

☆حضرت مولانا قاضی الحاج محمد عبد الحیٔ اشرفی صاحب قبلہ ولد جناب قاضی عبد القیوم صاحب کی تاریخ پیدائش ۴؍مئی ۱۹۵۱ء ہے آپ عصری و دینی تعلیم سے آراستہ ہیں عثمانیہ سے ایم اوایل اور مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء کامیاب تھے اور آپ نے مسعودیہ عربی ہائی اسکول ادونی سے عربی پنڈیٹ (عربی منشی) کے عہدہ سے سبکدوشی اختیار کی منصب قضائت کی ذمہ داریاں بخوبی نبھاتے رہے یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم کے قائل تھے دینی، علمی، سرگرمیوں میں آپ کے زرین مشورے شمع راہ ہوتے تھے سلسلہ عالیہ اشرفیہ کی تعلیمات پر سختی سے عمل پیرا رہے اور حسن عقیدہ و حسن عمل اور اخلاق کے پیکر بھی ہیں یہی پیغام پہنچاتے بھی تھے۔

آپ نے ۱۹۹۵ء میں حج بیت اللہ وزیارت روضۂ رسول اکرم ﷺ سے مستفیض ہوئے اس مبارک سفر میں مرشد گرامی کی صحبت و ملاقات نے بھی فیض روحانیت میں اضافہ فرمایا۔تصنیف وتالیف کا لطیف ذوق رکھتے تھے آپ نے فضائل قرآن مجید سے متعلق چالیس احادیث کی نہایت سلیس اور آسان اردو زبان میں تشریح بنام'' شرح چہل حدیث در فضائل قرآن'' مطبوعہ ۲۰۰۶ء حیدرآباد سے ہے جس میں عربی متن کے علاوہ ترجمہ اور شرح درج کی گئی ہے عالی جناب مولانا الشاہ خطیب محمد مسلح الدین ہاشمی المعروف بہ سعدی پیر چشتی القادری خطیب شاہی جامع مسجد وعیدگاہ ادونی نے رائے تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جو سرزمین ادونی سے شائع ہورہی ہے ''اس کتاب کا انتساب مولف نے اپنے والدین کے نام کیا ہے مولانا موصوف کو حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہٗ العالی نے ۳؍ستمبر ۱۹۹۶ء کو سلسلہ عالیہ اشرفیہ کی نعمت خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔ برکات اشرفی (حسینی) کے ساتھ منسلک رسالہ بنام مشائخ وعلماء حیدرآباد و کچھوچھہ شریف کے روحانی وعلمی تعلقات میں بھی آپ کا تذکرہ موجود ہے آپ نے سلسلۂ اشرفیہ کی ترویج واشاعت میں بہت زیادہ محنت کی۔اور آپ نے وصال سے کچھ پہلے مسجد کی تعمیر کے لئے دولاکھ روپیئے کی خطیر رقم دینے کا وعدہ کیا اور اپنی زندگی ہی میں ایک لاکھ روپیئے عطا کئے اور آپ کے وصال کے بعد آپ کے فرزندان نے آپ کے کئے ہوئے وعدہ کی تکمیل فرمائی۔ وصال کے بعد مسجد بی بی خدیجہؓ آلور روڈ ادونی کے مشرقی سمت آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

آپ کے علاوہ ادھونی میں ☆ حضرت مولانا حافظ وقاری جی محمد اشرف حسین اشرفی حضور شیخ الاسلام کے خلیفہ ہیں جو تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ ماہ تک خانقاہ اشرفی بلہاری میں قائم دارالعلوم شیخ الاسلام میں بحیثیت مدرس خدمت دی ہے فی الحال پامڑی میں دینی مدرسہ میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان کے علاوہ ☆ حضرت مولانا سید محمد نوید انور حسینی تیغ برہنہ سہروردی خطیب مسجد حضرت سید شاہ عنان شاہ ولی ادونی کو اور مولانا حافظ وقاری فیض محمد خان شکیل رضوی کامل الفقہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد ادونی ٹیچر محکمہ تعلیمات آندھرا پردیش اور ☆ مولانا حافظ وقاری جی محمد عبدالرزاق اشرفی ادونی کو بھی خلافت سے سرفراز کیا گیا ہے۔

اننتا پور : اننتا پور جو کہ آندھرا پردیش میں ضلع ہے یہاں پر بھی حضور شیخ الاسلام والمسلمین کے بیشمار مریدین ومعتقدین ہیں محدث اعظم مشن بھی رواں دواں ہے جس کے صدر الحاج حافظ محمد غوث پیرا شرفی خلیفہ حضور شیخ الاسلام والمسلمین اور سکریٹری عالی جناب محی الدین اشرفی ہیں۔ محدث اعظم مشن اننتا پور نے یہ عظیم کام کیا ہے کہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کا ترجمہ قران مجید جس کا نام معارف القرآن ہے اس کو تلگو زبان میں منتقل کرکیا شاعت کیا ہے۔

☆ حضرت الحاج حافظ قاضی محمد غوث پیرا شرفی ولد مولانا محمد اللہ بخش لطیفی اشرفی جن کی تاریخ پیدائش ۲۰/ اپریئیل ۱۹۸۲ء ہے آپ نے دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور سے قرآن مجید کا حفظ کیا اور جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے دور کیا آپ نے ۲۰۰۹ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ اور اننتا پور میں محدث اعظم مشن کی جانب سے اہل سلسلۂ اشرفیہ کو مسجد غوث اعظم میں ہر قمری مہینے کی ۲۹/ تاریخ کو حلقۂ ذکر کرواتے ہیں آپ ہی نے معارف القرآن کا تلگو زبان میں ترجمہ کیا ہے جو کہ محدث اعظم مشن اننتا پور کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ آپ ۲۰۰۵ء میں حضور شیخ الاسلام والمسلمین کے دست مبارک پر بیعت کی اور بیعت کے گیارہ دن بعد حضرت ہی نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔

پامڑی : پامڑی ضلع اننتا پور میں بھی ہر قمری مہینے کی ۱۶/ تاریخ کو حلقۂ ذکر ہوتا ہے یہاں بھی بیشمار مریدین ہیں اور عالی جناب حبیب الرحمٰن اشرفی حلقہ کراتے ہیں۔

تاڑ پتری : تاڑ پتری ضلع انت پور میں بھی محدث اعظم مشن قائم ہے اس مشن کے صدر عالی جناب الحاج اللہ بخش جعفر محی الدین اشرفی اور سکریٹری الحاج ایچ جعفر محی الدین اشرفی

ہیں جس کے تحت فلاحی، دینی، ملی کام ہورہے ہیں۔ تاڑپتری ضلع اننت پور میں ہر جمعرات اور ہر شمسی مہینے کے آخری اتوار کو حلقۂ ذکر منعقد ہوتا ہے۔☆ تاڑپتری میں حضرت مولانا حافظ سید دادا باشاہ اشرفی ولد سید احمد قادری صاحب جن کی تاریخ پیدائش ۱۵ / جولائی ۱۹۸۲ء ہے آپ نے مدرسۂ نورالاسلام تاڑپتری سے حفظ کیا اور مدنی میاں عربک کالج ہبلی سے مولوی کیا ہے۔ آپ فی الحال آثار مسجد تاڑپتری میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں آپ ۲۰۱۰ء میں عمرہ اور زیارت روضۂ رسول اکرم ﷺ سے شرف یابی حاصل کیا ہے آپ محدث اعظم مشن تاڑپتری کے جوائنٹ سکریٹری ہیں اور آپ کو ڈسمبر ۲۰۰۵ء میں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہ العالی سے تحریری نعمتِ خلافت حاصل ہے۔

☆ جناب حضرت الحاج ایچ جعفر محی الدین اشرفی ولد قادر محی الدین صاحب جن کی تاریخ پیدائش یکم / جولائی ۱۹۵۰ء ہے آپ محکمہ آبپاشی سے بحیثیت ملازم وظیفہ یابی ہوئی ہے آپ ۲۰۰۶ء میں حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول اکرم ﷺ سے شرف یابی حاصل کیا ہے آپ محدث اعظم مشن تاڑپتری سکریٹری ہیں اور آپ کو فروری ۲۰۱۰ء ماہِ ربیع الاول میں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہ العالی سے تحریری نعمتِ خلافت حاصل ہے۔

گنتکل ضلع اننتا پور میں حضور شیخ الاسلام والمسلمین صاحب کئی مرتبہ تشریف لائے یہاں وابستگانِ سلسلہ اشرفیہ بیشمار موجود ہیں اس سرزمین پر چند سال سے محدث اعظم مشن موجود ہے۔ اس مشن کے صدر عالی ☆ جناب محمد مقبول حسین اشرفی خلیفۂ حضور شیخ الاسلام والمسلمین ہیں۔ جس کے ذریعہ قوم وملت کی فلاحی کام چل رہے ہیں اور یہاں کی سرزمین پر ہر جمعرات اور ہر ماہ کی سولہ تاریخ کو حلقۂ ذکر منعقد ہوتا ہے۔

☆ عالی جناب حضرت محمد مقبول حسین اشرفی ولد جناب عبدالعزیز بوجگار اشرفی کی تاریخ پیدائش ۲۶ / جنوری ۱۹۸۶ء ہے آپ تجارت کے ساتھ مسجد افرح پُرانا قبرستان گنتکل میں بحیثیت امام وخطیب خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اور آپ محدث اعظم مشن گنتکل کے صدر ہیں آپ کو حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہ العالی سے تحریری نعمتِ خلافت حاصل ہے۔

☆ کڈپہ میں بھی محدث اعظم مشن قائم ہے جس کے صدر جناب شیخ کریم اللہ اشرفی ہیں اور سکریٹری جناب محمد انیس خان اشرفی ہیں جناب شمشیر اشرفی بھی محدث اعظم مشن کے

کاموں میں ساتھ رہتے ہیں۔کڈپہ میں مدرسہ اور اکثر مساجد میں محدث اعظم کی جانب سے تفسیر اشرفی کو تقسیم کیا جارہا ہے اور محدث اعظم مشن کڈپہ کا یہ کارنامہ بھی لائق تحسین ہے کہ سلسلہ اشرفیہ کا شجرہ آندھرا کی مقامی زبان تلگو میں منتقل کر کے اشاعت کا بہترین کام انجام دیا ہے۔اور یہاں پر عالی جناب سید ارشد قادری اشرفی حضور شیخ الاسلام کے خلیفہ ہیں۔

☆ ریاست مہارشٹرا میں محدث اعظم مشن اور خلفاء

پونہ: مہاراشٹرا میں پونہ ایک مشہور مقام ہے یہاں پر بھی محدث اعظم مشن قائم ہے اور وہاں پر جتنے مذہبی کام اور جلسہ وغیرہ ہوتے ہیں ان تمام میں محدث اعظم مشن پونہ کا بہت زیادہ عمل دخل رہتا ہے اور پونہ میں مشہور شخصیت حضرت مولانا محمد اقبال اشرفی علیہ الرحمہ خلیفۂ حضور شیخ الاسلام والمسلمین کے نمایاں خدمات ہیں ۲۵؍جولائی ۲۰۱۱ء اچانک جب ان کا سانحۂ ارتحال ہوا تو ان کے دینی مذہبی خدمات کو جاری رکھنے کے لئے اُن ہی کے فرزند مولانا حافظ وقاری محمد پیر نواز اشرفی کا انتخاب کیا گیا جو کہ دارالعلوم گلشن غریب نواز پونہ جس کے سرپرست حضرت مولانا محمد اقبال اشرفی علیہ الرحمہ ہی تھے میں قرآن مجید کا حفظ کیا اور مدنی میاں عربک کالج ہبلی میں فن مولوی جماعت کی کتب پڑھا اور اسلامی یونیورسٹی کیرلا میں عالمیت کی ڈگری حاصل کی ۱۷؍ستمبر ۲۰۱۱ء کو حضرت مولانا محمد اقبال اشرفی علیہ الرحمہ کے فاتحۂ چہلم کے موقع پر پونہ میں آل انڈیا سنی اشرفی کانفرنس منائی گئی جس میں فاضل بغداد حضرت العلامہ سید محمد حسن عسکری میاں اشرفی الجیلانی نائب جانشین محدث اعظم ہندؒ نے طریقت کے راہ سلوک میں لیتے ہوئے سر پر عمامہ اور خرقۂ خلافت دیکر حضور شیخ الاسلام والمسلمین کا عطا کردہ خلافت نامہ ان کے سپرد فرمایا۔

☆ حضرت مولانا محمد ایوب اشرفی۔آپ کا اسم گرامی محمد ایوب اشرفی ولد محمد عباس شیخ صاحب ہے آپ کی پیدائش پونہ میں بتاریخ ۶؍جولائی ۱۹۶۷ عیسوی میں ہوئی آپ کی ابتدائی عصری رہی جامعہ نظامیہ سے ۱۹۸۸ء عالم تک تعلیم ہوئی اور دارالعلوم ۔اور مولانا آزاد اردو یونیورسٹی حیدرآباد سے۔بی۔اے۔کی ڈگری حاصل کی۔اعلیٰ تعلیم کی فراغت کے بعد پونہ مقیم میں درس قرآن، درس فقہ، خطابات اور سیمینار اور ورک شاپ میں مقالہ جات اور توسیعی لیکچرس میں مصروف ہیں۔پونہ میں جامعہ اشرفیہ حسامیہ شیخ صلاح الدین بھی پچھلے دس سال سے قائم فرمایا ہے جو ایک دینی اور عصری تعلیم کا سنگم ہے۔آپ پہلی مرتبہ ۱۹۹۹ عیسوی میں فریضۂ حج بیت اللہ وزیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ہیں۔آپ نے سیدی شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی

اشرفی مدظلہ النورانی سے سلسلہ طریق میں بیعت حاصل کی۔

☆ حضرت مولانا محمد عارف اشرفی۔آپ کا اسم گرامی محمد عارف اشرفی ولد محمد رفیق شیخ صاحب ہے آپ کی پیدائش پونہ میں بتاریخ ۲۷/جون ۱۹۸۰عیسوی میں ہوئی آپ کی عصری پونہ میں ہوئی اور دارالعلوم اہل سنت پونہ سے حفظ قرآن مجید کیا۔ جامعہ نظامیہ سے ۲۰۰۵ء عالم تک تعلیم حاصل کی۔اور قرأت سبعہ کی تعلیم بھی سیکھی اور قومی کونسل دہلی سے ڈپلوما ان عربک کیا۔تعلیم کی فراغت کے بعد پونہ میں جامعہ اشرفیہ حسامیہ شیخ صلاح الدین میں شعبۂ امامت وخطابت کے استاذ ہیں۔اور بارہ امام مسجد پونہ میں بحیثیت امام وخطیب نو سال سے خدمت انجام دے رہے ہیں سن ۲۰۰۰ء میں حج بیت اللہ وزیارت روضہ حضور اکرم ﷺ سے مشرف ہوئے ہیں۔آپ کی سات تصانیف مطبوعہ ہیں(۱) اماموں کے امام:امام اعظم (۲) معمولات شب برأت سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازلہ (۳) روزے کے مسائل (۴) ٹیلی فون کے ذریعہ چاند کا شرعی ثبوت (۵) نماز کے دس مسائل (حنفی)(۶) جشن میلاد النبی ﷺ سے متعلق چند شبہات کا ازالہ(۷) عرس کی شرعی حیثیت۔ان کتب کے علاوہ مجلّہ کونین پونہ میں مختلف مضامین شائع ہوئے ہیں۔آپ نے سیدی شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی مدظلہ النورانی سے سلسلہ طریق میں بیعت حاصل کی۔

☆ مولانا حافظ محمد سمیع اللہ اشرفی۔آپ کا اسم گرامی محمد سمیع اللہ عبداللطیف خان اشرفی ہے آپ کی پیدائش پونہ میں بتاریخ ۱۹/ مارچ ۱۹۷۶ عیسوی میں ہوئی آپ نے عصری تعلیم کے بعد مدنی میاں عربک کالج ہبلی سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اور جامعہ نظامیہ سے ۲۰۰۴ء مولوی کامیاب کیا۔اور قرأت سبعہ کی تعلیم بھی سیکھی اور قومی کونسل دہلی سے ڈپلوما ان عربک کیا۔تعلیم کی فراغت کے بعد پونہ میں جامعہ اشرفیہ حسامیہ شیخ صلاح الدین میں شعبۂ حفظ کے استاذ ہیں۔آپ کی ایک کتاب مترجم نماز (اردو۔ہندی) منظر عام پر آچکی ہے۔آپ نے سیدی شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی مدظلہ النورانی سے سلسلہ طریق میں بیعت حاصل کی۔

☆ عالی جناب محمد حسن خان اشرفی۔محمد حسن خان اشرفی ولد محمد قاسم علی اشرفی پونہ میں جون ۱۹۴۹ء میں پیدا ہوئے آپ ایک اچھے شاعر ہیں جو نعت اور غزل پر طبع آزمائی کرتے ہیں نعت اور غزل کے ایک ایک مجموعہ غیر مطبوعہ تیار ہے حضرت حافظ شیرازیؒ کی دیوان حافظ کے ایک سو فارسی غزلوں کا منظوم ترجمہ اردو زبان میں ترتیب دئے ہیں اور آپ پونہ سے جاری ہونے والا دوماہی رسالہ کونین کے مدیر ہیں اور پونہ اطراف واکناف کے نعتیہ محفلوں میں نعت خوانی کے لئے

تشریف لیجاتے ہیں آپ بھی شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی مدظلہ النورانی سے سلسلہ طریق میں بیعت حاصل کی۔

☆ عالی جناب شیخ محمد حسین اشرفی۔شیخ محمد حسین اشرفی ولد محمد معصوم انعمدار پونہ میں ۱۱رنومبر ۱۹۷۰ء میں پیدا ہوئے آپ کا تخلص فیضانؔ ہے آپ ایک اچھے شاعر ہیں جو نعت اور غزل پر طبع آزمائی کرتے ہیں نعت شریف آپ کا خاص صنف ہے۔آپ بھی شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی مدظلہ النورانی سے سلسلہ طریق میں بیعت حاصل کی۔

☆ ناگپور: مہارشٹرا ناگپور کی سرزمین پر حضور شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی کچھوچھہ شریف کی سرپرستی میں اور شہزادۂ محبوب العلماء مجاہد الاسلام حضرت مولانا سید عالمگیر اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھہ شریف کی سربراہی ومساعی جمیلہ اور اہل سنت لشکری باغ خصوصاً اشرف المساجد مجلس انتظامیہ کے صدر عالی جناب سید وکیل احمد، عالی جناب عزیز خاں تاجی نائب صدر، جناب مجید خاں اشرفی سکریٹری اور جملہ ارکان کے خواب کی تعبیر، حالات کی سب سے اہم ضرورت، شعبۂ حفظ وقرأت ودینیات کی اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم شیخ الاسلام قیام عمل میں آیا ہے جس میں ہندوستان کے مختلف مقامات سے آئے ہوئے مختلف زبان بولنے والے کثیر طلبہ کو بلا معاوضہ حفظ وقرأت اور دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ حضور شیخ الاسلام والمسلمین کے خلفاء مریدین ومتوسلین بھی موجود ہیں لیکن تفصیلات نہیں مل پائی۔

☆ گوا: گوا میں حضور شیخ الاسلام کے بے شمار دورے ہوئے اور کئی مقامات پر آپ کے خطابات ہوئے اور وہاں آپ کے بے شمار مریدین ومتوسلین کے علاوہ چند خلفاء موجود ہیں۔پنجی میں الحاج عبدالجبار خان جاگیردار، مڈگاؤں میں جناب عبدالکبیر اشرفی مبلغ سنی دعوت اسلامی، پونڈا میں جناب مولانا حسین مجددی اشرفی ہیں۔

دنیا بھر میں حضور شیخ الاسلام والمسلمین قبلہ کے بیشمار خلفاء ہیں لیکن یہاں جنوبی ہند کے ان خلفاء کا مختصر تذکرہ پیش کیا گیا جن سے ٹیلفون کے ذریعہ رابطہ ہوسکا۔بعض حضرات کے صرف ناموں پر اکتفاء کیا گیا کیونکہ ان سے رابطہ نہیں ہوسکا اور جن حضرات کا تذکرہ کیا گیا ہے اُن میں جو ترتیب دی گئی ہے فضیلت، خدمات، ومرتبہ کو دیکھ کر نہیں بلکہ میں نے جس طرح مناسب سمجھا ترتیب دیا ہے کیوں کہ کس کا کیا مقام ومرتبہ ہے ناچیز اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا کیونکہ **فَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡم** ہے اور **اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقَاكُمۡ** بھی ہے فضیلت کی بنیاد علم،

تقویٰ، واخلاص پر ہے جس کا پیمانہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں اگر کسی کے مرتبہ میں کم وزیادتی ہوگئی ہو یا لاعلمی میں کسی حضرت کا اسم گرامی چھوٹ گیا ہو تو معاف فرمائیں اور احقر کو اطلاع دیں۔ انشاء اللہ اگلے مقالوں میں شمار کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بوسیلۂ خاتم النبیین ﷺ اہل بیت اطہار و پیرانِ طریق دعا ہے کہ تمام سلاسل اور خصوصاً سلسلہ اشرفیہ کی تعلیمات سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرما آمین بجاہِ طٰہٰ و یٰسین ﷺ۔

عشقِ رسول ﷺ اور شیخ الاسلام

——ڈاکٹر محمد یوسف نائیکواڑی

محمد ﷺ کی محبت دین ِ حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نا مکمل ہے

دینِ اسلام میں محبت کا صحیح مفہوم انسان کے پاکیزہ جذبات وخیالات کی تفسیر ہے۔حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک بندوں کے لئے ایک خاص عطیہ ہے قرآن شریف کا فرمان ہے اَلّذِین آمنُو اَشدُّ حَباً لِلّٰہِ ’’ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے‘‘ اس پر حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اور یہ فطری تقاضا بھی کہ انسان اسی کے ساتھ رہتا ہے جس سے اسے محبت ہوتی ہے، محبت کا پاکیزہ مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر تم اللہ کی رضا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو گویا حضور ﷺ کی فرمابرداری اور اطاعت گزاری کرنا عشق رسول ﷺ کی شمع روشن کرنا ہے۔

عشق رسول ﷺ دین اسلام کا وہ مضبوط ستون ہے جس پر دین حق کی بنیاد آراستہ ہے، دینِ حق کی مضبوطی گویا حیاتِ کائنات کی تکمیل ہے اگر حیاتِ انسانی میں عشق ہی نہ ہوتو یہ حیات بے معنی ہے، زندگی کے اعمال کا دارومدار ایمان پر منحصر ہے اور عشق رسول ﷺ ایمان کی جان ہے، یہ کہنا بجا ہوگا کہ رسول ﷺ کی محبت دین وایمان کا عین تقاضا ہے اس لئے اس حقیقت سے کائنات متفق ہے کہ اللہ رب العزت کے پیارے حبیب محمد ﷺ باعث تخلیق کائنات ہیں۔ یعنی عشق بنیاد ہے تکمیلِ کائنات کی اگر عشق ہی نہ ہوتا تو کائنات کا وجود ہی نہ ہوتا اور اگر کائنات ہی نہ ہوتی تو پھر زندگی کہاں، عشق کی بدولت زندگی ہے اور زندگی میں لطف وکرم ہے، جمال ہے، پاکیزگی ہے، عبادت ہے، سخاوت ہے، شریعت وطریقت ہے، یہ سب لطف کائنات اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کا صدقہ ہے۔حدیثِ قدسی ہے، **لو لاک لما خلقت الا فلاق و الارضین**‘ اللہ فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ اگر آپ کو مبعوث کرنا نہ ہوتا تو میں زمین وآسمان کو نہ بنایا ہوتا، تو

معلوم ہوا کہ یہ کائنات کی تخلیق عشق رسول ﷺ کا صدقہ ہے۔ غالب کا مصرعہ ہے۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا نہ ہوتا کچھ تو خدا ہوتا

اس حقیقت سے ہم سب متفق ہیں کہ اگر کائنات میں کچھ بھی نہ ہوتا تو خدا ضرور ہوتا، ہمارا یہ ایمان کامل ہے کہ رسول ﷺ ایک وصیلہ ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پتہ چلتا ہے اللہ رب العزت کا ارشادِ گرامی ہے کہ ''اے میرے محبوب لوگوں سے کہہ دو اگر تم اللہ کو دوست رکھنا چاہتے ہو تو مجھ ﷺ سے محبت کرو تو اللہ تم کو دوست رکھے گا'' اپنی مقدس کتاب قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے حقیقی محبت کا تذکرہ بڑی شان و عظمت کے ساتھ کیا ہے، اللہ فرماتا ہے ''تم میرے حبیب ﷺ کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو فقط نام لے کر پکارتے ہو بلکہ تعظیم و توقیر، عزت و احترام کے ساتھ پکارو جیسے کہ یارسول اللہ ﷺ، یا حبیب اللہ ﷺ، یا نبی اللہ یا شفیع اللہ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ بھی اس خیال کو ملحوظ رکھتا ہے اس لئے کبھی، یٰسین، کبھی طٰہٰ، کبھی مزمل، کبھی مدثر کہہ کر خطاب کرتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس کی نشاندہی یوں کی ہے۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقان وہی یٰسین وہی طٰہٰ

عشق و محبت کا فیضان بنی نوع انسان میں قدر مشترک ہے اس کے دو پہلو ہیں ایک حقیقی دوسرا عارضی واختیاری عشق حقیقی

عبادت ہی نہیں بلکہ ایک پاکیزہ و مہذب جوہر ہے جسے علامہ اقبال نے دمِ جبرئیل اور دلِ مصطفٰے ﷺ سے تعبیر کیا ہے۔

اقبال فرماتے ہیں۔

عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب محمد ﷺ کے عشق و محبت میں آپ ﷺ کے درجات وصفات اوصاف و کمالات کو وہ عظمت و بزرگی عطا فرمائی ہے کہ کلام شریف کا ہر پارہ آپ ﷺ کی تعریف و توصیف کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ عشق رسول ﷺ کا ہی تقاضا ہے کہ اس مقدس کتاب میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ اپنی تعظیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے حبیب ﷺ کی حرمت و

عظمت کی تاکید بھی فرمائی ہے، یعنی **اطیعو اللہ و اطیعو الرسول** کا تذکرہ بکثرت کیا ہے۔ کلامِ شریف کا مطالعہ ہمیں یہ ذہن دیتا ہے۔ کہ رب العزت نے اپنے برگزیدہ محبوب کی محبت میں اپنے آپکو اپنے محبوب سے ایک لمحہ بھی جدا ہونا گنوارا نہیں کرتا اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جنت کہ درو محراب پر درختوں کے پتوں پر فرشتوں کی آنکھوں میں جہاں اسم الٰہی لکھا ہے وہاں اسم محمد ﷺ بھی تحریر ہے یہاں تک کہ نماز میں بھی جہاں صرف اللہ کی حمد و ثنا مقصود ہے وہاں اپنے حبیب ﷺ کے ذکر کو بھی فرض قرار دیا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے ''کہ میں اس ذکر کو ذکر نہیں سمجھتا جس میں میرا ذکر ہو اور میرے حبیب ﷺ کا ذکر نہ ہو' اس لئے ہم دیکھتے ہیں کوئی اذاں کہنے والا کوئی خطبہ پڑھنے والا کوئی اقامت کہنے والا ایسا نہیں ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کا نام لے اور نبی ﷺ کا نام نہ لے یہ عشق رسول ﷺ کا ہی تقاضا ہے کہ روزِ محشر میں اللہ نے اپنے محبوب کو مقام محمود عطا فرمایا ہے۔ اور پھر اپنے محبوب کے التفات پر بیت المقدس کو بدل کر کعبہ کو قبلہ بنایا، دیدار مصطفیٰ سے مستفیض ہونے کہ لئے عرش معلہ پر مدعو فرمایا، جلوہ نمائی کے بعد راز و نیاز کی باتیں کیں، یہ وہ مقام الٰہی ہے جہاں محبوب کی خوشی محبّ کی خوشی اور محبوب کی رضا محبّ کی رضا بن جاتی ہے اس مقام پر خود محبّ اپنے محبوب کا مطلوب نظر آتا ہے یعنی فرمانِ الٰہی فرمانِ مصطفیٰ ﷺ کا ضامن بن جاتا ہے۔

علامہ اقبال کا مصرعہ اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ ؎

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

تاریخ گواہ ہے عشق رسول ﷺ کا تذکرہ روز ازل ہی سے امبیائے کرام کے یہاں نظر آتا ہے یہ عشق رسول ﷺ ہی تو ہے کہ نبیوں نے اپنی پیغمری پر امتِ محمدی ہونے کو ترجیح دی ہے بنی اسرائیل کی قوم میں ایک عاشق رسول ﷺ کا نبی ﷺ کے نام مبارک پر اپنے انگوٹھوں کو چوم لینا پھر جنت کی بشارت پانا، مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کی آمد سے ایک ہزار سال قبل میلاد شریف کا منعقد ہونا، جلوس کا نکلنا گلی کوچہ سے گزرتے ہوئے ہر در دو یوار اور مقامات کو اس تصور سے چومنا کہ نبی ﷺ کا گزر یہاں سے ہوگا یہاں قیام پذیر ہونگے یہ سب عشق رسول ﷺ کا تقاضا ہی تو ہے۔

رسول ﷺ کے دور میں جملہ صحابہ کرام نے اپنے نبی ﷺ سے عشق و محبت کا جو ثبوت دیا ہے وہ رہتی دنیا تک کوئی محبّ اپنے محبوب کے لئے ایسے نذرانے پیش نہیں کر سکتا۔ مولائے

کائنات حضرت علیؓ کے عشق کی تو یہ انتہا تھی کہ موصوف نے عشق مصطفیٰ میں نماز کی فرضیت کو بالائے طاق رکھا مگر نبی ﷺ کی استراحت میں گستاخی نہیں کی ایک طرف نماز کے چھوٹنے کا غم تھا آنکھوں میں آنسوں رواں تھے تو دوسری طرف عشق رسول ﷺ کا تقاضا کہہ رہا تھا کہ کہیں بے ادبی نہ ہو جائے، عقل یہ کہہ رہی تھی کہ فرض ادا ہو جائے، عشق یہ کہہ رہا تھا کہ عظمت مصطفیٰ میں کہیں گستاخی نہ ہو، عقل و محبت کی اس جنگ میں اکثر ہم نے یہ دیکھا ہے کہ عقل کو بالائے طاق رکھ کر دل کے فیصلے پر لبیک کہا گیا ہے کیوں کہ محبت کا مسکن نہایت نازک ترین مقام دل ہی تو ہے۔

علامہ اقبال لکھتے ہیں۔

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

علامہ اقبال کے اس خیال کی نشاندہی کرتے ہوئے حضور شیخ الاسلام محمد مدنی میاں قبلہ نے اس کی تصدیق اس طرح کی ہے

عشق نبی ﷺ پر عصر کو قربان کر دیا
کیسے کہوں نماز تمہاری قضا ہوئی

گویا یہ کہنا بجا ہے کہ عشق نبی ﷺ ہی زندگی ہے، یہی عبادت ہے، یہی پارسائی ہے، یہی تقویٰ ہے، یہی پرہیز گاری ہے محمد مدنی میاں قبلہ مزید یہ فرماتے ہیں۔

نماز عصر گر جائے نماز عشق مت چھوٹے
حقیقت میں اسی کا نام زاہد پارسائی ہے

مولائے کائنات حضرت علیؓ کی یہ پارسائی اللہ رب العزت کو خوب پسند آئی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ادھر حضرت علیؓ کے عشق مصطفیٰ کو ملحوظ بھی رکھا اُدھر سورج کو پلٹ آنے کا حکم بھی دیا تا کہ نماز عصر بھی ادا ہو جائے۔ اس حقیقت پر حضور شیخ الاسلام کا ایمان یہ ہے کہ آج بھی حقیقی معنوں میں احمدِ مصطفیٰ کی الفت و محبت ہمارے دلوں میں مستحکم رہے۔ تو یقین جانئے کہ سورج آج بھی پلٹ آ سکتا ہے اس خیال کی تصدیق وہ ایک شعر میں یوں کرتے ہیں۔

آج بھی سورج پلٹ سکتا ہے تیرے واسطے
اپنے دل کو الفت احمد کا کاشنا بنا

صحابہ کرام کی زندگی میں ایسا بھی وقت آیا ہے کہ دیدار مصطفیٰ ﷺ سے محظوظ ہونے کی خاطر نماز جیسی عبادت میں تاخیر بھی کی ہے یعنی محبوب الٰہی کا دیدار ان صحابہ کے نزدیک ایک عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ علامہ اقبال لکھتے ہیں۔

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

مولائے کائنات حضرت علیؓ کا قلب عشق رسول ﷺ سے لبریز وہ خزانہ ہے جو رہزن کے خوف سے بے خوف نظر آتا ہے یہی وہ حیدر کائنات ہیں جنھوں نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر بستر نبوت پر آرام فرما کر عشق رسول ﷺ کے معیار کا ثبوت اس وقت دیا ہے جب کہ مشرکین مکہ نبی ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں زندگی کی وہ پہلی رات تھی جہاں پر میں نے موت کا خوف نہ کئے سکون کی نیند کی یعنی عشق رسول ﷺ میں مجھے نہ موت کا کوئی غم تھا نہ کوئی خوف۔

جنگ احد میں جب کفاروں نے احمد مصطفیٰ کو گھیر لیا تب صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے گرد ایک حلقہ بنایا کفار کی تلواروں کو اپنی پشت پر لیتے رہے حضرت طلحہؓ کا تو یہ عالم تھا کہ انہوں نے کفاروں کی تلواروں کے ہر وار کو اپنے ہاتھوں سے روکا یہاں تک کہ ان کے بازو کٹ گئے زخم پر زخم کھا کر بھی عشق رسول ﷺ میں جانثاری کا ثبوت پیش کیا جنگِ بدر میں ابوبکر صدیقؓ کا شمشیر برہنا لئے نبی ﷺ کی حفاظت پر کمر بستہ ہونا مدینہ منورہ میں شدت کی گرمی سے نبی ﷺ کے چہرے مبارک کی حفاظت کے لئے چادر کا سایہ کرنا اور پھر نبی ﷺ کے وصال کے وقت چہرے انور سے بُرد یمانی ہٹا کر پیشانی مبارک پر بوسہ دیتے ہوئے رو رو کر یہ کہنا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان اور پھر یہ کہنا کہ ''جو موت آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے اس کا ذائقہ تو آپ نے چکھ لیا اب اس کے بعد کبھی آپ وفات نہ پائینگے'' یہ تھا حضرت ابوبکر صدیق کا ایمان اور عشق رسول ﷺ کی انتہا، جسے علامہ اقبال نے اپنے ایک مصرعہ میں اس کی نشاندہی کی ہے۔

عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

جنگ احد کا ایک اور واقعہ جو عشق رسول ﷺ کی شہادت دیتا ہے کہ کسی گستاخ نے یہ خبر اڑادی کہ رسول ﷺ اس جنگ میں شہید ہو گئے ہیں اس خبر کے سنتے ہی وہ انصاری عورت جس

کے قلب اطہر پر عشق رسول ﷺ کی مہر ثبت تھی وہ بے تحاشا اپنے مکان سے نکلی اور صرف آقائے نامدار کی خیریت دریافت کرتی رہی جبکہ اس جنگ میں اس کا بھائی شوہر اور باپ شہید ہو چکے تھے اسے اپنوں کے شہید ہونے کا کوئی غم نہیں تھا اس لئے وہ بار بار آپ ﷺ کی سلامتی کی دعاء کرتی رہی اسی جنگ میں جب حضور ﷺ کا ایک دانت شہید ہوا تو اس خبر کے سنتے ہی ایک عاشقِ رسول حضرت اویس قرنیؓ نے اپنے سارے دانت ایک ایک کر کے شہید کر ڈالے حالانکہ آپ نے نبی ﷺ کا زمانہ تو دیکھا تھا مگر دیدار مصطفیٰ ﷺ سے محروم رہے مگر عشق مصطفیٰ ﷺ پر مسلم رہے۔

عشق رسول ﷺ میں کئی صحابہ اکرام نے موت سے پہلے موت کی تمنا و آرزو کی ہے بلخصوص حضرت بلالؓ کی وفات کا جب وقت آیا تو آپ کے چہرے پر خوشی کا اظہار تھا بستر مرگ پر بھی حضرت بلالؓ نے یہ کہا کہ مجھے خوشی ہے کہ موت آ کھڑی ہے کہ کل میری ملاقات میرے نبی ﷺ سے ہوگی۔ یہ تھا عشق رسول ﷺ جہاں موت پر بھی کیف و سرور کا عالم چھایا ہوا تھا پر دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کا اشتیاق تھا۔

حضرت بلالؓ کی اذاں میں جو لطف تھا وہ عشق رسول کی برکت تھی حضرت بلالؓ فرماتے ہیں جب میں اذان پڑھتا اور اَشھد اُنّ **محمد رسول الله** پر پہنچتا تب آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتا اور آپ کے دیدار سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا۔ علامہ اقبال اذان بلالؓ کو ترانہ عشق قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اذان ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارے کا ایک بہانہ بنی

حضرت خالد بن معدانؓ کی کیفیت بھی کچھ اسی طرح کی تھی کہ آپ ہمیشہ بستر پر جب لیٹتے تو شوق و اشتیاق کے ساتھ نبی ﷺ کا نام مبارک لے کر یہ دعا طلب فرماتے تھے ''یا اللہ میں دیدار مصطفیٰ ﷺ کے لئے بے قرار ہوں مجھے موت دے دے اور نور مصطفیٰ کا جلوہ نصیب فرما'' یعنی موت کو زندگی پر ترجیح دیتے، شاعر فرماتا ہے۔

میں سو جاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صلّی علیٰ کہتے کہتے

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا سینہ ایمان کا ذخیرہ ہی نہیں بلکہ رسول خدا ﷺ کی محبت سے

لبریز کبھی نہ ختم ہونے والا خزانہ تھا۔ عشق رسول ﷺ میں انہوں نے نہ اپنے جان کی پرواہ کی نہ اپنے لخت جگر کو معاف کیا۔ دشمنوں کے خوف سے نبی ﷺ کے ہمراہ ایک غار میں پناہ لینا موذی جانور کا خوف کئے بغیر سانپ کی بل پر اپنی ایڑی لگانا تاکہ حضور ﷺ کی جان کو کوئی خطرہ نہ پہنچے سانپ کا ڈھسنا درد کا سہنا پھر بھی زبان پر خاموشی کا مہر لگانا۔ تکلیف کی شدت کو گوارا کرنا اور اپنے حبیب ﷺ کو ہر خطرے سے محفوظ رکھنا یہ عشق رسول ﷺ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

جنگ بدر میں ابو بکر صدیق کے لخت جگر عبدالرحمٰن قبول اسلام سے پہلے کافروں کے ہمراہ اپنے والد محترم سے بغاوت کرتے ہوئے یہ کہنا کہ ''آپ میری تلوار کے زد میں آ گئے تھے مگر میں احتراماً تم پروار نہیں کیا'' اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا ''اگر تو میری تلوار کی زد میں آجاتا تو میں تجھے گستاخ رسول سمجھ کر تیری گردن اڑا دیتا'' یہ تھا صدیق اکبرؓ کا ایمان جو رسول اللہ ﷺ کے عشق میں اپنے لخت جگر کو بھی قربان کرنے پر آمادہ رہا۔

رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام کی محبت کوئی مافوق الفطری محبت نہیں تھی بلکہ ایک حقیقی اور شعوری محبت تھی جس میں ریاکاری بالکل نہیں تھی گویا وہ قلب کی آواز تھی جس پر ایک صحابِ رسول ﷺ نے اپنی گستاخ شریک حیات کو جو کئی بار سمجھانے کے باوجود بھی نبی ﷺ کو ہمیشہ برا بھلا کہتی تھی تو موصوف نے کلہاڑی اٹھائی اور اسے مار ڈالا، یہ تھا عشق رسول ﷺ جہاں صحابہ کرام کو رسول خدا کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سننا گوارا نہ تھا، حضور ﷺ کے دور میں ایسے بھی صحابہ ہو گزرے ہیں جو میدان جنگ میں حضور ﷺ کے موئے مبارک کو بطور تبرک اپنی ٹوپی میں سجا کر لشکرے اسلام کی پاسبانی کرتے اور فتح یاب ہوتے نظر آتے ہیں۔ عاشقان رسول ﷺ میں صحابہ کرام نے یہاں تک تعظیم و تکریم کی ہے کہ حضور ﷺ کے آبِ وضو پر اس قدر ٹوٹ پڑتے کہ ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہ دیتے بلکہ بڑے احترام و عظمت کے ساتھ ان قطروں کو تبرک سمجھ کر اپنے چہروں پر ملتے تھے۔

حضور ﷺ سے صحابہ کرام کی والہانہ محبت کی کیفیت تو اپنی جگہ مسلم ہے اُدھر خالق کائنات نے بھی عشق رسول ﷺ میں اپنی قدرت کا مظاہرہ کیا ہے اپنے حبیب ﷺ کی آمد کی سعادت پر عرش معلہ کو زینت دیتے ہوئے فرشتوں کو تعظیم کے لئے تعینات کر دیتا ہے، پھر قریب بٹھا کر دیدارِ مصطفیٰ کا شرف حاصل کرتے ہوئے راز و نیاز کی باتیں کرتے، فردوس بریں کی سیر کراتے ہوئے ایک عظیم تحفہ نماز کا دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کرتا ہے اس موقعہ پر میں آپ کو ایک ذہن دینا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے ہر چیز کی خبر رکھتا ہے جب اس کو

یہ علم تھا کہ پچاس وقت کی نمازوں کے عوض میں صرف پانچ وقت کی نماز مقرر ہوگی تو بار بار رسول ﷺ کا تشریف لانا اور نمازوں میں تخفیف ہوتے رہنا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خدا خود اپنے محبوب کے دیدار کا مشتاق ہے، اور پھر ادھر موسیٰؑ کا نمازوں کی تخفیف کے لئے حضور ﷺ سے بار بار استدعا کرنا گویا حضور ﷺ کے دیدار سے مشرف ہونا ہے۔ حقیقت میں موسیٰؑ ان آنکھوں کے دیدار سے مشرف ہورہے تھے جو آنکھیں دیدار الٰہی کا نظارہ کر چکی تھیں، یہی وہ دیدار الٰہی تھا جو موسیٰؑ کو کوہِ طور پر بھی نصیب نہیں ہوا، شاعر فرماتا ہے۔

وہ تو موسیٰ ہو جو طالب دیدار ہوا
پھر وہ کیا ہوگا جس نے تمہیں دیکھا ہوگا

عشق رسالتمآب کی شمع کو فروزاں کرنے میں عالم اسلام کے جملہ عاشقانِ رسول کی فہرست میں حضور شیخ الاسلام علامہ مفتی سید محمد مدنی میاں قبلہ اشرفی الجیلانی دامت برکاتہم کا نام مبارک اپنی جگہ مسلم ہے۔ آپ خانوادہ اشرفیہ کی عظیم و جامع صفات عدیم المثال اور ممتاز عالمِ دین کی شخصیت سے متعارف ہیں۔ مفتی محمد مدنی میاں قبلہ کی طبیعت میں بچپن ہی سے عشق رسول کا چراغ روشن نظر آتا ہے، مولانا موصوف کی حیات شریفانہ کا اگر ہم بصیرت و بصارت کے ساتھ بصمیم قلب عمیق مطالعہ کریں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ کو حضور تاجدار دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ سے نہ صرف بے انتہا محبت ہے بلکہ آپ کی ہر سانس میں عشق رسول ﷺ کی مہک کا احساس ہوتا ہے جو سارے عاشقان رسول ﷺ کے چمن کی آبیاری کرتے ہوئے ہمارے دلوں کو مسرور کرتا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نور مصطفیٰ کی محبت کو اپنی آنکھوں کا سرمہ اور اپنے قلب کو مصطفیٰ کا مدینہ بنا دلیا ہے اس کا اندازہ ہمیں آپ کے جملہ تصانیفات، تقاریر و خطبات اور بالخصوص آپ کی نعتیہ شاعری سے ہوتا ہے، آپ کی جملہ تصانیفات کا ہم گہرائی سے مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آپ کا ہر جملہ ہر لفظ ہر شعر عشق رسول ﷺ کی نشاندہی کرتا نظر آتا ہے۔

حضور شیخ الاسلام محمد مدنی میاں قبلہ کی طبیعت شاعرانہ تھی اس صنف پر آپ نے جو بھی لکھا ہے وہ عشق رسول ﷺ کے کیف و سرور کی کیفیت میں ڈوب کر لکھا ہے، آپ کی طبیعت میں شعر گوئی کا یہ ملکہ ورثہ کی دین ہے۔ عام شعراء کی طرح آپ نے بھی اپنی شاعری کی ابتداء غزل گوئی سے کی پھر اپنے خیالات کو حقیقت کی طرف رجوع کرتے ہوئے صرف صنف نعت پر طبع آزمائی کی اس لئے آپ کی شاعری رسول اللہ ﷺ کے سراپائے حسن و جمال کا احاطہ کرتی

ہے،نعت نگاری میں آپ نے تصوف کا موضوع منتخب کیا ہے اور عشق رسول کی شمع کو فروزاں کرتے ہوئے کیف و مستی میں ڈوب کر جو بھی لکھا وہ آپ کے پاکیزہ تخیل اور جذبات کی ترجمانی ہے عشقِ نبی ﷺ میں قربت کا یہ عالم رہا ہے کہ آپ نے احمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت کو رگِ جاں سے قریب بسا لیا ہے،شعر ملاحظہ فرمایئے

بڑے لطیف ہیں نازک سے گھر میں رہتے ہیں
میرے حضور ﷺ میرے چشم تر میں رہتے ہیں

اس پر مزید آپ کا ایک اور شعر سماعت فرمائیں

مقام ان کا نہ فرش زمیں نہ عرش بریں
وہ اپنے چاہنے والوں کے گھر میں رہتے ہیں

حضور شیخ الاسلام نے احمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ ﷺ کی عفت و پارسائی، عظمت و بزرگی، خصائص کبریٰ اور فضائل اعظمیٰ کی ایسی جامع و مانع تصویر کشی کی ہے کہ ایک پرنور سراپا کا صحیح نقشہ ذہن پر مرتسم ہو جاتا ہے،شعر ملاحظہ فرمایئے۔

تمہیں معلوم کیا ہے مرتبہ ہے کیا محمد کا
گنہگاروں سے پوچھو زاہد و رتبہ محمد کا

حالانکہ سید المرسلین امام القبلتین راحت العاشقین خاتم النبین کے اوصاف حمیدہ کا احاطہ کرنا گویا آپ کی عظمت و شان رسالت کو محدود کرنا ہے اس لئے اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ عشق رسول ﷺ میں حضور شیخ الاسلام محمد مدنی میاں قبلہ نے اپنی ہر تقریر کی ابتداء اصغر گونڈوی کے ایک شعر سے کرتے ہیں جہاں شاعر خاموش رہ کر بھی آپ ﷺ کے فضائل و خصائص کی منظر کشی کرتا ہے،شعر ملاحظہ فرمایئے۔

اگر خموش رہوں میں تو، تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہو گیا محدود

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں اپنے محبوب کے مقام قرب خاص کا صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور ہمیں یہ اشارہ ملتا ہے کہ اگر اللہ کی خوشنودی اور رضا مندی حاصل کرنی ہے تو عشق رسول ﷺ کی سند ضروری ہے یعنی عرفان الٰہی کے لئے عشق نبی کا زینہ لازمی ہے، لکھتے ہیں۔

صرف اتنا ہی نہیں غم سے رہائی مل جائے
وہ جو مل جائیں تو پھر ساری خدائی مل جائے

اسی خیال پر علامہ اقبال نے لکھا ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

اسی خیال میں سرشار عاشق رسول ﷺ سید محمد مدنی میاں قبلہ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے۔

نبی سے ہٹ کر کبھی کسی کو خدا ملا ہے نہ مل سکے گا
خدا کے بندے نبی کا ہو کر خدا خدا کر خدا خدا کر

حضور شیخ الاسلام کی نعتیہ شاعری عالم اسلام میں اپنی ایک انفرادی حیثیت کی حامل ہے، ان کی شاعرانہ طبیعت کا محور جو عشق رسول ہے وہ اس میں گویا اس قدر غرق نظر آتے ہیں کہ کبھی کبھار وہ خود اپنی شناخت کے متلاشی ہو جاتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں۔

جو میری جان سے زیادہ قریب ہیں مجھ سے
انہیں کو ڈھونڈ رہا ہوں مجھے ہوا کیا ہے

عشق ومحبت کا یہ تقاضا فطری ہے کہ عشق عارضی میں انسان کی دیوانگی جب حد پار کر جاتی ہے تو عجیب حرکات وسکنات ظاہر ہونے لگتے ہیں اس مقام پر عشق دیکھتا کچھ اور ہے کہتا کچھ اور، شعر ملاحظہ فرمائیں۔

عشق میں ہر نقشہ الٹا نظر آتا ہے
لیلیٰ نظر آتا ہے، مجنوں نظر آتی ہے

مگر عشق حقیقی جو ایک عبادت کا درجہ رکھتی ہے وہ کچھ اور نظارہ دیکھاتی ہے، اس مقام پر عشق رسول ﷺ گویا عشق الٰہی کا ضامن بن جاتا ہے، عشق میں وجد کا وہ عالم چھا جاتا ہے جہاں قدرت کا جلوہ رسول اللہ ﷺ کے جلوہ میں نظر آتا ہے ایک عاشق رسول کی نظر گنبد خضریٰ پر جب مرکوز ہو جاتی ہے تو کیف و سرور کے عالم میں وہ عرش معلہ کا نظارہ کرتی ہے اس کی تصدیق مدنی میاں قبلہ کے اس شعر سے ہوتی ہے۔

میں نے سمجھا عرش اعظم ہی اتر کر آ گیا
جب تمہارا گنبد خضریٰ نظر آنے لگا

ایک اور شعر ملاحظہ فرییئے

نہ آئے یاد کچھ بھی ما سوائے گنبدِ خضریٰ
مجھے سارے جہاں سے ایسی غفلت ہو تو کیا کہنا

حضرت بلالؓ نے موت کو حیات پر ترجیح دیتے ہوئے حضور ﷺ کے عشق و محبت میں اپنی غلامی کا ثبوت دیا ہے، اسی والہانہ عشق و محبت کے جذبات کی نشاندہی کرتے ہوئے حضور شیخ الاسلام نے بھی عشق رسول ﷺ پر اپنی حیات کو بھی قربان کرنے کا عزم رکھتے ہیں مدنی میاں قبلہ کی خواہش بھی حضرت بلالؓ کی خواہش کا احاطہ کرتی ہے، موصوف کا فرمان ہے ''موت کا انتظار کل تک کے لئے ہم کیوں کریں، کیوں نہ آج موت کو لبیک کہیں اور حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو جائیں''، یعنی دیدارِ مصطفیٰ کے لئے اتنا اشتیاق ہے کہ موت کو حیات پر ترجیح دی جا رہی ہے، فرماتے ہیں۔

اگر کل جان جانی ہو تو یا رب آج ہی جائے
سنا ہے قبر میں بے پردہ وہ تشریف لا ئینگے

حضور شیخ الاسلام کو عشق الٰہی اور عشق رسول ﷺ کے ماسوا دنیا و مافیہا سے نہ کوئی رغبت تھی نہ خواہش نہ چاہت تھی نہ ارمان اور نہ انہیں دنیا کی بے وفائی کا رنج تھا نہ غم بس تمنا و آرزو تھی تو ایک نگاہِ رحمتِ مصطفیٰ کی تھی، جو آپ کی منکسر المزاجی طبیعت میں پوری طرح سرایت کر چکی تھی، شعر ملاحظہ فرمائیں۔

میں تو بس ان کی نگاہِ لطف کا مشتاق ہوں
غم نہیں گر ساری دنیا بے وفا ہو جائے گی

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ نے اپنی غزلوں میں طنز و ظرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عشق عارضی میں خلد پر اپنے محبوب کے گھر کو ترجیح دی ہے فرماتے ہیں۔

کیا ہی رضوان سے لڑائی ہو گی
گھر تیرا خلد میں گر یاد آیا

حضور شیخ الاسلام نے غالبؔ کے اس خیال کو ملحوظ رکھتے ہوئے عشق حقیقی کا تذکرہ کرتے ہوئے جنت کے دربان رضوان سے مخاطب ہیں کہ اے رضوان مجھے تیری جنت سے کیا لینا

ہے میرا دل تو ایک مدینہ ہے، یعنی میرے قلب وسکون کی منزل مسکن بی بی آمنہ ہے اور بی بی آمنہ کا لخت جگر و نور نظر میری آنکھوں کا ایک نگینہ ہے شعر ملاحظہ فرمائیں۔

کیا کروں گا میں رضوان تیری خلد کو
آمنہ کے دلارے کا گھر چاہئے

پھر مزید یوں فرماتے ہیں۔

مدینہ میں میرا دل اور دل میں کملی والا ہے
میرا دل کم نہیں رضوان تیری جنت کے گلشن سے

پھر ایک جگہ مزید یوں فرمایا ہے

یہ ہے رضوان دیارِ حبیب خدا
باغِ خلدِ بریں کا نظارہ نہیں

حضور شیخ الاسلام کی نعتیہ شاعری، شاعری کی دنیا میں اپنا ایک انفرادی مقام رکھتی ہے آپ کا ہر شعر عشق مصطفیٰ کے رنگ میں رنگا نظر آتا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ہر سانس عشق مصطفیٰ کی تسبیح پڑھ رہی ہے اور عشق نبی ﷺ میں آپ کی آنکھوں سے نکلتا ہوا آنسوں کا ہر قطرہ سمندر سے نکلا ہوا گوہر معلوم ہوتا ہے۔آپ کے نزدیک حضور ﷺ کا ذکر ہی بندگی ہے، عبادت ہے، یہی تقویٰ ہے، یہی پرہیزگاری ہے، لکھتے ہیں۔

ان کی یادوں میں رونا بھی ہے بندگی
یا الٰہی مجھے چشم تر چاہئے

حضور شیخ الاسلام محمد مدنی میاں قبلہ نے عشق رسول پر اپنے زرین خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''رسول کی محبت ہمیں ادب و توقیر سکھاتی ہے اور یہی ہمیں اتباع اور اطاعت پر آمادہ کرتی ہے گویا آپ کے نزدیک تعظیم وہی تعظیم ہے جس کا دارومدار محبت پر مبنی ہے۔عشق مصطفیٰ کی کیفیت کو اپنے خونِ جگر کی سیاہی سے قلم کی نوک پر اس طرح اتارا ہے کہ محبت کا حقیقی مفہوم واضح ہو جاتا ہے فرماتے ہیں ''محبت ہی حیاۃ الابدان ہے محبت ہی غذاء الارواح ہے، محبت ہی قرۃ العیون ہے، محبت ہی قوت القلوب ہے، محبت ہی زندگی ہے، محبت ہی زندگی کی کامیابی ہے، محبت ہی کامیابی کو بقاء و دوام کا تاج پہناتی ہے، محبت ہی بقاء کو تخت ارتقاء پر بٹھاتی

ہے،فرماتے ہیں۔

حقیقت پیار کی معلوم کرنا ہے تو الفت کر
نہ سمجھے جو محبت کو وہ ظالم پیار کیا جانے

دین اسلام میں ابراہیمؑ اور نمرود کا واقعہ عشق حقیقی کی نشاندہی کرتا ہے، وہ عشق ہی تھا جہاں ابراہیمؑ پر نمرود کی آگ گلزار بن گئی اور عقل محوِ تماشہ تھی۔ علامہ اقبالؔ نے اس کی منظرکشی اس طرح کی ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو ِ تماشہ ءِ لبِ بام ابھی

علامہ اقبالؔ کا یہ ایمان کامل ہے کہ وہ عشق حقیقی کی کسوٹی پر آج بھی زمانے سے مخاطب ہیں کہ اگر اس دور میں بھی عاشقانِ رسول پیغمبر وقت کی تقلید پر آمادہ ہو جائیں تو نمرود کی لگائی آگ آج بھی گلستان بن سکتی ہے شاعر فرماتا ہے۔

آج بھی ہو جو ابراہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

شیخ الاسلام محمد مدنی میاں قبلہ کا عشق بھی عشق ابراہیم کے زینہ سے اترتا ہوا عشق رسول ﷺ کے قرینہ تک پہنچتا ہے۔موصوف نے وفورِ عشق میں احمدِ مصطفیٰ کے نور کو اپنی زندگی کا سرور سمجھا اسی نور کی محبت میں اللہ تعالیٰ نے سورہ نور نازل فرمایا، یہی وہ نورِ مصطفیٰ تھا جو آدم کی پیشانی مبارک پر چمکا پھر تمام فرشتوں نے سجدہ کیا یہی وہ نور تھا جسکے طلوع ہونے سے فارس کے مجوسیوں کی ایک ہزار سال سے جلائی ہوئی آگ ایک لمحہ میں بجھ گئی، یہی وہ نور مصطفیٰ ہے کہ آج بھی آتش نمرود کو سرد بنا سکتا ہے۔یہی موصوف کا عقیدہ ہے اور یہی ابدی حقیقت ہے۔فرماتے ہیں۔

زمانے نے ہمارے عشق کا انجام دیکھا ہے
کیا ہے آتش نمرود کو بھی گل فشاں ہم نے

محبت کا تعلق دل سے ہے اس لئے دل محبت کا مسکن کہلاتا ہے، یہی وہ دل ہے جو ہمیشہ محبت کی روداد سے لبریز رہتا ہے، حالانکہ اس کا احاطہ بہت قلیل ہے مگر اس میں سمندر کا سمندر سما سکتا ہے، اگر اس دل میں احمدِ مصطفیٰ کی محبت کا خانہ خالی ہے تو وہ دل، دل نہیں ہے بقول محمد مدنی

میاں قبلہ ''وہ دل بھی کوئی دل ہے جو دل ہو تجھ سے خالی'' گویا یہ کہنا بجا ہے کہ دل اگر احمدِ مصطفیٰ کے عشق سے لبریز نہیں تو پھر ایمان نہیں اور پھر ایمان ہی نہیں تو جنت کی بشارت کہاں، روز محشر میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ نبی ﷺ کا چاہنے والا ہی نبی ﷺ کے ہمراہ ہوگا حالانکہ ہمارے نامۂ اعمال میں نماز وروزے بھی ہونگے حج وزکواۃ کی ادائیگی بھی ہوگی جس پر ہم کو ناز بھی ہوگا اور فخر بھی ہو گا، مگر ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ روز محشر میں وہی بخشا جائے گا جو نبی ﷺ کا غلام ہوگا نبی ﷺ کا عاشق ہوگا نبی کا دیوانہ ہوگا جس کے ہاتھ میں نبی ﷺ کی محبت کا پروانہ ہوگا اور جو اپنی جا ن سے بھی زیادہ رسول اللہ ﷺ کو عزیز رکھتا ہوگا، گویا وہی مومن ہوگا وہی کامل ہوگا وہی ایمان والا ہوگا وہی رضائے الٰہی ہوگا جو عاشق رسول ہوگا، اس کی تصدیق ہمیں نبی ﷺ کے قول مبارک سے ہوتی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں ''تم میں سے کوئی مومن کامل ہو ہی نہیں سکتا یہاں تک کہ اسے میں اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں اس حقیقت کی ترجمانی حضور شیخ الاسلام نے کچھ اس طرح کی ہے۔

ہمارے پاس روزے بھی تھے حج بھی اور نمازیں بھی
مگر محشر میں بس تیری محبت کام آئی ہے

بحرِ کیف مولانا محمد مدنی میاں قبلہ کی نعتیہ شاعری عالمِ اسلام میں اپنی مثال آپ ہے آپ کی انفرادی شاعرانہ عظمت کا ایک حسین نمونہ جو ہمارے سامنے پیش آتا ہے اس کا مرکز ومحور عشق رسول ﷺ ہے آپ کامل ایمان وایقان کے ساتھ اپنے شعری مرکز سے والہانہ تعلق خاطر رکھتے ہوئے موجودہ دور کے مسلمانوں کو ذلت وپستی سے نکالنے اور ان کی دلوں میں عشق نبی ﷺ کی شمع فروزاں کرنے کا ذمہ لئے دنیائی چمک ودمک سے ہٹ کر صحابہ کرام تابعینِ عظام اور صلحا ئے امت کے معروف راستے پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرمائی ہے اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہی وہ راہِ مستقیم ہے جہاں ہمیں رضائے الٰہی اور رضائے مصطفیٰ کی سند حاصل ہوتی ہے ،شعر ملاحظہ فرمائیے

رب نے چاہا تو قیامت میں سبھی دیکھیں گے
ان ﷺ کے قدموں میں پڑا اخترؔ خستہ ہوگا

شیخ الاسلام کی شعری کائنات
"تجلیاتِ سخن" کے حوالے سے

——ڈاکٹر سید طارق سعید، صدر شعبۂ اردو، اودھ یونیورسٹی، فیض آباد

کچھوچھہ شریف علم و عرفان اور طریقت و معرفت کے اعتبار سے علاقہ اودھ کا بے حد مرم خیز خطہ ہے۔ یہاں ایک سے ایک نابغہ و عالم پیدا ہوئے۔ ایسے صوفی و عارف جن کے فیوض و برکات کے قصے آج بھی زبان زدِ عام و خاص ہیں۔ ان میں مولانا سید شاہ علی حسین اشرفی، حکیم سید نذر اشرف، سید شاہ احمد اشرف اور سید محمد محدث کچھوچھوی اہم اکابر ہیں جو زمانۂ حال میں مخدومِ کچھوچھہ کے سچے وارث ہیں۔

اسی سرزمین سے سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی کی شخصیت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ تاریخِ ولادت میں اختلاف ہے لیکن اصل تاریخِ پیدائش ۲۸/اگست ۱۹۳۸ء ہے۔ والد محترم سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمۃ اور والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ علیہا الرحمۃ کی آغوش میں تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ ظاہر ہے لڑکپن کو کھیل نام کو بھی نصیب نہ ہوا۔ اور شرارت ترس کر رہ گئی۔ اس بیچ مطالعہ نے اگر فرصت دی تو مشق سخن کر لیا۔ اور جانا کہ شررت ہوگئی اس طرح ۱۱، ۱۲ سال کی عمر مین بوقت فراغت لفظوں کی بے ترتیبی سے ایک خاص نوع کے آہنگ کی تخلیق بچپن کا سب سے عمدہ مشغلہ طے پایا اور یوں مولونا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی اختر کی بازیافت کرنے میں کامیاب رہے۔

حضرتِ اخترؔ ابھی زیر تعلیم ہی تھے کہ والد محترم کا انتقال ہوگیا۔ (تاریخ وفات ۲۵/دسمبر ۱۹۶۱ء) لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا جیسا کہ اس سانحۂ ارتحال کے بعد متوقع تھا۔ حضرتِ اختر، حضرت علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی کے جانشین ہوئے۔ یہ رسم خانقاہی و قانونی ۱۹۶۲ء میں ادا کی گئی۔ لیکن دنیا نے دیکھا کہ عرفان و آگہی، خطابت و قیادت اور روحانیت و برکات میں ذرہ برابر کمی نہ آئی جو سید محمد محدث کچھوچھوی کا خاصہ تھا۔

یہاں یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ حضرتِ اخترؔ کی ذات گرامی پر والدِ محترم محدث کچھوچھوی

کی نوازشات کا کوئی شمار نہیں۔آج یہ سلسلہ ہندوستان سے امریکہ تک دراز ہے اور درمیان کے تمام ممالک اور براعظم ''مشنِ محدث'' کی مہربانی کے قدموں تلے ہیں۔

ایسی زبردست شخصیت کے کلام کی تدوین کرنا ایک مشکل کام ہے۔مولانا فضل حق خیرابادی ہوتے تو ان سے طالبِ مشورہ ہوا جاتا کہ زندوں کے کلام کے تدوین کا کیا طریقہ ہے۔غالبؔ کو اتنی فرصت ضرور تھی کہ منتخب کلام کا معائنہ کرلیں اور بحث وتکرار کے بعد کوئی نتیجہ اخذ کرلیں لیکن صاحبِ تجلیات حضرتِ اخترؔ کو راہِ سلوک کی دشوار گذار منزلیں طے کرنے سے اتنی فرصت نہیں کہ وہ لفظوں کی ترتیب وتزئین کے ضمن میں بحث کرسکیں۔اس لئے لفظ، معنی کی ساری ترتیب مدون کے ذمہ ہے۔اس نے مسودہ میں جیسا پڑھا اور مختلف لوگوں سے جیسا سنا، اپنی علمی بساط کی بنیاد پر جمع کردیا۔یہی وجہ ہے کہ یہ شعری گلدستہ جو دراصل کلیاتِ حضرتِ سید محمد مدنی اخترؔ ہے، اس خاکسار کی تین سالہ محنتِ شاقہ کا ثمرہ ہے، ہدیۂ ناظرین ہے۔اس امید کے ساتھ کہ تدوین کی کوتاہی سے مجھے مطلع فرمائیں گے۔اور حق بجانب ہوں گے تو میرے حوصلوں کی داد دیں گے۔

حضرتِ اخترؔ کا شعری مجموعہ جو فی الواقع گلدستہ ہے مختلف اصناف کے پھولوں کا، لیکن خوشبو سب کی ایک ہے۔ ہیئت میں بے حد تنوع ہے لیکن معنوی وحدت ہر جگہ ایک ہے۔نیز جمالیاتی صورت تغیر پذیر ہے لیکن وجدانی اور عرفانی کیفیت ایک ہے۔تعجب ہوتا ہے کہ اتنی زبردست وحدتِ معنوی و ذوقی کے باوجود، طبیعت میں کہیں تکدر پیدا نہیں ہوتا ہے اور لطف و ذائقہ میں ذرہ برابر کمی نہیں آتی۔شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ سید اخترؔ کا موضوع نعت ہے اور یہ سید اخترؔ کا کرشمہ نہیں بلکہ نعت رسول کا معجزہ ہے کہ وحدت معنوی کے باوجود نعت کی لذت فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ایسا عقیدہ کے سبب بھی ہوسکتا ہے۔اور قاری کے بدلنے سے دوسرے نتائج بھی اخذ ہوسکتے ہیں۔لیکن بلاشبہ نعت ہے بے حد مشکل صنف۔عرفی نے کیا خوب کہا ہے۔

عرفیؔ مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

نعت کیا ہے؟ **ورفعنا لک ذکرک** کا حاصل ہے۔نیز

صرف اسی کو ہے ثنائے مصطفیٰ لکھنے کا حق

جس قلم کی روشنائی میں ہو شامل احتیاط

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف نعت ہے۔صرف ایک شرط کے ساتھ کہ جیسے حمد میں شرک ناقابل تصور ہے، اسی طرح

اسی دیار قدس میں لازم ہے اے دل احتیاط
بے ادب ہیں کر نہیں پاتے جو غافل احتیاط

اسی لئے نعت کے لئے کوئی فارم متعین نہیں۔مسدس،مخمس،مستزاد،غزل،رباعی نیاز مند جس شکل میں چاہے دل کا نذرانہ بارگاہِ مصطفوی میں پیش کرسکتا ہے۔

لبِ جبریل نہ کیوں نوکِ قلم تک پہونچے
لکھ رہاہوں ثنائے شہِ بطحا اختر

گویا نعت موضوعی صنفِ سخن قرار پائی جس کے عنوان شہِ بطحا سرورکونین صلی اللہ علیہ و سلم ہیں۔یہی اس کی پہچان اوراصل ہے۔یہاں یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ موضوعی اصناف اپنی خالصیت کی تکمیل بغیر سچائی اورخلوص کے نہیں کرپاتی بلکہ ”حق وخلوص“ کی شدت، جتنی شدید ہوگی کلام اتنا ہی سچا اور خالص ہوتا چلاجائے گا۔رسول کی تعریف سب ہی کرتے ہیں۔ حجر،شجر، ملائکہ اورجن حتی اللہ سبحانہ بھی رسول پر درود بھیجتا ہے اور بندوں کوتلقین وتاکید کرتا ہے کہ تم بھی میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو۔

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنو صلوا علیہ و سلموا تسلیما غرض کہ صنفِ نعت خالص ایمان وعقیدہ کی چیز ہوئی۔سچی اورخالص نعت کے لئے فنکار کامسلم ہونا اس صنف کی شرط اول قرار پائی ہے۔ظاہر ہے کہ اطاعت کے مقابلہ میں حبِ نبی اس صنف سخن کے لئے زیادہ موزوں اورکارآمد ثابت ہوئی ہے۔

الٰہی مجھے عزم محکم عطا کر
محبت کے دریا میں پہلا سفر ہے

عقیدے کی محکمی اوریقین کامل کی پختگی انسان کے عزم محکم کوعروجِ ثریا سے ہمکنار کرتی ہے۔یہی اس عقیدے کاانعام ہے۔

میں کیوں کھٹ کھٹاؤں درِ راہبر کو
مرا رہنما میرا ذوقِ نظر ہے

یہ جانِ جہاں کون ہیں؟

عرش سندگہِ ذیشان ہے جنت مسکن
بزمِ کونین نمائش ہے تمہاری ساری

یہ شاعری نہیں بلکہ حقیقتِ حال کا بیان ہے کہ کائنات کی ساری بساط، وقت کا سارا تماشہ جانِ جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت وخلافت کا منتظر ہے کہ یہ زمانہ کا آخری نور ہے۔اور ان کے سبب رات ہمیشہ کے لئے ختم ہونے والی ہے۔اور ٹمٹماتا ہوا چراغِ عیسوی خاورِ صبح کی نوید سنارہا ہے۔

ہیں متزلزل قصرِ ضلالت چہرۂ شیطاں پہ چھائی حسرت
جاء الحق و زہق الباطل ان الباطل کان زہوقا

یہ جانِ جہاں، عین حق ہے جن کی تعریف وتوصیف کرنا،نعت کی شناخت کا جزواعظم ہے۔لازم ہے کہ فنکار اپنے رگ وپے میں اس امر کو پیوست کرلے کہ یہ نور میری زندگی ہے، زندگی کی روح ہے۔یہی میرے ایمان کا سبب ہے جس کے بغیر مجھے نہ صراطِ مستقیم ملتا نہ زندگی گذارنے کا طریقہ اور نہ ہی نجات کا راستہ میرا یہی نور جو شخص ہے دراصل قرآن ہے حضرت اخترؔ نے کیا خوب کہا ہے۔

وہ مری جان بھی جان کی جان بھی میرا ایمان بھی روحِ ایمان بھی
مہبطِ وحی و آیاتِ قرآن بھی اور قرآن بھی روحِ قرآن بھی

مراد یہ کہ نعت گوئی میں محض عقیدت سے کام نہیں چلے گا یہاں عقیدہ چاہئے وہ بھی جتنا شدید سے شدید تر ہوتا جائے گا نعت کی قدر بڑھتی جائے گی۔اسی لئے شروع ہی میں عناصر ترکیبی کے تعین میں عقیدت کے بجائے نعت گو کا ''مسلم ہونا'' لازمی قرار دیا گیا ہے جو اس کی شناخت کا پہلا عنصر ہے اور یہ شرط صرف اس لئے لگائی گئی کہ شعر سبھی کہہ سکتے ہیں،محبت کا جذبہ بھی رکھ سکتے ہیں اور اس محبت میں مستِ مئے خواب بھی ہوسکتے ہیں لیکن فنکار کا مسلم ہونا چیزے دیگر ہے جس کو کوئی فنکار نہیں صرف مسلمان سمجھ سکتا ہے۔

شبنموں کا نرگسِ خوابیدہ کیا جانے مزاج
خواب سے دیدہ کبھی نمناک ہوسکتا نہیں

اس بحث کو ادھورا چھوڑ کر مضمون آگے بڑھاتا ہوں۔عقیدہ عقیدت کے فرق کو ملحوظِ نظر

رکھئے تو حضرتِ اختر کی سادگی، روانی اور سلاست اپنی جگہ بے مثال نظر آئے گی۔

اے نسیم سحر اے نسیم سحر
گر گزر ہو ترا مدینے سے
مصطفیٰ کو سلام کہہ دینا
سبز جالی لگا کے سینے سے

مشہور ماہرِ اسلوبیات، لوکاسؔ، فن کار کی سیرت کو اسلوب سے عبارت کرتا ہے۔ یقیناً سیرت کا تعلق انسان کے عقیدے سے ہے۔ عقیدہ لچر، کمزور اور غیر یقینی ہوگا، تو سیرت بھی پھوہڑ مبتذل اور بے صورت ہوگی۔ مسلمان اس لحاظ سے خوش نصیب قوم ہے کہ اس کے پاس ایک مستحکم، منزہ اور لافانی عقیدہ ہے۔ اس نکتہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کا مرتبہ و منصب لوکاسؔ سے بے شمار درجہ اونچا ہے ۔

آدمی کیا ہے آدمیت کیا
حسنِ سیرت نہیں صورت کیا

''حسن سیرت'' کیا ہے؟ اس کا جواب بلال و اسامہ سے بہتر کوئی نہیں دے سکتا ہے جنھوں نے خود ''سیرت'' کو چلتے پھرتے دیکھا اور خود نمونۂ سیرت بن گئے۔ رومی اور عطار کی زبان میں سیرت کی عظیم بلندیوں کے مینارے سے حضرت اخترؔ کہہ رہے ہیں۔

وجودِ کون و مکاں ہست کائنات سے پوچھ
مری شرست میں مضمر ہے رازِ کن فیکون

علامہ اقبال اور حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی کی آمیزش سے جس آہنگ کے جاہ و جلال اور شان وشکوہ کی خمیر تیار ہوئی ہے اس کا راز ہے

ترا کہلانے کے لائق میں نہیں ہوں نہ سہی
میری نسبت تری چوکھٹ سے پرانی ہے حضور
اپنے اخترؔ کی سنوگے یہ سبھی کہتے ہیں
آبرو میری غلامی کی بچانی ہے حضور

حسب و نسب کے بیان میں کتنی عاجزی، کتنی منت کشی، اللہ اکبر! یہی ہے سیرت کی برگزیدگی۔ شاعری برگزیدہ نہ سہی، شعری آہنگ کمزور سہی، علم عروض اور موسیقی کے نورسوں سے

بے توجہی، سب تسلیم لیکن سیرت کی برگزیدگی اور کلام کی یہ حسرت میرؔ و غالبؔ کو بھی کہاں نصیب؟اسی لئے نعت میں شعریت مقصود نہیں بلکہ محبوب اور مطلوب ہے۔حسن سیرت کی خاکسارانہ بلندیاں اہل ذوق کو یہ مذاق اگر ناپسند بھی ہو تو حسانؔ کو یہ سودا منظور ہے لیکن اپنا شیوۂ شاعری بدلنا منظور نہیں۔

میں چاند کیسے کہہ دوں پر یہ کہوں گا اخترؔ
تم بھی ہو اک ستارے آفاقِ اہلِ فن کے

دراصل یہ بھی ایک طرح کی بدمذاقی ہے کہ نعت کو قابل اعتنا نہیں سمجھا گیا۔جب سچائی کو کڑوا کہا جانے لگے، بے ایمانی کو ضرورت اور اخلاق کو بزدلی تو ایسے بیمار معاشرے میں مذاق کے معیار میں بدذوقی کا پیدا ہو جانا کوئی استعجاب کی بات نہیں۔عام طور پر ''کڑوا سچ'' کی دہائی دی جاتی ہے جب کے حقیقۃً کوئی سچ کڑوا ہوتا ہی نہیں۔سچ تو سچ ہوتا ہے، نہایت شیریں اور لذت آفریں لیکن آج نری اور مطلق سچائی کو کڑوا سچ کہا جاتا ہے۔مشہور قول زریں ہے۔''اَلْحَقُّ مُرٌّ وَلَوْ کَانَ دُرٌّ''، یعنی حق کڑوا ہوتا ہے اگر چہ موتی ہو۔یہ امر بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی مریض شہد اور شکر کو کڑوا بتاتا ہے یہی نہیں وہ ہر میٹھی دوا کو تلخ بتاتا ہے۔بعینہ پورے معاشرہ کا یہی حال ہے۔حسن سیرت سے بالاتر بے ایمانی کو ایمان سمجھ کر کسی تاریک ترین منزل کی طرف مانندِ مریض گامزن ہے۔کاش ان کی منزل تبدیل ہو اور ان کا جادہ ظلمت و کرب اور موت نہ بنے بلکہ زندگی، نور اور بہار بنے۔یہی تمنا حضرتِ اخترؔ کی بھی ہے اور وہ بڑے پر امید لہجے میں کہتے ہیں۔

ہویدا تخریبِ گلستاں سے نویدِ تعمیرِ گلستاں ہے
قسم خدا کی ہمارے گلشن کو پھر نئی تازگی ملے گی
رہے سلامت ہمارا ذوقِ نظر تو پھر دیکھ لینا اخترؔ
خزاں چمن کی بہاربن کر چمن میں پھرتی ہوئی ملے گی

گویا حسنِ سیرت کو نعت گوئی کے ایک عنصرِ داخلی کے طور پر تسلیم کرنا لازم قرار پایا بعض ناقدین حسن سیرت کو شخص کی پرائیوٹ ملکیت کہہ کر اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کریں گے یا کسی خاص ٹائپ کے فرد کے تشخص کا مسئلہ بتائیں گے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اے مری قوم کے زاہدو عالمو !نخوتِ زہد و دانش بری چیز ہے
کیا مجھے یہ بتانا پڑے گاتمیں کس سبب سے عزازیل مارا گیا

دراصل اسلام میں حسن سیرت کو انسان کی شخصیت کا سب سے اہم جز قرار دیا گیا ہے اور اسی جز کی بنیاد پر کسی مسلمان کی دنیا و آخرت دونوں کا فیصلہ ہوتا ہے۔ دنیا، اس طرح کہ حسن سیرت سے مزین مسلمان اس خوشی اور سرشاری سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے کہ وہ ایک سچا مسلمان ہے بھلے دنیاوی آسائش اسے میسر نہیں۔ خدا کی بارگاہ میں تو وہ **عبـــدہ** کہلانے کا لائق ہے، غلامِ ساقیٔ کوثر کا درجہ تو اسے حاصل ہے اور آخرت اس کی اچھی ہونے والی ہے۔ بلال وابوذر اس کو سینے سے لگا لیں گے اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی قدم بوسی کا رتبہ نصیب آئے گا اور اس کی نجات ہو جائے گی۔ بعض ناقد کہیں گے یہ نجات نہیں فرار، گریز اور فریب ہے۔ یہاں پھر نکتۂ ہذا کو دہرانے میں مجھے کوئی عار نہیں کو دراصل یہ ناقدین بیمار لوگ ہیں دراصل خود زبردست فراریت اور ظلمت سے دوچار ہیں اور دوسروں کو بھی یہی سبق پلانا چاہتے ہیں۔ ایسے بیمار لوگوں سے حضرت اختؔر کہتے ہیں۔

گریز مصلحت نہیں فرار مستحب نہیں
عجب ہے کہ سمجھ میں تیری یہ کوئی غضب نہیں
صداقتوں عدالتوں کے مرکزِ نگاہ ہو
تمام اپنے دور کی صداقتوں کو چوم لو
گناہ گار ہو سہی ندامتوں کو چوم لو

پھر ’’ذلتِ محکومیت سے ہم کو چھٹکارہ ملا‘‘ کا نعرۂ بلند آہنگ تم بھی لگا سکتے ہو اگر انسان صدق دل سے اپنے گناہوں کے کفارہ کا طالب ہوئے، صدق دل سے خدا کے حضور توبہ چاہے اور نجات کا طالب ہوئے تو کیا نہیں ہوسکتا۔ بفضل الٰہی عرقِ انفعال کی کرشمہ سازیوں کی انتہا اللہ اکبر۔

’’ساری عصیاں کاریاں بخشش کا ساماں ہوگئیں‘‘ بے شک شعری آہنگ میں غالبؔ کا مرتبہ بلند، لیکن یہ زمین اس کو میسر نہیں اس کے پاس ایسا نغمۂ ظرف نہیں جو نجات کی صدا دیتا ہو۔ یہ امر بھی سہی ہے کہ نجات میں ثواب کا پہلو مضمر ہے اور شعر ثواب کے لئے نہیں کہا جاتا شعر کی تخلیق فرد کے شدید احساسِ کرب کی ترجمانی اور تزکیۂ نفس سے شخص کی نجات ہو جاتی ہے اور وہ ایک طرح کی گلوخلاصی کا احساس کرتا ہے۔ دراصل یہ نقطۂ نظر شدید اخلاقی بحران کا شکار ہے۔ نجات تو سبھی کو چاہئے، راستے جدا جدا ہیں۔ کوئی صراطِ مستقیم پر چل کر نجات چاہتا ہے تو کوئی راہِ طاغوت پر

چل کر،کوئی مئے خانے تک جانا چاہتا ہے جادہ ومنزل کا فرق ہے جس کی منزل ''کوثر'' ہے،اس کے مطمحِ نظر میں صبر ورضا کوٹ کوٹ کر بھری ہونی چاہئے۔اس دعا کے ساتھ۔

اے مرے معبود بر حق مستعانِ کائنات
اے مرے فریاد رس اے خالقِ موت و حیات

اے محمد کے خدا اے ربِ صدیق و عمر
تو جو چاہے سینۂ یخ سے ہو باران شرر

صدقۂ خاک کفِ پائے محمد مصطفیٰ
میرے مولا جوہرِ صبر و رضا کردے عطا

نجات،ذلت،محکومیت سے نجات،دنیاوی آرائش وآسائش سے نجات،انانیت وتکبر سے،ظلم واستبداد سے نجات اور سب سے بڑھ کر حساب وکتاب سے نجات جو نعت کا مطلوب و مقصود ہے اور اس کے عناصرِ ترکیبی کا جوہر اصل ہے۔

آدمی سیکھ تو لے صاحبِ ایماں ہونا
آج بھی سہل ہے شعلوں کا گلستاں ہونا

''نجات'' آخرت کی منزل آسان ہونا،پل صراط سے صحیح وسالم گذر جانا اور جنت کی وادیوں میں داخل ہونا ''حسن سیرت'' کے بعد نعت کا حاصل ہے۔حسن و قبح کا فیصلہ،نعت گویوں کے نزدیک بھلے آسان ہو،فلاسفہ آج تک حسن اور قبح کی تعریف بلکہ لغوی مطلب سے شاید آگے نہیں بڑھ سکے ہیں۔مسلمان اس معاملے میں بہت تیز رفتار اور تیز گفتار ہے۔نجات کے لئے جس صبر ورضا کی ضرورت ہے جو مومن گل شدہ کی اصل پونجی ہے،اب خال خال نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حسن وقبح کی تفریق کرنے میں بعض مسلمان کہلانے والے بھی عاجز نظر آتے ہیں اور ظلمت کو کہیں نور اور نور کو کہیں ظلمت سے تعبیر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔مثال کے طور پر مسئلۂ تکفیر ایک بہت پرانا مسئلہ ہے۔اس مسئلہ کے لئے جس دانشورانہ متانت،علمی وقار اور مجتہدانہ بصیرت اور فراست کی ضرورت ہے ہمیشہ سے ہمارے نابالغان علم ومعرفت حضرات کے پاس شاذ دکھائی پڑتی ہے،اسی لئے ایسوں سے کسی مسلمان کو کافر کہلوانا سب سے آسان کام ہوگیا ہے۔

مٹ نہ جائے کہیں دنیا سے نشان ایماں
آج کے فتنۂ تکفیر سے ڈر لگتا ہے

قربِ قیامت کی یہ سب نشانیاں ہیں کہ صاحبِ ایمان کو کافر کہا جائے۔ قرآن سے لوگوں کا ایمان اٹھ جائے اور لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے لگیں۔ بنی اسرئیل پر ایسے حالات میں ہی عذاب اترتا تھا۔ خدا نہ کرے ہمارے وطنِ عزیز کے لوگ نجات کے بجائے عذاب میں مبتلا ہوں (آمین) لیکن یہاں یہ نکتہ خاطر نشان رہے کہ نجات کی تلاش، کفر وضلالت کے پرچار اور مادی قوتوں کے بل بوتے پر نہ کبھی ممکن تھا اور نہ کبھی ممکن ہوگا۔ حضرتِ اختؔر کی ایک نظم ''اشتراکیت کے فرزندو'' کا مطالعہ دلچپی سے خالی نہ ہوگا جو سوویت یونین کو خطاب کر کے تخلیق کی گئی ہے۔ نظم اس زمانے کی یادگار ہے جب کہ سوویت یونین انتہائی طاقتور تھا اور ہر اعتبار سے قیصر اور کسریٰ کی مجموعی قوت کہلانے کا حقدار۔ اس نظم میں تلقین ہے، تاکید ہے اور تنبیہ ہے سدھر جانے کی۔ ایک صاف اور واضح اعلان ہے کہ اگر اس نے مزید تاخیر کی تو عنقریب ان کے مادی ترقیوں کی کہکشاں غبار، غبار ہو کر دعوہ ہائے بے نشان کی مصداق بن جائے گی۔ نظم کا مکمل متن ملاحظہ کیجئے۔

مجھے معلوم ہے اے اشتراکیت کے فرزندو
حصارِ عافیت کے دعویٰ ہائے بے نشاں کب تک
بھرم کھل کر رہے گا لیڈرانِ قوم کا اک دن
غبارِ خاک پر ہوگا فریبِ کہکشاں کب تک
مجھے ڈر ہے زمانے کے قدم آگے نہ بڑھ جائیں
خیالِ خطرۂ منزل امیرِ کارواں کب تک
زمانے کا تقاضا ہے پلا اب جامِ بیداری
رہے گی خوگرِ غفلت سرشتِ میکشاں کب تک

آفاقیت کا ظہور انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے بھیڑیوں سے نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ

پنہاں ہے سکوں اختؔر تاریکئ شدت میں
ہر چشمۂ حیوانی ظلمت سے ابلتا ہے

معلوم ہوا کہ جو کبھی نہ مٹے وہ انمٹ اور وہی آفاقی لیکن فن نعت گوئی کے نزدیک

آفاقیت کا یہ تصور بے حد محدود ہے بقول اخترؔ ع

وہ صبح چاہتا ہوں جو شام تک نہ ہونچے

ظاہر ہے کہ ہر صبح کی تقدیر میں ایک شام کا تازیانہ لکھا ہے۔ ہر نویدِ مسرت بالآخر سوزِ فغاں سے آشکا رہوتا ہےاور ہر اَنَا کو گہن لگتا ہے۔لبید ابن ربیعہ نے کیا خوب کہا ہے۔

أَلَاکُلُّ شَیءٍ مَا خَلا اللّٰہ بَاطِل

وَ کُلُّ نَعِیُمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلُ

آ گاہ ہوجاؤ! اللہ جل شانہ کے علاوہ ہر چیز فانی اور دھوکا ہےاور دنیا کی ہر نعمت کسی نہ کسی وقت ضائع ہوجانے والی ہے(نعتیہ شاعری کا ارتقاڈاکٹرمحمد اسمٰعیل آزادص ۴۱)

کوئی نہیں جو روشنی کہے ہوجا اور روشنی ہوجائے سوائے اللہ سبحانہ کے لیکن جو حسن سیرت کی دولت سے مالا مال ہے،عقیدہ کی مضبوط و مستحکم مبادیات کواصل دنیا تصور کرتا ہے اور نجات کا متلاشی ہے۔یقیناً وہی فنِ نعت گوئی کی مراد ہے۔اس کے لئے اللہ سبحانہ ماضی ومضارع کو یکساں کردیتا ہے،اس کی ہرطرح کی راتوں کوروشن کردیتا ہےاوراس کوایسے مکانوں میں جل شانہ داخل کرے گا جہاں نہ درد ہے، نہ داغ، نہ رنج اور نہ کسی نوع کی تکلیف۔بس لطف، آرام، راحت ہی راحت اور ذائقہ ہی ذائقہ ہے۔ ہرسو، ہرطرف۔

ہے مثل اپنے ہتھیلیوں کے زمانۂ ماضی و مضارع

وہ کون سی شی ہے عقل والو جو ان کے پیش نظر نہیں ہے

مذکورہ بالا امر دروغ بیانی نہیں حقیقتِ حال کا سچا بیان ہے۔ضرورت ہے صرف ایمان کی اورعقیدے کی۔ وہ رسول جس کی تعریف کرنا نعت ہے ہمیں اسی کی امت ہونے کا شرف حاصل ہے۔میں ان کے تلووں کو دیکھتا ہوں میری نظر چاند پر نہیں ہے۔یقیناً میرا نبی بھی بشر ہے لیکن ایسا بشر کہ

جو تم کو دیکھے خدا کو دیکھے

جو تم کو سمجھے خدا کو سمجھے

جو تم کو چاہے خدا کو چاہے

کہ مرأۃِ حسنِ یار ہو تم

ظاہر ہے کہ زمین کے انسان اور ڈارؔ وِن کے نظریہ کے حاملین کے لئے یہی دنیا سب

کچھ ہے۔اسی کے شب وروز سے ان کی آفاقیت کی تقدیر بنتی اور بگڑتی ہے اور اسی دنیا کے رنگ و بو اور دو داغ سے ان کے کمال کی معراج کا فیصلہ ہونا ہے لیکن ہماری معراج اور ہماری تقدیر بحق آفاقیت ہمیشہ کے اس طرح محوظ ہے جیسا کہ ہمارا نبی زمان ومکاں گماں اور ہر نوع کے زیاں سے ہمیشہ کے ئے محفوظ ہے۔

کیا تابِ بشر ہے کہ یہ سیرِ فلک کر کے
زنجیر کے رکنے سے آجائے مکاں پہلے

دراصل نعت کو ایسی ہی آفاقیت مطلوب ومحبوب ہے ’’جہاں لحد بھی نہیں خوابِ غفلت کی منزل‘‘ کی مصداق ہو جہاں ’’حقیقی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے مدفن سے‘‘ کی سچائی کا اعلان ہوتا ہو اور جہاں یہ حسرت پائی جاتی ہو کہ

’’اے مرے کمان والے ہوادھر بھی اک نشانہ‘‘

’’آفاقیت‘‘ آسان وار سہل چیز نہیں اور یہ بھی نہیں کہ صرف نعت گویوں کے نصیب میں ہی آفاقیت آسکتی ہے۔آفاقیت بنی نوع آدم کی سچی میراث ہے، اس کی عظمت کا ایک راز اور عرفان وآگہی سے وابستگی کا اعلان ہے۔آفاقیت خاکی کو فلک آغوش اور مشتِ خاک کو ہم سفرِ لولاک بناتی ہے سچ تو یہ ہے کہ بغیر آفاقیت کے بندہ نہ تو خود کو پا سکتا ہے اور نہ خدا کو۔لیکن افسوس کہ اس سچائی کو بڑے سے بڑے نام نہاد صاحبِ کمال نہ تو جانتے ہیں اور نہ تو مانتے ہیں۔

عظمتِ انسانیت سمجھے کوئی ممکن نہیں
خاک کا ذرہ سہی لیکن فلک آغوش ہے
زندگی ہے بے نیازِ زیست ہوجانے کا نام
موت کہتے ہیں جسے وہ زمدگی کا ہوش ہے

اور دراصل

خود کو پانا ہے حقیقت میں خدا کو پانا
اپنے ہی ہاتھ میں ہے صاحبِ ایماں ہونا

اور خدا کو ہم نے رسالت مآب کے ذریعہ ہی پایا ہے اور یہاں ان کی تعریف وتحسین ہی مقصود ہے جو نعت ہے ءظاہر ہے یہ سب عقیدے کی باتیں ہیں جس کے بغیر آفاقیت، عظمت، شکوہ اور شائستگی کا ہاتھ آنا ناممکن ہے۔عقیدے کی مضبوط اور مستحکم بنیادیں ہی آفاقیت سے ہم کنار کرتی

ہیں ایسی آفاقیت جس پر موت حرام ہے اور کن فیکون کی تمام جلوہ سامانیاں سجدہ ریز ہیں۔

یہ خدا کی شان دیکھو ہے ہمیں کو حکمِ سجدہ
کبھی سجدہ گاہِ عالم تھا ہمارا آستانہ

ظاہر ہے کہ ایسی آفاقیت، طاغوت دوستوں کو کہاں نصیب؟ ان کی آفاقیت کی زندگی زیادہ سے زیادہ صورِ ابد تک ہے اور بس۔ لیکن مسلمان کی آفاقیت بھلے اس میں خوش گوئی تفکر، تبلیغ اور جہاد نہ ہو، ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے یہ دوسری بات ہے کہ کوئی بھی مسلمان ان چیزوں سے بے بہرہ نہیں ہوتا ہے۔ گویا نعت گوئی کے صلہ میں آفاقیت ایسی گرانمایہ چیز انسان کے ہاتھ لگ جاتی ہے جو ان کی زندگی کا اصل مدعا اور مقصد ہے۔ نعت گوئی کا یہ فیضان تمام انسانوں پر کھلے عام نہیں بلکہ شدید ریاضت و مشقت کرنے والے سچے مسلمانوں پر اللہ سبحانہ عام کر دیتا ہے۔ کڑی دھوپ میں محنتِ شاقہ کرنے والا مزدور ایسی بے قراری بے تابی اور کرب سے دوچار نہیں ہوتا جیسا کہ نعت گو لفظ و معنی کی سخت و سنگلاخ زمین پر تڑپ تڑپ جاتا ہے۔ عام آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ نعت گو صرف ونحو اور معنیات کی کس نوع کی آزمائش میں مبتلا ہے۔

تیغ ابرو کی ضرب نیز یہ ظلم
آزمائش ہے بے قرار نہ ہو

یہ بحث اسی لئے ضروری ہے کہ نعت میں الفاظ و معانی کی جو دنیا آباد ہے اکثر اس سے بے خبر اور بے گانہ ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت اختؔر یہی کہتے ہیں کہ ”جو تم کو دیکھے خدا کو دیکھے“ تو کیا رسالت مآب معاذ اللہ، اللہ سبحانہ ہیں؟ ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں کیوں کہ احمقوں کی کمی نہیں ہے اور معاشرہ بھی شدید بیماری میں مبتلا ہے، دماغوں کے قفل بند اور زبانوں پر لکنت ہے، اس لئے ضروری ہے کہ نعت گوئی کے تناظر میں الفاظ و معانی کی بحث پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔ بعض صاحبانِ علمِ غیر نافع یہ کہیں کہ معانی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک حقیقی دوسرا مجازی پھر حقیقی اور مجازی معنویت کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں لہٰذا رسالت مآب کو دیکھنے سے خدا کو دیکھنے کا مطلب مجازی ہے۔ لیکن جناب! ابوجہل و ابولہب نے بھی رسالت مآب کو دیکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ سند یافتہ لوگوں کے پاس اس طرح کے سوالوں کا جواب نہیں۔ یہ صحیح کہ عربوں نے صرف ونحو کی دقیق سے دقیق بحث کے ہر نکتے کو بالتفصیل بیان کیا ہے اور کسی پہلو یا گوشے کو نہیں چھوڑا ہے لیکن لسانیات بالعموم اور نعت گوئی کے پس منظر میں علم اللسان کا گوشہ بالخصوص کسی قدر تاریکی میں پڑا ہوا ہے۔

لسانیات کا علم فی زمانہ سائنسی اعتبار حاصل کر چکا ہے اور ہر لفظ اور معنی تجربہ گاہ میں بالکل معروضی انداز میں اپنے تجزیہ کا منتظر ہے۔ یہاں معروضیت اتنی شدید ہوتی ہے کہ کسی منطقی یا فلسفیانہ بحث کی گنجائش ہی نہیں ہوتی نیز ہر نوع کی دماغی قلابازیوں کا سرے سے انکار ہوتا ہے۔ یہ سب وہی حضرات کرتے ہیں جنھوں نے ہر کس و ناکس کے لئے سچے کو کڑوا مشہور کر رکھا ہے اور لفظ و معنی کی سچائیوں سے بے بہرہ ہیں۔ خدا نہ کرے ان کے دلوں پر مہریں بھی لگیں۔

لغت کے تناظر میں لفظ و معنی کی لسانی گفتگو مزید مشکلات کا سامان پیدا کرتی ہے۔ مثلاً ''جو تم کو دیکھے خدا کو دیکھے'' ہی کو لے لیجئے۔ اس کی معنیات کے مختلف شیڈس مختلف ذہنوں میں اس طرح آسکتے ہیں۔

(۱): جس نے تم کو دیکھ لیا بعینہ خدا کو دیکھ لیا۔

(۲): معاذ اللہ تم، ہی خدا ہو، تمہارا دیکھنا ہی کافی ہے۔

(۳): خدا کو دیکھنا انسانی قوتوں کے ماورا ہے لہٰذا تمہارا دیکھنا ہی خدا کو دیکھنا ہے۔

(۴): تمھیں دیکھ کر خدا کا گمان ہوتا ہے۔ (معاذ اللہ) وغیرہ وغیرہ

لیکن ان معانی میں بعض تو سرے ہی سے غلط ہیں اور بعض اگر چہ کسی نہ کسی حد تک صحیح ہیں مگر متن کا مقصود نہیں۔ ہمارا قاری اسی لئے غلطی کر رہا ہے کہ اس کی رسائی محض آنکھ تک محدود ہے اور آنکھ کا تعلق دیکھنے سے ہے۔ قوت بصارت کی اوقات سے ہم سب واقف ہیں۔ اس غریب کو یہ نہیں معلوم کہ دیکھنے کا تعلق بصیرت، معرفت، اور وجدان سے بھی ہے۔ جس نے لمحہ بھر کے لئے بھی رسول سے معرفت حاصل کر لی اس نے دراصل اللہ سبحانہ سے معرفت حاصل کی۔ ان شاء اللہ نجات اس کی تقدیر ہو گئی۔

حضرتِ اختؔر کے مجموعۂ کلام ''تجلیات'' سے ایک لفظ ''غم'' کے مختلف رنگ، جہت اور زاویے برائے تجزیے پیش ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

شبِ غم کی صبح کیا ہے، یہ ذرا مجھے بتانا
آپ تو قطرۂ اشک پر ہنس پڑے
اس میں مضمر ہے غم کی میرے داستان
انہوں نے مجھ پر نظر ہنس کے ڈال دی آخر
سلامِ درد جگر زندہ باش جوش جنوں

غمِ فراق کی دشواریاں نہ پوچھ اختؔر
کہیں جو دن وہ ٹوٹیں تو رات ہوجائے
بہار رنگ ہے دورِ خزاں میں
سکونِ دل نہاں در نہاں میں
سکونِ خاطر غم ہیں کانٹے
گلوں کی تازگی نے مارڈالا
چھن کے آواز سے گمان ہوا
شیشۂ دل کسی کا ٹوٹ گیا
شادمانی کا ہو یا ہوئے الم کا سامنا
پھر بھی زندہ ہ ل کبھی غمناک ہوسکتا نہیں
اشکِ لہو پر دل نہ پسیجے
ہائے رے یہ انسان ہے کیسا
کرو حوادثات کا مقابلہ خوشی خوشی
تقاضہ زندگی کا ہے یہ اور یہی ہے زندگی
الجھنا سیکھو خار سے اگر ہے گل کی آرزو
ہے راحتوں کی جستجو تو کلفتوں کو چوم لو

غم و آلام میں آلودہ میری زندگی ہے
فقط لا تقنطوا کی ایک امداد نہانی ہے
زیرِ خنجر مسکرا کر کہہ دیا شبیر نے
یورشِ آلام میں بھی مسکرانا چاہیے

دراصل ''معرفت'' ایک احساس ہے، ادراک کا جو بغیر آنکھ کے ہوتا ہے۔ ورنہ اس نا بینا صحابی کا کیا ہوگا جس نے بغیر آنکھ کے بھی رسول کو دیکھا اور اللہ سبحانہ کو اور مزید طرہ یہ کہ اپنی اصل آنکھوں سے جنت کے نظاروں کو دیکھ رہا ہے۔ اسی لئے جدید علم لسانیات لفظ کی حقانیت کی قائل ہے۔ لفظ صرف سچ بولتے ہیں یہ تو انسان کی کج روی اور کج فہمی ہے کہ اس کا غلط استعمال

کرتے ہیں اوراس کی تفہیم کی غلط معرفت کرتے ہیں۔مثلاً مشہور ہے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔اس کی تشریح میں بعض افراد ایک ایک چیز کو شمار کر کے بتاتے کہ خدا جگہ موجود ہے۔اسی مقام پر جدید لسانیات رہنمائی کرتی ہے اور متن کی معرت سے آشکار ہو جاتی ہے خدا ہر جگہ موجود ہے سے مراد ہے خدا کی مشیت ہر جگہ موجود ہے،خدا کی قدرت ہر جگہ موجود ہے۔نا کہ نعوذ باللہ ہر جگہ خدا خود بنفس نفیس موجود ہے۔

ذرے ذرے سے نمایاں ہے مگر پنہاں ہے
مرے معبود تری پردہ نشینی ہے عجیب
دور اتنا کہ تصور کی رسائی ہے محال
اور قربت کا یہ عالم کہ رگِ جاں سے قریب

یہی حال اس غم کا ہے جو مذکور کیا گیا جو فنِ نعت گوئی کے تناظر میں اور پیچیدہ ہو گیا ہے۔غم کے سب اسیر ہیں آفاق کی منزل سے کوئی صحیح و سلامت نہیں گزرا ہے،اور اس کا علاج مرگ ہی ہے۔ایسا ہمارا بڑے شاعروں کا خیال ہے اس لئے تمام عمر آہ و بکا اور چیخ و پکار اور ہنگامہ آرائی کرنا کوئی خاص بات نہیں ہے۔یہ اس کے مقدرات کی باتیں ہیں جو اس کے شعر شور انگیز ہونے پر غماز ہیں اور حاملِ فریاد رس ہیں لیکن ایک نعت گو کے نزدیک یہ باتیں بے حد خطرناک ہیں اور وہ غم کا عرفان اس طرح نہیں کرتا جیسا یہ حضرات کرتے ہیں بلکہ غم کو وسیلۂ نجات بنانے پر کوشاں رہتا ہے اور وہ بھی بے حرف وصوت یہاں بھی ایک حبیب ہے ایک محبّ ہے،فراق ہے اور غم ہے لیکن اظہار لفظ کی سچائیوں کے سات اس انداز میں منعکس ہو رہا ہے۔

اضطراب عشق کا اظہار ہو بے حرف و صوت
اے غمِ دل احتیاط اے وحشتِ دل احتیاط

یہ درست ہے کہ غم کے ساتھ تغزل کی تڑپ تزکیۂ روح کا سامان اور فطرت کی نغمگی ہے غم کے یہ عناصر دراصل اس کے زادراہ ہیں جو اپنی کمی اور بیشی سے غم میں موجود ہوتے ہیں نعت میں تڑپ اور تزکیہ کا سامان بدرجۂ اتم موجود ہے۔رہا نغمگی کا معاملہ تو یہ خداوند قدوس کا عطیہ ہے کہ جس نے فطرت کو رنگ و آہنگ سے سرفراز فرمایا ہے وہ اپنی سب سے بلند تخلیق کا نذرانہ جو اس کے محبوب ترین حبیب کے حضور پیش ہے کیوں نہ اسے آہنگ کی نعمتیں دے۔اس نکتے کو ملحوظ نگاہ رکھیئے تو حضرت اخترؔ کے مندرجہ ذیل اشعار قابل مطالعہ نظر آئیں گے۔

رم جھم رم جھم پانی برسے یاد تمہاری دل کو ستائے
میری دعا ہے اپنے رب سے ایسی ساعت آکے نہ جائے
چمن کی رنگینیاں چمن میں چمن کو رشک چمن کریں گے
گلوں کو پھر تازگی ملے گی کلی کلی کو ہنسی ملے گی
نغمہ زا زیست کا ستا نہ ہو
خندہ زن چشم اشک بار نہ ہو
اے خالق بہاراں اپنے کرم سے تو نے
شاہ گل چمن کو تو نے دی ہے قبا گلابی
چمکانے والے قسمت چمکا دے ایسی قسمت
اختؔر سے ہو نمایاں اندازِ ماہتابی
گلوئے پر خنجر چلائے جا چلائے جا
تجھے کیا فکر کوئی شاد یا نا شاد ہوتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ جب لفظ اپنی منزل و مراد سے ہمکنار ہو جاتے ہیں تو ان میں خود بخود نغمگی اور آہنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی خالق لفظ کا فیصلہ ہے۔ ان لفظوں کی انواع بے شمار ہیں لیکن خدا کی کمال تخلیقیت دیکھئے کہ اس نے ہر لفظ کو ہر لحاظ سے آسودہ بنا دیا ہے۔ یہ تو انسان کی نا کردگی ہے کہ وہ حرمت لفظ کے مرتبے سے ناواقف ہے اس کا غلط استعمال کرتا ہے اس کا استحصال کرتا ہے اور اس کے منصب کو پامال کرتا ہے۔ نعت گو مزید آرائش میں مبتلا ہے کیونکہ زبان بھی سوائے ادب میں آڑے آتی ہے جدید لسانیات کے علماء کے لئے یہ شعر بہت کارآمد ثابت ہوگا۔

اختر نہیں ہے وقتِ جنوں ہوش کو سنبھال
سوءِ ادب ہے بولنا بزمِ خیال میں

لفظ معنی یعنی قطبین کو سمجھے بغیر کسی متن پر کوئی فیصلہ دینا انتہائی درجہ کی بیوقوفی ہے لیکن آج کی بد مذاقی دیکھئے کہ لسانیات سے ناواقف حضرات جب کبھی جوش میں آجاتے ہیں تو بیچارے مصنف کو سیدھے فتویٰ تکفیر کی سولی پر لٹکا دیتے ہیں اقبال کے سلسلے میں یہ مشق ہنوز جاری ہے ان سند یافتہ حضرات کا کوئی ٹھکانہ نہیں کب کیا کر بیٹھیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہی حضرات بالکل بے خبر قسم کے لوگ ہیں اس لئے ان سے کچھ کہنا سننا بھی بے سود ہے۔ لیکن وہ لوگ جو احترام لفظ سے

تعارف چاہتے ہیں ان کے لئے چند نکات ضرور پیش بیان ہیں مثلاً ایک لفظ ہے اسلام اور ہم بفضلہٖ مسلمان ہیں لیکن لفظ اسلام کے کیا معنی ہیں اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ ہم اپنی بساط بھر اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں علمیت وقابلیت کی اتنی کیا ضرورت کہ ایک سادہ سا مسلمان اسلام کے معنی نہ سمجھا سکے۔ یہی سوال جب اقبالؔ سے پوچھا گیا تو وہ کانپنے لگا کیونکہ وہ مشکلاتِ لا الٰہ سے واقف تھا۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الہ را

اسلام میں آخرت اور عالم آب وگل مضمر ہے لیکن اس کے علاوہ بھی اور عالم ہیں مثلاً عالم ارواح عالم محشر اور عالم برزخ وغیرہ سب پر ایمان لانا ضروری ہے اور سب پر اسلام محیط ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہاں لفظ کا انتخاب ہی ایسا کیا گیا جس کے معنی میں کئی عالمین مضمر ہیں تو ایک عام سا لفظ نقاب کا مطلب ملاحظہ کیجئے حضرت اخترؔ کی نگارش قلم سے۔

نقاب ان کے روئے منور سے سرکا
زمانے نے سمجھا طلوع سحر ہے

مراد یہ ہے کہ اسلام جو پردہ نبوت میں تھا سامنے آ گیا، لیکن مندرجہ ذیل شعر میں نقاب کے دوسرے معنی ہیں

اگر کل جان جانی تو یا رب آج ہی جائے
سنا ہے قبر میں بے پردہ وہ تشریف لائیں گے

جب کہ یہی ''پردہ داری'' مندرجہ ذیل شعر میں اول الذکر نقاب پر دلالت کرتی ہے تو معنی کا قطب پھر متغیر ہو جاتا ہے، ملاحظہ کیجئے۔

خود ہی ہو جائے گی بے نام و نشاں تاریکی
ٹھہرو پردے کو ذرا رخ سے تو سرکانے دو

گویا لفظ کا قطب معنی کے قطب سے مل کر جب ایک وحدت پیدا کرتا ہے اور ایک فطری آہنگ تشکیل دیتا ہے تو خود بخود ہر نوع کے تضاد تناقض اور ابتذال دور ہو جاتے ہیں اور لفظ کا استعمال آفاقی ہو جاتا ہے، اسی لئے لفظ نہ تو بدیسی ہوتے ہیں اور نہ دیہاتی لفظ تو بس لفظ ہے اور اس کی حرمت کی شناخت انسان کے نطق کا سب سے بڑا ذریعہ ہے جو لوگ بعض الفاظ کو پاک،

منزہ اور قابلِ استعمال گردانتے ہیں اور بعض الفاظ کو ناپاک اور مبتذل، وہ لوگ دراصل بے خبر لوگ ہیں۔ انتہائی قسم کے بھولے شاطر اور سفاک اور دراصل یہی لوگ ظالم ہیں کہ لفظ کے مقام ومرتبہ کا لحاظ کئے بغیر جہاں چاہا جس کسی لفظ کو ذبح کر دیا، جہاں چاہا مسلمان بنا دیا جہاں چاہا کافر کا استعمال کیا، اسی لئے شروع میں ہی ایسے لوگوں کے لئے لفظ نابالغانِ علم ومعرفت کا استعمال کیا گیا جو در اصل لفظوں کے قاتل ہیں۔ خدا ان سے سب کو محفوظ رکھے (آمین)

حضرتِ اختر کی شاعری سے لفظ، معنی کے چند قطبین ملاحظہ کیجئے۔

اس وقت کیا کریں ہم جب کہ اے ستمگر
یادیں تمہاری آئیں ہر جوڑ سے بدن کے

اس شعر کے معنی طے کرتے ہوئے کسی بھولے سفاک نے کہا کہ مجھے احتمالِ قوی ہے کہ عاشقِ ستم زدہ اپنے معشوق کے دست حنائی سے کہیں خوب پٹا ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر دیکھئے۔

عشق نبی پہ عصر کو قربان کردیا
کیسے کہوں نماز تمھاری قضا ہوئی

اس شعر میں عصر کے معنی نماز عصر ہی زیادہ لوگ لیں گے لیکن عصر کے معنی زمانہ بھی ہوتا ہے جس کو تسلیم کر لینے سے نہ کہ صرف شعر کی خوبی میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ نعت کا مدعا یعنی عقیدہ حسن سیرت اور نجات کا بھی دستیاب ہوتا ہے۔ آیئے لفظ ومعنی کے صحیح منطقوں کے پیش نظر چند اشعار کا مطالعہ کریں۔

سوا ان کے اٹھا پائے نہ کوئی
کمال ناتوانی چاہتا ہوں
فریاد دل کرے نہ گر اختر تو کیا عجب
اٹھتا کہیں ہے آگ کے شعلوں سے بھی دھواں
وہ مسلم مارتا تھا ٹھوکریں جو تخت شاہی پر
وہ مارا مارا پھرتا ہے مثال بے نوا سن لے
اس کو اپنی خبر معاذ اللہ
نگہِ ناز جس پہ پڑ جائے

میرا اشک لہو کارگر ہوگیا
منتظِر تھا مگر منتظَر ہوگیا

مندرجہ بالا اشعار میں جن لفظوں پر دھیان دینا ضروری ہے وہ ہیں کمالِ ناتوانی، آگ کے شعلوں، مثالِ بے نوا معاذ اللہ اور منتظَر۔ یہاں سہل ممتنع کی مثال پہلے شعر کی تشریح دیکھئے یوں ایک نظر میں شعر کا یہ مفہوم متعین ہوتا ہے کہ میں اتنا کمزور لاغر اور ہلکا ہوجانا چاہتا ہوں کہ حضور کے سوا مجھے اور کوئی نہ اٹھا سکے یعنی اگر میں بہت موٹا تازہ اور پہلوان بن جاؤں گا تو شاید میرے زیادہ وزن کے سبب حضور مجھے نہ اٹھا سکیں لہٰذا میں کمال ناتونی چاہتا ہوں یہ سب چیزیں تو ہین رسالت کی باتیں جو غبی دماغوں میں فوراً آجاتی ہے۔شاعر کا مقصود کیا ہے؟ خدا کے سوا کوئی بہتر نہیں جانتا، متن کا مقصود مندرجہ ذیل ہوسکتا ہے۔

(۱) یہ ایک دعا ہے، ایک بندۂ عاصی کی جو خدا کے حضور پیش ہے، وہ جانتا ہے کہ اس کی گناہیں پھول بن جائیں تا کہ رسالت مآب ﷺ اس کو سہارا دے دیں اور اس کا بیڑا پار ہو جائے۔

(۲) اللہ سبحانہ سے بندے کی التجا ہے کہ سوائے رسالت مآب ﷺ کی شفاعت کے اسے کوئی نجات نہ ملے، لہذا اے اللہ! تو میرے گناہوں کو پھول بنادے۔(آمین)

(۳) شاعر عالم آب وگل پر عالم آخرت کو قیاس کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اگر میں اپنے حبیب کے فراق میں رو، رو کر کمزور، نحیف اور نزار ہوجاؤں اور مرنے کے قریب پہونچ جاؤں تو ممکن ہے کہ کوئی میری مدد کو آپہونچے۔لیکن شاعر کو یہ منظور نہیں، لہذا شاعر، اللہ سبحانہ سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو ہی کاتب تقدیر ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری اور کوئی مدد کرنے آپہونچے اور میری کمال ناتوانی بے کار ہوجائے لہذا رب تعالی شانہ سے مکرر التجا ہے، دیکھو ان کے سوا کوئی اور نہ اٹھانے پائے۔

مصرعہ کو بار بار پڑھیے، لفظ و معنی کے قطبیں خود بخود واضح ہوتے چلے جائیں گے۔
لیکن اس ''سہار'' میں رسالت مآب ﷺ کو ذرہ برابر بھی احساس نہ ہو اس لئے کمال ناتوانی چاہتا ہوں۔

(۴) دنیا میں ایسے بے شمار بزرگ اور اولیاء گذرے ہیں جو دنیا میں رسالت مآب کی دید کے شرف سے سرفراز ہونا چاہتے ہیں۔ان کی دن، ان کی راتیں ان کے دماغ ہمہ وقت شرف

دیدار کے لئے تڑپتے رہتے ہیں، اسی میں ان کا انتقال ہوجاتا ہےاور دنیا میں ان کو یہ شرف حاصل نہیں ہو پاتا، یوں بھی ہوا ہے کہ بعض بزرگوں کو بڑی قوتوں کا ساتھ رہا ہے بعض کو جنوں کا اور بعضوں کو بلندترین فقہا، مجتہدین ائمہ اور صالحین کا، لیکن ان میں سے بعض کو ہی شرف نیاز حاصل ہوسکا، ورنہ زیادہ کو تشنہ لب دنیا سے رخصت ہونا پڑا۔ شاعر بے حد فنکارانہ انداز میں اپنے رب سے دعا کرتا ہے میں ایسی کمال ناتوانی چاہتا ہوں کہ ان کو سہار دینے میں ذرہ برابر بھی احساس نہ ہو، وہ آئیں، مجھے سہار دینے، اور میں ان کی شرف دید سے سرفراز ہو جاؤں مومنؔ خان مومن نے اس نوع کی فنکاری کا خوب استعمال کیا ہے، ان کی ایک غزل پر حضرت اخترؔ کی تضمین بھی یہاں شاملِ ''گلدستہ'' ہے۔

(۵) صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے آرزو کی کاش میں پرندہ ہوتا!

''کمالِ ناتوانی چاہتا ہوں'' انسان حساب و کتاب کی منزل سے گزرتے ہوئے کتنا لرز رہا ہے وہ کمالِ ناتوانی چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ صدیق اکبر شاعر نہ تھے صرف حساب و کتاب کی کٹھن منزل کے سبب بول اٹھے تھے۔ ''کمالِ ناتوانی چاہتا ہوں'' بالکل پرندے کی طرح نہ گناہ نہ ثواب ہمہ وقت تسبیح الٰہی میں مصروف مرضئ مولا میں مست صرف حکم ربی کا محتاج پھر ان (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ''سہار'' دینے میں کیا مضائقہ، اگر ان کا امتی مانند پرندہ پاک وصاف ہے۔

(۶) مخلوقاتِ عالم کی فہرست میں انسان کی حیثیت سب سے عظیم ہستی کی ہے زمین کا خلیفہ نائبِ الٰہی ۔ موسیٰ اور ہارون سب انسان ہیں حتی کہ داؤد اور سلیمان سب انسان تھے۔ سب کے جد امجد آدم علیہ السلام ہیں۔ ہم سب کے باپ، لیکن داؤد اور موسیٰ کوئی معمولی انسان نہ تھے بلکہ بے حد برگزیدہ اور انسانیت کا کمال، پیغمبر اور رسول تھے اور اس طرح آخری رسول سرور کونین محسنِ انسانیت آخری رسول ہیں اور انسانیت اس مقام سے زیادہ عروج نہیں پاسکتی ع

بعد از خدا بزررگ توئی قصہ مختصر

کا مصداق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اب شاعر کا کمالِ عاجزی ملاحظہ کیجئے اور اس کی شرافت اسلامی اور تقدیر پر ایمان کا مرتبہ دیکھئے کہ ''کمالِ ناتوانی چاہتا ہوں''، یعنی میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہوں کاش! کمالِ ناتوانی کو اس طرح پالیتا کہ ان کی رفاقت بھی نصیب میں آجاتی! اور اور میرا مقدر بھی سنور جاتا۔ یہ

کیسے ممکن ہے ء؟ خلفاء، ائمہ اور دوسرے اصحاب جو رسول کے امتی ہیں دراصل بلندیاں ہیں اسلام کی۔ بعدہ مجتہدین اور مجددین آتے ہیں۔ سب پر اللہ سبحانہ کی نوازشاتِ خاص ہیں۔ خدا کے انعام واکرام کے مستحق و رسالت مآب کے سچے رفیق اور دین مبین کے محافظ، سبھی کو رسالت مآب نے سہارا دیا اور سبھی آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش بدوش رہیں گے۔ پھر شاعر کیا چاہتا ہے؟ شاعر کا سوال ہے کہ جب میرا خلق ہونا لوحِ الٰہی پر درج تھا تو عالی مقامیت نہ سہی، نہ سہی۔ کیا یہ کم ہے زمانۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں میری تخلیق ہوئی! ناتوانی حصہ میں آئی لیکن اے اللہ! اگر میں کمالِ ناتوانی کو پالیتا تو یقیناً گردِ راہِ مصطفیٰ ہوتا۔ اللہ اکبر! شاعر کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔

(۷) اِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے کوثر عطا کی۔ پھر کسی امتی کا کمال ناتوانی کا یہ انداز بے معنی لگتا ہے۔

میدانِ آخرت میں ایک جمِ غفیر ہوگا، ہر ایک یہی چاہے گا کہ میرا بیڑا پہلے پار لگے۔ اعمال کی گٹھری تلے سب دبے ہوں گے اور مسلمان کو باذن اللہ کوثر سے کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا۔ رحمتِ عالم خود یا امتی یا امتی کہہ رہے ہوں گے۔

اب شاعر کا اندازِ التماس دیکھیے جو ایک جانب حبِ نبی سے اتنا لبریز ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ وہی شافعِ محشر ہیں کمالِ ناتوانی چاہتا ہے۔ دوسری جانب یہ کہ خدایا میری وجہ سے شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم کو انفعال آگیں نہ ہونا پڑے (آمین)

ایک ہی ذہنی رویے سے مزین اور ایک ہی فنکارانہ رنگ و آہنگ سے مملو چند اشعار کے مزید نمونے پیشِ مطالعہ ہیں ملاحظہ کیجئے۔

بلبل اسیرِ مہر لبی پھول زہر خند
کس کو خزاں کہیں گے اگر یہ بہار ہے

خدا بچائے بڑے سادہ لوح غنچے ہیں
خزاں چلی ہے برنگ بہار کیا ہوگا

اللہ اللہ پھول بھی ہیں شعلہ آتش فشاں
بلبلوں کی نغمہ ریزی میں بھری ہیں تلخیاں
بلبل کے ننھے دل طوفان سا مچا ہے

جب میں نے ان سے باتیں پھولوں کے روبرو کی
نظر کا چار ہونا نگاہ ناز سے اخترؔ
مرے ننھے سے دل کا میرے پہلو میں سماں بدلا

یہاں آپ نے ملاحظہ کیا کہ لفظ معنی کے قطبین میں کیسے کیسے تغیرات ہوتے ہیں یہاں پھول اور ننھے دل کے دوسیٹ مذکور کئے گئے ہیں موڈ اور لہجہ ایک ہے شعری آہنگ میں یکسانیت ہے، نیز وحدت معنی میں افتراق نہیں لیکن لفظ معنی کا تغیر اپنی جگہ مسلم ہے اس نکتہ سے جو ناواقف ہے وہ شعر کی خوبی اور اس کی بلندئ مذاق کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

یہ صحیح ہے کہ نعت ایک موضوعی صنف سخن ہے لیکن اس موضوع میں بے پناہ معروضیت ہے استدلال ہے اور شعور کی بین نظریں ہیں، جہاں ایسا نہیں ہے، سمجھ لیجئے کہ فن کار کے عقیدے میں کجی ہے، سیرت میں لچر پن ہے، نجات سے بیگانگی ہے اور آفاقیت کے نظریے میں ایک تحدید موجود ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ نعت کا کوئی فارم نہیں، نیز یہ فن کار کے دل پر منحصر ہے کہ وہ جس بھی ہیئت میں چاہے، نعت کہہ سکتا ہے، عقیدے اور نجات کی باتوں کے لئے، کسی زبان، فارم یا ہیئت کو مقرر بھی نہیں کیا جا سکتا ''رحمۃ للعالمین'' کی اصطلاح ہی ان تعینات کی کاٹ کے لئے کافی ہے، اس لئے شروع میں ہی ایک دل شکن امر کی طرف اشارہ کیا گیا تھا کہ نعت صرف ''مسلمان'' ہی کہہ سکتا ہے، مسلمان ہی عقیدہ اور نجات پر ایمان رکھتا ہے، اس لئے جو محبت اسے ہوگی غیر کو نہیں۔ دراصل یہ اس رسالت مآب ﷺ کی شخصیت کی قوت کشش ہے کہ جو ان سے بھی عقیدت کے بول نکلوا لیتا ہے جو اس پر ایمان نہیں لاتے اور اس کا کلمہ نہیں پڑھتے یہ اس امی ''شخصیت'' کا معجزہ ہے، جو عالم ازل و ابد ہے اور جس پر تمام علوم کا خاتمہ ہے۔

پرتوِ زلفِ معنبر نازشِ دیجور ہے
عکسِ رخ ہے اشکِ صبحِ جلوہ بارِ زندگی

عام طور پر نعت گویوں نے رخ رسول ﷺ کو اپنا موضوع بنایا ہے، شاید اس لئے انسانی جسم میں چہرہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، چہرے کی آنکھیں، چہرے کے اردگرد گیسو، چہرے کی حدود کو چھوتی کشادہ پیشانی اور چہرے کے دوسرے خدوخال سب مل کر انسان کو خوب سے خوب تر بنا دیتی ہے۔ اس لحاظ سے رسالت مآب ﷺ کا چہرہ سب چہروں سے جدا بلکہ بے مثل ہے۔ نعت کے ایک معنی ''خوبصورت چہرہ والا ہونا'' بھی ہے اور ''عمدہ خصلتوں والا ہونا

''بھی ہے۔(نعتیہ شاعری کا ارتقاء۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد)

اس خوبصورت وعمدہ چہرے کی چند صفات ملاحظہ کیجئے۔

دیکھ کر روئے روشن کو دل میں
خواہش حور پاؤ تو جانوں
ماہ و خورشید کی کوئی حاجت نہیں
زلف کی شام رخ کی سحر چاہیے
دیکھا ہے چاندنی کو انفعال آگیں
جب بات چھڑ گئی ہے اس میرے ماہ رو کی
کس نے سرکایا رخِ روشن اخترؔ
ہر طرف ایک قیامت سی ہے برپا دیکو

نیز یہ کہ:

یہ بھی ہیں چہرہ پر نور کے پر وانے دو
دوش پر کاکل خمدار کو بل کھانے دو
آگئے ہیں وہ زلفیں بکھیرے
جن پہ صدقے اجالے اندھیرے

لیکن اس چہرۂ مبارک ﷺ کی تشریف آوری کے بعد آج انسانیت کیوں سسک رہی ہے، بلک رہی ہے، ستم رسیدہ ہے اور سفاکوں کے ظلموں اور ریشہ دوانیوں کی شکار ہے، ایک مفکر کا سوال ہے، جو کم نعت گویوں کے حصہ میں آیا ہے مسائل کے انداز میں کتنی دردمندی، تازگی اور عجز ہے کہ دل سے داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

سنتے ہیں کہ وہ جان چمن آئے ہوئے ہیں
پھر غنچے بتا کس لئے کمہلائے ہوئے ہیں

ایک بار پھر حضرت اخترؔ کو آفریں کہئے جنہوں نے مذکورہ بالا شعر میں مستقبل کی بشارت دے دی اور مژدہ سنا دیا ہے کہ اب خزاں کا دور چلا اور بہار آنے والی ہے، کہتے ہیں کہ سنتے ہیں کہ وہ جان چمن تشریف لا چکے ہیں، گویا جیسے ابھی ابھی کی بات ہو، اور رسالت مآب ﷺ کی پیدائش کا بیان ہو تو یقیناً غنچوں کی قنوطیت کے لئے سامان تسکین کا انتظام ہونا چاہئے اور انہیں یہ معلوم ہونا

چاہئے کہ ''وہ جان بہاراں مرے روبرو ہے'' اور جو درحقیقت ''چمن کی آبرو ہے'' تو گلوں کو اب کھلانے کی کیا ضرورت؟ ہاں! اگر ضرورت ہے تو اس کی ؏

ہم تو انہیں اپنائے تھے اپنا ئے ہوئے ہیں

اسی فکر میں ہماری نجات ہے اور ہماری آفاقیت کی ضمانت ہے، بھلے سے ہم شاعر نہ ہوں ہمارا عقیدہ اور ہماری سیرت بلند ترین نعت گویوں کی تقلید کی غماز تو ہے، اور ہمارے ٹوٹے پھوٹے الفاظ بارگاہ مصطفوی میں محبت کے پھول لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں ؂

السلام اے رحمۃ للعلمین السلام اے مظہرِ دینِ مبیں
السلام اے رونقِ کون و مکاں السلام اے رہنمائے رہبراں
السلام اے صاحبِ کوثر سلام السلام اے حق کے پیغمبر سلام
السلام اے خاتمِ پیغمبراں السلام اے رہنمائے رہبراں
السلام اے رہبر دینِ حق پیکرِ صدق و صفا صبر و رضا
مدعائے مژدۂ عیسیٰ سلام منتہائے مقصدِ موسیٰ سلام
کیجئے مقبول اخترؔ کا سلام شاہ ولیوں کے نبیوں کے امام

پارۂ دل پر اک نظر

——ڈاکٹر سید امین اشرف (مرحوم)، علی گڑھ

''پارۂ دل'' کے خالق حضرتِ اختؔر کچھوچھوی، صاحبِ دیوان شاعر سید محمد محدثِ اعظم (ہند) کے فرزند ہیں۔ اپنی گوناگوں صفات کی وجہ سے خانودۂ محدثِ اعظم کو خانوادۂ اشرفیہ کی مختلف شاخوں میں امتیاز واختصاص حاصل ہے۔ مسلکِ اہل سنت کی ترویج واشاعت میں اِس خاندان کی مساعیٔ جمیلہ اور اِس خانوادے کے افراد کا تجربۂ علمی، اس کی شناخت ہے۔ خود خانوادۂ محدثِ اعظم میں حضرت اختؔر کچھوچھوی کی ایک امتیازی شان ہے۔ ہشت پہل، بیک وقت عالمِ دین، فقیہ، مفسرِ قرآن، خطیب، شیخِ طریقت، اور صوفی منش ہونے کے علاوہ صاحبِ طرز انشا پرداز اور شاعر بھی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت اختؔر شاعری کی طرف کیوں مائل ہوئے۔ اس کا جواب صاف ہے۔ ایسی شخصیت جو گوناگوں فضائل کی حامل ہو، اس میں ایک وصف اور سہی۔ یہ اوصاف ایک ہمہ گیر شخصیت کی غمازی کرتی ہیں۔ ایسی ہمہ جہت شخصیت، وسعتِ نظر سے مالا مال ہوتی ہے اور اس کی دلچسپیوں کی آماجگاہ وسیع سے وسیع تر ہوتی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک وہبی صفت ہونے کے علاوہ شعر گوئی کا یہ ملکہ حضرتِ اختؔر کو ورثے میں ملا ہے۔ دادا علامہ فاضلؔ کچھوچھوی کو داغؔ دہلوی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اور وہ با کمال شاعر تھے، والدِ مرحوم حضرت محدثِ اعظم صاحبِ دیوان شاعر، برادرِ اکبر سید حسن مثنی انورؔ صاحبِ طرز ادیب اور شاعر اور خود حضرتِ اختؔر کے جدِّ اعلی حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی شاعر۔ آپ کا کلام ''دیوانِ اشرف'' ناپید ہے، مگر تاریخ وسِیَر کی مختلف کتابوں میں حضرت کے جستہ جستہ اشعار مل جاتے ہیں جو پند ونصائح سے مملو ہیں۔ تیسرے یہ کہ صوفی پر وجد، سرمستی اور حال کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے اس کے اظہار کے لئے نثری نگارشات سے زیادہ معتبر اور قوی، شاعری کا یہ میڈیم ہے۔ اس سے منسلک ایک سوال اور رہ جاتا ہے کہ حضرتِ اختؔر کچھوچھوی نعت کے شاعر ہیں پھر غزل کی طرف

کس طرح راغب ہوئے۔ یہ امر قرینِ قیاس ہے کہ جو شاعر ایک صنفِ سخن پر قادر ہے، اسے کسی دوسری صنفِ سخن کو اپنانے میں دشواری نہیں ہوتی۔ نعت ہے کیا، شاعری میں عشقِ رسول ﷺ کا اظہار، عشقِ رسول ﷺ حضرتِ اخترؔ کی زندگی کا عنوان ہے اور ان کی شاعری کے رگ و پے میں جاری وساری مگر جہاں تک شعر گوئی کا معاملہ ہے، تو ابتداء غزل گوئی سے ہی ہوئی ہوگی۔ سوداؔ، ذوقؔ، انشاء نگار شعراء ہیں مگر ان کی شاعری کا آغاز اصلاً غزل سے ہی ہوا ہے۔ فلسفۂ خودی کا مبلغ اور قرآنی تعلیمات کا شارح اقبال اپنی شاعری کا آغاز غزل سے کرتا ہے۔

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی

میر انیسؔ جیسا باکمال شاعر جو مرثیہ گوئی پر حاکمانہ قدرت رکھتا ہے، اول اول اس نے غزلیہ شاعری کی ہے:

پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو
خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو

یہ سوال اہم نہیں ہے کہ حضرتِ اخترؔ نے شاعری کی شروعات غزل سے کی ہے، نظم سے یا نعت سے ''بارانِ رحمت'' (نعتیہ شاعری) اور پارۂ دل (غزلیہ شاعری) کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اول الذکر کلام میں رچاؤ، پختگی اور الفاظ ومحاورات پر حاکمانہ قدرت زیادہ بھرپور ہے اور اس کے مقابلہ میں فنی ہنرمندی سے بھرپور غزلوں کے علاوہ ایسی غزلیں بھی ہیں جن کا مطالعہ اس امر کا غماز ہے کہ یہی ابتدائی نقوش ہیں۔ چند اشعار دیکھئے:??????????????????

محولا بالا اس قبیل کے بیشتر اشعار کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرتِ اخترؔ کے عنفوانِ شباب کی شاعری ہے جس کا اصل مرکز مادی عشق ہے اور اس عشق کی تال پر یہ اشعار رقص کررہے ہیں۔ عشق ومحبت کا فیضان بنی نوع انسان میں قدرِ مشترک ہے۔ یہ کسی خاص وضع قطع کے انسان یا کسی مخصوص زاویۂ نظر تک محدود نہیں اس کا وجود مختلف دل ودماغ میں اس کی بساط یا جذباتی شخصیت کے مطابق ہوتا ہے۔ غزل میں اس کا اظہار برملا ہوتا ہے، اشارے کنائے میں ہوتا ہے یا بصد حزم واحتیاط اور اکثر یہ بھی مشاہدے میں آتا ہے کہ رمز وکنایہ میں بھی یہ اظہار نہیں ہو پاتا اور

کمالِ ضبط کی وجہ سے دل کی بات دل میں ہی رہ جاتی ہے۔اس خیال کی وضاحت میر کے اس شعر سے ہوتی ہے۔

کہتے ہو کہ یوں کہتے، یوں کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

حضرتِ اختؔر کے مندرجہ بالا اشعار پر امیؔر مینائی اور داغؔ دہلوی کا رنگ حاوی ہے۔ان میں محبوب سے شکوہ وشکایت ہے، مگر گریہ وزاری نہیں۔ضبط فغاں ہے، آہ وبکا نہیں۔شوخیِ طبع ہے، مگر پھکڑ پن نہیں۔بے لاگ ڈانٹ، خوش باشی یا وصال طلبی شمہ برابر نہیں۔حسن پرستی یا عشق مجازی ہے مگر ہوس ناکی نہیں۔لطافتِ اظہار اور پاکیزگیٔ بیان کے ساتھ زبان کا چٹخارہ پن بھی ہے مگر ابتذال یا سوقیانہ پن نہیں اور یہ ہو بھی نہیں سکتا کیوں کہ یہ ایک عارف کا کلام ہے۔

سن وسال میں بتدریج ارتقا اور مشق وممارست کے ساتھ حضرتِ اختؔر کی غزلیں بھی ارتقائی منزلیں طے کرتی نظر آرہی ہیں۔کہیں غالبؔ کی ہلکی سی جھلک جلوہ گر ہے، کہیں آتشؔ کی قلندرانہ شان، کہیں اقبالؔ سے ایک ذہنی وجذباتی قربت ہے تو کہیں پنڈت برج نارائن چکبستؔ کا پرتو، خونِ جگر کی آبیاری کی وجہ سے کلام کا رنگ نکھرتا چلا جارہا ہے فکر میں بالیدگی پیدا ہو رہی ہے اور اندازِ نظر میں حکیمانہ بصیرت۔

غالبؔ کی غزل کا مطلع ہے۔

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل، جگر تشنۂ فریاد آیا

حضرت اختؔر کے غزل کا مطلع ہے۔

پھر وہی شوخ نظر یاد آیا
راحتِ قلب وجگر یاد آیا

چھ اشعار پر مشتمل یہ غزل رعنائی خیال اور اسلوب کی تازہ کاری کا ایک خوبصورت مرقع ہے۔غالبؔ کی غزل کا مطلع ہے۔

ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے

بحر میں ہلکی سی تبدیلی کے ساتھ حضرت اختؔر کی غزل کا مطلع ملاحظہ ہو۔

وہ وفا پیکر سنا ہے محوِ ناؤ نوش ہے
کیا خبر اس کو مری شمعِ خوشی خاموش ہے

مندرجہ بالا شعر میں جذباتی ہیجان انگیزی نہیں بلکہ یہ حزنیہ لَے اور نشاطیہ آہنگ کا آمیزہ ہے غالبؔ کے ایک مشہور غزل کا مطلع ہے:

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

حضرت اخترؔ کی غزل کا مطلع اس زمین پر ہے:

یاد ہے صحنِ چمن میں تراخنداں ہونا
اور پھولوں کا وہ انگشت بدنداں ہونا

ماضی کے رومان پرور لمحات کو شاعر نے اپنی یادوں کی گرفت میں لیا ہے اور محبوب کی خندیدگی کے سامنے پھولوں کی شگفتگی کے دعوے کا بطلان کرتا ہوا نظر آتا ہے، یہ میرؔ کے شعر سے ملتا جلتا ہوا شعر ہے:

چمن میں گل نے جو کل دعویٰ جمال کیا
جمالِ یار نے منھ خوب اس کا لال کیا

راقم الحروف کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اساتذۂ سخن کی زمین پر یا ان کے رنگ میں شعر کہنا کارِ دشوار ہے مگر حضرتِ اختر اس پلِ صراط سے صحیح سلامت گزر گئے ہیں۔ غزلوں میں جا بجا اقبالؔ سے دلچسپی کے کوندے لپکتے ہیں۔ اقبالؔ کے ایک شعر کا مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے عاصی بندے کی آنکھوں سے نکلے ہوئے آنسو پسند ہیں۔ دیکھئے اس مضمون سے متعلق شاعر مشرق کے شعر سے حضرت اخترؔ کی عارفانہ نظر کو کس قدر مناسبت ہے:

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عَرَقِ انفعال کے
(اقبالؔ)

ضیا جو پھوٹتی ہے قطرۂ اشکِ ندامت سے
اسے مہرِ درخشاں کی کرن کہنا ہی پڑتا ہے
(اخترؔ)

پنڈت برج نارائن چکبست کا شعر ہے:

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

حضرتِ اختر کہتے ہیں:

زندگی ہے بے نیازِ زندگی ہونے کا نام
موت کہتے ہیں جسے وہ زندگی کا ہوش ہے

چکبستؔ کا شعر ایک ''سائنسی حقیقت'' کا انکشاف ہے اور حضرتِ اختر کا شعر ''نفسی حقیقت'' کا۔ یعنی ہم جسے ''موت'' کہتے وہ دراصل زندگی کا تسلسل ہے۔ غوثِ اعظم کا قول ہے کہ دولت مند وہ ہے جو دولت سے بے نیاز ہو، حضرتِ اخترؔ کہتے ہیں کہ اصل زندگی وہی ہے جو زندگی کی سطحی ترغیبات اور نفسانی خواہشات سے آزاد و بے نیاز ہو اور موت کا کھٹکا یوں دامن گیر رہے جیسے یہ کل آنے والی ہے۔ اصل زندگی دنیائے دوں کی نفی ہے۔

آتش کی مشہور غزل ہے:

یہ آرزو تھی تجھے گل کے رو برو کرتے
ہم اور بلبلِ بے تاب گفتگو کرتے

حضرتِ اخترؔ کی ایک غزل اسی زمین میں ہے:

جو پیش ان کو کبھی ہدیۂ لہو کرتے
تو اس طرح انہیں ہم اور خوب رُو کرتے

اول تو شعرِ مذکور میں ''جو'' اور ''تو کے صوتی آہنگ کا حسن، دوسرے یہ خیال کہ عاشق کی جگر کاوی، محبوب کے لب ورخسار کا غازہ ہے۔ تیسرے ''ہدیۂ لہو'' اور ''خوب رو'' جیسے نوک پلک سے درست الفاظ شعر کی صوری ومعنوی حسن میں چار چاند لگا رہے ہیں۔ اس پوری غزل کا آہنگ موسیقیت سے لبریز اور معنویت کی بوقلمونی سے رنگا رنگ ہے۔ اس طرح کے اشعار شاعر کی شگفتہ مزاجی پر دال ہیں عاشق کا محبوب کو لہو پیش کرنا کمالِ عشق ہے اور محبوب کی قدر شناسی وقدر افزائی بھی۔

اساتذۂ سخن کے علاوہ اور بھی دیگر کلاسکل شعراء کے لہجے کی چھاپ صاف نظر آتی ہے یا ان کی زمین میں مشقِ سخن۔ اساتذہ کی زمین میں شعر کہنا جوکھم کا کام ہے مگر حضرت اخترؔ نے اس

میدان کو کامیابی سے سر کیا ہے۔ان شعراء کی زمینوں پر یا ان کے رنگ میں شعر کہنا ہی فنی چابک دستی اور شاعرانہ ہنرمندی کی دلیل ہے، سوال یہ ہے کہ کیا حضرتِ اختر کی شاعری مختلف کلاسکل شعراء کی آوازِ بازگشت ہے۔ایسا اس لئے نہیں ہے کہ حضرتِ اختر کے مضامین ان شعراء کے موضوعات سے یکسر مختلف ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر صرف اور صرف ایک شاعر کے اثرات ان کی غزلیہ شاعری پر ہوتے تو کہا جاسکتا تھا کہ یہ شاعری فلاں شاعر کی شاعری کا چربہ ہے، اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کسی عالیشان مکان کی تعمیر میں سنگ وخشت، چوب ورنگ اور آب وآہن ممد ومعاون ہوتے ہیں اسی طرح حضرتِ اختؔر نے جملہ اساتذۂ سخن کے لب ولہجے کو اپنی جذباتی اور مفکرانہ شخصیت میں اس طرح جذب کرلیا ہے کہ ان متعدد اور متضاد آوازوں کی آمیزش سے ایک ایسی نئی شعری فضا تیار ہوئی ہے جس میں انفرادی شان پائی جاتی ہے اور بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ یہ لہجہ حضرتِ اختؔر کچھوچھوی کا اپنا لہجہ ہے۔

حضرتِ اختر کی عاشقانہ شاعری کی خصوصیات کیا ہیں اول تو یہ کہ شاعر کا احساسِ جمال نہایت تیز اور شدید ہے۔انگریزی رومانی شاعر کیٹس (KEATS) نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ ''ایک اپنا مخفی اور ہلکا سا بھی احساس جمال میرے جسم کے رگ رگ میں ہیجان پیدا کردیتا ہے''۔حضرت اختؔر کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے مگر اس ہیجان میں ایک سنبھلی ہوئی کیفیت ہے اور اس کے اظہار میں رکھ رکھاؤ، قد وگیسو کی قیامت خیزیوں، لب ورخسار کی حلاوت اور چشم وابرو کی فتنہ انگیزیوں کے ذکر میں عامیانہ پن نہیں ہے، مثلاً حضرتِ اختؔر کی سراپا نگاری دیکھئے:

یہ بھی ہیں چہرۂ پر نور کے پروانے دو
دوش پر کاکلِ خم دار کو بل کھانے دو
کہہ رہی ہے رخ پہ یہ بکھری ہوئی زلفِ حسیں
ابر کے پیچھے کی برقِ تپاں روپوش ہے
بدمست گھٹاؤ یہ تو کہو اس وقت ہمیں کیا لازم ہے
جب ساغر عارض موج میں ہو، جب زلف پریشاں ہوجائے

دوسرے یہ کہ ان عشقیہ غزلوں میں مریضانہ کیفیت نہیں ہے۔ہمارے اکثر شعرا غزلوں میں اس امر کا اعادہ کرتے رہتے ہیں کہ عاشق مجبورِ محض، ناکام اور غم وآلام میں محصور ہیں اور محبوب ستم پیشہ، کج رفتار، بد دماغ اور تغافل شعار ہے۔اختؔر کے کلام میں عاشق کی مہجوری اس کی

زندگی کا تقاضہ ہے، محبوب کی ستم رانیوں کا نتیجہ نہیں۔اس عالمِ مہجوری میں اختؔر محبوب کی تغافل زائیوں کا رونا نہیں روتے بلکہ جذب وسرور اور کیف انبساط میں ڈوب جاتے ہیں۔اس طرح قاری کی طبیعت پر بجائے افسردگی، شگفتگی طاری ہو جاتی ہے۔تیسرے یہ کہ ان غزلوں میں عاشق کا کردار ایک غیرت منداور خوددار انسان کا کردار ہے۔ وہ درِ محبوب پر ناصیہ فرسائی نہیں کرتا اور محبوب ستم گر ہوتے ہوئے بھی بے وفا یا ہرجائی نہیں ہے۔تمام عشقیہ شاعری میں ضمناً بھی کہیں کسی رقیب کا ذکر نہیں ہے اور ہو بھی نہیں سکتا کیوں کہ یہ ایک صوفی با صفا کی عشقیہ شاعری ہے۔اس سلسلہ میں آخری نقطہ یہ ہے کہ ان غزلوں کا محبوب ایک تصویرِ خیالی یا مثالی محبوب ہے جس کے حسن و جمال کو آب ورنگ، عشق نے بخشا ہے۔اس کی تائید حضرت اختؔر کے اس شعر سے ہوتی ہے:

دل عشق آفریں سے ہے مقامِ حسن کی رفعت
کیا نظروں میں تجھ کو آسماں اے جانِ جاں میں نے

ان اشعار کے علاوہ ''پارۂ دل'' میں ایسی غزلیں بھی ہیں جن کو خالص سماجی و سیاسی صورت حال سے سروکار ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعر طبعاً حساس ہوتا ہے اور اپنے اردگرد کے ماحول سے متأثر۔حضرت اختؔر کے اُن اشعار میں جن کا تعلق اخلاقی و سماجی اقدار کی پامالی سے ہے یا سیاسی زبوں حالی سے،ان میں لہجے کی تندی،احتجاج، چیخ وپکار،گھن گرج یا نعرہ بازی اور بلند آہنگی نہیں ہے ان میں جرأتِ اظہار کے ساتھ آہستہ آہستہ سلگنے کی کیفیت ہے۔ان اشعار میں اپنے موقف یا ردِعمل کا اظہار شاعر نے نہایت سلیقہ مندی سے کیا ہے جس طرح ایک نہایت ہلکا رنگ کسی تصویر میں چمک پیدا کر دیتا ہے۔اسی طرح چند علامات کے استعمال سے شاعر نے فضا آفرینی کا کام کیا ہے اور چند اشارے صورتِ حال کی افراتفری، زمانے کے پیچ وخم اور وقت کے نشیب و فراز کی تصویر واضح طور پر نمایاں کردیتے ہیں۔یہ علامات ہیں باغباں، گلشن، آشیاں، صیاد، گلِ تر، شمع محفل اور قفس وغیرہ۔مادرِ وطن کے فروغ اور اس کی مادی تہذیبی اور معاشی خوشحالی میں ہندوستان کی مختلف قوموں اور نسلوں کی قربانیاں شامل ہیں اور جہاں تک مسلمانوں کا سوال ہے ان کے تعلق سے اس حقیقت کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔اس حقیقت کے اظہار میں شاعر کا لہجہ کرب انگیز اور لہجے کا تیور طنزیہ چاشنی سے بھرپور ہے:

کیا ہے یہ بھی اک احسان تجھ پر باغباں میں نے
چنا ہے تیرے گلشن کو برائے آشیاں میں نے

نفاق وافتراق، فرد کی بے بسی، انحطاط پذیر معاشرے کی ابتری وبدحالی اورآئے دن فرقہ وارانہ فسادات کی ہلاکت خیزی کا عکس اس شعر میں دیکھئے:

گلہ کوئی بھی چیرہ دستیٔ صیاد سے کیا ہو
جہاں پر خود گلِ تر تیشۂ صیاد ہوتا ہے

چند خوشحال ممالک اور معدودے چند امیر افراد اور ترقی یافتہ حکومتیں دنیا کی غریب قوموں اور غریب ملکوں کا کس ڈھٹائی اور کس دھڑلے سے استحصال کرتی ہیں اس کی عکس ریزی اس شعر میں دیکھئے:

ہے میری زندگی ویرانیوں کا مظہرِ خستہ
مرے دم سے قفس صیاد کا آباد ہوتا ہے

اخلاقی اقدار کا زوال اس شعر میں ملاحظہ ہو جہاں ایک کی برتری و بالادستی کی اساس دوسرے کی کمزوری اور خستہ حالی ہو:

نہ پوچھو شادمانی باغباں کی
لگی ہے آگ میرے آشیاں میں

شکستِ خواب کا منظر ملاحظہ ہو:

شمعِ امید فروزاں تھی جہاں پر اختر
اسی محفل میں گلے کٹ گئے ارمانوں کے

یہ عجیب تضاد ہے کہ جسے ہم ''صبحِ آزادی'' کہتے ہیں اس میں غلامی کی شام اور اس کی تاریکی تھرتھرا رہی ہے، لبوں پر مہر ہیں اور خیالات کے اظہار پر قدغن:

تاریکیٔ وطن تو مٹی ہے مگر یہ کیا
صبح وطن میں رنگ ہے غربت کی شام کا

زوال پذیر معاشرے کی پیداوار ہے فرد کی ریاکاری اور منافقت:

لب پہ ہنسی اور ہاتھ میں پتھر
آج کا یہ انسان ہے کیسا

اشتراکیت کی یلغار نے دنیا کے سیاسی استحکام اور معاشی نظام کو تہہ وبالا کر دیا۔ آج وہی اشتراکیت پارہ پارہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا سارا زور مادی اور جسمانی نظام پر ہے اس کے

برعکس خالص روحانی نظام بھی ملک، معاشرے اور فرد کی ترقی کا ضامن نہیں ہوسکتا، ایک نظام کو یکسر نظر انداز کر کے شخصیت کی نشو ونما ہوسکتی ہے نہ معاشرے کی۔ اس کا واحد حل صرف اسلام میں ہے جو دونوں کے امتزاج میں توازن و اعتدال کو اہمیت دیتا ہے اس کے لئے نمونہ ہمارے سامنے سیرتِ رسول ﷺ ہے۔ اس خیال کے اظہار کے لئے شعرِ ذیل میں غیر معمولی بصیرت اور دروں بینی کی کارفرمائی ہے۔

مجھے معلوم ہے اے اشتراکیت کے فرزندو
حصارِ عافیت کے دعویٰ ہائے بے نشاں کب تک ہے

شعرِ مذکور کی ساری معنوی خوبی اس کے رمزیہ لب و لہجے ''دعوی ہائے بے نشاں'' میں مستور ہے یعنی کھوکھلا دعویٰ یا لایعنی تصور اور بے حقیقت فلسفہ۔

''پارۂ دل'' میں ایسی غزلیں بھی ہیں جنہیں غزلِ مسلسل کہا جاسکتا ہے۔ ایسی غزل میں خیال کی مرکوزیت ہوتی ہے اور ایک شعر دوسرے شعر سے باہم مربوط مگر غزل کی ہیئت کا بنیادی اور روایتی تصور ریزہ خیالی ہے۔ عشقیہ غزلوں اور ایسے اشعار کے علاوہ جن کے محرکات سیاسی، سماجی اور اخلاقی ہیں، بیشتر اشعار تصوف کے زمرے میں آتے ہیں۔ حضرتِ اخترؔ کی صوفیانہ شاعری کے حوالے سے یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ بقول شیخ علی حزیںؔ ''تصوف برائے شعر گفتن خوب است''۔ جیسا کہ ولیؔ دکنی، سراجؔ اورنگ آبادی میر تقی میرؔ، آتشؔ، غالبؔ اور فانیؔ کی شاعری پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، حضرتِ اخترؔ کی شاعری صوفیانہ مصطلاحات سے گراں بار ہیں نہ اس میں فلسفیانہ موشگافیاں کی خیال آرائیاں پھر حضرتِ اخترؔ کے صوفیانہ شاعری کے محرکات کیا ہیں۔ اول تو یہ کہ جن عناصر سے حضرتِ اخترؔ کی طبعِ باطنی مرکب ہے وہ ہیں فقر و استغنا، صبر و توکل، بے نیازی اور دردمندی۔ دوسرے یہ کہ حضرتِ اخترؔ ایک کامل شیخِ طریقت اور ظاہر ہے کہ تصوف کی خوبیوں، اس کے امکانات وتعینات و اوصاف کو انہوں نے اپنی قلندرانہ شخصیت میں جذب کر لیا ہے۔

راقم الحروف کا ذاتی تجربہ ہے کہ حضرتِ شیخ تصوف کے مختلف مدارج سے گزرے ہیں اور گزر رہے ہیں مثلاً ذکر و فکر، واقعہ و مکاشفہ، مجاہدہ، محاسبہ، مراقبہ، مشاہدہ اور معائنہ۔ قاری کی آسانی کے لئے میں اجمالاً وضاحت کرتا چلوں کہ جب شیخ کا ذہن محسوسات سے غائب ہوجاتا ہے تو اس پر غیب کی باتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی واقعہ ہے۔ یہ واقعہ جب عالمِ بیداری میں میسر ہو تو مکاشفہ، نفس سے جنگ کرنا مجاہدہ اور شیخ کا خود اپنے اعمال کا احتساب کرنا محاسبہ۔ مراقبہ ہے

ذاتِ خداوندی کی یاد میں مستغرق ہوجانا یہاں تک کہ غیر اللہ کا شعور باقی نہ رہے۔مشاہدہ ہے ذاتِ باری کو اسماء وصفات کے پردے میں دیکھنا۔اور معائنہ ہے، ذاتِ خداوندی کا دیدار تجلیات کے پردے کے بغیر کرنا۔

مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ النورانی کی اولاد نور العین کے فرزند اور جگر گوشۂ محدثِ اعظم میں کہی جاسکتی ہے کہ تصوف حضرتِ اختر کی زندگی ہے اور صوفیانہ اشعار اس زندگی اور اس شخصیت کے گوشوں کے عکس ہائے جمیل۔اس سلسلہ میں جن صوفی شعراء کی صف میں حضرتِ اختر آتے ہیں وہ ہیں خواجہ میر درد،شاہ نیاز احمد بریلوی،شاہ تراب علی قلندر، بیدم وارثی،مولانا آسی غاری پوری اور شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی۔

صوفیاء کے نزدیک انسان دوستی کی بڑی اہمیت ہے۔ان کے نزدیک تمام عالمِ انسانیت ایک عالمگیر برادری ہے۔انسان کے دکھ درد کو سمجھنا،تکالیف میں ان کی مدد کرنا،حق کہنا،راہِ مستقیم اختیار کرنا اور اخلاقی خوبیوں پر عمل کرنا آدمیت ہے اور شیوۂ انسانیت۔''لطائف اشرفی'' حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی سے قدس سرہ سے منقول ہے کہ میں درجۂ قطبیت و غوثیت تک نماز و روزہ سے نہیں پہونچا ہوں بلکہ خلقِ خدا کی حاجت روائی سے۔صوفیاء کے نزدیک خدا کے بندے سے محبت، خدا سے محبت ہے۔رواداری اور بے تعصبی صوفیاء کی زندگی کا شانِ امتیاز ہے۔

تصوف بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

؟؟ کا شعر ملاحظہ فرمایئے۔

آدمی کیا ہے آدمیت کیا
حسنِ سیرت نہیں تو صورت کیا

اس لئے غالب نے کہا ہے کہ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا۔اور مولانا روم فرماتے ہیں۔

آدمی را آدمیت لازم است
عود را گر بو نہ باشد ہیزم است

زہد وتقویٰ نیکی اور پرہیزگاری سے انسان میں ذاتی اوصاف تو ہو جاتے ہیں مگر اصل انسانی مسئلہ یہی ہے کہ بنی نوع انسان سے اس کے معاملات کس طرح کے ہیں، فرد اور معاشرے سے اس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے، انسانِ آدم خاکی ہے وہ اس کرۂ ارض پر رہتا ہے آیا باوجود ریاضت وعبادت وہ فساد تو نہیں برپا کرتا، شر پسند تو نہیں ہے یا تخریبی کارروائیوں میں تو ملوث نہیں ہے۔ ہمارے سامنے نمونۂ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا خلفاءِ راشدین کی زندگی ہے یا اولیاء اللہ کی حیاتِ مبارکہ۔ شعر دیکھئے۔

فرشتہ ہو گیا اختؔر تو کیا ہے
کہو فرزندِ آدم بن کے آئے

بالفاظ دیگر صوفی کا مذہب رواداری، صلحِ کل اور وسیع النظری ہے۔ یہ تمام جہانِ آب وگل، خدائے وحدہ لاشریک کی ذات وصفات کا ظہور ہے اور تمام مظاہرِ کائنات اس کی ذات و صفات کے آئینے ہیں۔ انسان کا دل وہ کامل ترین آئینہ ہے جس میں وہ آفتابِ حقیقت بہ کمال شان جلوہ گر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کے کلام میں دل ایک اہم علامت ہے۔ یہاں تک کہ دل کو کعبہ پر فوقیت دی جاتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے ''از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است''۔ شعر ذیل میں سومنات ایک شاعرانہ تخیل یا تمثیل ہے۔ اصل شی ہے دل کا محلِ ظہورِ الٰہی ہونا۔ جس کے سامنے تاریکیٔ باطل معدوم ہو جاتی ہے۔ اور سوائے جلوۂ الٰہی کچھ نہیں نظر آتا۔ کمال عشق ہے کہ ہر جگہ اللہ اللہ ہی نظر آجائے۔ ورنہ آنکھ ایک ایسا چراغ ہے جو بے نور ہو اور دل محض ایک مضغہ گوشت۔

بربِّ کعبہ، میں کعبہ سے کم نہ سمجھوں گا
دلِ حزیں جو ترا سومنات ہو جائے

اس حقیقت کا اظہار اقبالؔ نے یوں کیا ہے۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

خود اپنی ذات کی معرفت حاصل کرنا، معرفت خداوندی حاصل کرنا ہے۔

خود کو پانا ہے حقیقت میں خدا کو پانا
اپنے ہی ہاتھ میں ہے صاحب عرفاں ہونا

مجھے معلوم ہے اے اشتراکیت کے فرزندو
حصار عافیت کے دعوی ہائے بے نشاں کب تک ہے

''فنا'' کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے باطن پر اللہ تعالیٰ کی ہستی کیذ ہور کا غلبہ ہوجائےاور خدا کے سوا کسی شی کا علم وشعور باقی نہ رہے۔ورفناء الفناء یہ ہے کہ اس بےشعوری کا بھی شور نہ رہے۔دل میں صرف خدا کی ذات صفات کی جلوہ گری ہو اور آنکھوں میں اسی کا جلوہ نظر آئے۔یعنی روح کی بصیرت جمال الٰہی میں غرق ہوجائے۔مت شعر ذیل میں اسی فناء یا فناء الفناء کے مفہوم میں استعمال ہوئی ہے۔جو بالآخر جسمانی وروحانی ابتہاج واہتزاز کا نقطۂ کمال ہے۔

عشق کی اصطلاح میں ہمدم
موت کہتے ہیں مسکرانے کو

اس موت کی فنا تک رسائی آسان نہیں

آنکھ سے اشک باریوں کے لئے
دل ہے چوٹوں پہ چوٹ کھانے کو

کائنات کے ذرے ذرے میں عشق سرایت کئے ہوئے ہے۔اور کامل انسانوں کے نفوس میں یہ عشق روحانی کی صورت میں متجلیٰ ہے۔اس عشق یا عرفان سے پہلے ہوس کی منزل ہے۔جو حسن کا ایک تجسیمی تصور ہے۔جہاں عاشق کی نظر صرف قد وگیسو اور لب ورخسار تک محدود ہوکر رہ جاتی ہے۔یہ ہوس جب جل کر عشق میں تبدیل ہوتی ہے تو حسن کا تنزیہی تصور ہے اور مجاز اس کا پہلا زینہ ہے۔

رنگینیٔ مجاز حقیقت نما ہوئی
منزل پہ پہونچے سلسلۂ عاشقی سے ہم

ان صوفیانہ اشعار سے قطع نظر ایسے بھی اشعار ہیں جن میں ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرتِ اختؔر کے عشق کی جلوہ فرمائی ہے۔حضرت اختر پُر جوش عاشقِ رسول ہیں۔مدینے کی گلیاں حضرتِ اختر کے نزدیک باغِ جناں سے کم نہیں۔پتہ نہیں کہاں کہاں قدمِ نازِ مصطفیٰ پڑا ہو۔

گماں اختؔر ہوا ان کی گلی میں

پہنچ آیا ہوں میں باغِ جناں میں

واقعۂ معراج کی طرف لطیف اشارہ دیکھئے:

پھر اس میں آیا کہاں سے کمالِ رعنائی
اگر یہ کاہکشاں ان کی رہگزار نہیں

عظمتِ انسانیت سمجھے کوئی ممکن نہیں
خاک کا ذرہ سہی لیکن فلک آغوش ہے

ان تمام اشعار میں مذہبی عقیدے کی سختی ہے نہ صوفیانہ مصطلاحات کی فراوانی۔ یہ اشعار ایک درویشِ کامل کی سادگی، انسان دوستی اور حقیقت شناسی کے پرتو ہیں۔ غزلوں میں بدیع وبیان کا تصنع ہے نہ ملمع کاری، نمود ونمائش اور الفاظ وتراکیب کے طمطراق سے دور دور کا واسطہ نہیں۔ ایک قلبِ بے ریا کی طرح یہ اشعار بھی سادہ وسلیس الفاظ اور لطیف احساسات سے مملو ہے۔ تلمیحات کا استعمال بھی کم سے کم ہے مثلا سرطور، خضر اور مہِ کنعاں وغیرہ مفّرس اور معّرب الفاظ کے استعمال سے حتی الامکان گریز کیا گیا ہے۔ اسی طرح مشکل اور پیچیدہ تراکیب سے۔ ترکیب سازی شاعر کے قوتِ ایجاد اور ذہنی اختراع کا پتہ چلتا ہے مگر ان کے استعمال کی کثرت سے شعر کی لطافت مجروح ہوتی ہے۔ ترکیب سازی کلام اخترؔ میں ایک وسیلہ ہے ترسیل وابلاغ کا، کلام میں گل بوٹے بنانے کا نہیں۔ مثلاً چند تراکیب ہیں۔ ناوکِ نرگسِ مے گوں، منتِ کش شمعِ محفل، شمعِ سوز دروں، رخِ ذرہ پرور، کرمِ شب تاب، شرابِ ناب، سائیۂ زلفِ مشک بار، کاکلِ پر پیچ، پیچ وخمِ تقدیر، چشمِ خشم آگیں، منتِ پیمانہ وسبو، غیرتِ خفتہ اور ستم خوردۂ بہار وغیرہ۔ اسی لئے کلام میں سہلِ ممتنع کے اشعار بیش از بیش ہیں اور یہ شاعر کی فنکارانہ ہنرمندی پر دال ہیں۔ اسی طرح تشبیہات اور استعارات سے بھی کلام کو نہیں سجایا گیا ہے، زیادہ سے زیادہ صنعتِ تضاد سے کام لیا گیا ہے۔ تمام اشعار میں آرائشِ اظہار کے لئے کوئی شعوری کوشش نظر نہیں آتی۔

ان تمام غزلوں کے مطالعہ کے بعد یہ بات پورے اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ شاعری خشک ہے نہ محض قافیہ پیمائی۔ اس کی وجہ صاف ہے صوفی پر وجد اور سرخوشی کا عالم طاری ہوتا رہتا ہے پایانِ کار کسی صوفی شاعر کا کلام سپاٹ اور بے رحم نہیں ہوسکتا۔ ان غزلوں میں جمالیاتی احساس کی شدت کے ساتھ عصری حسیت بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ یہ غزلیہ شاعری ہے یا لطافتِ احساس، غنائیت اور موسیقیت کا ایک سیل رواں۔ شعری اظہار میں غیر معمولی سرمستی اور والہانہ

پن ہے۔بعض غزلوں میں قافیے کی تکرار اور اس کے پھیلاؤ نے غزل کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے مثلاً "کروں یا نہ کروں"، "ڈر لگتا ہے"، "کہنا ہی پڑتا ہے" وغیرہ۔مجموعی کلام کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ اپنے احساسات ومشاہدات وتجربات کی ادائیگی میں حضرتِ اخترؔ تغزل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔بعض اشعار ملاحظہ ہوں جہاں جذبہ وفکر کی آمیزش کو تغزل کے رنگ وآہنگ نے چمکا دیا ہے یہ اشعار نہایت مترنم بحر میں ہے:

سو رہی ہے مری حسرت مجھے آواز نہ دو
جاگ جائے نہ قیامت مجھے آواز نہ دو

ان کی آنکھوں کو نہ تعبیر کروں آنکھوں سے
سچ جو پوچھو تو نظر آتے ہیں میخانے دو

بھٹکنے میں ہے لطف اے خضر ورنہ
میں ناواقفِ رہِ منزل نہیں ہوں

عشق نے ان کی عطا کی یہ وحشت اخترؔ
مجھ کو خود اپنی ہی تصویر سے ڈر لگتا ہے

روشن نظر آتے ہیں درِ و بامِ تمنا
تھوڑی سی نقاب آج وہ سرکائے ہوئے ہیں

زندگی ان کی نگاہوں سے ملی ہے مجھ کو
نوکِ نشتر کو بھی آتا ہے رگِ جاں ہونا

یہ تیرے پند سرآنکھوں پہ ناصحا لیکن
خدا گواہ محبت پہ اختیار نہیں

اپنے ہی چمن کی بات نہیں اختؔر وہ جہاں بھی جا پہونچے
ہر شاخ خوشی سے جھوم اٹھے ہر پھول غزل خواں ہو جائے

''پارۂ دل'' میں غزلوں کے علاوہ نظمیں بھی شامل ہیں بلکہ ''پارۂ دل'' خود عنوان ہے مجموعہ میں شامل ایک نظم کا۔ غزل کا ایجاز واختصار کا آرٹ ہے اور نظم شرح وبسط کا، نظم کا فن ارتکاز کا فن ہے یعنی مرکزی خیال کی توسیع۔ شعری مجموعے میں شامل زیادہ تر مختصر نظم ہے اور جو نسبتاً طویل ہیں ان میں تفصیل اور طوالت دلچسپی میں سدِ راہ نہیں ہوتی، اظہار و بیان کی صلابت، فکر و احساس کی گلکاری اور الفاظ ومحاورات پر حاکمانہ قدرت اور جذبات میں ٹھہراؤ ان نظموں کی خصوصیات ہیں۔ صبحِ آزادی، نوائے نرم وگرم، ہندوستان کے مسلمانوں سے خطاب اور ساقی نامہ خوبصورت نظمیں ہیں۔ اختؔر کیراپی کے نام نظم اور نظم کا عنوان اظہارِ تشکر کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اصطلاح عروض میں تضمین ہے کسی مشہور مضمون یا شعر کو اپنی نظم میں داخل یا چسپاں کرنا۔ شاعر نے نہایت فنکارانہ چابک دستی کے ساتھ اس طرح مصرعے تخلیق کئے ہیں کہ سب آپس میں شِیر وشکر نظر آتے ہیں اور ہر شعر بول اٹھتا ہے۔ سہرا بھی ہمارے شعری ادب میں داخل ہو گیا ہے۔ اس کی نوعیت ذاتی ہے آفاقی نہیں مگر شاملِ مجموعہ شعروں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں روایت کا غلبہ نہیں ہے بلکہ جدت پسندی ہے۔ اشارے محض عروس ونوشاہ کے حسن و جمال کی طرف نہیں بلکہ شانہ بشانہ حکیمانہ رموز ونکات کی طرف بھی اشارے ہیں۔ عام طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ عنوان سہرا ہوتا ہے اور ردیف بھی سہرا مگر پارۂ دل میں شامل شعروں کی خوبی یہ ہے کہ ان میں الفاظ وتراکیب کے در وبست میں تغزل کی آب تاب، رنگینی ورعنائی ہے اور کسی نہ کسی حکیمانہ بصیرت کی طرف اشارہ۔

نظموں کے مطالعہ سے حضرت اختؔر کی شاعرانہ مہارت وعظمت میں کسی کمی کا احساس پیدا نہیں ہوتا مگر سچی بات یہ ہے کہ شاعر کے محسوسات ومشاہدات وتجربات کی اصل جولاں گاہ غزل ہے۔ یہ غزلیں عشقیہ ہوں، صوفیانہ ہو یا ان کا سروکار عصری حسیت سے ہو۔ ان کی سادگی میں گل پیرہنی، حزنیہ لہجے میں سرخوشی، نشاطیہ آہنگ میں رومانی غم انگیزی اور لفظوں کے پیچ وخم میں طنزیہ کاٹ کی آمیزش ہے۔ حضرت اختؔر کے صاف وشفاف اور بے داغ دل کی طرح ''پارۂ دل'' میں بھی ابہام ہے نہ پیچیدگی نہ ژولیدہ خیالی۔

ان غزلوں کا خالق بیک وقت عالم ہے اور عارف بھی اور راقم الحروف کی نگاہ میں خانوادۂ اشرفیہ کی سب سے زیادہ محترم اور بابرکت شخصیت۔ دل ودماغ کی جمالیاتی آسودگی کے ساتھ ''پارۂ دل'' کا مطالعہ انشراحِ قلب اور تطہیرِ جذبات کا خوش گوار وسیلہ ہے۔

امید ہے کہ ادبی حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی اور خواص اسے بنظرِ استحسان دیکھیں گے۔

اخترؔ تری غزل میں تابانیٔ ہنر ہے
تم بھی ہو اک ستارے دنیائے اہل فن کے

حضرت اختر —— .ایک منفرد غزل گو

—— پروفیسر ایس۔مسعود سراج،شعبۂ اردو،میسور یونیورسٹی،میسور

خانوادۂ اشرفیہ کسی تعارف کا محتاج ہے اور نہ شیخ الاسلام سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی اختر کی بابرکت شخصیت۔خانوادہ اشرفیہ ان معددے چند خانوادوں میں سے ہے جس کا مسلکِ اہل سنت کی ترویج واشاعت میں اہم حصہ ہے۔ یہ خانوادہ اپنی بزرگی اور برگزیدگی کے اعتبار سے نمایاں مقام رکھتا ہے۔حضرت مدنی میاں اسی خانوادہ کی ایک اہم مشہور، معتبر اور ممتاز شخصیت ہیں۔آپ ایک جید عالمِ دیں بھی ہیں، مفسرِ قرآں بھی، بے مثال فقیہ ہیں بھی خطیب بھی ہر دلعزیز شیخ طریقت بھی ہیں صوفی بھی، بلند پایہ ادیب بھی ہیں اور شاعر بھی۔آپ نے اپنی زندگی علمی و دینی خدمات کے لئے وقف کردی۔آپ کے فیوض و برکات کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ حضرت اختر ایک اچھے شاعر ہیں۔انھوں نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں بھی۔مگر ان کے حقیقی جوہر غزلوں ہی میں کھلتے ہیں۔انھوں نے جس وقت اپنے شعری سفر کا آغاز کیا تھا اس وقت ترقی پسند تحریک اپنے شباب پر تھی۔اس تحریک نے شعروادب پر گہرے اثرات مرتب کئے، نیز زندگی اور سماج کے مسائل کو ایک مخصوص زاویہ نگاہ سے دیکھنے اور ادب کا موضوع بنانے پر زور دیا۔ایک ایسے دور میں جبکہ ترقی پسند ادیب صنف غزل کو جاگیردارانہ دور کی یادگار سمجھ کر اسے ہدفِ ملامت بنا رہے تھے اختر نے اس رنگ سخن کو اپنایا جو امیر و داغ اور ان کے صدہا شاگردوں کی بدولت مقبول خاص و عام تھا۔

حضرت اختر کلاسیکی غزل کے نمائندہ شاعر کہے جا سکتے ہیں ان کی غزلوں کا رنگ و آہنگ وہی ہے جو کلاسیکی غزلوں کا تھا انھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود چمنستانِ غزل کی آبیاری اپنے خونِ جگر سے کی ہے۔ان کی شخصیت کا عکس ان کی غزلوں میں نظر آتا ہے۔ان کی شخصیت میں جو وزن و وقار رکھ رکھاؤ، سادگی اور دردمندی ہے وہی ان کی غزلوں کا امتیاز

ہے۔انھوں نے رسمی طور پر شاعری کے میدان میں قدم نہیں رکھا بلکہ وہ داخلی تقاضوں سے مجبور ہو کر شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے۔ان کی علمی و دینی مصروفیتیں بھی ان کی شاعری کے راستے میں حائل نہیں ہوسکیں۔انھوں نے اپنی غزلوں کو علمیت سے گرانبار ہونے نہیں دیا۔ان کی غزلوں کا مطالعہ باریک بینی سے کیا جائے تو یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگتی کہ ان کا اندازِ بیان دوسرے شعراء سے مختلف ہے۔

ان کے ذوقِ حسن، حسنِ تخیل اور حسن ِ ادا نے ان کی غزلوں میں جان ڈال دی ہے۔ ان کا تصورحسن و عشق روایتی ہے، وہ فطری طور پر عشق و محبت کے شاعر ہیں، وہ عشق کو نہ دل لگی جانتے ہیں اور نہ بازیچۂ طفلاں سمجھتے ہیں بلکہ وہ دل لگی اور دل کی لگی میں امتیاز کرتے ہیں۔ وہ عشق کی بے پناہ طاقت کے قائل ہیں ان کے نزدیک تقاضائے عشق یہی ہے۔لب خاموش رہیں اور دل میں یادِ محبوب رہے۔انہیں وفورِ رنج و غم میں بھی مسکرانے کا سلیقہ ہے۔ وہ محبوب کی جفاؤں کو ہنستے کھیلتے انگیز کر لیتے ہیں وہ معاملاتِ حسن و عشق کی ترجمانی بڑی خوش سلیقگی سے کرتے ہیں۔انھیں جہاں حسن کی سحر کاریوں اور عشق کی عظمت کا احساس بھی، وہیں حسن کا احترام اور پاسِ ناموس عشق بھی ہے۔ وہ محبت کے پاکیزہ تصور کی ترجمانی کرتے ہیں۔انھوں نے اپنے جذبات کے اظہار میں جس معیار و توازن کو برقرار رکھا ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کا تصورِ عشق شائستہ، مہذب اور اعلیٰ انسانی اقدار کا حامل ہے۔چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

قیس و فرہاد نے کھول کر رکھ دیا عشق آساں نہیں ہر کسی کیلئے
دل لگی کو نہ سمجھے کوئی دل لگی، دل بڑا چاہئے دل لگی کیلئے

دل ِ عشق آفریں سے ہے مقام حسن کی رفعت
کیا نظروں میں تجھ کو آسماں اے جانِ جاں میں نے

نہیں بازیچہ طفلاں یہ کار ِ عشق بھی اختؔر
یہاں دیکھے ہیں لٹتے حسرتوں کے کارواں میں نے

میں ترے طرز تغافل سے نہیں ہوں بد گماں

جانِ جاناں بے رخی میں لذت ِ آزار ہے

بزم میں ان کی اندھیرا ہے الٰہی اندھیر !
اپنے اشکوں کو ضیا بار کروں یا نہ کروں

اتنا مجھ پر کرم آپ فرمایئے، سامنے بے حجابانہ مت آیئے
ورنہ پیما نہ ہائے شکیب وسکوں، آپ کو دیکھتے ہی ابل جائیں گے

زلف ورخسار کی سحر انگیزی کا بیاں ہو یا چشم وابرو کی فتنہ سامانیوں کا۔ ہر جگہ وہ متانت کو برقرار رکھتے ہیں۔ان کے یہاں نہ عامیانہ پن ہے اور نہ ہوسنا کی۔ سستی جذباتیت ہے اور نہ ابتذال ہے۔ وہ حسن کے رمز شناس ہیں۔ان کے شعروں میں نظارۂ جمال کی حسین کیفیت ملتی ہے اور طرز بیاں میں سرمستی کا احساس ہوتا ہے۔

یہ بھی ہیں چہرۂ پرنور کے پروانے دو
دوش پر کا کلِ خمدار کو بل کھانے دو

کہہ رہی ہے رخ پہ یہ بکھری ہوئی زلفِ حسیں
ابر کے پیچھے کوئی برقِ تپاں رو پوش ہے

عنایت اے نگاہِ کیف ساماں
شرابِ ارغوانی چاہتا ہوں

بدمست گھٹاؤ! یہ تو کہو اس وقت ہمیں کیا لازم ہے
جب ساغر عارض موج میں ہو جب زلف پریشاں ہوجائے
اختر کی وہ غزلیں قابلِ توجہ ہیں جو انھوں نے اساتذہ کی زمینوں میں کہہ کر اپنی مشاقی

اور قادرالکلامی کا ثبوت دیا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اساتذہ کی تقلید کی ہے مگر غائر مطالعے سے ان کے انفرادی رنگ وآہنگ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔انھوں نے کسی کا تتبع کیا ہے اور نہ روایت پرستی ان کا شعار ہے۔انھوں نے روایتی انداز تغزل میں نئے جذباتی رویے کو ہم آہنگ کر کے عجیب لطف پیدا کر دیا ہے۔وہ بغیر کسی تصنع اور بناوٹ کے اپنے جذبات کو شعر کے پیکر میں ڈھال دیتے ہیں۔ ہر معاملے میں حسنِ ذوق کا ثبوت دیتے ہیں۔

اختؔر نے اپنی غزلوں میں تنقید حیات سے کام لیا ہے اور عملِ پیہم سے کام کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ منزلِ مراد کو پانا آساں نہیں۔ وہ رکاوٹوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔انھیں یقینِ کامل ہے کہ زندگی میں کامیاب وکامرانی انہیں کے حصے میں آتی ہے جو ہمت و استقلال سے کام لیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ پابند قفس رہ کر بھی چمنستان وطن کو شاداب کیا جاسکتا ہے۔ نامساعد حالات کے آگے سپر ڈالنا بزدلی ہے۔ اولوالعزمی کے ساتھ مصائب وآلام کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ یہی عزم، ذوق پروازِ عطا کرتا ہے۔ خودی اور خوداعتمادی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ان کے اشعار میں امید آفرینی کی جھلک دیکھئے:

گرج سے بجلیوں کی ڈرنے والے
نشیمن ہے مرا برق تپاں میں

سن اے آلام شدائد سے ڈرانے والے
عشق تو کھیلتا ہے ساتھ میں طوفانوں کے

رہیں سلامت میرے عزائم تو دیکھ لے گا زمانہ اختؔر
کہ سینۂ تیرگی سے گلشن کو ایک دن روشنی ملے گی

میں بشر ہوں میرے شہپر کی اڑان کچھ نہ پوچھو
ہے فضا میں طائرانہ تو فلک پہ صاعقانہ

برقِ تپاں کی جرات دیکھیں کہا ں تلک ہے
اجڑا ہوا نشیمن پھر سے بسا رہا ہوں

اختر کی استادانہ شان وہاں نظر آتی ہے جہاں انھوں نے تزئین کلام کے لئے مختلف صنعتوں کا استعمال کیا ہے، لیکن شعر میں صنعت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ صنعت شعر کے حسن کو فزوں کر دیتی ہے۔

تجنیس: اس صنعت میں دو الفاظ کتابت اور تلفظ میں مشابہ ہوتے ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے ان میں فرق ہوتا ہے اسکی کئی قسمیں ہیں۔

تجنیسِ تام: کلام میں دو ایسے الفاظ کا ہونا جو بولنے میں لکھنے میں حروفوں کی گنتی میں اور حرکت وسکون میں یکساں ہوں اور معنی میں مختلف ہوں۔

یہ بھی ہیں چہرۂ پور نور کے پروانے دو
دوش پر کاکل خمدار کو بل کھانے دو

(پہلے مصرعے میں ''دو'' ہندسہ ہے اور دوسرے مصرعے میں ''دو'' دینے کا امر ہے)

تجنیسِ محرف: کلام میں دو ایسے الفاظ لانا جو لکھنے میں یکساں ہو لیکن بولنے میں حرکت وسکون میں الگ الگ ہوں۔ ؎

یہ اِدھر ڈوب گیا اُدھر لب پہ شفق دوڑ گئی
دل مرا مہر رواں ہو کہیں ایسا تو نہیں

(ادھر/ادھر)

تجنیس ناقص یا زائد: متجانس الفاظ میں ایک حرف کی کمی یا بیشی ہونا، یہ کمی یا بیشی شروع میں بھی ہوسکتی ہے، درمیان میں بھی اور آخر میں بھی۔

ا۔شروع میں ایک حرف کا اضافہ: ؎

قبل محشر نہ حشر ہو جائے جلوۂ یار آشکار نہ ہو

(حشر/محشر)

۲۔درمیان میں ایک حرف کا اضافہ:

میرے نیاز سے ہے دنیا ئے نازتاباں
لیکن سمجھ رہے ہیں عالیجناب الٹا

(ناز/نیاز)

۳۔آخر میں ایک حرف کا اضافہ: ؎

آدمی کیا ہے آدمیت کیا
حسن سیرت نہیں تو صورت کیا

(آدمی/آدمیت)

تجنیسِ مذیّل: جب دو تجنیسی لفظوں میں سے ایک لفظ کے آخر میں دو حروف کا اضافہ ہو۔

جو تر سیدہ رہا کرتا ہے موجِ غم کے منظر سے
رخِ جاناں یہ اپنی جان کا ایثار کیا جانے

(جان/جاناں)

تجنیسِ لاحق: جب دو لفظوں کے درمیان صرف ایک حروف کا اختلاف ہو وہ **بعید المخرج** بھی ہو۔

وہ بھی جو ہو سکے نہ خراب شراب ناب
تیری نگاہِ مست مخمور ہوگئے

(خراب/شراب)

صنعت تکریر یا تکرار: جب کسی شعر میں ایک لفظ کی تکرار کی جائے یعنی وہ لفظ بار بار آئے۔

مجھے مرتے مرتے ملی زندگانی
نگاہِ محبت بڑی کار گر ہے

(مرتے مرتے)

لپک کے گود میں لے لے مجھے مری منزل
ہے شرط عزم میں میرے ثبات ہوجائے

(لے لے)

چمن کی رنگینیاں چمن میں چمن کو رشکِ چمن کریں گی
گلوں کو پھر تازگی ملے گی، کلی کلی کو ہنسی ملے گی

(چمن / کلی کلی)

اشتقاق: کلام میں ایسے چند الفاظ لانا جو ایک ہی اصل سے مشتق (نکلے) ہوں۔

نگاہوں سے پلا ساقی نہیں اب حاجتِ ساغر
بدل دے نظم میخانہ مذاق میکشاں بدلا

(بدل/بدلا)

نہ جلنے کی تمنا ہے نہ گردش دشت و صحرا کی
زمانے کا بدلنا تھا مزاجِ عاشقاں بدلا

(بدلا/بدلنا)

یہ مانا سن تو لو گے داستاں تم
سنانے کی نہیں طاقت زباں میں

(سن/سنانا)

الجھ کر جس کے پیچ وخم میں دل الجھا ہی رہ جائے
مجھے اس زلف کو دارو رسن کہنا ہی پڑا ہے

(الجھ/الجھا)

ایہام: ایہام کے لغوی معنی وہم میں ڈالنا ہے۔کلام میں کوئی ایسا لفظ لایا جائے جس سے پڑھنے والا تھوڑی دیر کے لئے وہم مین پر جائے۔ ایسے لفظ کے دو معنی ہوں ایک معنیٔ قریب، دوسرا معنیٔ بعید۔شاعر معنیٔ بعید مراد لے۔

چاہ میں ڈوب کے افلاک محبت میں چمک

(چاہ بمعنی چاہت، چاہ بمعنی کنواں)

سیکھ لے سیکھ لے اختر مہ کنعاں ہونا

گر ہے فراز عشق و محبت کی آرزو

(چاہ بمعنی چاہت، چاہ بمعنی کنواں)

آجاؤ چاہ عشق میں اختؔر اتر چلیں

حسن تعلیل: تعلیل کے معنی ہیں وجہ متعین کرنا یا وجہ بیان کرنا۔کلام میں اگر کسی چیز

کے لئے ایسی وجہ بیان کی جائے جو واقعی نہ ہو، البتہ اس میں کوئی شاعرانہ جدت ونزاکت پیش ِ نظر ہو۔

میرے اشک آتشیں کرنیں اٹھا کر لے گئیں
غایت سوز اس لئے خورشید کی محفل میں ہے

جو ہو آفاق میں وجہ نور ِ سحر، اس کی آمد کو سمجھو نہ آسان تر
سارے تاروں نے خود کو فنا کر دیا، ایک خورشید کی زندگی کے لئے

تلمیح: کلام میں کسی مشہور واقعہ، قصہ، مقام، شخصیت یا مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا۔

منزلِ آدم خاکی کا پتہ دیتا ہے
نارِ نمرود کا فردوس بداماں ہونا

دیکھ کے رخ پہ غبار ان کے مجھے یاد آیا
مور بے مایہ کا ہم دوش سلیماں ہونا

چاہ میں ڈوب کے افلاک ِ محبت پہ چمک
سیکھ لے سیکھ لے اختر مہ کنعاں ہونا

ہر رگ و پے فیضیاب سوز اسماعیلؑ ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

سیاقتہ الاعداد: کلام میں گنتی کا لانا۔

اک ترے ظلم کا اور ایک تباہی کا میری
میرے دل میں تو نہاں ہیں یہ افسانے دو

طباق/تضاد: کلام میں ایسے دو لفظ لانا جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں۔

کاروانِ کفر و ایما ں راہ میں بھٹکا کئے
اور مجھکو مل گیا ہے اپنی منزل کا نشاں

(کفروایماں)

وصالِ یار شاید ہو میسر
فراق ِ دائمی نے مار ڈالا

(وصال/فراق)

رہے سلامت ہمارا ذوقِ نظر تو پھر دیکھ لینا اخترؔ
خزاں چمن کی بہار بن کر چمن میں پھرتی ہوئی ملے گی

(خزاں/بہار)

پھر بھی نہ پا سکیں گے کبھی منزل جنوں
اہلِ خرد بصورت شام وسحر چلیں

(شام وسحر)

<u>طباق سلبی:</u> ایسے دو الفاظ کا ستعمال کرنا جو ایک ہی مصدر سے مشتق ہوں ان میں سے ایک مثبت ہو اور دوسرا منفی۔ اور دونوں کا تضاد حرف نفی سے ہوتا ہے۔

دل کے داغوں کو شرر بار کروں یا نہ کروں
آپ کو یاد پھر اک بار کروں یا نہ کروں

(کروں/نہ کروں)

اخترؔ زبان کے مزاج داں ہیں۔ انھوں نے محاوروں کا برمحل استعمال کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

<u>دل رکھ لینا:</u>

اے مری جان کہتے ہیں اہلِ کرم دل کا رکھ لینا ہے گویا حجِّ حرم
خواب ہی میں بس اک بار آجایئے اپنے اختر کی خوش اختری کیلئے

<u>عہد کرنا:</u>

کیا تھا عہد تیری بزم میں ہرگز نہ آئیں گے
وفورِشوق میں لیکن کسے یہ یاد ہوتا ہے

<u>چراغ گل ہونا:</u>

کتنے ستارے بجھ گئے کتنے چراغ گل ہوئے
خاور ضوفشاں تری زندگی زندگی نہیں

<u>چوٹ کھانا:</u>

آنکھ ہے اشکباریوں کے لئے
دل ہے چوٹوں پہ چوٹ کھانے کو

اختؔر کوزبان وبیان پرعبور حاصل ہے۔انھوں نے عمدہ تراکیب وضع کی ہیں اور ان کا استعمال بڑے سلیقے اورخوش اسلوبی سے کیا ہے۔جو ترکیبیں استعمال کی ہیں ان میں زبان و بیان کی لطافت موجود ہے۔مثلاً: نازشِ بوئے گلِ چمن،اسیرِ زلفِ شب گوں،سوادِ گیسوئے پر خم،طلبگار دوائے دردِ دل،التفاتِ برقِ چشمِ خشم گیں، پابستِ زلفِ وعدۂ روزِ شمار، ناوکِ نرگس مئے گوں، سایہ زلف مشکبار،ضوفشانی شمع سوز دروں،خرام حشر ساماں،قطرۂ اشک ندامت،نگار خانہء روزشمار،نگاہِ کیفِ ساماں،وجہ نمودقدر جنوں،شہید غمزۂ نازنین وغیرہ۔

حضرت اختؔر ایک کامل شیخ طریقت ہیں۔توکل وقناعت، صبر واستغنا،تسلیم ورضا کا مجسم پیکر ہیں۔انھوں نے تصوف کی خوبیوں کو اپنی شخصیت میں جذب کرلیا ہے۔ایک طرف اپنی خاندانی روایات کو آگے بڑھایا ہےتو دوسری طرف تصوف کے مضامین کو اشعار میں خوش سلیقگی سے ڈھال دیا ہے۔وہ مجاز کی راہ سے معرفت الٰہی کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ان کی نظر میں انسان کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیوں کہ وہ مظہر ِ صفاتِ الٰہی ہونے کی وجہ سے تمام مخلوقات میں افضل واشرف ہے۔انسانی عظمت، وسیع المشربی،فنا،بقا وغیرہ موضوعات پر جوشعر کہے ہیں ان میں سوز وگداز بھی ہےاور گرمی بھی۔

حضرت اختؔر کی شہرت ایک عالم ِ دین،مفتی اورصوفی کی حیثیت سے اس قدر ہوئی کہ ان کی شاعرانہ حیثیت دب کر رہ گئی۔

اگر چہ شاعری حضرت اختر کے لئے وجہ افتخارنہیں ہے تاہم ان کی غزلیں قابل التفات ہیں۔

مولانا اختر کچھوچھوی کا رنگ تغزل

——— ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریسؔ، شعبۂ اُردو، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدر آباد

دستِ فطرت کے اشاروں پہ نظر رکھی ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں غزلخواں ہونا

جب ہم اُردو زبان کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبان روزِ اول ہی سے صوفیائے کرام علمائے عظام اور بزرگانِ باصفا کی شفقت والطاف کی مورد رہی ہے۔ جن کی خانقاہوں اور مدرسوں کے مقدس اور نورانی ماحول میں اس زبان کی پرورش و پرداخت اور تہذیب وتزئین عمل میں آئی۔ یہی حال اس کے ادب کا بھی ہے جس کی ابتداء اہل اللہ کی فکر رسا اور ان کی تخلیقی ہنرمندی کی رہین منت ہے۔ یوں تو بابا فریدالدین گنج شکر سے منسوب اُردو کلام بھی دستیاب ہوا ہے لیکن تحقیقی حزم احتیاط کے تقاضوں کے مدنظر اگر اس کلام سے بابا فرید کے انتساب کو مشکوک بھی قرار دیا جائے تو بابا فرید کے خلیفہ ومجاز حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے مرید و عاشق حضرت امیر خسرو کو اُردو شاعری کا بنیادگزار ماننے میں کسی محقق کو تردد و تذبذب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان کے اُردو میں شاعری کرنے کی روایت تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ امیر خسرو کے بعد صوفیائے کرام کی ایک طویل کہکشاں ہے جس نے اُردو زبان کو نہ صرف وعظ و بیان، تلقین و ہدایت اور تقریر و گفتگو کا ذریعہ بنایا بلکہ اسے فکرِ سخن اور تخلیقِ ادب کا وسیلہ بھی۔ ان صوفیائے باصفا اور علمائے بے ریا میں شیخ شرف الدین یحیٰی منیری، شاہ برہان الدین غریب، حضرت قطب عالم، حضرت شاہ عالم، حضرت خواجہ بندہ نواز، شیخ بہاء الدین باجن، شاہ عبدالقدوس گنگوہی، شاہ محمد غوث گوالیاری، شیخ بہاء الدین برناوی وغیرہ کے اسمائے گرامی بلا کاوش زبان قلم پر آتے ہیں لیکن درحقیقت ان صوفیا وعلما کی فہرست نہایت طویل ہے جنھوں نے اُردو زبان وادب کی خدمت میں راست یا بالواسطہ طور پر اہم کردار ادا کیا ہے۔

مولوی عبدالحق نے اپنی تصنیف ''اُردو کی ابتدائی نشونما میں صوفیائے کرام کا کام'' اور ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنے مضمون ''اُردو کی ابتدائی نشو ونما میں علما وفضلا کی خدمات (مشمولہ نوائے ادب، بمبئی بابت جولائی ۱۹۵۸ء) میں ان بزرگوں کی خدمت کا بہ وجوہ احسن احاطہ کیا ہے۔صوفیا ہی کی تخلیقی اپج کے سبب اُردو میں فارسی شاعری کی اصناف مثلاً مثنوی،غزل،قصیدہ اور رباعی کا آغاز ہوا۔اُردو زبان وادب سے صوفیائے کرام کی دلچسپی اوراس سے فکری وتخلیقی وابستگی صرف عہدِ ماضی کی روایت نہیں بلکہ دورِ حاضر میں بھی خانقاہوں اور مدرسوں سے منسلک متعدد علما اوراہل طریقت اُردو زبان وادب کی خدمت میں مصروف ومنہمک ہیں۔اُردو شعروسخن کی روایت کو اپنے سایہ رحمت اورظل عاطفت میں پروان چڑھانے والوں میں ایک اہم،نمایاں اوردرخشاں نام حضرت مولانا سید محمد مدنی اختر کچھوچھوی کا ہے جوحضرت مولانا ابوالمحامد سید محمد اشرفی جیلانی محدث اعظم ہند کے خلفِ ارشد ہیں۔ان کی شخصیت بیک وقت مختلف اوصاف وکمالات کی جامع ہے۔وہ ایک متبحر عالم دین بھی ہیں جنھیں معقول ومنقول پر دستگاہِ کامل حاصل ہے اور عالمی شہرت یافتہ خطیب بھی۔مسند رشدوارشاد پر فائز رہنما بھی ہیں اور صاحب نسبت عارف ومحقق بھی،مفسر قرآن (سید التفاسیر) بھی ہیں اورشارحِ حدیث بھی (شرح مشکوٰۃ) بلند پایہ نثر نگار بھی ہیں اور خوش فکر شاعر بھی۔شاعری کا ذوق مولانا اختر کچھوچھوی کو ورثے میں ملا ہے۔ان کے پدرمحترم حضرت مولانا سید محمد اشرفی جیلانی محدث اعظم ہند بھی شاعر تھے۔آپ سید تخلص فرماتے تھے۔ان کا مجموعہ کلام ''فرش پر عرش'' شائع ہو چکا ہے۔اسی طرح مولانا اختر کے جد بزرگوار مولانا سید نذر اشرف بھی خوش گو شاعر تھے اور فاضل تخلص کرتے تھے۔شاعری میں انھیں فصیح الملک داغ دہلوی سے تلمذ حاصل تھا۔

مسلمانانِ عالم میں مولانا اختر کچھوچھوی کی اصل شناخت بہ حیثیت واعظِ خوش بیاں اور خطیبِ شیریں مقال کے ہے لیکن مبداء فیاض نے انھیں ملکہ شاعری بھی ودیعت کیا ہے۔ طبیعت موزوں پائی ہے اس پر گھر کی علمی وادبی فضا اور اساتذہ کی تربیت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور وہ شعر گوئی کی طرف متوجہ ہوئے،یوں ان کی کلاہِ فضیلت میں جو ہر سخنوری کے ایک پر کا اوراضافہ ہوا۔قیاس کہتا ہے کہ مولانا اختر نے غزل گوئی سے مشق سخن کا آغاز کیا ہوگا،کیونکہ اُردو شاعری کی اصناف میں غزل ہی وہ صنف ہے جو شاہد کافرادا کی طرح ہر نو وارد کوچہ سخن کو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔لیکن یہ محض قیاس ہے امر واقعہ اس کے

برعکس بھی ہوسکتا ہے کیونکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مولانا کا کمالِ سخن صرف غزل کی زلف گرہ گر کا اسیر ہوکر نہیں رہ گیا بلکہ غزل کے علاوہ اس نے دیگر اصنافِ سخن مثلاً حمد، نعت، منقبت اور نظم سے بھی رشتہ استوار کیا۔ خصوصاً حمد و نعت اور منقبت سے ان کا شغف اس قدر بڑھا کہ ان اصناف میں انھوں نے اپنا ایک منفرد رنگ ایجاد کرلیا۔ نعت گوئی میں اس توغل کے اسباب و محرکات میں ان کے مذہبی و دینی پس منظر اور تصوف و طریقت سے وابستگی کا بھی بڑا دخل ہے۔ ان کی تخلیقی اپج نے نعتیہ شاعری کے گلستاں میں فکر و خیال کے گلہائے نو کھلائے ہیں اور اس صنف میں عشق و عقیدے کی فنکارانہ ترسیل کے نئے افق روشن کیے ہیں۔ چونکہ ہمارا موضوع بحث مولانا کی نعت گوئی نہیں ہے اس لیے ان کی نعتیہ شاعری کے محاسن و مکارم کی تفصیلات میں گئے بغیر اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہوئے ان کی غزلیہ شاعری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

غزل جیسا کہ اہلِ نظر جانتے ہیں اُردو شاعری کی چار اہم اصناف (مثنوی، غزل، قصیدہ، مرثیہ) میں سے ایک ہے۔ یہ اپنے موضوعات اور ہئیت کی بنا پر دیگر اصنافِ سخن کے مقابلے میں کچھ خاص امتیازات کی حامل ہے جو اسے انفرادیت عطا کرتے ہیں۔ غزل کے لغوی معنیٰ عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں سے متعلق باتیں کرنا ہیں۔ گویا حدیث حسن و عشق غزل کی سرشت اور فطرت میں داخل ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ غزل کے اشعار کا بنیادی سروکار کیفیاتِ حسن کی عکاسی اور وارداتِ عشق کی ترجمانی سے ہوتا ہے گو اس میں غمِ جاناں کے علاوہ غمِ جہاں اور غمِ ذات کے ساتھ غمِ کائنات کے اظہار کی گنجائش بھی پائی جاتی ہے اور بڑا شاعر نہایت سلیقے اور ہنرمندی کے ساتھ غمِ جاناں کو غمِ دوراں اور غمِ ذات کو غمِ کائنات بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس طرح غزل میں اتنی وسعت ہوتی ہے کہ حسن و عشق کے استعاروں میں، حقائقِ حیات، ملک و ملّت، تہذیب و ثقافت، فلسفہ و سیاست، دانش و بینش، پند و نصیحت، اخلاق و حکمت، انقلابات دہر گردشِ دوراں غرض یہ کہ زندگی کے ہر مسئلے اور ہر تجربے کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ صنفِ غزل سے متعلق مذکورالصدر چند مبادیات اور تنقیحات کے حوالے سے جب ہم مولانا اختر کچھوچھوی کی غزل کا مطالعہ کرتے ہیں تو پہلی بات جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ غزل مولانا اختر کا عشق اول سہی لیکن من حیث المجموع یہ ان کے عشق ثانی یعنی مذہبی شاعری کی برابری نہیں کرسکتا تاہم ان کے شعری اندوختے میں اس صنف کا بہرہ بھی وافر و کافی ہے۔ مولانا اختر کے شعری سرمائے میں ''بارانِ رحمت'' تمام تر مذہبی شاعری، حمد، نعت، منقبت وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ہاں اس میں گاہے بہ

گاہے ایسے اشعار بھی مل جاتے ہیں جنھیں اگر سیاق وسباق سے الگ کر کے پڑھیں تو صاف غزل کے اشعار معلوم ہوتے ہیں۔''پارہ دل'' میں شامل کلام بیشتر غزلیات پر مبنی ہے لیکن غزلوں کے علاوہ اس میں چند موضوعاتی نظمیں، تضمینیں، مخمسات، سہرے، فردیات، ساقی نامہ اور نعت بھی شامل ہے۔ پیشِ نظر مقالے میں ''پارۂ دل'' میں شامل غزلوں کے حوالے سے مولانا کے حسن، تغزل کے مختلف زاویوں پر گفتگو کی جائے گی۔ اس مجموعے کی غزلوں کا شمار پینسٹھ ہے۔ غزلوں میں ایک فارسی غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

نہ رقص شیشہ ونے ساغر و پیمانہ می گردو
کند گردش زمانہ ساقیا میخانہ می گردو

غزلوں کے اشعار کی تعداد مختلف فی غزل ہے۔ تعداد اشعار کے معاملے میں مولانا اختر نے غزل کے اس اصول کی پابندی نہیں کی ہے کہ اس کے اشعار طاق ہونا چاہئے۔ ان کے ہاں پانچ شعر کی غزلیں بھی اور نو دس گیارہ بارہ اور سولہ اشعار کی غزلیں بھی ہیں حتیٰ کہ ایک آدھ غزل صرف چار اشعار کی بھی ہے۔ اسی طرح غزل کی بحروں کے انتخاب میں بھی انھوں نے تنوع کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ ان کی بعض غزلیں طویل بحروں میں ہیں اور بعض چھوٹی بحر میں۔ طویل بحروں ہی میں کہی گئی غزلوں کے چند مطالع ملاحظہ ہوں۔

قیس و فرہاد نے کھول کر رکھ دیا عشق آساں نہیں ہر کسی کے لیے
دل لگی کو نہ سمجھے کوئی دل لگی، دل بڑا چاہیے دل لگی کے لیے

ساتھیو بڑھ چلو عزم راسخ لیے یہ مصیبت کے طوفاں بھی ٹل جائیں گے
گر کہیں عزم پر حرف آیا کوئی ہاتھ سے پھر کنارے نکل جائیں گے

آجاؤ کہ دل کی دنیا بھی فردوس بداماں ہوجائے
ہر داغ فروزاں ہوجائے ہر زخم گلستاں ہوجائے

طویل بحروں کا اپنا حسن ہوتا ہے۔ ان میں خیال کو واضح کرنے اور مضمون کو پھیلانے کی بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ پھر ان کی قرأت میں آہنگ کا نشیب وفراز جھولنے اور ڈولنے کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ طویل بحر کے ساتھ اگر صنعت ترصیع کا بھی استعمال ہو تو پھر شعر کی کیفیت اور اس کے زور واثر میں بے پناہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹی بحر کے اشعار، کیف وکم اور لطافت سے عاری ہوتے ہیں۔ بڑی بحر کا جاہ جلال اپنی جگہ تو چھوٹی بحر کا حسن و جمال اپنی

جگہ۔ باکمال شاعر وہ ہے جو دونوں پر قدرت رکھے اور دونوں سے حسب ضرورت کام لے۔ ذیل میں مولانا اختر کی غزلوں کے چند مطالع درج کیے گئے ہیں جو چھوٹی بحر میں ہیں۔

یہ مانا کہ شایانِ قاتل نہیں ہوں
فریبِ محبت سے غافل نہیں ہوں

چھوڑ دوں گا میں آستانے کو
سن تو لیجے مرے فسانے کو

ادائے بے رخی نے مار ڈالا
تری فتنہ گری نے مار ڈالا

موجوں کا طوفان ہے کیسا
ساحل بھی حیران ہے کیسا

مولانا اختر نے غزلیات میں عام طور پر مطلع اور مقطع کی پابندی کی ہے لیکن کہیں کہیں مطلع سے بے نیازی بھی برتی ہے۔ (غالب کے ہاں بھی اس انحراف کے نمونے ملتے ہیں) مثلاً وہ غزل جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

کیا ادائے نگاہِ ساقی ہے
فرش پہ گر کے جام ٹوٹ گیا

اسی طرح بعض غزلوں میں مقطع غائب ہے یعنی تخلص کا شعر نہیں ہے۔ مثلاً وہ غزل جس کا آخری شعر یہ ہے۔

جب تمہارا تصور کیا رات میں
دل منور ہوا روشنی مل گئی

چار اشعار پر مشتمل محولہ ذیل غزل میں بھی مقطع نہیں ہے جس کا آخری شعر یہ ہے ۔

درحقیقت تو انھیں بھی ہے محبت مجھ سے
ظاہراً تلخ بہ گفتار نظر آتے ہیں

غزل کے فنی اور صنفی امتیازات میں ایک خاص امتیاز یہ بھی ہے کہ اس کے اشعار مختلف الموضوع ہوتے ہیں۔ اس کا ہر شعر ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے جو مضمون اور مفہوم کے اعتبار سے خود مکتفی اور اپنے آپ میں مکمل ہوتا ہے۔ ایک شعر کا فکری و معنوی ربط دوسرے شعر سے نہیں

ہوتا۔اسی لیے غزل کو ریزہ کاری کا فن کہا جاتا ہے۔لیکن غزل کی اس ریزہ خیالی کے باوجود شعرا نے ایسی غزلیں بھی کہی ہیں جن کے اشعار میں ایک معنوی ربط وتسلسل پایا جاتا ہے یا جن میں کسی خاص جذبے یا کیفیت اور ایک ہی موڈ کا احساس ہوتا ہے۔انہیں اصطلاحاً غزل مسلسل کہا جاتا ہے۔اس نوع کی غزلیں اس وقت معرض تخلیق میں آتی ہیں جب شاعر کے دل ودماغ پر کوئی خاص جذبہ یا احساس پوری شدت (Intensity) اور گہرائی کے ساتھ مستولی ہوتا ہے۔حضرت اختر کے یہاں بھی کچھ ایسی غزلیں ملتی ہیں جن کے اشعار میں از مطلع تا مقطع تمام اشعار میں ایک جیسی فضا،موضوعی وحدت یا ایک ہی موڈ کی ترجمانی نظر آتی ہے۔مثال کے طور پر ذیل کی غزل دیکھیے جو مومنؔ کی مشہور غزل کی زمین میں کہی گئی ہے لیکن قافیہ بدلا ہوا ہے۔

وہ اسیرِ کا کل عنبریں تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ شہیدِ غمزۂ نازنیں تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کسی التفات کا واسطہ تمہیں دے تو دیتا ابھی مگر
یہ لگا ہے خوف پتہ نہیں تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ ٹپکنا قطرۂ آتشیں کا نگاہِ حسن نواز سے
وہ ہماری سوختہ آستیں تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
مئے عشق بن کے لہو مرے رگ و پا میں ایسا سما گئی
رگِ جاں بنی رگِ آتشیں تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مولانا اختر کو حکیم مومن خاں کی یہ زمیں شاید بہت زیادہ لبھا گئی اس لیے انہوں نے اس زمین میں قافیے بدل بدل کر مزید دو غزلیں لکھی ہیں ان دونوں غزلوں کے اشعار میں بھی از ابتدا تا آخر ایک ہی تجربے کا ابلاغ ہوا ہے۔ان دونوں غزلوں کے مطلعے ملاحظہ ہوں۔

وہ کمالِ نشّۂ بے خودی تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
تھا جھکا جہاں سرِ آگہی تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
تھے تمہارے دوش بدوش ہم تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ رہ حیات کا پیچ وخم تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

عشق غزلیہ شاعری کا مرکزی اور اساسی موضوع ہے۔یہ عشق حقیقی بھی ہوسکتا ہے اور مجازی بھی۔اگر حقیقی ہو تو اس کی جہت ذات حق تعالی وسبحانہ کی طرف ہوگی اور اس کا رشتہ تصوف و

عرفاں سے جڑ جائے گا اور اگر یہ مجازی ہو تو اس کا مورد و مرکز ارضی مخلوق اور زمینی محبوب ہوگا۔ ہماری شاعری میں عشق کی دونوں روایتیں ملتی ہیں یعنی ہمارے شعرا نے عشق حقیقی پر مبنی صوفیانہ اور عارفانہ غزلیں بھی لکھی ہیں اور مادی اور مجازی عشق کی ترجمانی کرنے والی غزلیں بھی لکھی ہیں۔ خواجہ میر درد، جانِ جاناں مظہر، نیاز بریلوی، بے نظیر شاہ، بے دَم شاہ وارثی، اصغر گونڈوی، امجد حیدرآبادی، عبدالقدیر صدیقی حسرت (حیدرآبادی)، کامل شطاری (حیدرآبادی) وغیرہ کے ہاں عشق حقیقی اور تصوف کا رنگ غالب ہے۔ میرؔ، غالبؔ اور آتشؔ کے ہاں عشق مجازی کے ساتھ مسائل تصوف کا اظہار بھی ہوا ہے۔ حسرت، فانی اور جگر وغیرہ کے ہاں مادی عشق کی شورش کا غلبہ ہے حقیقت کا رنگ پھیکا ہے۔ غالبؔ عملاً صوفی نہیں تھے لیکن انہوں نے تصوف کے حقائق و دقائق کو نہایت خوبی کے ساتھ اشعار کے پیکر میں ڈھالا ہے۔ حضرت اختر کی شخصیت، شریعت اور طریقت دونوں کی جامع ہے لہذا ان کے تغزل میں حقیقت و معرفت کا بار پانا عین فطری ہے۔ لیکن ان کی غزلیات کے بہ تفحص مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے عارفانہ تجربات، روحانی واردات، مکاشفات و مغائبات، کسب و یافت، مشاہدہ و معائنہ وغیرہ کو شعر گوئی کا اصل موضوع بنانے سے گریز کیا ہے۔ ان کی غزلوں میں عشق مجازی کے مضامین و موضوعات کا بہرہ زیادہ ہے۔ معرفت کے اسرار و غوامض اور متصوفانہ نکات و لطائف کا ابلاغ کم ہوا ہے۔ ذیل میں تصوف و طریقت سے متعلق ان کے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

رنگینیِ مجاز حقیقت نما ہوئی = منزل پہ پہونچے سلسلہ عاشقی سے ہم
خود کو پانا ہے حقیقت میں خدا کو پانا = اپنے ہی ہاتھ میں ہے صاحب عرفاں ہونا
آپ کا مجھ پہ ہے کرم ورنہ = بے حقیقت کی ہے حقیقت کیا
توڑنا ہے انانیت کا سبو = اور بیعت ہے کیا ارادت کیا
اس مرے ماہ وش کے دو گیسو = یہ شریعت ہے کیا طریقت کیا
نہ رکھ صہبائے عرفاں کو رہینِ میکدہ ساقی = رہے گی خوگرِ غفلت سرشتِ میکشاں کب تک
عرفانِ خودی کی وہ منزل عرفانِ خدا کی منزل ہے = خود اپنی ادا جس منزل میں مقصودِ دل و جاں ہو جائے

جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے مولانا اختر کچھوچھوی کی غزلیات میں عشق حقیقی کے مقابلے میں عشق مجازی کا پلہ بھاری ہے۔ ان کی غزل، غزل کے لغوی معنی ''حدیث زناں و حدیث عشق ایشاں کردن'' (فرہنگ آنندراج) کی پاسداری تو کرتی ہے لیکن اس کی یہ پاسداری صرف و محض

رسمی ہے۔ ''پارۂ دل'' کی غزلیات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان غزلیات کے شاعر کا دل فی الواقع نہ تو کسی کی تیر نگاہ سے گھائل ہوا ہے اور نہ ہی کسی کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہوا ہے۔ اس نے حسن و عشق کے عنوان سے بس رسمی تصورات و تخیلات کی شاعرانہ تعبیریں پیش کی ہیں۔ ان غزلوں میں وہ تپش اور جلن نہیں ملتی جو اصلی عشق کا نتیجہ ہوتی ہے ان میں وہ از خود رفتگی، ربودگی اور برشتگی کی کیفیت نظر نہیں آتی جو عاشق کے مزاج کا خاصہ ہوتی ہے۔ ان غزلیات میں محبوب کی ہستی شاعر کا ذہنی معروض ہے خارج میں اس کا وجود نہیں۔ مولانا اختر کے پاکیزہ شباب، طہارتِ نظر و پارسائی کے ماحول، تقویٰ و تقشّف سے ان کے لگاؤ، لہو و لعب اور لغویات دنیا سے گریز و پرہیز کی تربیت، خاندانی پس منظر اور متدین مزاج کے سبب کسی ارضی اور مجازی محبوب سے ان کا دل لگانا مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے غزل کی رسومیات کے مطابق حدیث حسن، حکایت عشق، ہجر و فراق کے دیگر تجربات کو موضوعِ سخن بنایا ضرور ہے لیکن ان کا محبوب خیالی اور عشق فرضی ہے۔ انہوں نے جگ بیتی کو آپ بیتی بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اپنے ذہن رسا، ذکاوت طبع اور زبردرست ادراکی صلاحیت کے ذریعہ ان لطیف و نازک جذبات و احساسات کو گرفت میں لانے کی سعی کی ہے جو بالعموم عشق و محبت کے تجربے سے عملاً گزرے بغیر ممکن نہیں۔ تاہم چونکہ تجربے میں صداقت اور گہرائی نہیں ہے اس لیے ایک آنچ کی کسر کا احساس ہوتا ہے۔

اُردو میں غزل کی ایک روایت تو وہ ہے جو عشق کے صدمات، رنج و غم، حسرت و یاس، کرب و اضطراب اور حزن و ملال سے عبارت ہے جس کے سرگروہوں میں میؔر و فاؔنی کے نام نمایاں ہیں دوسری روایت وہ ہے جس میں عشق کے مصائب و آلام کے ساتھ ساتھ جذبہ شوق کی کامرانی کا سرور، امید و یقین کا کیف اور نشاطیہ آہنگ پایا جاتا ہے۔ اس روایت کے علمبرداروں میں داغ، حسرت، جگر اور فراق کے نام اہم ہیں۔ مولانا اختر کی غزلوں میں نہ فانی کی سی یاسیت اور حرماں نصیبی ملتی ہے نہ داغ کی سی شوخی اور شرارت اور نہ مصحفی کی طرح دھیمے دھیمے جلنے اور سلگنے کا انداز۔ ان کا ڈھب سب سے جدا ہے جس میں اداسی اور سوگواری پر نشاطیہ لے کی گونج حاوی ہے۔ ان کے اشعار میں ہجر و فراق کی سوزش و تڑپ کے مقابلے میں امید وصل کی انبساطی کیفیت پائی جاتی ہے۔ لیکن ان کی غزل لکھنوی شعرا کی معاملہ بندی یا عہد جدید کے شعرا کی وصالیہ ہیجان خیزی اور جسم کی آنچ کی کھلی ڈلی ترسیل سے عاری ہے۔ ان کی غزلوں میں ایک خاص تہذیب اور شائستگی اپنے پورے رچاؤ، نکھار اور وقار کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہے۔ ان کی غزلوں کے چند اشعار

ملاحظہ ہوں جن میں معاملات حسن وعشق کے مختلف مسائل کو تخلیقی اظہار کا روپ دیا گیا ہے۔

دل عشق آفریں سے ہے مقام حسن کی رفعت = کیا نظروں میں تجھ کو آسماں اے جاں جاں میں نے
کیا تھا عہد تیری بزم میں ہرگز نہ آئیں گے = وفورِ شوق میں لیکن کسے یہ یاد ہوتا ہے
یہ مانتا ہوں محبت ہے اک فریب حسیں = دل حزیں کو مگر اپنے کیسے سمجھاؤں
غم فراق کی دشواریاں نہ پوچھ اختر = کہیں جو دن پہ وہ ٹوٹیں تو رات ہوجائے
جو آپ زہر بھی دیں دست ناز سے اپنے = یقین ہے کہ وہ آبِ حیات ہوجائے
یہ مانا کہ شایان قاتل نہیں ہوں = فریب محبت سے غافل نہیں ہوں
میں ترے طرزِ تغافل سے نہیں ہوں بدگماں = جان جاناں بے رخی میں لذت آزار ہے
ہاں اسی راز کا اخفا ہے وبال ہستی = جس حسیں راز کی تشہیر سے ڈر لگتا ہے
درحقیقت تو انہیں بھی ہے محبت مجھ سے = ظاہرا تلخ بہ گفتار نظر آتے ہیں
الطاف بیکراں سے شہہ مل گئی کچھ ایسی = بے اختیار تڑپی ہر موج آرزو کی
وہ ہم سے لفظ تمنا ہی سن کے چونک پڑے = بڑا غضب تھا اگر شرح آرزو کرتے

سراپا نگاری غزل کا ایک اہم موضوع ہے جس میں محبوب کے اعضائے بدن، لب و عارض، زلف وکاکل، چشم وابرو، خال ورخسار، دہن ودنداں، دست وپا اور قامت ورفتار کے حسن و جمال کی مرقع کشی کی جاتی ہے۔ لکھنو کے شعرا نے سراپا نگاری کو سوقیت وابتذال بلکہ عریانیت کی حدوں تک پہنچا دیا تھا۔ حضرت اختر کی غزلوں میں محبوب کی دلکشی ورعنائی کی تصویریں ملتی ہیں لیکن یہ نہایت مبہم اور عمومی انداز کی ہیں اور انہیں نہایت سلیقے اور احتیاط سے الفاظ کے پردے میں اتارا گیا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اشعار کا مصداق غزل کا عام محبوب ہے کوئی خاص ہستی نہیں۔

جس طرف اٹھ گئیں قسمتیں پھر گئیں = تیری آنکھیں بھی ہیں ایک جادو لیے
ان کی آنکھوں کو نہ تعبیر کرو آنکھوں سے = سچ جو پوچھو تو نظر آتے ہیں میخانے دو
آج خوش خوش نسیم سحر چار سو = پھر رہی ہے تری زلف کی بو لیے
جس کو خورشید لوگ کہتے ہیں = وہ کہیں نقش پائے یار نہ ہو
لگے حسن ماہ پر بھی ذرا ایک تازیانہ = ذرا گلعذار چہرے سے نقاب تو ہٹانا
دیکھ کر قامت زیبا کو قیامت بولی = اب نہیں میری ضرورت مجھے آواز نہ دو

حسن وعشق کی حکایت کے علاوہ مولانا اختر کی غزلوں میں ملک وملت کے مسائل،

سیاسی اور سماجی صورت حال، انسانوں پر ٹوٹنے والی آفات ارضی وسماوی، عوام کی پریشانیوں، گردش روزگار، انقلابات زمانہ، نیرنگی حالات اور آشوب عصر کا بھی گہرا ادراک ملتا ہے۔ انہوں نے گلستاں و باغباں، رہبر و کارواں، قفس و آشیاں، ساقی و میخانہ، صبح و شام، فسانۂ غم وغیرہ کے روایتی استعاروں اور علامتوں میں اپنے شعور زیست اور عمرانی بصیرت کا ابلاغ کیا ہے۔ گزشتہ صدی کے نصف دوم کے دوران ملت اسلامیہ ہند زوال و ادبار کے جن مراحل سے گزری ہے اور جن حوادث وطوفانوں سے آج بھی اسے جوجھنا پڑ رہا ہے ان اشعار میں ان تمام مسائل کی موثر ترجمانی کی گئی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر اپنے گرد و پیش کی تبدیلیوں اور دنیا میں واقع ہونے والے تغیرات سے لاتعلق نہیں ہے۔ وہ کھلی آنکھ اور زندہ و توانا حسیت کے ساتھ مسائلِ حیات، زمانے کے تغیرات اور دنیا کے واقعات کا مشاہدہ کر رہا ہے اور صرف مشاہدہ ہی نہیں کر رہا ہے بلکہ ان پر اپنے فنکارانہ ردعمل کا بھی اظہار کر رہا ہے۔

نظر آتا ہے کیوں رنگِ مزاجِ گلستاں بدلا = کرشمہ ہے نظر کا یا شعارِ باغباں بدلا
بھٹکنا میرا سچ پوچھو کرم تھا میرے رہبر کا = قدم پر آ گئی منزل جو میرِ کارواں بدلا
قفس جن سے بنا ہے آج میرا = یہی تو تیلیاں تھیں آشیاں میں
نظم میخانہ کی اب خیر نہیں ہے ساقی = آج دشمن ہوئے دیوانے ہی دیوانوں کے
کون سنتا ہے مرے غم کا فسانہ امروز = ہم نشیں جرأتِ گفتار کروں یا نہ کروں
کھاتا رہا میں دھوکا آزادیوں کا ہمدم = آئے قفس میں جھونکے جب جب مرے چمن کے
تاریکئ وطن تو مٹی ہے مگر یہ کیا = صبح وطن میں رنگ ہے غربت کی شام کا
نہ کیوں نالاں عنادل ہوں نہ کیوں بادِ خزاں آئے = کہ جب دست ستمگر میں چمن کی باغبانی ہے
مجھے ڈر ہے زمانے کے قدم آگے نہ بڑھ جائیں = خیالِ خطرۂ منزل امیرِ کارواں کب تک

برق و آشیاں کلاسیکی اُردو غزل کے نہایت مقبول استعارے ہیں جن کے ذریعہ اساتذۂ غزل نے اپنے عہد کے آفات و حوادث، ظالم و جابر حکمرانوں کے جبر و استبداد اور گردش حالات کی قہرمانی کو فنکارانہ ہنرمندی کے ساتھ غزل کے اشعار میں ظاہر کیا ہے۔ مولانا اختر کی غزل بھی فی الاصل کلاسیکی غزل کا تسلسل ہے۔ فن اور اسالیب کے اعتبار سے بھی اور موضوعات کے اعتبار سے بھی۔ انہوں نے بھی برق و آشیاں کے پردے میں اپنے عہد کے درد و داغ، حوادث و سانحات اور مصائب و آلام کا غزل کی مخصوص ایمائیت کے ساتھ بھرپور اظہار کیا ہے۔

کم نہیں یہ التفاتِ برقِ چشم خشمگیں = کیا ہوا زد میں اگر میرا ہی کاشانہ رہے
اک میرا نشیمن ہی تاراجِ زمانہ تھا = سنتے ہیں مرا گلشن اب پھولتا پھلتا ہے
آنچ آئے مگر نہ گلشن پر = پھونک دو میرے آشیانے کو
سوئے گلشن ابر اٹھا ہے کہ اٹھتا ہے دھواں = دیکھیے جلتا نہ ہو شاید ہمارا آشیاں
گر یوں ہی برق بار بار آئی = ہر شجر پر بنیں گے کاشانے
برق تپاں کی جرأت دیکھیں کہاں تلک ہے = اجڑا ہوا نشیمن پھر سے بسا رہا ہوں

گلستاں وخزاں، آشیاں و شاخِ آشیاں کے استعارے سے درج ذیل اشعار بھی ہمارے عہد کے آشوب اور تباہی و بربادی کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں اس لیے ان کی عصری معنویت بھی شبے سے بالاتر ہے۔

مرے شاداب گلشن کو خزاں تاراج کر ڈالے = مری خوں ریزیوں کا کیا یہی ہے آسماں بدلا
گلستاں میں کس لیے جاؤں بنانے آشیاں = اب کہاں شاخ گل گلشن میں تاب بار ہے

برق وآشیاں کے تلازمات میں گلشن، باغباں، صیاد اور قفس بھی شامل ہیں۔ ہندوستان کی آزادی، تقسیم ملک اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے انسانیت سوز واقعات اور خونین فسادات کے تناظر میں (جن کا سلسلہ بدقسمتی سے آج تک جاری ہے) ان علامتوں اور استعاروں کی معنوی جہات میں تکثیریت پیدا ہوگئی ہے۔ وطن عزیز سے انسانوں کی فطری محبت وانسیت، سفاک و بہیمیت پرور فرقہ پرست طاقتوں اور مکار وموقع پرست سیاست دانوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے جب ہم ان اشعار کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے معنوی ابعاد فوری طور پر اور تاثیر وتاثر کی فراوانی کے ساتھ ہمارے ذہن میں روشن ہوتے ہیں۔ ان اشعار میں طنز بھی ہے اور کرب و ملال بھی۔ لیکن لہجے میں کہیں کڑواہٹ یا تیکھا پن نہیں ہے جو شاعر کے فنکارانہ ضبط کی دلیل ہے۔

تمیزِ مہرباں نا مہرباں دشوار ہے اختر = سمجھتے ہیں جسے ہم باغباں صیاد ہوتا ہے
کیا ہے یہ بھی اک احسان تجھ پر باغباں میں نے = چنا ہے تیرے گلشن کو برائے آشیاں میں نے
ہے میری زندگی ویرانیوں کا مظہرِ خستہ = مرے دم سے قفس صیاد کا آباد ہوتا ہے
نہ پوچھو شادمانی باغباں کی = لگی ہے آگ مرے آشیاں میں
غالبًا طرزِ ستم اس نے بدل ڈالا ہے آج = اللہ اللہ مائلِ لطف و کرم صیاد ہو

حضرت اختر کی غزلیات میں عظمت آدم اور بنی نوع انساں کے شرف وکرامت کا

خاص تصور ملتا ہے جس کا سرچشمہ دین و مذہب ہے۔ انہیں زندگی کے اعلیٰ اصولوں اور اخلاقی و روحانی قدروں کی شکست وریخت کا شدید احساس ہے۔ اس لیے انہوں نے اعلیٰ اخلاقی اوصاف اور انسانیت کی جلیل وجمیل اقدار، ایثار وقربانی، شرم وحیا، ظلم وستم سے اعراض، غرور ونخوت سے احتراز، صفائی قلب وغیرہ کا اثبات کیا ہے۔

کوئی ہے عقل والا جو سمجھا سکے اس میں کیا درس ہے آدمی کے لیے
شمع اپنے کلیجہ جلاتی رہی کیوں کسی اور کی روشنی کے لیے
مضطرب ہے وفا مضمحل ہے صفا اور شرم و حیا ہوگئی لاپتہ
آدمی بن کے رہنا بھی اس دور میں کس قدر سخت ہے آدمی کے لیے

یہ عبرتناک انجام ستم ایجاد ہوتا ہے
غباروں کی طرح اٹھتا ہے پھر برباد ہوتا ہے
یہ کبر نہیں اچھا نخوت کے پرستارو
مہتاب بھی بجھتا ہے خورشید بھی ڈھلتا ہے
یہ راز ہے جو ملتے ہیں سب سے خوشی سے ہم
دل میں غبار رکھتے نہیں ہیں کسی سے ہم
عظمت انسانیت سمجھے کوئی ممکن نہیں
خاک کا ذرہ سہی لیکن فلک آغوش ہے
فرشتہ ہوگیا اختر تو کیا ہے
کہو فرزند آدم بن کے آئے
آہ مظلوم دعا بن کے ندا کرتی ہے
ہے کھلا باب اجابت مجھے آواز نہ دو

مولانا اختر بنیادی طور پر عالم دین ہیں۔ ان کی علمیت لاشعوری طور پر ان کے تخلیقی عمل پر اثر انداز اور ان کی تخلیقات میں دخیل ہوجاتی ہے۔ غزل کے اشعار میں ان کی علمیت تاریخی اور قرآنی تلمیحات واشارات کی شکل میں اظہار کی راہ پاتی ہے۔ ان کی غزلوں میں اچھی خاصی تعداد ایسے اشعار کی ہے جو تلمیح طلب ہیں اور یہ تلمیحات بیشتر قرآن سے مستفاد ہیں جیسے ''لن ترانی''، ''کن فیکون''، جلوۂ طور، نارنمرود، مور وسلیمانؑ، ماہ کنعاں اور چاہ (حضرت یوسفؑ اور کنواں) ابن

مریمؑ (حضرت عیسیٰؑ)، زندگی خضرؑ، ہودؑ، شداد وغیرہ۔تلمیحات کے ماہرانہ استعمال کی وجہ سے مولانا اختر کے کلام میں اختصار میں طوالت، اجمال میں تفصیل اور ایجاز میں اطناب کا سا لطف پیدا ہوگیا ہے۔خاص بات یہ ہے کہ یہ تلمیحات بے ساختہ طور پر کلام میں وارد ہوئی ہیں ان میں کہیں تکلف اور آورد کا احساس نہیں ہوتا۔

یہ سوچ کر نگاہ جھکائے ہوئے تھا میں = شرمندہ ہو نہ جائیں کہیں لن ترانیاں
وجود کون و مکاں ہست کائینات سے پوچھ = مری سرشت میں مضمر ہے راز کن فیکوں
پیش نظر بھی آئے تو مستور ہوگئے = پوشیدہ جیسے جلوے سر طور ہوگئے
منزل آدم خاکی کا پتہ دیتا ہے = نارِ نمرود کا فردوس بداماں ہونا
دیکھ کے رخ پہ غبار ان کے مجھے یاد آیا = مورِ بے مایہ کا ہمدوشِ سلیماں ہونا
چاہ میں ڈوب کے افلاک محبت پہ چمک = سیکھ لے سیکھ لے اختر مہِ کنعاں ہونا
سراپا درد غم ہم بن کے آئے = کوئی کیا ابن مریم بن کے آئے
نہیں کارِ عبث شرحِ تمنا = ادائے لن ترانی چاہتا ہوں
اے جنوں زندگی خضر میسر ہو تجھے = کب مجھے پاؤں کی زنجیر سے ڈر لگتا ہے

مندرجہ بالا اشعار میں تلمیحات اسما و اعلام کی صراحت کے ساتھ ہیں لیکن مولانا اختر کے یہاں بعض دفعہ ایسی تلمیحات بھی آجاتی ہیں جن میں اسما کی صراحت نہیں ہوتی لیکن واقعہ کے کسی خاص پہلو یا قرینے سے تلمیح کے مشارٌ الیہ کی نشاندہی ہوتی ہے مثلاً ذیل کے اشعار میں علی الترتیب حضرت آدمؑ کے مسجود ملائکہ ہونے، فرہاد کی کوہکنی اور مجنوں کی صحرانوردی کی طرف نہایت سلیقے سے اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ خدا کی شان دیکھو ہے ہمیں کو حکم سجدہ = کبھی سجدہ گاہِ عالم تھا ہمارا آستانہ
یہ شیشہ اور یہ سنگ گراں یہ دشت پیمائی = وفا کی راہ کو ہمت شکن کہنا ہی پڑتا ہے

مولانا اختر کی بعض غزلیں شعریت کے ساتھ ساتھ موسیقیت اور نغمگی کے پہلو سے بھی بڑی معرکے کی ہیں۔ان غزلوں میں ہمیں حسن کی جلوہ سامانی بھی نظر آتی ہے اور عشق کی سرمستی وسرشاری بھی، شرحِ تمنا بھی ہے اور شوق ملاقات بھی۔ یہاں سوز و گداز کی زیریں لہر بھی موجود ہے اور نشاط آرزو کی موج سرور آگیں بھی۔مضامین و خیالات کی آمد اور بے ساختگی، ترنم ریز بحریں، خوش آہنگ قافیے، سریلی ردیفیں اور صوتی جھنکار پیدا کرنے والے الفاظ، یہ سب مل کر ان غزلوں

میں موسیقی کے راگ اور راگنیوں کا سا لطف پیدا کرتے ہیں۔مثلاً ذیل کی غزل ملاحظہ ہو۔

آجاؤ کہ دل کی دنیا بھی فردوس بداماں ہوجائے
ہر داغ فروزاں ہوجائے ہر زخم گلستاں ہوجائے
اے ہوش و خرد والو دیکھو کیوں دشمن جاں میں اس کو کہوں
جو برق نگاہِ ہوش ربا چمکے تو رگِ جاں ہوجائے
جو درد رہین فرقت ہو اُس درد کا درماں مت ڈھونڈو
کیا اچھا نہیں ہے چارہ گر و خود درد ہی درماں ہوجائے
بدمست گھٹاؤ یہ تو کہو اس وقت ہمیں کیا لازم ہے
جب ساغر عارض موج میں ہو جب زلف پریشاں ہوجائے
اپنے ہی چمن کی بات نہیں اختر وہ جہاں بھی جا پہنچیں
ہر شاخ خوشی سے جھوم اٹھے ہر پھول غزل خواں ہوجائے

مولانا اختر کی درج ذیل غزل میں بھی نغمے کی سی شیرینی اور دلکشی پائی جاتی ہے۔اس کی بحر بھی نہایت رواں اور مترنم ہے۔

تری خوش ادائیوں سے ہے یہ جانفزا زمانہ
ذرا مسکرا تو دیجئے بہ ادائے دلبرانہ
مرے جذبۂ محبت سے ہے باخبر زمانہ
جہاں سر جھکا دیا ہے وہیں ان کا آستانہ

مولانا اختر نے اساتذہ کی زمینوں میں طبع آزمائی کی ہے جن میں غالبؔ، خواجہ میر دردؔ، آتشؔ، مومنؔ، داغؔ، امیرؔ مینائی اور اقبالؔ کے علاوہ اصغرؔ، فانیؔ، حسرتؔ، جگر وغیرہ بھی شامل ہیں۔ راقم الحروف کا احساس ہے کہ پارۂ دل کی بیشتر غزلیں اُردو کی مشہور اور مقبول غزلوں کی زمینوں میں ہیں۔یہ بہ طور جواب آں غزل نہیں لکھی گئی ہیں بلکہ ان زمینوں کی شگفتگی اور تخلیقی امکانات نے مولانا اختر کو ان میں طبع آزمائی پر مائل کیا ہے۔فی الواقع اساتذہ کی زمینوں میں غزل کہنا ''عزتِ سادات'' کو خطرے میں ڈالنے کے مماثل ہے لیکن مولانا اختر اپنی زرخیزیٔ فکر اور مہارتِ فن کی بدولت اس وادیٔ پرخطر سے سلامت روی کے ساتھ نکل آئے ہیں۔

مولانا اختر کی غزل کا سررشتہ کلاسیکی اُردو غزل اور اس کی روایات سے نہایت مضبوطی کے

ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اُردو کے کلاسیکی غزل گوشعرا کے کلام کے عمیق مطالعے اور ان کے اسالیب و موضوعات سے وسیع تر اخذ و استفادے کے سبب ان کی غزل پر مختلف اساتذہ سخن کے رنگ تغزل کی چھوٹ نظر آتی ہے۔ لیکن فکری و فنی سطح پر قدما و متوسطین اور معاصرین کی خوشہ چینی کے باوصف مولانا اختر کی غزل کسی فرد واحد کا چربہ یا نقل نہیں ہے۔ انہوں نے امتزاجی رنگوں سے اپنا لہجہ و اسلوب متشکل کیا ہے۔ ان کا رنگِ تغزل ان کا اپنا ہے۔ اس پر ان کے اپنے دستخط ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جسے ہم ''رنگ'' سے تعبیر کرتے ہیں وہ بات کرنے کا وہ مخصوص اسلوب یا طرز اظہار ہے جس میں نہ صرف بات کرنے والے کی شخصیت کا پرتو نظر آتا ہے بلکہ اس کی وجہ سے اس کی امتیازی شناخت بھی قائم ہوتی ہے۔ رنگ کی ترکیب و تشکیل میں خاندان، حسب نسب، گھریلو فضا، تعلیم و تربیت، معاشرے، ادبی اور سماجی ماحول ہم عصر رجحانات، تہذیبی اقدار، میلان طبع، فہم و ذکا اور علمی استعداد کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ چونکہ مولانا کی شخصیت کے یہ سارے حوالے منفرد ہیں اس لیے ان کا رنگ بھی سب سے الگ اور منفرد ہے۔ ذیل میں مولانا اختر اور دیگر شعرا کے متحد المضامین اشعار پیش کیے گئے ہیں جن کے تقابل سے پتہ چلے گا کہ مولانا کا رنگ دوسروں سے کتنا مختلف ہے۔

کہتے تھے اس سے ملیے تو کیا کیا نہ کہیے لیک
وہ آگیا تو سامنے اس کے نہ آئی بات
میرؔ

اختر غرور، سحر طرازی پہ تھا جنہیں
ان سے نظر ملاتے ہی مسحور ہوگئے
اخترؔ

اس کے جاتے ہی یہ کیا ہوگئی گھر کی صورت
اب وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت
حالیؔ

ارے اے جان روح بہاراں تیرے جاتے ہی
خزاں کروٹ بدلتی ہے چمن برباد ہوتا ہے
حسرتؔ

دیکھا جو حسن یار طبیعت مچل گئی

آنکھوں کا تھا قصور چھری دل پہ چل گئی
اخترؔ

نظر تو لذتِ دیدار پا گئی لیکن
غریب دل کو ملے زخم ہائے گوناں گوں
اخترؔ

جب ہم چلیں تو سایہ بھی اپنا نہ ساتھ دے
جب تم چلو زمین چلے آسماں چلے
جلیلؔ مانکپوری

میں جدھر ہوں اس طرف ہے صرف تنہائی مری
جس طرف وہ ہیں وہ اک دنیائے گوہر بار ہے
اخترؔ

جھونپڑوں کے مکیں کتنے چالاک تھے پایا موقعہ تو محلوں پہ قابض ہوئے
اور جو شیش محلوں کو چھوڑ آئے ہیں وہ ابھی تک ترستے ہیں گھر کے لیے
شمیم کرہانیؔ

آج بے سایہ ہیں مالک جو تھے ایوانوں کے
ان میں جا بیٹھے ہیں فرزند بیابانوں کے
اخترؔ

تب میسر مجھے اک بوسہ جاناہ ہوا
جب کہ میں خاک ہوا خاک سے پیمانہ ہوا
میر ضمیرؔ

ابھرا ہوں خاک ہو کے حنا کے لباس میں
اللہ رے یہ شوقِ قدمبوسیٔ بتاں
اخترؔ

نہ پھول تھے نہ چمن تھا نہ آشیانہ تھا
چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا
دبیرؔ

قفس سے چھٹ کر خیال تھا گلستاں میں آسودگی ملے گی
مجھے تھا معلوم کیا فضائے چمن ہی بدلی ہوئی ملے گی
اختؔر

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شئے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا
اقباؔل

کس طرح اس نظر کو اختر نظر کہوں میں
آغاز کو تو دیکھے انجام کو نہ پہنچے
اختؔر

حسن بے پروا کو خود بین و خود آرا کردیا
کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کردیا
حسرؔت

پہلے بے ساختہ وہ ملتے تھے
رفتہ رفتہ لگے ہیں شرمانے
اختؔر

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کیے جارہا ہوں میں
جگؔر

محدود اپنی رغبت گل تک نہیں ہے یارو
سینے سے خار کو بھی اپنے لگا رہا ہوں
اختؔر

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا
اقباؔل

آدمی سیکھ تو لے صاحبِ ایماں ہونا

آج بھی سہل ہے شعلوں کا گلستاں ہونا
اختر

یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروزِ عیدِ قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا
آتش

اندازِ لطف اس کا ہے بے حساب الٹا
خود قتل بھی کرے ہے خود لے ثواب الٹا
اختر

حضرت اختر کی سوانح وشخصیت، سیرت واخلاق، مقام ومنصب اورفن شاعری میں ان کی فتوحات واکتسابات کے پیش نظر راقم الحروف کو یہ کہنے میں باک نہیں کہ مولانا کی طبیعت کونعت ومنقبت سے خصوصی مناسبت ہے۔ان میدانوں میں ان کا اشہب فکر خوب جولانیاں دکھاتا ہے اور نئے نئے مضامین ڈھونڈ لاتا ہے۔غزل ان کے مزاج کی چیز نہیں ہے۔مولانا کی ثقہ ونستعلیق شخصیت اورمتدین روش اُس حسن پرستی، عاشق مزاجی، رندمشربی اورجنوں سامانی سے کوسوں دور ہے جوخالص غزلیہ شاعری کی نشوونما اورتغزل آفرینی میں معاون ہوتی ہے۔تاہم انہوں نے بڑی وارفتگی اوردلجمعی کے ساتھ گیسوئے غزل کوسنوارنے کی کوشش کی ہے۔اس میں شک نہیں کہ ان کی غزلوں میں مہارتِ فن اور مشاقیٔ زبان کے پہلو بہ پہلو ایک پرکیف حسن آفریں فضا، جمالیاتی انبساط، جذبے کی گھلاوٹ، الفاظ کی خوش آہنگی، اسلوب کی ندرت، خیالات کی تازگی، تخلیقی رچاؤ، تہذیبی رکھ رکھاؤاورخلوص وشائستگی کا احساس ہوتا ہے۔حضرت اختر کی شاعری قاری کے دل میں مایوسی، پژمردگی اورقنوطیت کے جذبات نہیں ابھارتی بلکہ زندگی کے خوشگوار امکانات، حوصلے و اعتماد، امیدافزا مستقبل اورفرحت ورجائیت کا احساس پیدا کرتی ہے۔یہی عوامل ان کے تغزل کی ساخت وپرداخت میں اہم کرداراداکرتے ہیں اورانہیں عناصر سے ان کا رنگِ تغزل ابھرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت اختر کی غزلیہ شاعری عظیم شاعری نہ سہی لیکن یہ اس خلا کو پرکرتی ہے جوعظیم شاعری کی عدم موجودگی کے سبب پیدا ہوتا ہے۔اس طرح ان کی غزل اُردوغزل کے سفراوراس کی روایت کے تسلسل کو جاری رکھنے میں اہم کردارانجام دیتی ہے۔

اختر کچھوچھوی کی حمدیہ ونعتیہ شاعری

(بارانِ رحمت کے حوالے سے)

—— پروفیسر صاحب علی، شعبۂ اردو ممبئ یونیورسٹی، کالینا سانتا کروز (ایسٹ)، ممبئ

بارانِ رحمت کے شاعر اختر کچھوچھوی کا تعلق خانوادۂ محدث اعظم سے ہے۔ یہ خاندان اپنے مسلک کی ترویج واشاعت اور تبحر علمی کی وجہ سے ممتاز اہمیت کا حامل ہے۔ اختر کچھوچھوی ایک صوفی منش انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باکمال شاعر بھی ہیں اور انھیں شاعری ورثے میں ملی ہے۔ آپ کے والد حضرت محدث اعظم ایک صاحب دیوان شاعر تھے اور دادا علامہ فاضل کچھوچھوی داغ دہلوی کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ مولانا اختر کی حمدیہ ونعتیہ شاعری اپنے عہد کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، جن کی شاعری کی شستگی، لطافت، منطق، فلسفہ اور علم الکلام کا ایک زمانہ معترف ہے۔

''بارانِ رحمت'' مولانا کی کتاب ''تجلیاتِ سخن'' کا پہلا حصہ ہے جس کے سرورق سے ہی یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس کا موضوع خداے پاک اور حضور صلی علیہ وسلم کی منظوم مدح وثنا کا ایک دلکش اور روح پرور مجموعہ ہے۔ یہ حصہ مثنوی کی شکل میں نہیں بلکہ الگ الگ نظموں کی صورت میں ہے۔

ادب کا ہر تعلیم یافتہ شخص جانتا ہے کہ حمد اور نعت دونوں عربی زبان کے لفظ ہیں۔ حمد میں صرف خداے پاک کی تعریف وتوصیف اور عظمت بیان کی جاتی ہے جب کہ نعت صرف حضور کی شان میں کہے گئے اشعار کے لیے مختص ہے۔

حمد اور نعت گوئی کے لیے اردو شاعری کی کسی ہئیت یا Form کی قید نہیں بلکہ موضوع کی قید ہے۔ حمد اور نعت گوئی کا رواج زمانۂ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن زہیر یہ تین ایسے عربی شاعر ہیں جنھوں نے پہلے پہل حمد اور نعت کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور باقاعدہ حمد اور نعتیں کہیں۔ فارسی زبان وادب میں حمد اور نعت کی روایت قدیم

ایرانی زبان میں لکھی گئی آتش پرستوں کی مقدس کتاب ''اَوِستا'' میں ملتی ہے۔ فارسی زبان میں نظامی، رومی، عطّار، سعدی، جامی، قدسی اور امیر خسرو نے فن حمد ونعت گوئی کو بام عروج تک پہنچایا۔ مولانا نورالدین جامی کو اس بات میں اولیت کا شرف حاصل ہے کہ انھوں نے مذکورۂ بالا شعرا کے برخلاف قصائدی انداز ترک کر کے پہلی بار بہ انداز غزل حمد اور نعت کی بنیاد ڈالی۔ حمد کے ارتقا کے ضمن میں مولانا ابوالکلام آزاد کے یہ جملے اپنے اندر بڑا وزن اور وقار رکھتے ہیں:

''آسٹریلیا کے وحشی قبائل سے لے کر تاریخی عہد کے متمدن انسانوں تک کوئی بھی اس (خدا) کے تصور کی امنگ سے خالی نہیں رہا۔ مصریوں نے ولادتِ مسیح سے ہزاروں سال پہلے اپنے خدا کو طرح طرح کے ناموں سے پکارا، اور کالڈیا کے صنعت گروں نے مٹی کی پکی اینٹوں پر حمد وثنا کے وہ ترانے کندہ کیے جو گزری ہوئی قوموں سے انھیں ورثے میں ملے تھے''

(غبار خاطر: حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی ص ۱۲۷)

جب ہم حمدیہ شاعری کے حوالے سے اردو ادب کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز پندرہویں صدی کی تیسری دہائی میں ہوا۔ مذکورہ صدی میں لکھی جانے والی اردو شاعری کی سب سے قدیم اور مصدقہ شعری تصنیف کدم راؤ پدم راؤ ہے۔ اردو شاعری کی اس پہلی مستقل کتاب کا مصنف فخر دیں نظامی بیدری ہے۔ نظامی نے حمد سے ہی اپنی شعری تصنیف کا آغاز کیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

گسائیں تہیں ایک دُنہ جگ ادار
بروبر دُنہ جگ تہیں دینہار

اکاش انچہ پاتال دھرتی تہیں
جہاں کچہ نکوئی، تہاں ہے تہیں

اردو میں ابتدائی دکنی شعرا میں میراں جی شمس العشاق، فراقی، محمد قلی قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، نصرتی، ملا وجہی، ابن نشاطی نے حمد ونعت کے بہترین اور دلکش نمونے پیش کیے ہیں۔ شمالی ہند میں سودا اور ذوق کے کلیات میں حمد اور نعت کے عمدہ نمونے مل جاتے ہیں لیکن اردو شعرا میں حکیم مومن خان مومن دہلوی پہلے شاعر ہیں جنھوں نے نعت گوئی کو فنی

حیثیت دی۔اردو زبان کے دوسرے شعرا کی صف میں ہم غلام امام شہید، منیر شکوہ آبادی، امیر مینائی، مولانا حالی، مولانا شبلی، ماہرالقادری، حمید صدیقی اور عامر عثمانی وغیرہ کے نام لے سکتے ہیں۔انھیں نام برآوردہ شعرامیں ایک نام مولانا سید محمد مدنی اختر کچھوچھوی کا ہے۔

''بارانِ رحمت'' کا بالاستیعاب مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا سارا متن از اول تا آخر عقیدہ وعقیدت کا ذخیرہ ہے۔جس کے خازنِ حقیقی خدائے پاک اور حضور صلی علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں۔خدا اور عشقِ رسول کے دریائے بے کنار میں ڈوبی ہوئی یہ تخلیقات جنھیں جذبۂ حمد اور نعت پاک کی مقدس قاشیں کہا جاسکتا ہے۔ وہ شعری وادبی شہ پارے بھی ہیں ہی اور بے پناہ الفت خداوندی اور سرکار دوعالم کی امواج تہہ نشیں بھی ہیں۔

اردو میں حمد اور نعت گوئی کا فن دوسری صنف شاعری سے قدرے مشکل ہے۔نعتیہ شاعری مشکل کیونکر ہے سید مثنیٰ انور کی زبانی سنیے:

> ''یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ نعت کا مرکز ومحور رسول عربی صلی علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے۔ یہ عظیم المرتبت ذات منصب نبوت ورسالت پر فائز ہے اور خالق ومخلوق کے درمیان کی وہ بنیادی کڑی ہے جو مخلوق کو خالق سے ملاتی ہے۔ عارفوں کی زبان میں اس بنیادی کڑی کا دوسرا نام واسطۃ الفیض ہے اس اعتبار سے منصب نبوت ورسالت کے دو اہم تقاضے سامنے آتے ہیں۔اول خالق سے اس کے احکام وفرامین کو حاصل کرنا، دوم انھیں مخلوق کو ارسال کرنا اور اپنی ذات کو ان کا نمونۂ عمل بنانا۔ ذرا غور کیجیے کہ ایسی باعظمت اور بے مثل شخصیت کی مدح وستائش کس قدر دشوار ہے جہاں فکری اور لسانی دونوں لحاظ سے افراط وتفریط کی کوئی گنجائش نہیں! افراط میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں اس واسطۃ الفیض کو خدانخواستہ کوئی خدا نہ سمجھے اور تفریط میں یہ دھڑکن رہتی ہے کہ کہیں اسے کوئی اپنی طرح نہ سمجھ لے! اسی لیے نعتیہ شاعری کے لیے پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے''

(بارانِ رحمت ص:۴۔۵)

مولانا اختر حمدیہ اور نعتیہ شاعری کے فن کو برتنے میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز

نظر آتے ہیں۔زبان و بیان اور خداے پاک اور حضور صلی علیہ وسلم کے تقدس کوملحوظ رکھتے ہوئے اس فن کا استعمال بڑی مہارت تامہ کے ساتھ کیا ہے کہ کہیں پر بھی لغزش اور بے راہ روی کا گمان تک نہیں ہوتا۔جیسا کہ گزشتہ سطور میں اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ مولانا اختر ایک مذہبی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں لہذا اپنی زندگی کا بیشتر حصہ علما اور محدثین کی صحبت میں گزارا، غالباً یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری میں اپنے اسلاف کے اثرات کو بصد خلوص واحترام قبول کیا، جس کی وجہ سے ان کے کلام میں مذہبی رنگ غالب ہے۔''باران رحمت'' کی ابتدا روایت کے مطابق حمد سے ہوئی ہے۔چار مصرعوں پر مشتمل انھوں نے خدائے تعالی کی برتری اور اس سے اپنی قربت کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔مثال کے طور پر حمد کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

ذرے ذرے سے نمایاں ہے مگر پنہاں ہے
میرے معبود ! تیری پردہ نشینی ہے عجیب
دور اتنا کہ تخیل کی رسائی ہے محال
اور قربت کا یہ عالم کہ رگِ جاں سے قریب

مذکورہ بالا حمدیہ اشعار کے حوالے سے مولانا اختر کے شعری محاسن کا تذکرہ ضروری ہے۔وصف الٰہی کے ضمن میں انھوں نے الفاظ کے حسن و جمال اور اظہار کی دلکشی اور خیالات میں جو ندرت پیدا کی ہے وہ خود ان کے زبان کی اختراع ہے۔مذکورہ اشعار مترنم اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ ایجاز و بلاغت کی بہترین مثال ہیں۔مولانا اختر نے حمدیہ شاعری میں اپنے قدما کی پیروی کی ہے۔انھوں نے بھی قرآنی آیات، نادر تشبیہات اور استعاروں سے اپنے اشعار اس طور سے کومزین کیا ہے کہ شعری لطافت، نازک خیالی اور بیان کی سادگی سے تغزل کا سا رنگ پیدا ہو گیا ہے۔باوجود اس کے کلام میں شوخی کے بجائے ہمہ وقت تضرع کی کیفیت بڑے موثر انداز میں پائی جاتی ہے۔مولانا اختر نے بارگاہ ایزدی میں حمد کبریائی، احسان خداوندی اور اس کی کرشمہ سازیوں کا ذکر نہایت عجز و انکساری کے ساتھ کیا ہے۔مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھیے:

اے خدا شکر ترا، شکر ترا، شکر ترا
خاکِ بے مایہ سے انسان بنایا مجھ کو
زیورِ دانش وحکمت سے سجایا مجھ کو
نقش پائے شہہِ عالم پہ چلایا مجھ کو

اے خدا شکر ترا، شکر ترا، شکر ترا

زیرِنظر کتاب ''بارانِ رحمت'' میں نعت کی تعداد حمد کے مقابلے زیادہ ہے۔ اصطلاحاً ''نعت'' ایک مضمون یا موضوع کا نام ہے۔ جہاں بھی لفظ ''نعت'' کا استعمال ہوتا ہے تو اس تمام ذخیرہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے (خواہ وہ نثر میں ہو یا نظم میں) جس میں آنحضرت صلی علیہ وسلم کے فضائل ومناقب اور شمائل کا بیان شامل ہو۔ اردو میں نعت گوئی کے ابتدائی نقوش مدحیہ قصائد، طبع زاد داستانوں اور مثنویات میں ملتے ہیں جن کا آغاز بطور تقدس وتبرک حمد الٰہی کے فوراً نعتیہ اشعار کے شمول سے کیا جانے لگا۔ اساتذۂ متقدمین کے دواوین میں لازمی طور پر نعت رواج پا گئی۔ نعتیہ قصائد، مثنوی کی شکل میں معراج نامے، معجزات وغزوات نبوی، ولادت مبارکہ اور میلاد ومناجات دائرہ نعت میں رفتہ رفتہ شامل ہو گئے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا کرنے والوں کی قدر ومنزلت نہایت بلند وبرتر ہے لیکن یہ مدح وثنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مدح کی یہ شاہراہ مشکل بھی ہے اور نازک بھی۔ بقول شاعر:

دشوار مثلِ حمد ہے توصیفِ مصطفیٰ
عارف نہیں حضور کا کائی بجز خدا

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مولانا سید محمد مدنی ایک عالم دین ہیں اور تاریخ اسلام پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ حکمت، فلسفہ اور منطق جیسے علوم پر کامل قدرت رکھنے کے ساتھ ساتھ شعر وادب سے بھی خاطر خواہ شغف رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے کلام میں مذہبیت اور شعریت میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ انھوں نے حضور کے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کو نہ صرف شعری پیکر میں ڈھالا ہے بلکہ اس عہد کی تاریخ کے مختلف گوشوں کو تمام تر جزئیات کے ساتھ منعکس کیا ہے۔ مثال کے لیے صرف دو اشعار درج ذیل ہیں:

حسن خورشید نہ مہتاب کا جلوہ دیکھو
آؤ احمد کے کفِ پا کا کرشمہ دیکھو
دیکھنے والو دیارِ شہہِ بطحا دیکھو
فرش کی گود میں ہے عرش معلیٰ دیکھو

محولہ بالا اشعار اس بات کے غماز ہیں کہ مولانا اختر کچھوچھوی نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ عشق رسول میں گزارا، جو ایک سچے اور حقیقی بندۂ مومن کی شناخت ہوتی ہے۔ یہ عشق رسول کا

ہی فیضان ہے کہ مولانا کی زندگی کا ہر گوشہ اور ہر پہلو عشق رسالت سے معمور ہے۔ اسی وجہ سے ''بارانِ رحمت'' میں شامل ان کا پورا کا پورا کلام خداے پاک اور نبی کریم کی مدح وثنا، سیرت النبی کے محور پر گردش کرتا ہے۔ مولانا کا شمار دور حاضر کے ان چند پاکیزہ بیان شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے تخیلات کی سنگلاخ زمینوں میں خیال کی پاکیزگی، جذبہ ایمانی کی حرارت اور احساس کی تمازت سے ایک ایسی فضا تشکیل دی ہے جو رمزِ محبت بن کر دل ودماغ پر طاری ہو جائے۔ عشق حقیقی مولانا کی رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے ہے لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا کی ذاتی زندگی اور ان کے ہر چھوٹے بڑے تخلیقی مراحل میں عشق رسول کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس ضمن میں ان کی نعتیہ شاعری کو تجلیات عشق کا مرقع کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جی میں آتا ہے لپٹ جاؤں مزارِ پاک سے
کیا کروں، ہے میرے ارمانوں کی قاتل احتیاط
بس اسی کو ہے ثنائے مصطفیٰ لکھنے کا حق
جس قلم کی روشنائی میں ہو شامل احتیاط

درج بالا نعتیہ اشعار کے حوالے سے اس بات کا ذکر غیر ضروری نہ ہوگا کہ یہ ایک ایسی صنف شاعری ہے کہ جو بظاہر پڑھنے اور سننے میں بہت آسان معلوم ہوتی ہے لیکن یہ اتنی ہی مشکل صنف ہے کہ بڑے سے بڑا نعت گو شاعر اس کے تخلیقی سفر میں لڑکھڑا سکتا ہے۔ چنانچہ اس صنف میں موضوع کو برتنے کے لیے عقیدت، توجہ اور احتیاط لازمی ہے۔ غیر مسلم شعرا کی نعتیہ شاعری میں خارجی عقیدت جلوہ گر ہوتی ہے جب کہ صاحب ایمان شاعر اپنی داخلی کیفیات کو عقیدہ اور عاقبت دونوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر حضور کی سیرت طیبہ کو شعری جامہ پہناتا ہے۔ اگر نعتیہ شاعری کی تخلیق میں شاعر کی فکر، حقیقی جذبۂ عشق سے محروم ہے تو وہ تخلیق اپنے اصل معنی سے دور ہو جاتی ہے۔

مولانا اختر کچھوچھوی کا نعتیہ مجموعۂ کلام ''باران رحمت'' کے حوالے سے یہ بات بلا خوف وتردید کہی جاسکتی ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری کو معتبر بنانے میں ہر طور سے اپنے عقیدے اور عشق رسول کے پاس ولحاظ کو ممکن کیا اور اپنی شاعری میں کتاب الٰہی کے اسلوب سے بھرپور استفادہ کیا اور اسی کتاب اللہ کے اصول کے تحت انھوں نے اپنی شاعری کا معیار بلند کیا ان کی نعتیہ شاعری میں جابجا قرآنی تجلیات کے نمونے نظر آتے ہیں۔ یہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

نہ رکھا ذہن میں اندیشۂ سود و زیاں ہم نے

یہی باعث ہے پایا خود کو ہر جا کامراں ہم نے
زمانے نے ہمارے عشق کا انجام دیکھا ہے
کیا ہے آتش نمرود کو بھی گل فشاں ہم نے

مولانا اختر کی حمدیہ ونعتیہ شاعری زبان وبیان، سوز وخلوص اور عقیدت کی بہترین مثال ہے۔ عجز وتضرع اور خاکساری مولانا کی شاعری کا وصف خاص ہے۔ ان کی شاعری اپنی سلاست اور شیرینی کی وجہ سے قاری کے قلب وذہن پر دیرپا اور گہرے نقوش مرتب کرتی ہے۔ مختصر یہ کہ دور حاضر کے نعت گوشعرا میں مولانا اختر کی حیثیت اس مشکل صنف سخن کے حوالے سے ایک خضر راہ کی سی ہے۔

"

تجلیات سخن" کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

——ڈاکٹر ستار ساحر، صدر شعبۂ اردو، ایس۔وی یونیورسٹی، تروپتی

شاعر مشرق علامہ اقبال کا شعر ہے۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

اس شعر کے تناظر میں مولانا سید محمد مدنی اختؔر کچھوچھوی صاحب کی شخصیت اور موصوف کی مذہبی، ملی اور ادبی خدمات اظہر من الشمس ہیں کہ آپ مولانا سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ محدث اعظم ہند کے فرزند ارجمند اور مولانا حکیم سید نذر اشرف فاضل کچھوچھوی کے پوتے ہیں جو آپ کے موروثی شاعر ہونے کا بین ثبوت ہے۔

آپ کے دو شعری مجموعے 'باران رحمت' اور 'پارہء دل' شائع ہو چکے ہیں جو بالترتیب نعتوں اور غزلوں کے مجموعے ہیں ان دونوں تصانیف میں مذکورہ اصناف پر زیادہ طبع آزمائی کی گئی ہے زیر مطالعہ تصنیف " تجلیات سخن " اختر صاحب کا کلیات ہے۔ چلئے سب سے پہلے تجلیات سخن ترکیب کی وضاحت کرتے ہیں تجلی کے لغوی معنی بہت روشن ہونا ہے اور صوفیہ کی اصطلاح میں شئے کے ظہور ثانی کو کہتے ہیں جو کسی خاص انداز سے واقع ہو۔ چونکہ ساری کائنات صوفیہ کے نقطۂ نظر سے باری تعالیٰ ہی کئی گونا گوں تجلیات سے عبارت ہے اس لئے وہ وجود حقیقی ہر مخلوق میں ایک نئی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے عشق خداوندی کی بدولت شاعر کی نگاہ اس قدر تیز ہو جاتی ہے کہ وہ تجلیات کے پردوں سے گذر کر معشوق حقیقی تک پہنچ جاتی ہے مولانا کی ذات گرامی کو مد نظر رکھتے ہوئے کیفیت کے اعتبار سے ''تجلیاتِ سخن'' کو الہام قرار دیا جا سکتا ہے اور موصوف کو سخن آفرین (شاعر کامل) اور سخن سنج (خوش گفتار)۔

ارباب نقد و نظر اور قدر دانِ شعر و ادب میں کسی تصنیف کی وقعت اور پذیرائی کسی شخصیت کی بزرگی مقام و مرتبت کی رہین منت ضرور ہوتی ہے مگر اس میں خلوص اسی وقت شامل ہوتا

ہے جب وہ ادبی معیار پر کھری اترتی ہو۔شاید اسی لئے ہمارے ہاں مذہبی اعتقادات یا موضوعات اور مسائل سے متعلق شاعری کو معیاری نہیں سمجھا جاتا۔اس لئے بھی کہ خود شاعر اپنے معتقدات میں اس درجہ غرق رہتا ہے کہ ادبی وعروضی پابندیوں کی پاسداری نہیں کر پاتا۔قارئین اور سامعین بھی ایسی شاعری میں معائب کی نشاندہی گویا اپنے معتقدات پر حرف زنی خیال کرتے ہیں لیکن یہ مقولہ ہر بزرگ وصوفی کی شاعری پر صادق نہیں آتا کیونکہ بعض شاعر اپنے معتقدات پر شوق وشدت سے کاربند رہنے کے باوجود عروضی پابندیوں اور ادبی وشعری آداب کا با تمام و کمال پاس رکھتے ہیں انھیں فن پر قدرت حاصل ہوتی ہے اور وہ زبان و بیان اور اظہار کے سلیقہ سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور ایسے شاعروں میں مولانا اختر کچھوچھوی کا شمار ہوتا ہے ملاحظہ فرمائیے کہ یہ دعویٰ ہر شاعر نہیں کرسکتا۔

مرے اشعار کو میزانِ فن پر تولنے والو
فقط دل کی تسلی کے لئے ہے شاعری اپنی

دراصل یہ موصوف کی عاجزی وانکساری ہے جو بقول رشید احمد صدیقی ' شرفائے ادب کا بڑا امتیاز ہے' آپ کے کلام کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ اس قول پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے کہ موصوف کی شاعری میں شیرینی ہے دلکشی بھی نیز آپ کے شعر با قاعدہ اور بے عیب ہیں۔

تجلیاتِ سخن کا آغاز ایک حمد یہ قطعہ سے ہوا ہے جس میں رب لم یزال کی بے کراں ذات وصفات سے متعارف کرانے کی کوشش کی گئی ہے دیکھئے۔

ذرے ذرے سے نمایاں ہے مگر پنہاں ہے
میرے معبود ' تری پردہ نشینی ہے عجیب

دور اتنا کہ تخیل کی رسائی ہے محال
اور قربت کا یہ عالم کہ رگِ جاں سے قریب

رسول اکرم ﷺ کی نعت کا اولین اور بنیادی مصدر قرآن کریم ہے رب العزت نے خود اپنے حبیب کی تعریف وتوصیف میں فرمایا کہ میں اور میرے فرشتے اس نبی ﷺ پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجتے رہا کرو۔سورہء یاسین' سورہء مدثر' اور سورہء مزمل وغیرہ بھی نعت کلام الٰہی کے چند بہترین نمونے ہیں حضور ﷺ کے صحابہ ؓ نے بھی حضور

اکرم تاج انبیاء اور باعث کون و مکان کی تعریف و توصیف میں خوب کہا ہے حضرت حسان بن ثابتؓ جنھیں شاعر رسول ﷺ کے لقب سے نوازا گیا انھوں نے ہر موقع پر اپنے اشعار سے نبینا و سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوب تعریف بیان کی اور اس طرح ایک منظوم سیرت النبی کے فن کی ابتداء ہوئی جو ہر قسم کے غلو سے پاک اور منزہ ہے نعت گوئی کی تمام روایات کا رواج عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو میں ہوا۔ ہزاروں کی تعداد میں قصائد اور نظمیں لکھی گئیں جس سے اردو شاعری کی عظمت اور اس کے وقار میں ازحد اضافہ ہوا اور قوم و ملت کے بے شمار انسانوں کی اصلاح بھی ہوئی اور اس طرح اردو زبان نے نعت گوئی کے فن کو جلا بخشی اور اس سے ضو پاش بھی ہوئی۔ چونکہ قرآن میں رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کی نعت بیان کر کے نعت کا انداز بتا دیا اس لئے ہر نعت گو کو محتاط رہنا پڑتا ہے اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے اس تناظر میں تجلیات سخن کی نعوت کا مطالعہ کیا جائے تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا اختر کچھوچھوی کا نام نعت گوئی کی دنیا میں احترام سے لیا جانا چاہیے۔ اس قول کی توثیق کے لئے چند نعتیہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

خدا کے نور کو اپنی طرح سمجھتے ہیں
یہ کون لوگ ہیں کس کے اثر میں رہتے ہیں

چلو دیار مدینہ جو دیکھنا چاہو
زمیں سے عرش معلیٰ کا فاصلہ کیا ہے

غم فراق نبی میں جو آنکھ سے نکلے
خدا ہی جانے ان اشکوں کا مرتبہ کیا ہے

ماہ و خورشید کی کوئی حاجت نہیں
زلف کی شام رخ کی سحر چاہیے

(بحر متدارک مثمن سالم)

ہماری سمجھ میں یہ اب تک نہ آیا
یہ شب ہے کہ ہے عکس گیسوئے عالی

(بحر متقارب مثمن سالم)

تو نے اعجاز کمال بندگی دیکھا نہیں
بھیس میں بندہ کے خود مولا نظر آنے لگا

(بحر رمل مثمن محذوف)

جہاں جاؤں وہاں نور ہدایت ہو تو کیا کہنا
تصور میں رخ پاک رسالت ہو تو کیا کہنا

(بحر ہزج مثمن سالم)

فارسی میں ساقی نامہ کی روایت بہت پرانی ہے اس صنف کو رندی و سرمستی اور مے و میخانہ کے بیان تک محدود کیا گیا تھا البتہ بادہ وساغر کے پردہ میں تصوف کے معاملات کا بھی ایک آدہ ساقی نامہ میں تذکرہ ہوتا تھا اس صنف کو علامہ اقبال نے پہلی مرتبہ ایک عظیم مقصد کے لئے استعمال کیا اور اس صنف کو حضور ﷺ کی شان اقدس کی تعریف وتوصیف کے لئے استعمال کرنے کا سہرا مولانا اختر کچھوچھوی کے سر جاتا ہے شعر ملاحظہ فرمائیں۔

تمہاری آمد لئے ہوئے ہے نوید صبح بہار ساقی
گلوں کے لب پہ ہے مسکراہٹ غریق شادی ہیں خار ساقی
سنا ہے دار سنان ابرو تراش دیتا ہے انگلیوں کو
مگر تری جنبش نظر پہ سر دو عالم نثار ساقی
لرز اٹھے تار عنکبوتی کے مثل ایوان با طلوں کے
تری صدا ہے قسم خدا کی صدائے پر ور دگار ساقی

محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا' مصرع سے شروع ہو کر اسی مصرع پر ختم ہونے والی نعت میں اس امر کی حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ساری کائنات رحمت اللعالمین کے صدقے میں تخلیق پائی ہے اقبال کا ایک فارسی شعر ہے۔

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

کچھ ایسا ہی مفہوم اس شعر میں مولانا کی انفرادیت کا بین ثبوت ہے ملاحظہ فرمائیے۔

ملائکہ بھی عقیدت سے دیکھتے ہیں انھیں

جو خوش نصیب نبی کے نگر میں رہتے ہیں

مولانا کے درج ذیل نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں :

ساقئی کوثر مرا جب میر میخانہ بنا
چاند سورج خم بنے ہر نجم پیمانہ بنا
چاند کی رفعت کو چھو لینا کہاں کی عقل ہے
عقل یہ ہے کہ چاند کوخود اپنا دیوانہ بنا
دھو کے اپنے نطق کو مدح نبی کے آب سے
اپنی ہر ہر بات اے اختر حکیمانہ بنا

بقول سید حسن مثنیٰ انور:

مذکورہ بالا نعت عقیدہ کی پختگی، عشق رسول سے کامل وابستگی، فروتنی وخود سپردگی اور عصری میلان کا شدید احساس دلاتی ہے اپنی ہر ہر بات کو حکیمانہ بنانے کا گر بھی اس نعت میں بتایا گیا ہے ابلاغ وترسیل کا ہنر ہمدوش قلب ونظر ہونے کے سبب ایسی ادبی فضا بنائے ہوئے ہے جہاں حسن ولطافت بھی ہے اور اثر آفرینی بھی۔

(ذکر وتعارف۔ باران رحمت)

جذبۂ عشق میں اخلاص ہو تو اس میں شدت پیدا ہو ہی جاتی ہے اگر دنیوی عشق فرہاد کو کوہکن اور قیس کو مجنوں بنا سکتا ہے تو شاہ امم کی محبت میں امتی کیا کچھ نہیں بن سکتے۔ مولانا اختر کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے۔

اختر کرم ہے نعت رسول کریم کا
چرچے ہیں ہر دیار میں تیرے کلام کے

تجلیات سخن کا ایک بڑا حصہ مولانا کی غزلیات پر مبنی ہے غزل کے اصطلاحی اور روایتی معنوں سے قطع نظر اردو غزل ہر دور میں مختلف رجحانات، تحریکات اور تصورات کی حامل رہی ہے غالب نے یہ کہتے ہوئے کہ۔

بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے

اس میں غیر معمولی توسیع پیدا کی ہے غزل کی مقبولیت کا یہ عالم کہ ہندوستان کی بیشتر زبانوں جیسے ہندی، تلگو، مرہٹی، گجراتی اور کنڑی میں بھی اسکا چلن عام ہو چلا ہے مضامین کے اعتبار سے اس کو کئی ناموں سے یاد کیا جاسکتا ہے جیسے رنگین غزل، متصوفانہ غزل، روایتی غزل، مسائلی غزل، جدید غزل ءغزل مسلسل، اور رومانی غزل ۓ عورتوں کے حسن اور اداؤں کا دلچسپ اظہار رنگین غزل ہے تو خدا سے محبت اور عارفانہ نکات کی موجودگی متصوفانہ غزل ہے پرانی روش اور قدیم روایات کو جگہ دینا گویا روایتی غزل ہے سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی مسائل کی نمائندہ مسائلی غزل ہے جدید فکری رجحانات اور میلانات کا بیان جدید غزل ہے تو خیالات کے تسلسل کو مسلسل غزل سے تعبیر کیا جاتا ہے مرد اور عورت کے جذبات اور احساسات کو جگہ دی جائے تو وہ رومانی غزل کہی جائے گی۔

تجلیات سخن کی غزلوں کو مذکورہ اصطلاحات کا ایک خوبصورت سدابہار گلدستہ کہا جاسکتا ہے یعنی اس میں مضامین کے نقطۂ نظر سے ہر نوع اور کیفیت کی غزل موجود ہے اور جس طرح اردو شاعری میں غزل کا سرمایہ قیمتی ہے اسی طرح تجلیات سخن کی غزلیات گنجہائے گرانمایہ کیحیثیت رکھتی ہیں مثالیں۔

وجود کون و مکاں ہست کائنات سے پوچھو
مری سرشت میں پوشیدہ ہے راز کن فیکوں

رنگینئ مجاز حقیقت نما ہوئی
منزل پہ پہنچے سلسلۂ عاشقی سے ہم

برب کعبہ میں کعبہ سے کم نہ سمجھوں گا
دل حزیں جو ترا سومنات ہو جائے

چمن میں گل نے جو کل دعویٰ جمال کیا
جمال یار نے منھ خوب اس کا لال کیا

ان کی آنکھوں کو نہ تعبیر کروں آنکھوں سے
سچ جو پوچھو تو نظر آتے ہیں میخانے دو

یہ تیرے پند سر آنکھوں پہ نا صحا لیکن
خدا گواہ محبت پہ اختیار نہیں

دل کے داغوں کو شرر بار کروں یا نہ کروں
آپ کو یاد پھر اک بار کروں یا نہ کروں

محفل شمع نظر آتی ہے سونی سونی
شکوہء روئے پر انوار کروں یا نہ کروں

نہ جلنے کی تمنا ہے نہ گردش دشت و صحرا کی
زمانے کا بدلنا تھا مزاج عاشقاں بدلا
پھر کیسے مسکرائیں یہ ننھی ننھی کلیاں
جب باغباں ہے گلچیں حق میں گل چمن کے

کھا تا رہا میں دھوکا آزادیوں کا ہمدم
آئے قفس میں جھو نکے جب جب مرے چمن کے

لب پہ ہنسی اور ہاتھ میں پتھر
کچھ آج کا یہ انسان ہے کیسا

بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے

جیسا کہ غالب نے کہا ہے

ہر چند ہو مشاہدہء حق کی گفتگو
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے

غزل کی لفظیات پر کار بند رہ کر ہر مضمون کو ادا کرنا شاعر کی قادر الکلامی ہے اور مولانا اختر نے تجلیات سخن کی غزلوں میں اس کا ثبوت دیا ہے مولانا اختر کی غزلوں میں شاعر مشرق کے اثرات محسوس ہوتے ہیں اور اس کی ایک خاص وجہ بھی ہے کہ دونوں کا پس منظر بلکہ مولانا کا پیش منظر بھی قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات ہے نیز دونوں کو قوم وملت سے بے پناہ محبت۔ اقبال کا ایک شعر ہے۔

کانٹا وہ دے کہ جس کی کھٹک لا زوال ہو
یا رب وہ درد جس کی کسک لا زوال ہو

مولانا کا شعر ملاحظہ فرمائیں۔

کہاں تلاش مسرت کہاں تلاش سکوں
خلش وہ دے مجھے یا رب رہے جو روز افزوں

انسان اس کائنات میں خدائے تعالیٰ کا مظہر تام ہے اس کے اندر روح اور بدن کے علاوہ ایک اور جوہر بھی ہے جسے انا (ego) کہتے ہیں یہ انائے مقید دراصل انائے مطلق کا پرتو ہے اسی لئے اس میں الوہیت کا رنگ نظر آتا ہے اور جو شخص اس کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے وہ خدا کی حقیقت سے آگاہ ہوسکتا ہے چنانچہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اس پر شاہد ہے اس حقیقت کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

خو دی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فشاں لا الہ الا اللہ

بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے

مولانا اختر نے اپنی خودی پر یوں ناز کیا ہے۔

ہو مبا رک مری خو دی مجھ کو

حسن آیا ہے خود منانے کو

اساتذہ سخن کے رنگ میں شعر کہنا واقعی مشکل کام ہے تاہم مولانا اختر نے اس کار دشوار کو آسان کر دکھایا ہے اور اس کی کئی مثالیں موصوف کی شاعری میں ملتی ہیں خدائے سخن میر تقی میر کا شمار اردو کے عظیم شاعروں میں ہوتا ہے ان کا ایک شعر ہے۔

موت اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

زندگی اور موت سے متعلق مولانا اختر کے اس فلسفے پر ذرا غور کیجئے۔

زندگی ہے بے نیاز زندگی ہونے کا نام
موت کہتے ہیں جسے وہ زندگی کا ہوش ہے

بقول ڈاکٹر سید امین اشرف ——

اساتذہ سخن کے علاوہ اور بھی دیگر کلاسیکل شعرا کے لہجے کی چھاپ صاف نظر آتی ہے یا ان کی زمین پر مشق سخن، اساتذہ سخن کی زمین میں شعر کہنا جان جوکھم کا کام ہے مگر حضرت اختر نے اس میدان کو کامیابی سے سر کیا ہے۔

(پارۂ دل)

تجلیات سخن میں یہاں وہاں فارسی مصرعے، ایک فارسی غزل (صراحی چوں شود خالی) اور کہیں کہیں فارسی الفاظ کا استعمال فارسی زبان پر موصوف کی مضبوط گرفت کا پتا دیتے ہیں تجلیات سخن کلیات میں منقبتیں اور نظمیں بھی شامل ہیں نیز قطعات بھی، جو دلکش اور موثر ہیں اس لئے کہ انھیں شاعر اور اصناف کے مزاج کے مطابق برتا گیا ہے منقبتوں میں بدرگاہ شیر خدا سیدنا مولا ناعلیؓ کی مدحت سرائی ملاحظہ فرمائیں۔

عجب کیا میری قسمت نے اگر معراج پائی ہے
علی کے در پہ میں نے اپنی پیشانی جھکائی ہے

اور خاص طور پر یہ شعر جو انتہائی تہ دار ہے۔

نماز عصر گر جائے نماز عشق مت چھوٹے
حقیقت میں اسی کا نام زاہد پارسائی ہے

امتحان وفا میں حضرت امام حسینؓ کی قربانی کا تذکرہ کرتے ہوئے موصوف نے جو

پیرائیہ بیان اختیار کیا ہے اس میں برجستگی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے امتحان وفا کا یہ بند۔

بن گیا جو سطوتِ حیدر کا مظہر وہ حسین
نغمۂ حق جس نے گایا زیر خنجر وہ حسین
معرکوں میں مسکراتا تھا جو یکسر وہ حسین
تھا جو لخت خاطر محبوب داور وہ حسین
ختم کرنے جا رہا ہے دین کی پژ مردگی

آخری شعر سن کر بے اختیار زبان پر محمد علی جوہر کا یہ شعر آجاتا ہے۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

نماز عشق کا موضوع بھی شہدائے کربلا ہے جس کا بنیادی تصور یہ ہے کہ آل نبی ﷺ نے امت کے لئے اپنے سر کٹائے تھے ورنہ کسی کی کیا مجال کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے، شعر ہے۔

تفسیر لمن یقتل بنا امت کو سکھانا تھا ورنہ
کاٹے جو گلوئے آل نبی، ہے تاب کہاں تلواروں میں

مولانا اختر کی نظمیں "اظہار تشکر"، وداع ماہ رمضان" اور موضوعاتی غزلیں "نذر عقیدت" وغیرہ بھی انفرادیت کی حامل ہیں مولانا اپنی شاعری میں شعر اور شعریت کے معاملہ میں ہمیشہ محتاط رہے ہیں اور کہیں بھی اپنے مقصد کے لئے فن کو قربان نہیں کیا۔ معرفت کے میدان' تصوف کی پر پیچ وادیوں اور مشکل مضامین کے باوجود بے ساختہ اشعار اور بھر پور تغزل آپکی شاعرانہ خصوصیات ہیں۔ مولانا اختر کچھوچھوی نے متعدد اصناف میں طبع آزمائی کی ہے اور ہر صنف کے فنی تقاضوں کو بحسن وخوبی پورا کیا ہے مگر موصوف کے اصل کارنامے نعت شریف اور غزل ہیں اور شیخ الاسلام مولانا اختر کچھوچھوی کی شاعری کا مجموعی آہنگ اسلامی ہے۔

اختر کچھوچھوی کی نعتیہ شاعری پر اک نظر

——ڈاکٹر حامد اشرف صدر شعبۂ اردو مہاراشٹرا اودے گیری کالج، اودگیر

رسولِ معظم محمد مصطفٰے ﷺ کی مدح سرائی ایک مستقل موضوع کے روپ میں صدیوں سے ہماری شاعری میں مروج و مقبول ہے۔اس لیے اردو شاعری میں نعت ایک نہایت مقدس ومنفرد صنفِ سخن کا درجہ رکھتی ہے۔تاجدارِ مدینہ ﷺ کسی ایک ملک' قوم' مذہب یا فرقے کے لیے مبعوث نہیں فرمائے گئے تھے' بلکہ رحمت اللعالمین کی حیثیت سے آپ کے پیکرِ مبارک کوتخلیق کیا گیا تھا'لہذا آپ کی مدح سرائی بھی کسی ایک ملک یا مذہب کی حد تک محدود نہیں ۔آپ کی ذاتِ گرامی کا یہ اعجاز ہے کہ آپ کی خدمت میں ہدیۂ نعت پیش کرنے والے صرف مسلمان ہی نہیں' بلکہ دنیائے انسانیت کے بے شمار روشن ضمیر ہیں جنھوں نے آپ صلعم کے مقام و مرتبے کوملحوظ رکھتے ہوئے آپ کی بارگاہِ اقدس میں ہدیہ نعت پیش کرنے کی عزت وسعادت حاصل کی ہے۔

نعت گوئی کا آغاز عربی ادب میں ہوااور روایت یہ ہے کہ عربی میں سب سے پہلا نعتیہ قصیدہ میموؔن نامی شاعر نے تحریر کیا۔ بعد میں رسولِ اکرم ﷺ کے خلفۂ راشدین اور ائمہ اہلِ بیت اور وابستگانِ صحبت نے نعت گوئی کے سلسلے میں اپنی دلی عقیدت کا اظہار کیا۔اس سلسلے میں حضرتِ حمزہؓ ' حضرتِ حسان بن ثابتؓ ' حضرتِ زیدؓ ' حضرتِ کعب بن مالکؓ ' عبداللہ بن رواحہ' حضرت حُر اور جگر گوشۂ رسول حضرتِ فاطمہؓ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں' جنھوں نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں ہدیۂ نعت گزراننے کی عزت وسعادت حاصل فرمائی ۔اس سلسلے میں ڈاکٹر محمود الٰہی رقمطراز ہیں:

> ''مسلمان شعراء اپنے قصیدوں میں حضور ﷺ کی مدح اور کفار کی ہجو کرتے تھے۔یہیں سے نعتیہ شاعری کا آغاز ہوتا ہے' جس نے بعد میں فارسی اور اردو ادب میں ایک وقیع مقام حاصل کیا۔ایک روایت کے

مطابق حضور کے مدّاح کی تعداد (۱۸۱) تھی، جن میں (۱۲)
خواتین بھی شامل تھیں۔ان میں حسان بن ثابتؓ کو اولیت اور فوقیت
حاصل ہے۔ ۱

حضرت حسانؓ کی اس صلاحیتِ نعت گوئی کی خود رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی زبانِ اقدس سے تعریف و توصیف فرمائی ہے۔شعراء نے نعت میں حضرت رسول کریم ﷺ کے مختلف اسمائے گرامی کو شامل کر کے آپ صلعم کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔اس سلسلے میں ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''اسمائے نبوی میں دو (۲) نام تو حضورِ انور کے اسمِ ذات ہیں۔باقی اسمائے صفات ہیں۔اسم، ذات محمد اور احمد ہیں اور دونوں قرآنِ کریم میں ہیں۔۔۔۔محمد کے معنی ہیں (بے حد تعریف کیا گیا)۔۔۔۔دوسرا اسمِ ذات حضرت کا احمد ہے۔جس کے معنی ہیں (سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔یہ نام آپؐ سے پہلے کسی کا نہیں ہوا۔دونوں ناموں سے آپؐ کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔آپؐ کے اسمائے صفات کا محدود اور متعین کرنا بہت مشکل ہے۔۔۔۔ کمالِ عظمت آپؐ کا یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بہت سے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ آپ کو متصف کیا ہے۔''
۲

نعت کی صنف ذاتِ رسولِ اکرم ﷺ کے اظہار میں سخت احتیاط کی متقاضی ہوتی ہے۔تمام شعراء نے جو نعتیں آج تک بصد عقیدت و احترام کہی ہیں وہ اسی احتیاط اور جذبہ حُبِ نبی ﷺ کا اظہار ہیں۔اس سلسلے میں ''با خدا دیوانہ باشد، با محمد ہوشیار'' پر عمل پیرائی ضروری ہے۔نعت گوئی کی دنیا محدود نہیں، کیونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ مبارک کی حدود شناسی آسان نہیں۔نعت گوئی کے سلسلے میں شاعر حتّی الامکان یہ کوشش کرتا ہے کہ حضور ﷺ کی ذاتِ مبارک، کردارِ بلند اور سیرتِ طیّبہ کے بارے میں سوز و گدازِ قلب کے ساتھ خراجِ عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر سکے۔اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ نعت گوئی، سیرت نگاری کے ذریعے کردار سازی کرتے ہوئے جاں نثاری کے جذبے تک خود پہنچنے اور دوسروں کو پہنچانے کا نام ہے، جس کے بغیر غزل گوئی اور نعت گوئی کا فرق واضح نہیں ہو سکتا۔

نعت گوئی کی راہ شاعری کی تمام اصنافِ سخن کی سخت ترین راہوں میں سے ہے ' اورنہایت مشکل صنفِ سخن ہے۔ بقولِ عرفیؔ '' آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را '' اردو میں نعت گوئی کی خوشگوار روایت حضرت امیر خسروؔ، مولانا حالیؔ، محسنؔ کاکوروی، امیرؔ مینائی، مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی، اصغرؔ گونڈوی، علامہ اقبالؔ جیسے بلند مرتبت شعراء سے منسوب ہوئی اور یہ صنف آج بھی بے شمار اہلِ قلم اور عاشقانِ محمدی ﷺ کے رشحاتِ قلم کی تابانی اور حضورِ سرورِ کائنات سے اظہارِ محبت کا بہترین ذریعہ ہے۔ راقم السطور کی مراد وہ خانوادۂ اشرفیہ ہے، جہاں شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی اخترؔ اشرفی جیلانی، ایک جید عالمِ دین، مفتیٔ مکرم، صوفیٔ اعظم، انشاپرداز، ادیب، بے مثال نعت گو شاعر، شعلہ بیان خطیب اور امامِ عصر کی حیثیت سے شہرت کے آسمان پر مانندِ ستارہ روشن ہیں۔ بلاشبہ آپ کا قلب معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ کا خزینہ ہے۔ آپ کے کم وبیش (۳۰) تصانیف تا حال زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو چکے ہیں، جو آپ کے علم وفن اور فکر و شعور کی غماز ہیں۔ '' تجلیاتِ سخن'' کے زیرِ عنوان نعتیہ کلام شائع ہو چکا ہے۔ جس کے ذکر وتعارف کے سلسلے میں جناب سید حسن مثنی انور (لکھنو) لکھتے ہیں کہ

> '' مولانا اخترؔ کی نعتیہ شاعری اپنی انفرادی شان رکھتی ہے۔ ان کی شاعرانہ طبیعت کا مرکز ومحور '' عشقِ رسول'' ہے۔ وہ کامل ایمان وایقان کے ساتھ اپنے مرکزِ شعر سے والہانہ تعلق خاطر رکھتے ہیں۔ اُن کی نظر میں محمد رسول اللہ دلیلِ لا الہ الا اللہ ہیں۔ لہٰذا دلیل کو سمجھے اور مانے بغیر دعویٰ کی تفہیم ممکن ہی نہیں ہے۔ ''
>
> پیرانِ طریقت صوفیائے کرام یہ کہتے ہیں کہ جو غیر خدا کی محبت میں غرق ہو جاتے ہیں، ان کو صرف عقلِ معاش رہتی ہے، عقلِ معاد چھین لی جاتی ہے اور جب بندے کی تقدیر میں سعادت لکھی ہوتی ہے تو اس کے دل پر خوفِ خدا کا دروازہ کھلتا ہے پھر اس کے دل میں خدا کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ مرحلہ انسان کی زندگی میں تب آتا ہے، جب عشقِ محمدی ﷺ سے اس کا دل لبریز ہو جاتا ہے۔ جنابِ اخترؔ کچھوچھوی کی نعتیہ شاعری سوز وگدازِ عشقِ رسول ﷺ کی آئینہ دار ہے۔ کم وبیش ہر نعت میں آپ کی روحانی شوریدگی وسرمستی ، دماغ کے تخیّل اور دل کی حسرتوں کا اظہار

والہانہ پایا جاتا ہے اور نعتیہ اشعار آپ کے ایمان کی حرارت سے وجود میں آتے ہیں اور آپ مدحِ رسولِ انام ﷺ کے علاوہ شہرِ مدینہ کی چاہت میں یوں لب کشا ہوتے ہیں۔

اختر فضائے خلد بریں خوب تر سہی
شہرِ نبی کی آب و ہوا کچھ نہ پوچھیے
ملا تکہ بھی عقیدت سے دیکھتے ہیں اُنہیں
جو خوش نصیب نبی ؐ کے نگر میں رہتے ہیں
چشمِ خاطر کو جو ہو نورِ بصیرت مقصود
دیکھنے والو ذرا گنبدِ خضریٰ دیکھو
صبا بصد شانِ دلربائی ثنائے رب گنگنا رہی ہے
کچھ ایسا محسوس ہو رہا کہ وہ مدینے سے آ رہی ہے
کیا کروں گا میں رضواں تری خلد کو
آمنہ کے دلارے کا گھر چاہیے

والیِ مدینہ سے والہانہ چاہت کے سبب' گنبدِ خضریٰ کو دیکھنے' بارگاہِ خیرالانام میں حاضر ہونے' درِ نبیؐ پر پہنچ کر درود و سلام پیش کرنے کی آرزو ہر مسلمان کے دل میں بسی ہوتی ہے۔ دیارِ نبیؐ پر حاضر ہونا اُس کی زندگی کا اہم مقصد ہوتا ہے۔شیخ الاسلام حضرت اختر مدنی نے اس تفصیل کو ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

جذبۂ عشق بتا وقت وہ کیسا ہوگا
سامنے جب مرے سرکار کا روضہ ہوگا

بفضلِ خدا جب یہ موقع کسی مومن کی زندگی میں آتا ہے تو بھی بہت کم وقت کے لیے 'دیارِ رسول پر حاضری کا موقع ملنے کے باوجود حجاج کرام اور زائرینِ مدینہ کی نیتِ شوق کبھی نہیں بھرتی۔کوئی مسلمان اپنے آقا کے در سے الگ ہونا نہیں چاہتا۔جو بھی ایک بار پیارے نبیؐ کا روضۂ مبارک دیکھ لیتا ہے اُس کی شدید خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ پھر دیارِ اقدس میں حاضری دے۔مولانا سید محمد مدنی بھی یہی کہتے ہیں۔

طیبہ سے ہم آئے ہیں یہی آرزو لے کر
اللہ دکھا دے تو پھر اک بار مدینہ

پُرانوار شہرِ مدینہ کی محبت، دیارِ نبی ﷺ کی چاہت میں حاجی محمد عبدالحی خاں رقمطراز ہیں:

”شہرِ مدینہ کی پاکیزگی کہ جہاں حضرتِ امامِ مالک نے انتہائی ادب میں جوتا ہی نہیں پہنا، حضرت جامیؒ نے سر کے بل بھی حرمِ منوّر میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کی، جہاں کی آستاں بوسی کو تاجدارانِ عالم اپنی نجات سمجھتے ہیں، جہاں مہتاب اپنے نور کو فرش بوسی کے شرف سے جب تک مشرّف نہیں کرلیتا، اس میں خنکی و لطافت پیدا ہی نہیں ہوتی، جہاں آفتاب کی شعاعِ زرّیں جس وقت تک گنبدِ خضرا کو دور سے بوسہ نہیں دے لیتی، دنیا میں اجالا ہی نہیں ہوتا"۔ [۴]

نعت کہنے کا فن حضور اکرم ﷺ سے اظہارِ محبت کا وہ ذریعہ ہے جو اہل دل اور اہل ایمان کیلئے ایمانِ کامل کا درجہ رکھتا ہے۔ نعت گوشعراء کیلئے یہ ضروری ہے کہ ان کے دل کی دنیا سوز و گداز سے آباد ہو اور وہ نعت کے کہنے کو اپنے لیے سعادت تصور کریں اور نعتِ مبارکہ کی تخلیق کو اپنے لیے سعادت مندی کے ساتھ ساتھ تسکینِ قلب و جاں کا آسرا اور وسیلہ سمجھیں۔ مولانا سید مدنی اختر کی نعتیں عشقِ رسول اور حُبّ نبوی کی آئینہ دار ہیں، جن سے معنی و مفہوم کی ندرت، الفاظ کی تازگی، تشبیہاتِ فکر و عمل کی خوشبو اور جذبۂ نیاز و عقیدت کا برملا اظہار ہوتا ہے۔

ساقیِ کوثر مرا جب میرِ میخانہ بنا
چاند سورج خم بنے، ہر نجم پیمانہ بنا
مہک اُٹھے ہیں مرے بوستانِ دل کے گل بوٹے
مرے سرکار کے آنے کی عنایت ہو تو کیا کہنا
اربابِ ہوش اس کو جو چاہیں فرض کر لیں
ہر اشکِ غم حقیقت میں نازشِ گہر ہے
تمہاری آمد لیے ہوئے ہے نویدِ صبحِ بہار ساقی
گلوں کے لب پہ ہے مسکراہٹ، غریق شادی ہیں خار ساقی
اللہ اللہ رفعتِ اشکِ غمِ ہجرِ نبی

جوں ہی ٹپکا آنکھ سے تسبیح کا دانہ بنا
سرِ مژگاں پہ کچھ سیال موتی جگمگاتے ہیں
اسے میں روشنی اُن کی کہوں یا روشنی اپنی

شیخ الاسلام مولانا اخترؔ مدنی کو جو بیک وقت منقولات و معقولات پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔موصوف نے نعتیہ مجموعے ''تجلیاتِ سخن'' میں نعتوں کے علاوہ منقبتیں، تضمینیں، قطعات اور سلام جیسی اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔آپ کی تاریخِ اسلام سے واقفیت اور صحابہؓ کرام سے پُر جوش عقیدت و محبت کے سبب متعدد اشعار تاریخی اور تلمیحی نوعیت کے حامل ہیں۔جن کے پس منظر سے کما حقہ واقفیت ہی اشعار کی تفہیم و معنویت کا ذریعہ بنتی ہے۔ذیل میں کچھ ایسے اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

سبق دیتی ہے اے اخترؔ یہی شانِ اُویسانہ
شہیدِ نرگسِ رعنائے فرقت ہو تو کیا کہنا
آواز دے رہا ہے یمن کا غریقِ عشق
فرقت کے روز و شب کا مزہ کچھ نہ پوچھیئے
دور رکھنا ہو تو پھر جذبِ اویسی دے دو
تا کہ مجھ کو بھی تو کچھ کیفِ جدائی مل جائے

مذکورہ بالا اشعار میں حضرت اُویس قرنیؓ کو ہجر نبی ﷺ میں شہید بتایا گیا ہے۔قاری جب تک حضرت اویس قرنیؓ کے بارے میں کہ وہ کس طرح اپنے بوڑھے ضعیف والدین کی خدمت میں ہونے کی وجہ سے پیارے نبیؐ سے ملاقات نہ کر سکے، لیکن جنگِ احد میں نبیِ کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک کے شہید ہونے کی خبر سُن کر انھوں نے اپنے پورے دانت کس طرح توڑ کر گرا دیے تھے، سے واقف نہ ہوگا، شعر کی تہہ دار معنویت سے لطف اندوز نہ ہو سکے گا۔اسی طرح میدانِ کربلا میں تین رات کی بھوکی پیاسی سپاہِ خدا، ساحل سے سر پٹکتی ہوئیں دریائے فراط کی موجیں اور یزید مردود کا ٹھاٹیں مارتا ہوا لشکر، جواں سال علی اکبر، علی عباس، حضرت قاسم اور ننھے معصوم علی اصغر کی پیاس کی شدت اور اُن کی شہادت سے جب تک مکمل آگاہی نہ ہو شعر کی پوری طرح سے تفہیم قاری کے لیے مشکل ہوگی۔

کوثر کے کنارے حوروں کے جھرمٹ میں ہے ننھا سا کوئی

معصوم مجاہد جنّت میں کیا پیاس بجھانے آیا ہے۔

اسی طرح پیارے آقا ﷺ نے اپنا لعابِ دہن کب، کیوں اور کیسے حضرتِ علیؓ کی آشوب زدہ آنکھوں میں لگایا، یہ جاننا بھی قاری کے لیے ضروری ہے۔ درج ذیل شعر سے حضرت علی کی علمیت اور حاضر وغائب سے مشکل کُشا کی آگاہی بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔

چشم ِ علی میں کیوں نہ ہوں یکساں شہود و غائب
زیب ِ نگاہ ِ کحل ِ لعاب ِ دہاں ہوا

مولانا سید اختؔر مدنی نے ایسے بے شمار اشعار تخلیق کیے ہیں کہ جن میں تلمیح پائی جاتی ہے۔ ان تلمیحات سے مولانا نے گویا دریا کو کوزے میں بند کرنے کا کام کیا ہے۔ جن کے پڑھنے سے ذہن اُن تمام واقعات کا ادراک کرنے لگتا ہے جو اساسِ مذہب و مسلک ہیں۔ راقم السطور کا خیال ہے کہ عاشقانِ مصطفیٰؐ کی لکھی نعتوں کو پڑھنے اور اُنہیں باریکی سے سمجھنے والا کبھی راسخ العقیدہ نہیں ہوسکتا۔ ذیل میں کچھ ایسے ہی اشعار پیش کیے جاتے ہیں، کہ جن کے پیچھے وہ پورا قصہ چھپا ہوا ہے، جس کی طرف مولانا اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

صرف سدرہ تک رفاقت اور پھر عذر ِ لطیف
عقل والو ہے ادائے عقل ِ کامل احتیاط

جب آئے جلوہ گاہ ِ رب میں موسیٰ ہو گئے بیخود
تبسّم تھا لبوں پر جب وہاں خیر البشر آیا

درخشانی یہ اُس خورشید کی ہے، جس کی آمد پر
تزلزل آ گیا ہے قیصر وکسریٰ کے ایواں میں

چاند کی رفعت کو چھو لینا کہاں کی عقل ہے
عقل یہ ہے چاند کو خود اپنا دیوانہ بنا

(صنعتِ تلمیح)

مولانا سید اختر مدنی نے اپنی نعتیہ شاعری کو جذبہ عشق ووفا کے ساتھ ساتھ الفاظ اور آہنگ سے سجایا ہے۔ بیشتر اشعار میں صنائع بدائع کا استعمال بھی خوب ہے۔ جن سے اُن کی زبان وبیان پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ذیل میں صنعتِ تضاد اور صنعتِ استعارہ وتشبیہہ سے متعلق کچھ اشعار درج کیے جاتے ہیں، جن سے مولانا کی آقائے دوجہاں سے کیفیتِ عشق کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

رات پر اُن کے زلف کے سائے دن عارض کا صدقہ لائے
کیوں نہ پھر اُن کے دیوانے یا د اُنہیں دن رات کریں
فراق ِ محمد میں آنسو بہا کر
مجھے آ گیا دائمی مسکرانا
فلک کی رفعتیں ہو جائیں گی زیر ِ قدم اخترؔ
محمد مصطفیٰ کے زیر ِ پا گر تیرا سر آیا
(صنعتِ تضاد)
کہیں واللیل کا منظر کہیں والشّمس کے جلوے
نظارہ اُن کی زلف و رُخ میں نظروں کو نظر آیا
ساقی ِ کوثر مرا جب میر ِ میخانہ بنا
چاند سورج خم بنے ، ہر نجم پیمانہ بنا
درخشانی یہ اُس خورشید کی ہے ، جس کی آمد پر
تزلزل آ گیا ہے قیصر وکسریٰ کے ایواں میں
(صنعتِ استعارہ)
سبز گنبد میں یوں ہے جلوہ فگن
جیسے اک شمع ہو بہ قصر ِ زجاج
گرد ِ ماہتاب جیسے ہوں تارے
یوں صحابہ نبی کو ہیں گھیرے
فلک پر بن کے چمکے مثل ِ خاور سارے پیغمبر
محمد مصطفیٰ لیکن بہ انداز ِ دگر آیا
(صنعتِ تشبیہ)

سورۂ رحمٰن قرآنِ مجید کے ستائیسویں پارے میں موجود ہے۔اس سورہ کے مخاطب جن وانس ہیں ۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورۃ کے ذریعے اپنے بندوں کوتلقین کی ہے کہ وہ اپنے رب کی بے شمار نعمتوں کو نہ جھٹلائیں بلکہ اُس کا شکرادا کریں اورراہِ راست پرآ جائیں۔دنیا کے لیے اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کے لیے رات اور دن پیدا کیے۔صبح کے سہانے منظر، کلیوں کی خوشبو سے

بسے باغ، ہرے بھرے جنگل، کھلے میدان، چاند تاروں کا حسن و جمال، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بادلوں سے برتا شفاف پانی، سمندروں میں چمکتے قیمتی موتی، سب کچھ انسانوں کے لیے ہیں۔

اللہ پاک نے اپنے نیک بندوں کے لیے نہ صرف دنیا میں بے شمار نعمتیں پیدا کیں بلکہ اُن کے لیے جنّت بھی بنائی۔ جہاں پاکدامن، شرم و حیا میں ڈوبی، سبز قباؤں والی حوریں، ہری ہری بیلیں، جھومتی ہوئی شاخیں، رقص کرتی ہوئی ہوائیں، شہد جیسا میٹھا ٹھنڈا پانی، خوشبودار تازہ پھل ہمیشہ موجود ہوں گے۔ دورانِ سورۃ اللہ پاک بار بار اپنے بندوں سے مخاطب ہے کہ ان تمام نعمتوں کے باوجود تم اپنے رب کی کن کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

شیخ الاسلام مولانا سید محمد اختؔر مدنی کی درجِ ذیل نعتِ شریف مذکورہ بالا سورۂ رحمٰن کی یاد دلاتی ہے۔ وہی خوبصورت مناظر، وہی کہکشاں، وہی رنگ و رعنائی، وہی زیب و زینت اور وہی بار بار تکرار کہ ''محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا'' یہاں بھی دکھائی دیتی ہے۔

محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا
یہ چرخِ بریں یہ قمر یہ ستارے
سمندر کی طغیانیاں یہ کنارے
یہ دریا کے بہتے ہوئے صاف دھارے
یہ آتش کی سوزش یہ اڑتے شرارے
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا
عنادل کی نغمہ سرائی نہ ہوتی
ہنسی گل کے ہونٹوں پہ آئی نہ ہوتی
کبھی سطوت قیصرائی نہ ہوتی
خدا ہوتا لیکن خدائی نہ ہوتی
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا
یہ راتوں کے منظر یہ تاروں کے سائے
خراماں خراماں قمر اس میں آئے
مرے قلبِ محزوں کو آ کر لبھائے

لٹاتا ہوا دولت ِ نور آئے
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا
نہ بطن ِ صدف میں درخشندہ ہوتی
نہ سبزی قباؤں میں ملبوس ہوتی
فلک پر حسیں کہکشاں بھی نہ ہوتی
زمیں کی یہ پُر کیف سوتا نہ سوتی
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

حوالہ جات:

(1) ''اردو میں قصیدہ نگاری''، پروفیسر محمود الٰہی ۔ص86-85 مکتبہ جامعہ دہلی ۔1972ء
(2) تحقیقی مقالہ ڈاکٹر راہی قریشی (مرحوم) زیر عنوان ''کالی داس گپتا رضا۔ حیات اور کارنامے'' 1973
(3) 'ذکر و تعارف''' بارانِ رحمت''، سید حسن مثنیٰ انور (لکھنو) ریکان آفسیٹ پریس' لکھنو 2004
(4) ''زائرِ حرم''، حاجی محمد عبد الحی خان ص14 ناشر فروغِ اردو' لکھنو 1284 ھ

شیخ الاسلام اختؔر کچھوچھوی کی غزل گوئی

——ڈاکٹر مقبول احمد مقبول، اسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اردو مہاراشٹرا اودے گیری کالج، اودگیر

حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی (پ:1937) جامع الکمالات شخصیت کا نام ہے۔آپ ممتاز عالمِ دین، مفسرِ قرآن، فقیہ، شعلہ بیان خطیب، شیخِ طریقت کے با وصف بہترین انشا پرداز اور خوش فکر شاعر بھی ہیں۔اختر تخلص فرماتے ہیں۔علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی سوانحات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان برگزیدہ شخصیات کا تعلق شعر گوئی سے بھی رہا ہے۔تقریباً ہر زمانے کے جید علما اور اکابر صوفیا نے نثر کے ساتھ شعر گوئی کو بھی اپنا وسیلۂ اظہار بنایا ہے۔حلقۂ صوفیہ میں سے تو بہت سارے صوفی صاحبِ دیوان شاعر گزرے ہیں۔جن کا کلامِ بلاغت نظام روحانیت کے فروغ میں اہم رول ادا کرتا ہے۔آج بھی لوگ ان کے کلام سے حسبِ توفیق بصارت وبصیرت حاصل کرتے ہیں۔ بقولِ ڈاکٹر سید امین اشرف خود حضرت اختؔر کے والدِ محترم محدثِ اعظم سید محمد صاحبِ دیوان شاعر گزرے ہیں۔موصوف کے دادا علامہ فاضل کچھوچھوی بھی اپنے وقت کے باکمال شاعر تھے جنھیں داغ دہلوی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔(پارۂ دل، ص137) اس طرح حضرت اختر کو شاعری ورثے میں ملی ہے۔

حضرت اختؔر کے ذخیرۂ کلام میں حمد ومناجات، نعت ومنقبت، اور نظم وغزل جیسی اصناف نظر آتی ہیں۔ مجھے یہاں حضرت اختؔر کی غزل گوئی پر گفتگو مقصود ہے۔غزل وہ کافر صنفِ سخن ہے جس کے سحر طراز حسن کا ہر کوئی شہید ہے۔غزل مخالفوں نے اس کی گردن مارنے کی بہت کوشش کی، وہ تو ناکام ونامراد رہے لیکن غزل برابر سرفراز ہوتی گئی۔واقعہ یہ ہے کہ اردو کی مملکتِ سخن پر ہمیشہ ملکۂ غزل کی حکمرانی رہی ہے۔تقریباً ہر اردو شاعر اپنی شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے کرتا ہے۔یہ خیال اغلب ہے کہ حضرت اختر کی شعر گوئی کی ابتدا بھی غزل ہی سے ہوئی ہوگی۔کیو ں کہ آثار وقرائن اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔حضرت اختر کی غزلیں ''پارۂ دل'' کے زیرِ عنوان ان کے مجموعۂ کلام ''تجلیاتِ سخن'' میں شامل ہیں۔یہ غزلیں مقدار کے کے اعتبار سے کم سہی

لیکن معیار کے لحاظ سے قابل قدر ہیں۔

حضرت اختر کی غزل گوئی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غزلیہ شاعری کا بیشتر حصہ ان کے عنفوانِ شباب کی یادگار ہے۔ان اشعار کی روشنی میں آپ مادی حسن اور عشقِ مجازی کے اسیر نظر آتے ہیں۔ یہ ایسے اشعار ہیں جن میں محبوب کے قد و قامت، زلف ورخسار، چشمِ سرمہ گیں اور عشوہ طراز حسن کا ذکر والہانہ اور پوری شاعرانہ قوت کے ساتھ کیا گیا ہے۔لیکن اس بات کا مکمل خیال رکھا گیا ہے کہ کہیں پھکڑ پن اور عامیانہ انداز پیدا نہ ہونے پائے۔لب و لہجے کی شائستگی اور نفاست ہر شعر سے عیاں ہے۔مثلاً کچھ اشعار:

رشکِ گلاب، نازشِ بوئے گلِ چمن
ایسی بسی ہوئی ہے مہک زلفِ یار میں

رخ کبھی دیکھتے ہیں زلف کبھی
ہم بھی کیا ہو گئے ہیں دیوانے

یاد ہے صحنِ چمن میں ترا خنداں ہونا
اور پھولوں کا وہ انگشت بدنداں ہونا

میرے ناصح نے جب انھیں دیکھا
دامنِ پندو وعظ چھوٹ گیا

دیکھ کر قامتِ زیبا کو قیامت بولی
اب نہیں میری ضرورت مجھے آواز نہ دو
لگے حسنِ ماہ پر بھی ذرا ایک تازیانہ
ذرا گلعذار چہرے سے نقاب تو اٹھانا

محولہٗ بالا اشعار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت اختر کی جمالیاتی حس نہ صرف تیز ہے بلکہ ان کا احساسِ جمال پاکیزہ بھی ہے۔

حضرت اختر شرابِ محبت سے سرشار بلکہ قتیلِ عشق نظر آتے ہیں۔ان کی شاعری کا مرکز ومحور عشق ہے۔فارسی کے ایک شاعر ابوالحسن ورزی نے کیا خوب کہا ہے ؎

زحرفِ عشق، نیکوتر درآں،حرفِ نمی بینی
اگر با چشمِ دل خوانی کتابِ زندگانی را

(حرفِ عشق سے بہتر تجھے اس میں کوئی اور حرف نہیں ملے گا،اگر تو دل کی آنکھوں سے کتابِ زندگی کو پڑھے)محبوبِ الٰہی حضرت نظام الدین سے ایک قول منسوب ہے۔انھوں نے فرمایا:اپنا مرشد اسے بناؤ جو علم،عقل اور عشق کا مرکب ہو۔حضرت محبوبِ الٰہی کے اس قول سے بھی عشق کی عظمت واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔عشق ومحبت حضرت اختر کی سرشت میں داخل ہے۔اپنی اس فطرت وسرشت کی طرف اشارہ کرتے ہوے کہتے ہیں ؎

ناصحا مت چھیڑ اخترؔ کو بس اپنی راہ لے
نشۂ عشق ومحبت اس کے آب وگل میں ہے

محبت کے پاکیزہ جذبات حضرت اختر کی غزل میں جگہ جگہ ملیں گے۔غالبؔ نے کہا ہے ؎

عشق پر زور نہیں،ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

کچھ اسی قسم کی بات آپ نے بھی کہی ہے ؎

یہ تیرے پند سر آنکھوں پہ ناصحا! لیکن
خدا گواہ محبت پہ اختیار نہیں

حسن کی تابانی اور عشق کی رنگینی حضرت اخترؔ کی غزلیہ شاعری میں جگہ جگہ جھلکتی ہے۔لیکن ابتذال اور سوقیانہ پن کہیں نہیں۔لہجے کی شائستگی،بیان کی نفاست اور خیال کی طہارت ان کی غزل کی اہم خصوصیت ہے۔عشق ہی سے حسن کی توقیر ہے۔دنیائے ناز کی تابانی نیازِ عشق کی مرہونِ منت ہے۔اس بات کو کس شوخ لہجے میں ادا کیا ہے ملاحظہ فرمائیں ؎

میرے نیاز سے ہے دنیائے ناز تاباں
لیکن سمجھ رہے ہیں عالی جناب الٹا

ایک اور جگہ کہا ہے ؎

دلِ عشق آفریں سے ہے مقامِ حسن کی عظمت
کیا نظروں سے تجھ کو آسماں اے جانِ جاں میں نے

رنگِ تغزل سے بھرپور ایک اور خوبصورت شعر دیکھیں ۔

ابھرا ہوں خاک ہو کہ حنا کے لباس میں
اللہ رے یہ شوقِ قدم بوسیِ بتاں

اور یہ یقین تو ایک عاشقِ صادق ہی کا ہوسکتا ہے ۔

جو آپ زہر بھی دیں دستِ ناز سے اپنے
یقین ہے کہ وہ آبِ حیات ہو جائے

عاشقِ صادق کو ہر جگہ اپنے محبوب ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ بقول شخصے ۔

ہر ذرہ کہ دیدیم جمالِ تو بدیدیم
ہر جا کہ رسیدیم سرِ کوئے تو دیدیم

یہی بات بہ اندازِ دیگر حضرت اختؔر کے مندرجہ ذیل شعر سے عیاں ہے۔ یہ شعر حضرت کے جذبۂ عشق کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے ۔

مرے جذبۂ محبت سے ہے بے خبر زمانہ
جہاں سر جھکا دیا ہے وہیں ان کا آستانہ

اور اس شعر میں جو بے پناہ وارفتگی وشیفتگی کا جذبہ مضمر ہے وہ ان کی والہانہ محبت کا غماز ہے۔ کس قدر خوبصورت شعر کہا ہے غور فرمائیں ۔

یہی خیال مری زندگی کا باعث ہے
تڑپنا میرا کسی کے لیے ہے وجہِ سکوں

جب عاشق پر یہ راز کھلا کہ اس کے تڑپنے سے معشوق کو سکون مل رہا ہے تو عاشق کو ایک گونہ خوشی محسوس ہورہی ہے کہ اس کی تڑپ اس کے محبوب کے لیے وجہِ سکوں ہے۔ اور یہی خیال اس کے زندہ رہنے کا جواز بن گیا ہے۔ حضرت کا یہ رنگِ تغزل انھیں جگؔر مرادآبادی، اصغؔر گونڈوی، حسرؔت موہانی اور سیمابؔ اکبرآبادی کے قریب کردیتا ہے۔ اکثر مقامات پر ان کا رنگِ تغزل داغؔ اور امیؔر مینائی سے بھی مل جاتا ہے۔ داغ کا رنگِ غزل اور لطفِ زباں حضرت اختر کی غزل میں درآنے کا جواز یوں بھی ہے کہ حضرت کے دادا علامہ فاضؔل، داغؔ کے تلامذہ میں شامل تھے۔

حضرت اختؔر نے غالبؔ، مومنؔ، آتشؔ، اصغر، جگراور سیمابؔ کی زمینوں میں بھی غزلیں کہی ہیں۔ اساتذہ کی زمینوں میں غزلیں کہنا اوران میں اپنی آبرو برقرار رکھنا بجائے خوداستادانہ مہارت اورکہنہ مشقی کی غماز ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ زبان وبیاں پرقدرت کی بھی دلیل ہے۔

اگر چہ حضرت اختؔر کی غزل کا غالب حصہ عشقِ مجازی کے جذبات کومحیط ہے لیکن تصوف کے مضامین، عارفانہ خیالات، حکیمانہ نکات، پندو نصائح، اخلاقی تعلیم، خودداری کی تلقین، عظمتِ انسانیت کے بیان، صلح، کل کی تعلیم اورعصری آگہی سے بھی خالی نہیں۔ ان تمام موضوعات سے بھی انھوں نے اپنی غزل کوسنوارا ہے۔ جیسا کہ مضمون کی ابتدا میں کہا گیا ہے کہ حضرت اختؔر کی بیشتر غزلیں ان کے عنفوانِ شباب کی یادگار ہیں۔ اوراس کا غالب حصہ عشقِ مجازی کا مظہر ہے، لیکن عرفا نے مجاز کوحقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ کہا ہے۔ حضرت اختؔر کے یہاں بھی کچھ ایسی ہی بات نظر آتی ہے۔ مجاز سے حقیقت کی طرف مراجعت کا بیان خودآپ ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

رنگینیِ مجاز حقیقت نما ہوئی
منزل پہ پہنچے سلسلۂ عاشقی سے ہم

حضرت اختر کے مندرجہ ذیل یہ دوشعر **من عرف نفسه فقد عرف ربه** کی تفسیر ہیں:

خود کو پانا ہے حقیقت میں خدا کو پانا
اپنے ہی ہاتھ میں ہے صاحبِ عرفاں ہونا

عرفانِ خودی کی وہ منزل عرفانِ خدا کی منزل ہے
خود اپنی ادا جس منزل میں مقصودِدل وجاں ہوجائے

جب سالک کوذاتِ حق کا عرفان حاصل ہوتا ہےتو وہ منصبِ عارفیت پرپہنچ جاتا ہے۔ پھر وہ ہےاورذاتِ حق۔ ذکرِالٰہی اورتصورِذاتِ حق میں اسے وہ لذت حاصل ہوتی ہےجس کا بیان لفظوں میں ممکن نہیں۔ جب حضرت اختراس منزل پرپہنچتے ہیں توبےساختہ کہہ اٹھتے ہیں:

کچھ نہیں یاد بجز کوچۂ جاناں مجھ کو
کتنی اچھی ہے یہ غفلت مجھے آواز نہ دو

گم ہوں میں ان کے تصور میں نہ چھیڑو مجھ کو
میں ہوں مصروفِ عبادت مجھے آواز نہ دو

یہ فقر وسلوک کے اس اعلیٰ مرتبے کا نام ہے جسے تصوف کی اصطلاح میں ''فنا فی اللہ'' ہونا کہتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عارف خود کو اللہ کی محبت میں مٹا دیتا ہے۔فنا کے بعد بقا کی منزل آتی ہے۔ پروفیسر سید محمد اشرف کچھوچھوی، سابق صدر شعبۂ اردو فارسی وعربی مدراس یونیورسٹی (جوخود بھی خانوادۂ اشرفیہ کے ممتاز صوفی، شیخ طریقت، شاعر اور محقق ہیں) فنا اور بقا کی آسان لفظوں میں تشریح کرتے ہوے لکھتے ہیں:

> صوفیہ نے اپنے ذاتی احوال اور مشاہدات بیان کرنے کے لیے لفظ فنا، بقا کا استعمال کیا ہے۔اس کی عقلی توجیہ جاننا محض وہم ہے۔فنا کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے عشق میں اس طرح محو ہو جانا کہ خود اپنی ہستی کا شعور نہ رہ جائے۔اور یہ صرف لمحاتی ہوتا ہے۔اور بقا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی یاد بندے کے اوپر ایسی مستولی ہوجائے کہ وہ اس کے لیے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ رہے جیسا کہ قرآن میں ہے: **واذکرو اللہ قیاماً وقعوداً و علیٰ جنو بکم۔**

(ارتباط وانعکاس، مخدوم سید اشرف جہانگیر اکاڈمی بڑودہ، 2008 ص 15)

حضرت اختر کی غزل کے غائر مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کا عشق، عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کی طرف مراجعت کر گیا ہے۔آپ کی غزل میں صوفیانہ عناصر جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ یہ اتفاقی امر نہیں۔اور نہ ہی ''تصوف برائے شعر گفتن خوب است'' والا معاملہ ہے۔ یہ خود صوفی ہیں اور شیخِ طریقت ہیں۔ان کے مزاج اور شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں ان عناصر کا اہم کردار ہے۔ یہ نظری نہیں عملی صوفی ہیں۔اور کیوں نہ ہوں ؟ان کا تعلق ہی صوفیانہ خانوادے سے ہے۔آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت سید مخدوم اشرف سمنانی کا شمار ہندو پاک کے معروف صوفیہ اور عرفا میں ہوتا ہے۔موصوف کے والدِ بزرگوار اور دادا بھی اپنے اپنے وقت کے صوفیہ گزرے ہیں۔

حضرت اختر اپنی وارداتِ قلب اور جذبات واحساسات کو بلا کم وکاست عام فہم اسلوب میں ادا کرتے ہیں۔تصوف کی اصطلاحات کو استعمال کر کے انھوں ے اپنے اشعار کو ادق نہیں بنایا اور نہ ہی پیچیدہ طرزِ اظہار اختیار کیا۔روانی، سلاست، سادگی، غنائیت اور تغزل حضرت

اختر کی غزل کی اہم خصوصیات ہیں۔

حضرت اختر کے اشعار میں کہیں کہیں فلسفیانہ رنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔زندگی اور موت ایک ایسا موضوع ہے جس پر ہر زمانے میں غور کیا جاتا رہا ہے۔کئی نامور فلسفیوں، دانشوروں اور شاعروں نے اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے اور اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اس کی افہام و تفہیم کی کوشش کی ہے۔زندگی اور موت کی سائنسی تعبیر کے حوالے سے چکبستؔ کا مشہور شعر ہے ۔

زندگی کیا ہے،عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے، انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

حضرت اختر، زندگی اور موت کی تعبیر و تشریح بہ ایں لفاظ کرتے ہیں ۔

زندگی ہے بے نیازِ زندگی ہونے کا نام
موت کہتے ہیں جسے وہ زندگی کا ہوش ہے

اس شعر میں یہ اشارہ پوشیدہ ہے کہ اصل زندگی کا دور تو موت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ دونوں شعر اپنی جگہ درست ہیں۔چکبستؔ کا شعر زندگی کی مادی حقیقت کا مظہر ہے تو حضرت اختر کا شعر زندگی کی روحانی حقیقت کو آشکار کر رہا ہے۔یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ روح اور مادے میں برتری اور تفوق کسے حاصل ہے۔اہلِ دل اور روحانیت کے حامل افراد ہمیشہ مادی حقائق سے اوپر اٹھ کر سوچتے ہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مادی حقائق کے منکر ہوتے ہیں؛نہیں، بلکہ مادی حقائق ان کے نزدیک ثانوی درجہ رکھتے ہیں۔مادی حقیقت محض ایک راستہ ہے منزل نہیں۔یہ ایک ذریعہ ہے مقصود بالذات نہیں۔

انسان ہے تو ایک مشتِ خاک، لیکن اس کی عظمت اور فضیلت ساری مخلوقات سے برتر ہے۔اسی لیے اسے اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔چنانچہ عظمتِ انسانیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت اختر نے کہا ہے ۔

عظمتِ انسانیت سمجھے کوئی ممکن نہیں
خاک کا ذرہ سہی لیکن فلک آغوش ہے

امید انسان کا سب سے بڑا سہارا ہے۔اگر انسان کی زندگی سے امید رخصت ہو جائے تو اس کی زندگی صحرائے بے آب و گیاہ کی مانند ہو جائے گی۔زندگی میں ساری رونق امید ہی کے دم سے ہے۔اس موضوع پر راقم الحروف کا کہا ہوا ایک شعر یہاں حوالۂ قرطاس ہونے کے لیے بے چین ہے ۔

رونق رہِ حیات پہ ہوتی نہ اس قدر
ہوتے نہ گامزن جو امیدوں کے قافلے

امید کی اسی طاقت کو واضح کرتے ہوے حضرت اختر نے کہا ہے ؎

توڑ سکی کہاں تھکن عزمِ صمیمِ کوہکن
سچ ہے رہِ امید کی ماندگی ماندگی نہیں

شعر کے تلمیحی اسلوب نے اسے درجۂ بلاغت پر پہنچا دیا ہے تو دوسری طرف پہلے مصرعے میں در آئے اندرونی قوافی 'تھکن' اور 'کوہکن' حرفِ کاف کی تکرار اور دوسرے مصرعے میں صنعتِ تکرار (ماندگی ماندگی) کی وجہ سے شعر کے لفظی حسن میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ایک شعر میں غرور و تکبر کی مذمت کس خوبصورت اسلوب میں کی ہے ملاحظہ کیجیے ؎

یہ کبر نہیں اچھا نفرت کے پرستارو
مہتاب بھی ڈھلتا ہے خورشید بھی ڈھلتا ہے

تمثیل نے اس شعر کی ترسیل و تاثیر میں اضافہ کیا ہے تو صنعتِ تضاد اور صنعتِ تکرار نے بھی اس کے صوری حسن کو نکھارا ہے۔ غرور مذموم چیز ہے تو خودداری محمود شے ہے۔ چنانچہ خودداری کی تعلیم بہ ایں الفاظ دی ہے ؎

وہ کم تر ہے اک کرمِ شب تاب سے بھی
جو منت کشِ روشنیِ دگر ہے

اقبالؔ نے عرقِ انفعال کو موتی سے تعبیر کیا ہے ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

حضرت اختر کے نزدیک بھی ''قطرۂ اشکِ ندامت'' کی بڑی اہمیت ہے۔ کہتے ہیں ؎

ضیا جو پھوٹتی ہے قطرۂ اشکِ ندامت سے
اسے مہرِ درخشاں کی کرن کہنا ہی پڑتا ہے

انسان کی عظمت اسی میں پوشیدہ ہے کہ وہ انسان کی حیثیت سے اپنے کردار و شخصیت کی تعمیر و تشکیل کرے۔ حالیؔ نے کیا خوب کہا ہے ؎

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا

مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

حضرت اختر بھی کہتے ہیں۔

فرشتہ ہو گیا اختؔر تو کیا ہے
کہو فرزندِ آدم بن کے آئے

کہیں کہیں شوخ لہجہ بھی مزہ دے جاتا ہے۔

یہ خدا کی شان دیکھو ہے ہمیں کو حکمِ سجدہ
کبھی سجدہ گاہِ عالم تھا ہمارا آستانہ

ذرا ذرا سی بات پر کفر کے فتوے صادر کرنے کی مذموم روایت ہمارے یہاں شروع سے نظر آتی ہے۔ فی زمانہ اس روایت کو اور بھی فروغ حاصل ہوا ہے۔ حضرت اختر کے نزدیک یہ مستحسن عمل نہیں، بلکہ بجائے خود ایک فتنہ ہے۔ اس عمل سے احتیاط لازم ہے۔ اندیشہ ظاہر کرتے ہوے کہتے ہیں۔

مٹ نہ جائے کہیں دنیا سے نشانِ ایماں
آج کے فتنۂ تکفیر سے ڈر لگتا ہے

یہ صحت مند نقطۂ نظر حلقۂ علما میں حضرت اختر کو امتیازی حیثیت عطا کرتا ہے۔ حضرت اختر کے نزدیک شکوۂ قسمت نکمے پن کی علامت ہے۔ چنانچہ استفہامیہ انداز میں کہتے ہیں۔

ہاتھ پر ہاتھ دھرے شکوۂ قسمت کب تک
کیا تجھے خوبیِ تدبیر سے ڈرلگتا ہے؟

یہ مثبت اندازِ فکر، رجائیت اور عالی ہمتی کا درس حضرت اختر کی غزل کی ایک اور خوبی ہے۔ درجِ ذیل شعر موصوف کے نظریۂ صلحِ کل کی نمائندگی کرتا ہے۔

تمام خلق کا میں خیر خواہ ہوں اے دوست
خدا گواہ کسی سے مجھے غبار نہیں

اشتراکی نظام کے کھوکھلے پن سے بھی یہ خوب واقف ہیں۔ اسی لیے اشتراکیوں سے مخاطب ہو کر کہا ہے۔

مجھے معلوم ہے اے اشتراکیت کے فرزندو!
حصارِ عافیت کے دعوہائے بے نشاں کب تک

عموماً صوفیہ حضرات کے بارے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ یہ لوگ معاشرے سے کٹ کر الگ تھلگ اپنی دنیا آباد کرتے ہیں۔ وقت کی رفتا اور نبض سے یہ کم کم ہی واقفیت رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقی اور سچا صوفی وہی ہوتا ہے جو ''با ہمہ و بے ہمہ'' کی عملی تفسیر ہو۔ مندرجہ بالا شعر موصوف کی عصری آگہی اور نظام ہائے باطل سے مکمل واقفیت کی دلیل ہے۔ ملک اور سماج میں مثبت اور منفی جو بھی تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں وہ سب موصوف کے سامنے آئینہ ہیں۔ امن وآشتی کا فقدان، آزادی کے نام پر غلامی، آرام وآسائش کے نام پر رنج وغم کی سوغات، تعلیم کے نام پر جہالت کے کے فروغ آزادیِ اظہار کے دعوؤں کے باوجود زباں بندی کے دستور کو ذہن میں رکھیے اور یہ شعر پڑھیے ؎

بلبل اسیر، مہر لبی، پھول زہر خند
کس کو خزاں کہیں گے اگر یہ بہار ہے

شعر کا استعاراتی رنگ اسے ہمہ گیریت اور آفاقیت سے ہمکنار کرتا ہے۔ اس شعر میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو ایک زندۂ جاوید رہنے والے شعر کا خاصہ ہوتی ہیں۔ درجِ ذیل شعر خوابِ غفلت سے بیداری کا پیغام دیتا ہے ؎

زمانے کا تقاضا ہے پلا اب جامِ بیداری
رہے گی خو گرِ غفلت سرشتِ مے کشاں کب تک

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اختر زمانے کی رفتار اور اس کے تقاضوں سے خوب واقف ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محترم آنکھ بند کر کے اپنی ذات کے نہاں خانے میں محصور و مقید نہیں بلکہ کھلی آنکھوں سے رفتارِ عصر کا مشاہدہ کرنا بھی ان کے مزاج کا حصہ ہے۔

ہندوستاں ہی نہیں آج دنیا کے بیشتر حصوں میں فتنہ وفساد، آگ زنی، بم اندازی، اور آپسی مناقشوں کا دور دورہ ہے۔ جس سے نظامِ امن درہم برہم ہو چکا ہے۔ یہ مخدوش حالات ہر صاحبِ دل کو تڑپا دیتے ہیں۔ حضرت اختر بھی ان حالات سے نالاں وافسردہ ہیں۔ یہ ایک ایسی دنیا آباد کرنے کے آرزومند ہیں جہاں امن وآشتی، بھائی چارہ، اور اخوتِ باہمی کا بول بالا ہو۔ حضرت اختر کے درجِ ذیل شعر سے میرے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ ؎

ہر سمت ہے تسلطِ برقِ تپاں چلیں
اے بلبلو! بنائیں کہیں اور گھر چلیں

ان افسردہ حالات میں بھی موصوف رجائیت کا پہلو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے پیشِ نظر آیہ لاتقنطو ہے۔ چنانچہ رجائیت بھرے لہجے میں کہتے ہیں۔

ہویدا تخریبِ گلستاں سے نویدِ تعمیرِ گلستاں ہے
قسم خدا کی ہمارے گلشن کو پھر نئی زندگی ملے گی

حضرت اختر کی زبان عام فہم اور اسلوب سادہ ہے۔ لیکن تمثیلات، استعارے، تشبیہات اور دیگر صنعتیں بھی ان کی غزل میں جہاں تہاں دکھائی پڑتی ہیں جن سے اشعار معنوی حسن کے باوصف لفظی حسن کا بھی مرقع بن گئے ہیں۔ مثلاً صنعتِ حسنِ تعلیل کا حامل یہ شعر ۔

میرے اشکِ آتشیں کرنیں اٹھا کر لے گئیں
غایتِ سوز اس لیے خورشید کی محفل میں ہے

حضرت اختر کی غزل کی ایک خاص بات جو سب سے نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ اس میں خشکی نام کو نہیں جو اکثر و بیشتر خالص مذہبی شخصیات کی شاعری کا خاصہ ہوتی ہے۔ ان کی تقریباً تمام غزلیں تغزل سے معمور ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ حضرت اختر نے کلاسیکی غزل کے احیا کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ رنگِ تغزل سے معمور کلاسیکی رنگ و آہنگ کے چند خوبصورت شعر ملاحظہ فرمائیں:

سو رہی ہے مری حسرت مجھے آواز نہ دو
جاگ جائے نہ قیامت مجھے آواز نہ دو

ان کے در پر جبیں کو جھکانا ہی تھا
گلشنِ قلب کو تازگی مل گئی

سکوت وخامشی میں ہے کمالِ عاشقی مضمر
وہی غم، غم ہے جو بے نالہ و فریاد ہوتا ہے

تو نے اشکِ عنادل سے سیکھی ہنسی
میں گل کے تبسم سے آنسو لیے

وہ ہم سے لفظِ تمنا ہی سن کے چونک پڑے
بڑا غضب تھا اگر شرحِ آرزو کرتے

میرے نیاز سے ہے دنیائے ناز تاباں
لیکن سمجھ رہے ہیں عالی جناب الٹا

بے حجابانہ ہے کس ہوش ربا کی آمد
جلوۂ شمع سے دل پھر گئے دیوانوں کے

بلا شبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ''پارۂ دل'' کی غزلیات کے آئینے میں حضرت اختر خوش فکر اور خوش نغز غزل گو شاعر کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ کلاسیکی غزل کی بیشتر خوبیاں آپ کی غزلوں میں دکھائی دیتی ہیں۔ اسلوب کی سادگی اور کلام کی شیرینی کی وجہ سے ہر خاص وعام قاری ان کی غزلوں سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ کلام میں کہیں الجھاؤ اور پیچیدگی نہیں۔ اک دوجگہ زبان کے مسلمہ اصولوں سے انحراف نظر آتا ہے مثلاً یہ دو شعر:

جو پیش ان کو کبھی ہدیۂ لہو کرتے
تو اس طرح انھیں ہم اور خوبرو کرتے

کہہ رہی ہے دیکھ سوئے ماہ پروازِ چکور
حاصلِ جاں وصل کی اس سعیِ لا حاصل میں ہے

پہلے شعر میں ''ہدیۂ لہو'' اور دوسرے شعر میں ''پروازِ چکور'' یہ دونوں تراکیب اصولی طور پر غلط ہیں کیوں کہ ان تراکیب میں مضاف بالترتیب عربی اور فارسی کے لفظ ہیں جب کہ مضاف الیہ ہندی ہیں۔ لیکن اس سے ہم یہ الزام نہیں لگا سکتے کہ حضرت اختر زبان کے ان مسلمہ اصولوں سے ناواقف ہیں بلکہ فکر وخیال کی ادئیگی کے پیشِ نظر موصوف کی شعوری کوشش گردانی جاسکتی ہے۔

حضرتِ اختؔر کچھوچھوی کے کلام میں صنائع وبدائع

——— (مولانا) محمدادریس رضوؔی،ایم-اے(کلیان)

شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں اختؔر کچھوچھوی کی ذات محتاج تعارف نہیں....آپ اپنی تقریر وتحریر کی بنیاد پر....تصنیفات وتالیفات کی وجہ سے....شیخ الاسلام اور شیخِ مریدین وخلفا کے سبب سے مشہور ومعروف ہیں....آپ کے کلام کے مجموعے ''بارانِ رحمت ''اور''پارۂ دل''اور دونوں مل کر

''تجلیاتِ سخن'' کے نام سے راقم کے پیشِ نظر ہے....اسی تجلیاتِ سخن سے شیخ الاسلام اختؔر کچھوچھوی کے کلام سے صنائع وبدائع کو عیاں کرنا ہے....یہ کام تو کسی ماہرِ فن کا تھا جو ذرۂ بے مقدار کو دیا گیا ہے....صنائع وبدائع جب پیدا ہوئی یا کی گئی تو اس کی تعداد بہت کم تھی آج وہ ترقی کر کے ایک صد سے زیادہ ہوچکی ہے....اور یہ ساری تعداد کسی ایک شاعر کے کلام میں ابھی تک نہیں ابھری ہے....اور ایک شاعر کے کلام میں ابھرنے کے امکانات بھی نظر نہیں آتے ہیں ....کیوں کہ صنائع وبدائع کو پکڑ کر یا بلا کر کلام میں بیٹھائے نہیں جاتے بلکہ یہ خود سے آ کر بیٹھ جاتے ہیں....اور جب بیٹھ جاتے ہیں تو مطلق شاعر کو نظر بھی نہیں آتے.... اس مقالہ میں حضرت اختؔر کچھوچھوی کے کلام سے صنائع وبدائع کو پیش کرنے سے قبل یہ بھی ملاحظہ کرلیں کہ ''صنائع صنائع بدائع'' کیا ہے؟

اس کو یوں سمجھئے کہ ایک گلستان میں انواع واقسام کے گلِ خنداں موجود ہوں لیکن اس کے گرد اونچی دیوار بنادی جائے تو گلِ خنداں نظر نہیں آئیں گے....اسی مثال کی روشنی میں صنائع کو سمجھئے کے سخن سازی کی وادی میں انواع واقسام کے صنائع موجود ہوتے ہیں لیکن اس کے گرد علم بدائع کی بلند دیواریں بھی کھڑی ہیں جس کی وجہ سے سخن سازی کی وادی کے پھول نظر نہیں آتے ہیں....یہ اس وقت نظر آتے ہیں جب علم بدائع کی اونچی دیوار پر چڑھنا آجاتا ہے....پہلے اس علم کو سیکھنا پڑتا ہے جب جا کر سخن سازی کے باغ میں صنائع کے پھول نظر آتے ہیں....اسی کے

ساتھ اس کو بھی ذہن نشیں کرلیا جائے کہ شاعری کیا ہے۔

شاعری کیا ہے؟

شاعری رب تعالیٰ کی نوازش کا عطیہ اور کرشمہ ہے....اِس میں تخیل کی پروازیں بھی ہوتی ہیں اور حقیقت کی عکاسیاں بھی....اِس میں حُسن بھی ہوتا ہے جمال بھی.... اِس میں ادائیں بھی ہوتی ہے کششیں بھی....اِس میں لہریں بھی ہوتی ہیں طغیانیاں بھی....اس میں جذبات بھی ہوتے ہیں آہیں بھی.... اِس میں داخلی راز بھی ہوتے ہیں خارجی آداب بھی....اِس میں سراپا بھی ہوتا ہے اور اُس کا سنگار بھی....یہ حقیقی بھی ہوتی ہے اور مجازی بھی....اس میں حقیقتیں بھی ہوتی ہیں مبالغے بھی....اِس میں اگر ''عشقِ حقیقی'' کا رنگ اُبھرتا ہے تو وہ رنگ شاعری کے پانچ حروف،ش۔ا۔ع۔ر۔ی۔کو بھی حقیقی رنگ میں لے آتا ہے،....اور'ش' سے کہتا ہے تو ''شباب'' کی داستان گڑھنے اور سنانے کے لئے نہیں بلکہ شریعت کی بات بتانے کے لئے ہے....چل شریعت کی شمع دکھا اور ایسی شمع دکھا کہ اس کی روشنی دُور تک پہنچے اور دل میں گھر کرے....اے 'اَلف' تو الیلیٰ کا گھر نہیں....اللہ تعالیٰ کا دَر دکھا....اے ''عین'' تو عنادل کے عارض کی جانب نہ گھوما بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جھکا....اور عارف کے دَر کا باادب بنا....اے ''ر'' تو ہم پر رُعونت کا نہیں بلکہ صِبْغَةُ اللّٰه۔کا رنگ چڑھا....اے ''ی'' تو ہمیں یاقوت کی چمک میں نہیں بلکہ یادِ اللہ اور یادِ یٰسین میں محو کردے۔

ایسے خیالات کے ہیرے موتی اور لعل و گہر جب دماغ میں بیٹھ جاتے ہیں تو پھر تخیل پرواز کرتا ہے تو وہ اپنے مستقر میں گھوم پھیر کر جو لے کر آتا ہے....اس کے نقوش کاغذ پر اُبھرتے ہیں پھر وہ عام ہوتے ہیں اور دیکھنے والے جب دیکھتے ہیں تو اس میں مختلف قسم کے بیل بوٹے ہوتے ہیں....ان بیل بوٹوں میں پہلے مَیں نے اپنی نگاہوں کو تجنیس مضارع پر جمایا ہے،آیئے تجلیاتِ سخن سے چند اشعار تجنیس مضارع کے ملاحظہ کرتے ہیں۔

تجنیس مضارع

جو ہو ممدوح خود اپنے خدا کا
بھلا کوئی کرے اُس کی ثنا کیا؟

اس شعر کو خوب کہئے یا خوب سے خوب تر کہئے....حقیقت سے یا تصوف سے لبریز کہئے....اس کے علاوہ اس شعر میں عام آدمی کو اور کچھ نظر آئے یا نہ آئے لیکن پرکھنے

والوں کواور کچھ جو چھپا ہوا ہے وہ بھی نظر آتا ہے دیکھئے اس میں وہ کیا ہے....اس میں بدائع کے جوہر بھی لگے ہیں اور خوشے بھی.... بدائع کے لعل بھی چمک رہے ہیں اور گہر بھی دمک رہے ہیں.. ..میری تڑپ نے کہا وہ صنائع کدھر ہیں، کہاں ہیں، کس طرف ہیں، دکھاؤ؟

دکھانے سے پہلے یہ بتادوں کہ میں نے بدائع کا ذکر کیا تھا تو نے صنائع کے تذکرے چھیڑ دیے ہیں تو دونوں مل کر صنائع اور بدائع ہوگئے... اور علم ہی کی کوکھ سے صنائع کی کونپلیں نکلتی ہیں....اس شعر میں تجنیس مُضَارع'' کی کونپل نکلی ہے،''تجنیس مضارع کی تعریف یہ ہے کہ۔دولفظوں میں سے کسی لفظ کا صرف ایک حرف مختلف ہو، یہاں''جو''اور''ہو'' کے پہلے حروف بدلے ہوئے ہیں اور آخر کے دونوں حروف ایک ہیں....اسی کو تجنیس مضارع کہا جاتا ہے،اسی طرح کا ایک شعر اور دیکھئے ؎

حُسنِ فطرت کے ہر اک جلوے سے بیگانہ بنا
دل بڑا ہشیار تھا اُس در کا دیوانہ بنا

دوسرے مصرع میں دولفظوں''دل''اور''در'' کے درمیان تجنیس مضارع کی صنعت ابھری ہے،دونوں کے پہلے حروف ایک یعنی دال ہیں،اور دوسرے حروف بدل گئے ہیں تو ایک جگہ ''ل''نے لی اور دوسری جگہ پر''ر''نے پکڑلی ہے،اسی تبدیلی کی بناپر ایک صنعت کاظہور ہوا ہے،اشعار کی آمد کے وقت شاعران باتوں سے بے خبر ہوتا ہے،عام شعرا تو ان باتوں کو جانتے بھی نہیں، پر کھنے والے اس وقت پر کھتے ہیں جب شعری دولت کاغذ پر اُتر آتی ہے تو دیکھ کر مسکراتے ہیں کہ شعر کی دولت میں صنائع و بدائع کی دولت بھی ہے،آدمی کا دل بڑی قیمتی شے ہے،لیکن اس سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں گنا قیمتی (اشارہ میں جس کو اُس کا کہا گیا) ہے،اُس کا دَر ہے، جو اُس کے دَر کا ہوتا ہے وہی دیوانہ بھی ہوتا ہے۔

میرے دل میں حب احمد کے ہیں گل بوٹے کھلے
اب اسے کعبہ سمجھ واعظ کہ بت خانہ بنا

پہلے شعر میں ایک ذات مقدس کی محبت جسے یہاں لفظ''حب'' سے یاد کیا گیا ہے اور دوسرے مصرع میں''اب'' ہے،حب اور اب کے شروع میں ایک حرف کا فرق ہے اسی فرق کی بناپر تجنیس مضارع نمودار ہوئی ہے۔

جانے کتنی ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا ہوں میں

مجھ کو محروم تمنا میرے مولیٰ نہ بنا

صفحہ۔۲۴

اس شعر کے پہلے مصرع میں ایک جگہ ''ہوا'' اور دوسری جگہ پر ''ہوں'' ہے، یہ ہوا، اور ہوں کا فرق شعر میں تجنیس مضارع ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔

مقام اُن کا نہ فرشِ زمیں نہ عرشِ بریں
وہ اپنے چاہنے والوں کے گھر میں رہتے ہیں

صفحہ۔۲۸

شعر کے پہلے مصرع میں فرش اورعرش کے الفاظ ہیں،ف اورع کے علاوہ [راورش] دونوں جگہوں پر برقرار ہے لیکن ایک حرف کے فرق پر تجنیس مضارع ظاہر ہوئی ہے،اس لئے یہ شعر تجنیس مضارع کا شعر ہے۔

دیکھنے والو دیارِ شہِ بطحا دیکھو
فرش کی گود میں ہے عرشِ معلیٰ دیکھو

صفحہ۔۲۹

اس شعر سے قبل والے شعر میں جس فرق سے تجنیس مضارع پیدا ہوئی ہے اسی فرق کے ساتھ اس شعر میں بھی تجنیس مضارع آئی ہے۔

یقیں والے کہاں سے چلے کہاں پہونچے
جو اہلِ شک ہیں اگر میں مگر میں رہتے ہیں

صفحہ۔۲۸

اس شعر کے دوسرے مصرع میں ''اگر'' اور ''مگر'' ہے، یہی اگر اور مگر نے تجنیس مضارع کے پھول کھلائے ہیں۔

لرز اُٹھے تارِ عنکبوتی کے مثل ایوان باطلوں کے
تری صدا ہے قسم خدا کی صدائے پروردگار ساقی

صفحہ۔۴۵

اس شعر میں غور کیجئے ایک جگہ صدا،اور،دوسری جگہ خدا،ہے،صدا کا پہلا حرف

''خ'' سے تبدیل ہوا تو تجنیس مضارع کا نقش ابھر گیا ہے۔

و دل مزار صد آرزو وہ وصالِ ساعتِ رنگ وبو
وہ خم صراحی وجام جم تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

صفحہ-۲۲۳

اس شعر میں ''خم اور جم'' میں شروع کے حرف بدلنے سے تجنیس مضارع نقوش ابھرے ہیں اور جم سے جام میں ایک حرف زائد ہونے کی وجہ سے تجنیس زائد پیدا ہوئی ہے۔

تجنیس زائد

''تجنیس زائد'' دو لفظوں میں پہلے لفظ کا ایک حرف دوسرے سے کم یا دوسرے لفظ کا ایک حرف پہلے لفظ سے زائد ہو تو ''تجنیس زائد یا ناقص کہتے ہیں۔اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) کوئی حرف ابتدا میں زیادہ
(۲) کوئی حرف درمیان میں زیادہ
(۳) کوئی حرف آخر میں زیادہ ہوگا

جیسے نبات اور بات، گُل اور گال، پیا اور پیان

اسی مثال کی روشنی میں ہم علامہ سید محمد مدنی میاں اختؔر کے کلام میں تجنیس زائد کا عمل دیکھتے ہیں، تجنیس زائد کا عمل بھی آپ کے کلام میں خوب ہے، بلکہ کہیں کہیں پر تو انگور کے خوشے کی طرح آپ کے کلام میں تجنیسِ زائد کے خوشے لگے ہوئے ہیں جسے دیکھنے کے بعد اہلِ علم مسکرانے لگتے ہیں، آیئے ذرا اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں، اس کے لئے ذیل کا یہ شعر پڑھئے ؎

نور وبشریٰ مل گئے اور بن گیا نوری بشر
رہ کے پردے میں وہ بے پردہ نظر آنے لگا

پہلے مصرع کے صدر پر ''نور'' دوسرے حشو کا لفظ ''حشو اور عروض میں تقسیم ہو گیا ہے، مگر ''نور'' سے ''نوری'' بن گیا ہے، اب نور سے نوری میں ایک حرف زائد ہونے کی وجہ سے تجنیس زائد کا پھول کھلا ہے، پھر اسی مصرع میں صدر پر ''بشریٰ'' اور عروض پر ''بشر'' آیا ہے، اس طرح بشریٰ سے بشر میں ایک حرف کم ہونے سے تجنیس زائد کی کلی لگی ہے، پہلے ہی مصرع کے پہلے حشو پر ''مل گئے'' اور دوسرے حشو پر ''بن گیا'' ہے، یہ گئے اور گیا میں ایک حرف کے ترمیم ہونے سے تجنیس مضارع کا غنچہ چٹکا ہے، دوسرے مصرع میں ''پردے اور بے پردہ'' کو دیکھئے

اور پردے سے پردہ کی نقاب کشائی کیجئے تو وہی تجنیس مضارع ہے، شعر یا اشعار میں شعرا اس طرح کا التزام کرتے نہیں ہیں بلکہ ایسے نقوش خود بخود ابھر آتے ہیں۔

ہر اک لب پر رہے گا حشر میں چرچا محمد ﷺ کا
لبِ محشر پہ بھی ہوگا فقط خطبہ محمد ﷺ کا

صفحہ ۱۰۲

اس شعر میں بھی پہلے شعر کی طرح ہی خوشے لگے ہیں لیکن اس سے کم، پہلے مصرع میں ''حشر''اور دوسرے مصرع میں ''محشر'' ہے، حشر سے محشر کے شروع میں ایک حرف ''میم'' کے اضافہ کی بنا پر تجنیس زائد نے نقاب اٹھایا ہے، اس کے علاوہ تجنیس تام کا بھی پھول کھلا ہے، پہلے مصرع میں ''لب'' ہے جس معنی ہونٹ ہے اور دوسرے مصرع میں بھی ''لب'' ہے، اس کا معنی کنارہ ہے۔

اسی تجنیس زائد کے باغ میں ایک شعر کو اور رکھ کر دیکھئے جس میں وہی محشر اور حشر ہے ۔

قبل محشر نہ حشر ہو جائے
جلوۂ یار آشکار نہ ہو

صفحہ ۱۷۷

تمہیں معلوم کیا ہے مرتبہ ہے کیا محمد ﷺ کا
گنہگاروں سے پوچھو زاہدو رتبہ محمد ﷺ کا

صفحہ ۱۰۲

اس شعر کے پہلے مصرع میں لفظ ''مرتبہ'' اور دوسرے مصرع میں ''رتبہ'' ہے، رتبہ سے مرتبہ میں ایک حرف زائد ہونے سے تجنیس زائد کا آئینہ چمکتا ہے، پہلے مصرع میں دو جگہ پر ''کیا کیا'' ہے، پہلے ''کیا'' کا معنی ہے۔ کتنا، کس قدر۔ دوسرا ''کیا'' اظہارِ عظمت کے لئے ہے، اس طرح سے یہ تجنیس تام کی صنعت ہے۔

ہو کے رہ جائیں گے مال وزر غبارِ نقشِ پا
راہِ حق میں تو بہا کے دیکھ لے اپنا لہو

صفحہ ۱۰۴

پہلے مصرع میں ''رہ'' اور دوسرے مصرع میں ''راہ'' کے استعمال سے تجنیس زائد کا نقش اُبھرا ہے، اور پہلے مصرع میں ''ہو'' اور دوسرے مصرع میں ''تو'' کی بنا پر تجنیس مضارع پیدا ہوئی ہے۔

کرم ہے میرے کریم تیرا اسیر مختار ہوگیا ہوں
ہزاروں آزاد رشک میں ہیں مَیں وہ گرفتار ہوگیا ہوں

صفحہ ۱۰۶

شعر کے پہلے مصرع میں ''کرم'' سے ''کریم'' میں ایک حرف کے اضافہ سے تجنیس زائد کا عمل ہوا ہے اس شعر میں ایک دوسری تجنیس بھی ہے جو اس کے مقام پر لکھا جائے گا۔

تجنیس مُذَیَّل

دو متجانس لفظوں میں دو حرف کا اضافہ ہے اور ایک شعر میں موزوں ہو جائیں تو یہ تجنیس مُذَیَّل کہلاتا ہے، یہ اضافہ اردو زبان میں آگے یا پیچھے دونوں طرف ہو سکتے ہیں، جیسے سرور مرزائی کا یہ شعر دیکھئے، جس میں ''کلی'' سے ''بیکلی'' میں پہلے دو حروف کا اضافہ ہے۔

پھول کر کچھ پھول کہتے ہیں ہم فخر چمن
بیکلی سی دیدنی ہے ہر کلی کے نام سے

کلی سے بیکلی میں پہلے دو حرف کا ازدیاد ہے۔

آیئے اب اسی مثال کی روشنی میں ہم حضرت علامہ سید محمد اختؔر کچھوچھوی کے اشعار کا جائزہ لیتے ہیں کہ آپ کے اشعار میں کس طرح سے کہاں کہاں پر کیسے کیسے تجنیس مذیل کے پھول کھلے ہیں۔

ہمیں کافی ہے بس فکر و نظر کی روشنی اپنی
نہ دے اے چاند ہم کو چار دن کی چاندنی اپنی

صفحہ۔۲۸

اس شعر کے دوسرے مصرع میں تجنیس مذیل کا چاند چمک رہا اور صاف نظر آرہا ہے، اسی چاند کی چمک کو چاندنی کہتے ہیں اور چاند سے چاندنی میں دو حرف کا ازدیاد ہے، بس تجنیس مذیل ہوگئی، اندھیرا چھٹ گیا، روشنی ہوگئی، شاعر نے کہہ دیا، صنعت بن گئی، شاعر کو اپنے کہنے پر خوشی ہوتی ہے اور سامعین کو سننے کے بعد فرحت حاصل ہوتی ہے اور قارئین کو پڑھنے کے سرور ملتا ہے، یہاں پر خوشی، فرحت اور سرور سب اکٹھا ہو گئے ہیں۔

چاند اور چاندنی کے بَل پر تجنیس مذیل کا پھول دیکھنے کے لئے ذیل کا شعر بھی دیکھ لیجئے، اس کے دوسرے مصرع میں پھول صاف نظر آرہا ہے۔

ان کے ہونٹوں پہ گر ہنسی آئے

چاند کی چاندنی بھی شرما جائے

صفحہ۔۷۲

کہیں واللیل کا منظر کہیں والشّمس کے جلوے

نظارہ ان کی زلف ورخ میں نظروں کا نظر آیا

صفحہ۔۴۸

مذکورہ بالا شعر کے دوسرے مصرع میں ''نظروں'' سے ''نظر'' میں دو حرف کم ہونے سے تجنیس مذیل ہے۔

بخت سیہ چمک کہ چمکنے کا وقت ہے

ماہ رجب کی تیرھویں تاریخ آگئی

صفحہ۔۹۳

اس شعر میں چمک سے چمکنے میں دو حرف زیادہ ہے اور اسی سے تجنیس مذیل نمودار ہوتی ہے۔

اپنا شریک ہم کو کیا لاشریک نے

احکام بھیج کر کے درود وسلام کے

صفحہ۔۱۱۳

''شریک'' سے ''لاشریک'' میں دو حروف کے ازدیاد سے تجنیس مضارع کا سورج نکلا ہے، یہ عجب معنی خیز شعر ہے، لاشریک میں پھر شریک کیا یہ درست ہے؟ اس کو صرف اُوپر اُوپر سے سمجھنا مشکل ہے، اس کو سمجھیں گے تو پھر یہاں تجنیس بدل جاتی ہے، اور تجنیس تلمیح کا سہارا لینا پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ ترجمہ: بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اُس غیب بتانے والے نبی پر، اے ایمان والو اُن پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اب شریک اور لاشریک کا معنی واضح ہو گیا کہ لاشریک نے اپنے ایک کام یعنی نبی ﷺ پر درود پڑھنے میں ہم کو شریک کیا اب سارے شکوک ہوا ہو گئے۔

صنعت تجنیس ناقص

تجنیس ناقص۔ اس کے لئے دونوں لفظ شکل، عدد، ترتیب میں تو متفق ہوں لیکن ہیّتِ حروف یعنی حرکت وسکون وتشدید میں مختلف ہوں، مثال کے لئے غالبؔ کا یہ شعر دیکھئے:

میں بُلاتا تو ہوں ان کو مگر اے جذبۂ دل
ان پہ بَن جائے کچھ ایسی کہ بِن آئے نہ بنے
(غالبؔ)

غالبؔ کے اس شعر میں (ب) اور (ن) کے سہارے سے ایک لفظ ''بَن'' بنا ہے اس لفظ بن کے اعراب کو بدل دیجیے تو ''بِن'' اور ''بُن'' بھی ہو جائے گا، تبدیلیٔ اعراب سے معنی بدل جائیں گے۔ غالبؔ کے شعر کے دوسرے مصرع کو پڑھ کر دیکھ لیجیے جس میں بَن ۔بِن ہے اور دونوں کا معنی الگ الگ ہے، اس مثال کو ذہن میں رکھ کر اب حضرت اخترؔ کچھوچھوی کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

اِدھر نہیں یا اُدھر نہیں ہے نبی کا جلوہ کدھر نہیں ہے
مگر جمالِ نبی کو دیکھے بشر کی ایسی نظر نہیں ہے
صفحہ۔۸۰

مذکورہ شعر پر غور کیجیے، پہلے مصرع میں ''اِدھر، اُدھر اور کدھر'' ہے، پہلے دو لفظوں کی ترتیب، شکل اور عدد برابر ہے لیکن حرکت بدلنے سے معنی بھی بدل گئے ہیں اور اسی حرکت کے بدلنے سے صنعت بھی بدل گئی ہے، صنعت تجنیس ناقص کہلاتی ہے، اب اِدھر اور اُدھر کے روبرو ''کدھر'' کو لائیے تو تجنیس مضارع بنتی ہے۔

کرم ہے میرے کریم تیرا اسیر مختار ہوگیا ہوں
ہزاروں آزاد رشک مِیں ہیں مَیں وہ گرفتار ہوگیا ہوں
صفحہ۱۲۶

اس شعر کے دوسرے مصرع میں ''مِیں اور مَیں'' میں بھی اعراب بدلنے سے تجنیس ناقص پیدا ہوئی ہے۔

دیکھا ہے چشم چرغ نے لیلیٰ کو بھی شیریں کو بھی
یوسف کو بھی، پایا حُسین لیکن نہیں تم سا حَسین
صفحہ۔۱۳۲

یہ شعر بہت حَسین ہے اور اس کے ساتھ لفظ حُسین آیا ہے، اعراب کی اس تبدیلی سے تجنیس ناقص کی حَسین وادی پھیلی ہے اور خوب پھیلی ہے اور اسی طریقے سے تجانیس کے پھول کھلتے

ہیں۔ حُسین اور حَسین کو دیکھئے۔

صنعتِ تجنیس تام

''تجنیس تام'' اس میں ایک قسم کے الفاظ مختلف معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے آہنگ بمعنی آواز اور آہنگ بمعنی ارادہ۔ (فیروز الغات)

''تجنیس تام'' اگر دو لفظوں کے حروف اعداد، ترتیب اور حرکات و سکنات میں یکساں ہوں، لیکن معنے مختلف ہوں، تو تجنیس تام کہلاتا ہے، راقم کے خیال میں یہ صنعت بہت ہی خوبصورت صنعت ہے، کیوں کہ اس کے ایک رُخ میں کئی رخ نکلتے ہیں، سمجھنے والے جب اس کو سمجھ لیتے ہیں تو واہ واہ کرتے ہیں، آیئے اس معاملہ میں حضرت اختؔر کچھوچھوی کے کلام میں صنعتِ تجنیس تام کو دیکھتے ہیں۔

مٹانے فتنہ انگیزی زمانے کی زمانے سے
کنارِ آمنہ میں امن کا پیغامبر آیا

صفحہ۔ ۲۸

مذکورہ شعر کو پڑھنے والا پڑھ کر آگے بڑھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ شعر اچھا ہے، لفظ ''زمانے'' کی تکرار ہے، لیکن اسی تکرار میں صنعت چھپی ہوئی ہے، لیکن سب کو نظر نہیں آتی ہے، تہ پکڑے ہوئی ہے، آیئے تہ سے اُوپر کر کے دیکھتے ہیں، پہلے مصرع میں دو جگہ پر لفظ ''زمانے'' ہے، پہلے ''زمانے'' کا معنی ہے۔ دنیا، عالم، دَہر اور دوسرے ''زمانے'' کا معنی ہے۔ دنیا کے لوگ۔ مخلوق۔ آدمی۔ اتنا سننے اور سمجھنے کے بعد شعر کا حُسن دوبالا ہو جاتا ہے، اسی کا نام صنعتِ تجنیس تام ہے۔ آیئے اس قسم کی گرہیں سلجھانے اور طبیعت کو خوش کرنے کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔

قسم ہے مالکِ یومِ قیامت کی قیامت میں
مرادیں اپنے دل کی ساقیِٔ کوثر سے پائیں گے

صفحہ۔ ۵۵

یہاں پر بھی پہلے مصرع میں دو لفظِ قیامت ہے، اور دونوں کے معنی میں فرق ہیں، دونوں کے معنی الگ الگ ہیں، پہلے ''قیامت'' کا معنی ہے۔ قائم کرنا روزِ محشر۔ اور دوسرے ''قیامت'' روزِ حساب۔ روز جزا۔ دونوں کا معنی الگ الگ سن کر بہت سے لوگوں کی طبیعت میں قیامت

برپا ہوجاتی ہےاور کہنے لگتے ہیں کہ ارے واقعی یہ قیامت، قیامت کی چیز ہے۔

فلک جو دیکھے مرے قمر کو تو بھول جائے قمرکو اپنے
چھپالے ابر سیاہ جس کومرا قمروہ قمر نہیں ہے
صفحہ۔۸۰

اس شعر کے دونوں مصرعے میں چار جگہوں پر ''قمر'' کو اُتارا گیا ہے، یہ چاروں قمر صرف لغوی معنوں سے نہیں سمجھا جاسکتا بلکہ اس کے لئے لغوی، اصطلاحی اورمرادی معنو ں کو بروئے کارلانا پڑتا ہے جب جا کر یہ چاروں قمر آسمانِ دماغ پر چمکنے لگتے ہیں، پہلے مصرع میں ''قمر'' کا اصطلاحی اور مرادی معنی ہے، پیارا۔محبوب اور پہلے مصرع کے دوسرے ''قمر'' کا معنی ہے آسمان کا چاند۔دوسرے مصرع میں پہلے ''قمر'' کا وہی معنی ہے یعنی پیارا۔محبوب اور دوسرے ''قمر کا معنی بھی وہی آسمان کا چاند ہے جسے ابر سیاہ چھپالیتا ہے،ان معنوں کی روشنی میں یہ شعر تجنیس تام کا شعر ہے۔

یہ مانتاہوں تری نظرمیں مری نظرہے قمر یہ لیکن
مَیں ان کے تلوؤں کو دیکھتا ہوں مری نظر چاند پر نہیں ہے
صفحہ۔۸۰

اس شعرمیں تجنیس تام اس طرح سے اُبھری ہے کہ پہلے مصرع میں دوجگہ پر لفظ ''نظر'' کا استعمال ہوا ہے، پہلی نظر کا معنی ہے، نگاہ، آنکھ اوردوسری نظر کا معنی ہے غورو تامل، شعرخوبصورت ہے اوراس خوبصورتی کے درمیان میں خوبصورت تجنیس تام کا ظہور ہوا ہے جو داد دینے کے لائق ہے۔

نمازِ عصر گر جائے نمازِ عشق مت چھوٹے
حقیقت میں اسی کا نام زاہد پارسائی ہے
صفحہ۔۹۱

پہلی نماز۔پرستش۔عبادت۔دوسری نماز۔خدمت گزاری، پہلے مصرع میں دوجگہ پر لفظ نماز کا استعمال ہوا ہے اوردونوں کا معنی الگ الگ ہونے سے تجنیس تام بنا ہے،شعرمیں لفظ ''نماز'' کا استعمال خوب اور بامقصد ہوا ہے اور یہ کہئے کہ یہ شعر صنعتِ تلمیح کا شعر ہے۔

کب کوئی آرزو تھی آرزو کی
بس تیری جستجو تھی بس تیری جستجو کی

صفحہ۔۲۰۱

یہاں پر پہلے مصرع میں دوجگہ پر لفظ ''آرزو'' ہے اور دونوں کے معنی الگ الگ ہیں اسی سے تجنیس تام کے غنچے چٹکے اور بڑے قرینے سے لب کھولے ہیں،پہلی آرزو کا معنی ہے۔خواہش،تمنا،چاہت اوردوسری ''آرزو'' کا معنی ہے۔مراد،مقصد مطلب،انہیں معنی کی روشنی میں دونوں آرزو کو دیکھئے، پڑھئے اور سنئے تو آپ کو بھی لطف آئے گا۔

اے مرے بیداد گر بیداد پر بیداد ہو
تجھ سے کیا مطلب کہ کوئی شاد یا ناشاد ہو

صفحہ۔۱۹۷

صنعتِ تجنیس تام کی صف میں مذکورہ بالا شعر بہت عمدہ شعر ہے،اس شعر میں بیداد کے ساتھ ایک جگہ ''گر'' دوسری جگہ پر ''پر'' تیسری جگہ پر ''ہو'' کی اضافت سے ''بیداد'' کے معنی الگ الگ ہوگئے ہیں اوراسی الگ الگ معنی کی بنا پر تجنیس تام کی کلیاں چٹکی ہیں،گر کے ساتھ پہلے بیداد کامعنی ہے۔ظالم۔ بے انصاف۔پر کے ساتھ دوسرے ''بیداد'' کا معنی ہے۔ظلم وستم۔ناانصافی۔ہو کے ساتھ تیسرے ''بیداد'' کا معنی ہے۔انصاف ہو۔انصاف کرو۔معنی واضح ہوجانے کے بعد بیداد کی تکرار کے راز کھلتے ہیں اور جب راز کھلتے ہیں تو شعر خوب لگتے ہیں۔

دوسرے مصرع میں ''شاد'' پر ''ناشاد'' آنے سے **تجنیس مُذَیَّل** کا ظہور ہوا ہے۔

صنعتِ قلب

دو لفظ ایسے ہوں کہ ایک کو اَوندھا کردیں یا اُلٹ دیں تو الگ معنی دینے والا لفظ بن جائیگا۔جیسے ''خاک'' بمعنے مٹّی اسے پلٹ دیں تو لفظ ''کاخ'' ہوگا،کاخ کے معنی ''محل''،محل کو پلٹنے سے ''لحم''،محل بمعنی موقع یا خاص عمارت ''لحم'' بمعنے گوشت جیسے تار سے رات وغیرہ۔

اسی مثال کی روشنی میں حضرت علام سید محمد مدنی اختر کچھوچھوی کے یہاں صنعتِ قلب دیکھتے ہیں،لیکن اس میں آپ کے اشعار زیادہ نہیں ملے صرف ایک شعر پر قناعت کرتے ہیں یا ہوسکتا ہے کہ آپ کے کلام میں اس سے متعلق اور بھی اشعار ہوں جہاں تک میری رسائی نہیں ہوسکی:

تیری انا میں فنا سے پہلے میری انا کی بساط کیا تھی

مگر اپنے کو دیکھتا ہوں تو ایک سنسار ہوگیا ہوں

صفحہ۔۱۲۶

مذکورہ شعر میں کئی طرح کی تجنیس وصنعت نے جنم لیا ہے لیکن یہاں صرف صنعتِ قلب کو دیکھتے ہیں، پہلے مصرع کے اخیر میں ''تھی'' سے قبل ''کیا'' ہے اب ''کیا'' کو پلٹ دیجئے تو ''ایک'' بن جاتا ہے اور جب ''کیا'' ''ایک'' بن گیا تو صنعتِ قلب ہوگئی۔

صنعتِ معنوی

صنعتِ اقتباس

اقتباس کے لغوی معنی ''چھانٹنا۔ چننا۔ اخذ کرنا۔ نکالنا ہے، لیکن مطلق ہے، اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس چیز سے کس چیز کو چھانٹنا ہے، لیکن یہی اقتباس جب صنعت سے منسلک ہوجاتا ہے تو علم بدیع کا جز بن جاتا ہے، اور معنی ہوتا ہے، قرآن پاک کی آیت یا اس کے جز کو یا حدیث کے ٹکڑے کو کلام میں شامل کرنے کو اقتباس کہتے ہیں، اِس زینے پر چڑھنا مشکل کام ہے اور تمام شعرا اس زینے پر چڑھ نہیں سکتے، وہی چڑھے گا جس کو عربی زبان پر عبور حاصل ہوگا یا قرآن پاک کی آیت یا جز اور حدیث کے ٹکڑے کے معنی سے واقفیت ہوگی، کسی ایک زبان میں شعر کہنا آسان ہے لیکن اس میں دوسری زبان کے الفاظ کو جڑنا مشکل کام ہے، اتنی بات سمجھ لینے کے بعد اب آیئے علامہ سید محمد مدنی اختؔر کچھوچھوی کے کلام میں ''صنعتِ اقتباس'' پر نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں آپ کے یہاں کس قسم کے پھول کھلے ہیں، اسی کے ساتھ ایک اور بات کو ذہن کے پردے پر بسالیا جائے کہ قرآن پاک کی آیت سے جز کو شامل کر قدرے آسان ہے لیکن پوری آیت کو شام کرنا مشکل ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ نے پوری آیت کو بھی شامل کرکے اپنی یگانیت کا اظہار فرمایا ہے، آپ کا ایک کلام ۱۶/اشعار پر مشتمل ہے، ہر اشعار کے دوسرے مصرع میں ''جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْ قًا'' کا ٹیپ لگا ہوا ہے، ایک شعر ملاحظہ کیجئے:

کہتا ہوں اللہ کا پیارا بزم بتاں کی سیر کو نکلا
جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْ قًا

صفحہ۔۱۰۱

اب یہ شعر صنعتِ اقتباس کا شعر ہے، ترجمہ! حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی

تھا‘‘اس کومزید سمجھنے کے لئے ہمیں تفسیر کا سہارا لینا پڑتا ہے،اس آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ احمد یار خاں نعیمی تفسیر نعیمی میں لکھتے ہیں:یعنی حضور تشریف لائے نور آیا....اندھیرا گیا....اسلام آیا کفر گیا....قرآن آیا شیطان گیا....خیر آئی شر گئی....ہدایت آئی گمرائی گئی....مگر یہ سب کچھ اس دولہا کے دم قدم سے ہوا جس کے دم کی یہ ساری بہار ہے،سب کچھ وہی لائے۔

فتح مکہ کے دن جب حضور کعبہ معظّمہ میں تشریف لے گئے تو آپ کے ہاتھ شریف میں ایک چھچی تھی،اور حضورﷺ یہی آیت پڑھتے اور بت کی طرف اشارہ فرماتے وہ گر جاتا،حالانکہ سب بت لوہے اور رانگ سے جڑے ہوئے تھے،اس سے معلوم ہوا کہ حضور خود حق ہیں جس کو حضور سے نسبت ہوجائے وہ حق ہے جو ان سے بے تعلق ہے وہ باطل ہے اگر نماز کو حضور سے تعلق نہ ہو تو وہ نماز باطل ہے اور اگر دنیاوی کاروبار حضور سے وابستہ ہوں تو حق ہیں‘‘۔

یہی ہے بزم بتاں کی سیر،اور اس بزم کے سارے بت اللہ کے پیارے کو دیکھ رہے تھے،اور لبِ خاموش سے عرض کررہے تھے آقاﷺ آپ جو حکم فرمائیں ہم اس کی تعمیل کریں گے۔

قبر میں ھــــا ھــــا لاادری کہنے کی رسوائی سے بچو
بگڑی حالت کب بنتی ہے چاہے لاکھ ھیھــــــات کہو

صفحہ۔۳۴

شاعر نے شعر میں حدیث پاک کی روشنی میں ’’صنعتِ اقتباس‘‘ کے توسط سے قبر کی منظرکشی کی ہے،ھاھالاادری‘‘ کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ جل جلالہٗ اور حضورﷺ کو نہ ماننے والا،آپ کی شان میں گستاخی کرنے والا،بے ادب،منافق ہے،اُس کی اس منافقت کی بنا پر اس کا سب کچھ صلب کرلیا جائے گا،قبر میں اس سے پوچھا جائے گا،**مــــن رَبُّکَ**،تیرا رب کون ہے؟ دوسرا سوال ہوگا،**مادینک**،تیرا دین کیا ہے؟ تیسرا سوال کیا جائے گا،**مَاکُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَاالرُّجُلِ**،ان کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟ منافق ہر سوال کے جواب میں کہے گا،**ھاھالااَدْرِیْ**،افسوس مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں،اُس وقت پکارنے والا آسمان سے پکارے گا یہ جھوٹا ہے،اس کے لئے آگ کا بچھونا بچھاؤ اور آگ کا لباس پہناؤ اور جہنم کی طرف ایک دروازہ کھولدو،اُس کی گرمی اور لپٹ اس کو پہنچے گی اور اُس پر عذاب دینے کے لئے دو فرشتے مقرر ہوں گے جو اندھے اور بہرے ہوں گے،ان کے ساتھ لوہے کا گُرز ہوگا،ایسا گرز کہ پہاڑ پر اگر مارا جائے تو خاک ہوجائے اس ہتھوڑے سے اس کو مارتے رہیں گے،نیز سانپ اور بچھو بھی اس عذاب پر متعین کئے جائیں گے

اوراس کے اپنے اعمال متشکل ہوکر کتا اور بھیڑئے کی شکل میں اس پر برسیں گے۔احادیث پاک کی ان باتوں کو نظر میں رکھ کر شعر کو پڑھئے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں،شاعری اچھی چیز ہے شرط ہے کہ اس سے کچھ سبق حاصل ہو۔

کہہ رہا ہے کوئی یہ لَاتَــقْــنَــطُــوا کی آڑ سے
بے خبر گلزار آتش زار کا انجام ہے

صفحہ۔۹۰

پہلے مصرع میں لاتــقــنــطــوا آنے کے سبب سے یہ صنعت اقتباس کا شعر ہے،اور معنی سے واقفیت رکھنے والے بہت سارے شعرا نے اس لاتــقــنــطــوا کو اپنے اپنے شعر میں استعمال کیا ہے،لَاتَــقْــنَطُوْ مِنْ الرَّحمَةِ اللّٰه‘‘ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو،معنی سے واقفیت رکھنے کے باوجود مقصد کی چیز کو اقتباس کر کے بحورواوزان پر لانا مشکل کام ہے۔

چاہتا ہے گر رہے دونوں جہاں میں سر خرو
پی شراب لَــنْ تَــنَــالُــوا الْبِــرَّ حَتّٰــی تُــنْــفِــقُــوْا

صفحہ۔۱۰۴

ہر انسان کے بولنے کا قرینہ اور ڈھنگ الگ الگ ہے،بہت سارے لوگ پوری گفتگو کرتے ہیں لیکن سمجھ میں آدھی بھی نہیں آتی ہے اور بہت سارے لوگ اس خوبصورتی سے باتیں کرتے ہیں کہ ان کی بات ابھی مکمل بھی نہیں ہونے پاتی ہے کہ لوگ پوری بات سمجھ جاتے ہیں،کچھ ایسا ہی منظر اس شعر کے صنعتِ اقتباس میں دیکھنے کو مل رہا ہے کہ یہاں پر بات پوری ہونے کے لئے مِــمَّــا تُــحِبُّوْنَ تک پہنچنا ہے جب معنی ہوگا:تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو‘‘لیکن یہاں پر تُــنْفِقُوْا پر ہی وقف کیا گیا ہے،لیکن معنی اور مفہوم سے واقف قاری سمجھ جاتا ہے کہ اپنی پیاری چیز راہِ خدا میں خرچ کرنی چاہئے،دوسری بات یہ ہے کہ یہی تُنْفِقُوْ‘‘ ردیف بنی ہے اور یہ برجستہ ہے،اس بنا پر صنعتِ اقتباس کا یہ بہترین شعر ہے۔

باد ہائے خواب کی سرشاریاں اچھی نہیں
یہ نہیں شایانِ شانِ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْ

صفحہ۔۱۰۴

شعر کا پہلا مصرع نصیحت یا تنبیہ کے طور پر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ’’باد ہائے خواب کی

سرشاریاں اچھی نہیں'' اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نصیحت یا تنبیہ کا مخاطب کون ہے؟ یہی صنعتِ اقتباس '' اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْ'' اے ایمان والو جو تم کر رہے ہو وہ چیز اچھی نہیں ہے، اس میں برجستگی ہے جس سے صنعتِ اقتباس کے ساتھ شعر میں حسن پیدا ہو گیا۔

لَاتَرْفَعُوْ کہیں تو کہیں لَاتُقَدِّمُوْا
قرآن دے رہا ہے اصول احترام کے

صفحہ۔۱۱۳

اس شعر کے پہلے مصرع میں صنعتِ اقتباس ہے، یہ دونوں جملے قرآن پاک کی سورہ ''حُجُرات'' کی آیت ا۔اور۔۲۔ سے اقتباس کئے گئے ہیں، پہلا جملہ آیت ۲ سے اور دوسرا جملہ آیت (ا) سے لئے گئے ہیں، لَاتُقَدِّمُوْا'' تنبیہ کی جارہی ہے کہ'' آگے نہ بڑھو'' اور ''لَاتَرْفَعُوْا'' یہاں بھی تنبیہ ہے کہ ''اونچی نہ کرو'' دونوں کو سمجھنے کے لئے ترجمہ دیکھئے، پہلی آیت کا ترجمہ ہے:

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سنتا اور جانتا ہے''۔

تفاسیر دیکھنے سے خلاصہ ہوتا ہے، علامہ احمد یار خاں نعیمی اپنی تفسیر ''نورالعرفان'' میں لکھتے ہیں:

''بعض صحابہ نے بقرعید کے دن حضور سے پہلے یعنی نماز عید سے قبل قربانی کرلی اور بعض صحابہ رمضان سے ایک دن پہلے ہی روزے شروع کر دیتے تھے ان لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی، اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور کی بے ادبی حق تعالیٰ کی بے ادبی ہے کہ ان حضرات نے حضور پر پیش قدمی کی تو فرمایا گیا کہ اللہ و رسول پر پیش قدمی نہ کرو، دوسرے یہ کہ راستہ چلنے، بات کرنے، کسی چیز میں بھی حضور سے آگے بڑھنا منع ہے کیوں کہ یہاں، لَاتُقَدِّمُوْا'' مطلق ہے، تیسرے یہ کہ بعض ادب والے لوگ بزرگوں یا قرآن شریف کی طرف پیٹھ نہیں کرتے ان کا ماخذ یہ آیت ہے، یعنی دربار رسول میں تمہاری ہر نقل و حرکت نشست و برخاست کی ہم نگرانی فرما رہے ہیں، خبردار محبوب کی بے ادبی نہ ہونے پائے''۔

تفسیر کے اس حصے کو ملاحظہ کرنے کے بعد صنعتِ اقتباس ''لَاتُقَدِّمُوْا'' خوب سمجھ میں آجاتی ہے، اب رہا ''لَاتَرْفَعُوْا'' اس کے متعلق مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت: حضرت ثابت بن قیس ابن شماس رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی، جو کچھ اُونچا سنتے تھے اور خود بلند آواز تھے، انہیں حکم ہوا کہ

بارگاہِ رسالت میں آواز پست رکھو،حضرت ثابت اس آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد خانہ نشیں ہوگئے، بارگاہ نبوی میں حاضر نہ ہوئے،حضور نے ان کی غیر حاضری کا سبب حضرت سعد سے پوچھا جو حضرت ثابت ابن قیس کے پڑوسی تھے،انہوں نے ثابت بن قیس سے پوچھا، وہ بولے مَیں تو دوزخی ہو چکا ہوں، میری آواز بارگاہِ رسالت ﷺ میں اُونچی ہوگئی تھی،حضور ﷺ نے فرمایا ان سے کہہ دو کہ وہ جنتی ہیں،اب ''لَا تَرْفَعُوْا'' کے اقتباس کا مقصد ومفہوم پوری طرح سے سمجھ میں آجاتا ہے،اسی کی روشنی میں شعر کا دوسرا مصرع پڑھیئے جو بڑا لطف دیتا ہے،قرآن دے رہا ہے اصول احترام کے۔

صنعتِ تضاد

ایک شعر میں ایسے الفاظ کا آنا جو ایک دوسرے کی ضد ہوں اور معنوی تضاد سے مضمون پیدا ہو۔

مثال۔کے لئے میرؔ کا یہ شعر دیکھئے:

یاں کے سفید وسیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رُو رُو کے صبح کیا اور دن کو جوں توں شام کیا

میرؔ

میرؔ کے مذکورہ شعر میں،سفید وسیہ میں تضاد، رات اور دن میں تضاد،صبح وشام میں تضاد،اسی مثال کی روشنی میں حضرت اخترؔ کچھوچھوی کے اشعار میں صنعتِ تضاد دیکھئے۔

یہ شام و سحر یہ شمس و قمر یہ فرشِ زمیں یہ عرشِ بریں
یہ جن وملک جبریلِ امیں سب تیرے ہیں زیرِ فرماں

صفحہ۔۵۴

شام وسحر میں تضاد،شمس وقمر میں تضاد، فرش وعرش میں تضاد، جن وملک میں تضاد۔

تری دید اوّل تری دید آخر
یہی آرزو تھی یہی آرزو ہے

صفحہ۔۶۰

اس شعر کے اوّل وآخر میں تضاد اور دوسرے مصرع میں ''تھی اور ہے'' میں تضاد ہے۔

یہاں عقدہ کشائی ہے وہاں رمز آشنائی ہے

یہ جلوت ہو تو کیا کہنا وہ خلوت ہو تو کیا کہنا

صفحہ۔۶۱

مذکورہ شعر کے یہاں اور وہاں میں تضاد، خلوت اور جلوت میں تضاد۔

آج تاریکی اُڑاتی ہے اُجالے کا مذاق
کہ تری دنیا کا اک نجم درخشاں کم ہوا

صفحہ۔۱۲۴

یہاں پر تاریکی اور اُجالے میں تضاد ہے، اس کے علاوہ ''تجلیاتِ سخن'' کے صفحہ ۶۵ ر کے سارے اشعار صنعتِ تضاد کو احاطہ کرتے ہیں۔

صنعتِ تلمیح

تلمیح۔ کے معنی ہیں ''سُبک نگاہ کرنا کسی چیز کی طرف۔ اصطلاح اہل معانی میں اشارہ کرنا اپنے کلام میں کسی قصّہ کی طرف۔ یا اصطلاحات نجوم یا موسیقی کا لانا۔ یا اپنے کلام میں آیات قرآن شریف یا احادیث کا لانا۔'' لغات کشوری

صنائع معنوی میں یہ صنعت بہت ہی زیادہ استعمال ہوتی ہے کوئی شاعر ایسا نہیں جس کے کلام میں یہ صنعت موجود نہ ہو، مذہبی، تاریخی، سماجی اور ثقافتی روایات واقعات میں سے کسی ایک قصّہ یا واقعہ کی طرف شعر میں اشارہ کرنا تلمیح ہے جیسے

شمشیر سجاعت ہے کہیں جوئے سخا ہے
شیدا ہے تیرا حیدرِ کرّار مدینہ

صفحہ۔۶۲

یہ شعر صنعتِ تلمیح کے دو باب پر مشتمل ہے، ایک شمشیر کی شجاعت کا واقعہ دوسرا جوئے سخا کا واقعہ ہے اور یہ دونوں واقعات حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسلک ہے، پہلا واقعہ کی روایت اس طرح سے ہے:

''روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا کہ کل مَیں یہ جھنڈا اُس شخص کو دوں گا کہ جس کے ہاتھ اللہ تعالیٰ فتح دے گا، وہ اللہ اور رسول سے محبت کرتے ہیں، پھر جب لوگوں نے صبح پائی

تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہر ایک یہ آس لگائے کہ جھنڈا اُسے دیا جائے گا، فرمایا علی ابن ابی طالب کہاں ہیں، لوگوں نے عرض کیا آنکھوں کے بیمار ہیں، فرمایا انہیں بلاؤ، چنانچہ انہیں لایا گیا، رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب ان کی آنکھوں میں لگایا وہ ایسے اچھے ہو گئے گویا انہیں درد تھا ہی نہیں، حضور ﷺ نے انہیں جھنڈا دیا تو علی نے عرض کیا! یا رسول اللہ کیا مَیں ان سے جنگ کروں حتیٰ کہ وہ ہماری مثل ہو جائیں، فرمایا اپنے نرمی پر جاؤ حتیٰ کہ ان کے میدان میں اُترو پھر انہیں اسلام کی طرف بلاؤ اور انہیں اللہ کے حقوق کی خبر دو جوان پر لازم ہیں اسلام میں، خدا کی قسم اللہ تمہارے ذریعے ایک شخص کو ہدایت دے دے یہ تمہارے لئے اچھا ہے کہ تمہارے پاس سرخ اونٹ ہوں''

(مشکوۃ المصابیح، باب مناقب علی بن ابی طالب)

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں حضرت علامہ احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں:

''یعنی ایک کافر کو مسلمان بنانا دنیا کی بڑی دولت سے بھی بہتر ہے بلکہ کافر کو قتل کرنے سے بہتر ہے کہ اسے رغبت دے کر مسلمان کر لیا جائے کہ اس سے اس کی ساری نسل مسلمان ہوگی، یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ پہلے دن حضور نے حضرت ابوبکر صدیق کی سرکردگی میں لشکر بھیجا سخت جنگ ہوئی مگر کامیابی نہ ہو، دوسرے دن حضرت عمر کی سرکردگی میں لشکر بھیجا اس دن بہت گھمسان کا رن پڑا مگر خیبر فتح نہیں ہوا، تیسرے دن فتح کی بشارت دی اور حضرت علی کی سرکردگی میں لشکر بھیجا آپ کے ہاتھ پر فتح ہوا (مرقاۃ) حضور کے غلام ابو رافع فرماتے ہیں کہ اس دن حضرت علی کے ساتھ خیبر کی جنگ میں مَیں تھا، آپ کے ہاتھ ڈھال تھی دوسرے میں تلوار، یہود خیبر کے قلعہ سے نکل آئے، سخت جنگ ہوئی، ایک یہودی نے آپ کے ہاتھ پر کوئی چیز ماری جس سے ڈھال گر گئی، آپ نے قلعہ کا دروازہ اٹھا لیا، اور اسے ڈھال کی طرح استعمال فرمایا خیبر فتح فرمانے کے بعد اسے رکھا، ہم سات آدمیوں نے اسے اٹھانا چاہا جن میں مَیں بھی

تھا، مگر ساتوں کے زور سے وہ نہ ہل سکا یہ ہے طاقتِ حیدری (مرقاۃ) شعر

شیر شمشیر زن شاہ خیبر شکن
پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

اسے امام احمد نے بابِ مناقب میں روایت کی: حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضرت علی نے دروازہ خیبر اُکھیڑا اور مسلمانوں کو اُس پر سے اُتار دیا، خیبر فتح ہوگیا، بعد میں چالیس آدمیوں نے اسے اٹھانا چاہا نہ اٹھا سکے، بعض روایت میں ہے کہ ستر صحابہ نہ اٹھا سکے‘‘۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سخاوت کے متعدد واقعات ہیں جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے کیوں حضرت اختر کچھوچھوی کے کلام میں تلمیحی اشعار پر لکھنا کسی اور کے حصے کی چیز ہے۔

عشق نبی پہ عصر کو قربان کردیا
کیسے کہوں نماز تمہاری قضا گئی

صفحہ۔۶۶

اسلامی تاریخ میں یہ واقعہ بہت مشہور و معروف ہے کہ حضور ﷺ نماز عصر پڑھ کر ایک میدان میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر اپنا سر اقدس رکھ کر آرام کر رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی، اور اسی حال میں سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا، حضور ﷺ جب بیدار ہوئے تو دریافت فرمایا علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے تم نے نماز عصر پڑھی کہ نہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی !الٰہی علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تیرے نبی ﷺ کی خدمت میں مصروف رہا، لہذا ردّ علیہ الشّمس اس کے لئے آفتاب کو لوٹا دے، چنانچہ سورج لوٹ آیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آرام سے نماز عصر ادا کی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز نے کہا۔

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول رسول اللہ کی

حدائقِ بخشش

ہفت چکر از صفا تا مروہ کر لینے کے بعد
پل صراطی راستہ تم سب پہ آساں ہوگیا

صفحہ۔۹۹

مذکورہ شعر میں بھی تاریخ واقعہ کا اجتماع ہے، پانی کی ضرورت کے تحت حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا صفا اور مروہ پر سات بار گئیں اور آئیں، یہ ان کی دنیاوی اور جسمانی ضرورت تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو ''اِنَّ الصَّفَاوَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰه'' کہا، یعنی بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان نشانیوں میں بے شمار فضائل رکھ دیئے، انہیں فضائلوں میں ایک فضائل یہ ہے کہ صفا اور مروہ کا چکر لگانے والوں پر پل صراط کا راستہ آسان ہوگا۔ سخن وری کی وادی کی سیر کرتے کرتے جب تلمیح کی وادی میں اُتریئے تب سمجھ میں آتا ہے کہ شاعری وہ ہنر ہے جس کے ذریعہ سے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا جاتا ہے، پھر اس کوزے کو پلٹئے تو سمندر نکلتا ہے، جس کا نظارہ آپ دیکھ رہے ہیں اور مختصر سا دیکھ لیا ہے۔

شیخ الاسلام اخترؔ کچھوچھوی کے کلام میں صوفیانہ عناصر

ڈاکٹر شیخ شاہ محمد افضل الدین جنیدی، خلف اکبر بارگاہِ شیخ دکن، گلبرگہ

''تصوف برائے شعر گفتن خوب است'' کے تحت ہر چھوٹے بڑے شاعر کی شاعری میں تصوف کے عناصر نظر آتے ہیں کیونکہ تصوف شاعر کو حقیقت کا ادراک کرواتا ہے اگر شاعر خود صوفیانہ فکر کا حامل ہو اور اس کی روحانی تار وکڑی صوفیۂ کرام سے جاملتی ہو تو اس کی شاعری میں تخیل کی بلندی، فکر وسوچ میں آفاقیت، احساس کو صحیح رخ، جذبات کو پاکیزگی، خیالات میں لطافت، فکر میں تازگی، روح میں کیفیت نغمگی، دل میں عجیب سوز وگداز، وجدانی حال، نظر میں بصیرت، ہر شئے کی گیرائی وگہرائی میں پہنچنے کا شوق اور فکر کے نہاں خانوں میں ایک خاص روحانی ہیجان پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کا تعلق عالم بالا سے ہو جاتا ہے شاعر کی پرواز اپنی بلندی میں صاحبِ تصوف کی پرواز سے مشابہ ہو جاتی ہے ایسے ہی صوفیانہ فکر کے حامل وکامل شیخ طریقت عبقری شخصیت شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی کی ذات گرامی ہے۔جن کے ستودہ صفات کا ذکر سید محمد جیلانی محامد یوں فرماتے ہیں:

> ''نظام قدرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ہر دور میں ایسی شخصیتیں پروردگار عالم پیدا فرماتا رہا ہے جو ملت وقوم کی آبرو بن جایا کرتی ہیں۔ آسمانِ رشد وہدایت کے آفتاب کی طرح چمکتی ہیں۔ سیادت، شرافت و دیانت، حق گوئی و بے باکی، بالغ نظری وفکری، اصابت، درویشانہ ادا ،فقیرانہ شان، محققانہ صلاحیتیں، الغرض حق پرستی، حق آگاہی اور حق نوازی جیسی تمام خصوصیات ایک ہی شخصیت میں سمو دیتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت سیّد محمد مدنی اشرفی جیلانی کی ذات والا صفات میں ان تمام خوبیوں کو تلاش کیا جاسکتا ہے''۔

(خطباتِ برطانیہ، ص5)

حضرت علامہ مدنی میاں قبلہ کے صفات کا ذکر فرماتے ہوئے سید منیر پاشاہ باشیبان انعامدار یوں رقمطراز ہیں:

''آپ کی شخصیت شریعت وطریقت کا ایک اُبلتا ہوا سرچشمہ ہے۔اور آپ کی شخصیت حق گوئی، بے باکی، زہدوتقویٰ، پاکیزگی وپارسائی،سچائی وامانت داری، ہمدردی وخیر خواہی کی آئینہ دار ہے۔آپ کی صبح وشام،شب وروز، خلوت وجلوت،فکرودانش سے آپ کی اعلیٰ کردار شخصیت کا ظہور ہوتا ہے۔ آپ کی بارگاہ، وہ بارگاہ ہے جہاں سے تشنگان علم ومعرفت سیراب ہوکر ہی اٹھے ہیں''۔

(کتاب:''حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی کی علمی وادبی خدمات''ص:۷۸)

حضرت علامہ مدنی میاں قبلہ حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر مخدومی سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد اطہار سے ہیں اس خانوادہ کو''سادات اشرفیہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اشرفیہ سلسلے میں ایک سے بڑھ کر ایک شخصیات کا ظہور ہوا جنہوں نے علمی وروحانی طریق سے پوری انسانیت کی بے لوث خدمت کی ہے اسی کی عکاسی کرتے ہوئے اپنے کلام میں حضرت اختؔر کچھوچھوی یوں فرماتے ہیں:

طور سینا ہے کہ ہے یہ خانقاہ اشرفی
کس قدر رونق فزا ہے جلوہ گاہ اشرفی
لاڈلے شیر خدا کے غوث کے فرزند ہیں
شاہ سمنان کے ہیں پیارے میرے شاہ اشرفی

اور اپنے جد محترم کی شان میں نذر عقیدت پیش کرتے ہوئے حضرت مدنی میاں قبلہ اپنے کلام میں یوں اشعار قلمبند فرمائے ہیں :

وہ شہنشاہ روزگار ہوئے مظہر شان کردگار ہوئے
اے خوشا بخت شاہ سمنانی ہم غریبوں کے غمگسار ہوئے
تخت سمناں کو مار کر ٹھوکر سارے عالم کے تاجدار ہوئے
ان کے جلووں سے ہے جہاں روشن شمع اشرف پہ جو نثار ہوئے

علامہ مدنی میاں قبلہ کے والد گرامی محترم مخدوم ملت محدث اعظم ہند کا اس سمنانی مشن کو فروغ دینے میں بڑا کردار رہا ہے۔ محدث اعظمؒ کے اوصاف کا ذکر فرماتے ہوئے سید محامد میاں یوں رقمطراز ہیں:

''علم وحکمت، عظمت وحرمت، شرف وبزرگی، جود وسخا، فضل وعطا، حلم و بردباری، قیادت وسیادت، بصیرت ورفعت، الغرض ان جیسی خوبیاں محدث اعظم ہندؒ کی تنہا ذات میں مجتمع کر دی گئی تھیں۔

(کتاب: خطبات برطانیہ، ص:۸)

ان ہی صفات روحانی کے مظہر اتم حضرت شیخ الاسلام مدنی میاں قبلہ اپنے والد بزرگوار کے سچے جانشین کہہ لائے۔ والد کی تربیت ہی میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رہا والد محترم کے وصال کے تقریباً چھ ماہ بعد شیخ الاسلام نے اپنے حقیقی ماموں شیخ المشائخ حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد مختار اشرف اشرفی الجیلانی زیب سجادہ آستانہ اشرفیہ سرکارکلاں سے بیعت وارادت حاصل کی، بعدازاں آپ سے ہی خلافت عطا ہوئی۔ ماموں اور بھانجے کے اس اٹوٹ روحانی رشتے کی عکاسی کرتے ہوئے علامہ محامد میاں خطبات برطانیہ کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:

''شریعت وطریقت کا حسین اور مقدس سنگم دیکھنا ہے تو جانشین غوث العالم حضرت سید مختار اشرف کو دیکھ لے۔ ایسی پاک ذات کی نگاہ پاک نے شیخ الاسلام کو وہ سب کچھ بخش دیا جو ایک مرشد برحق بخشا کرتا ہے بیعت وارادت کی منزل سے آگے بڑھ کر خلافت کا تاج بھی پہنا دیا۔ سلاسل مقدسہ کے فروغ وارتقا کی نیابت مرحمت فرماتے ہوئے خاندانی اوراد وظائف کی اجازت عطا فرمائی۔ غرضیکہ شفیق ماموں جان نے اپنے والد گرامی کی طرح بھانجے پر عنایات کی راہیں کھولیں۔ بالکل اسی طرح لائق بھانجے نے اپنے والد گرامی کی طرح ماموں کی بارگاہ میں دامن پسار کر فیض وکرم کے موتی لوٹے۔ ''ماموں اور بھانجے'' کے مابین یہ اٹوٹ تعلق اس خانوادے کے لئے نیا نہیں ہے۔ خاندان اشرفیہ کی آفرینش ہی ''ماموں بھانجے'' کے گہرے اور انمٹ روابط کی مرہون منت ہے۔''

(کتاب: خطبات برطانیہ، ص:۱۴)

یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلام نے اپنے پیر کی ذات میں خود کو فنا کر دیا اور ان کے صفات کو اپنا کر سلوک کی راہ کے مسافر ہو گئے۔اسی فنا فی الشیخ کی منظر کشی اپنے کلام میں بھی یوں فرماتے ہیں :

تیری انا میں فنا سے پہلے میری انا کی بساط کیا تھی
مگر اب اپنے کو دیکھتا ہوں تو ایک سنسار ہوگیا ہوں
حضور ایسی فنا عطا ہو ملے بقائے دوا م جس سے
زمانہ دیکھے تو بول اٹھے تمہارا اظہار ہوگیا ہوں
یہ میر دل دل نہیں ہے یارو یہ شہر مختار بن گیا ہے
طواف میرا کرے زمانہ میں اس کا حقدار ہوگیا ہوں

تصوف میں یقین کے تین مراحل ہیں جسے علم الیقین عین الیقین حق الیقین کہا جاتا ہے۔ علم الیقین سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کو جاننا ہے، عین الیقین سے مراد نزاع کے وقت کا علم اور حق الیقین سے بہشت میں مشاہدہ حق مراد ہے ان ہی رموز کی مزید تشریح و وضاحت شیخ طریقت حضرت علامہ شیخ الاسلام مدنی میاں نے یوں فرمائی ہے:

☆ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ عابد عذاب کے خوف سے اور ثواب کی خواہش میں خدا کی پرستش کرے، اس کو عبادت کہیں گے اور یہ علم الیقین والے کی منزل ہے۔

☆ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ عابد کسی غرض کے بغیر اپنے اس والہانہ شوق سے جو اس میں عبادت اور تکالیف شرعیہ کو قبول کرنے کے لئے موجود ہے اللہ کو پوجے۔ اب اس کو صرف عبادت ہی نہیں بلکہ عبودیت بھی کہیں گے اور یہ ''عین الیقین'' والے کی منزل ہے۔

☆ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ عابد محض اس خیال سے خدا کو پوجے کہ وہ اللہ ہے اور میں عبد ہوں ، اور اس کی الٰہیّت ہی چاہتی ہے کہ اس کو پوجا جائے اور میری عبدیت کا تقاضہ ہے کہ میں پوجوں۔ اب اس کو عبادت و عبودیت ہی نہ کہیں گے بلکہ عبودۃ بھی کہیں گے اور یہ ''حق الیقین'' کی منزل ہے۔(کتاب: ''تعلیم دین وتصدیق جبریل امین'' ص:۸۲)

تصوف کا ماخذ حدیث جبرئیلؑ ہے جس کو صوفیۂ کرام حدیث احسان فرماتے ہیں اس حدیث پاک کے رموز واسرار کو پیر طریقت شیخ الاسلام مدنی میاں قبلہ نے کیا خوب انداز سے تفہیم وابلاغ فرمایا ہے ملاحظہ ہو:

''احسان واخلاص عابد کے اس مقام بلند کے نیچے کی ایسی منزل ہے جس پر سے گزرے بغیر اس مقام تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ حضرت شیخ محقق نے احسان کی دو صورتیں حدیث پاک سے نکالی ہیں۔ بلفظ دیگر احسان کے دو درجوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میرا فہم ناقص عرض کرتا ہے کہ اگر کَاَنَّكَ تَرَاهُ اور فَاِنَّهٗ یَراكَ سے عبادت کے دو درجوں کی طرف اشارہ سمجھا جائے تو زیادہ مناسب ہے، اس لئے کہ مفہوم عبادت میں اس قدر وسعت اور پھیلاؤ ہے جو احسان والے عمل پر بھی صادق آتا ہے اور اس عمل پر بھی جو اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ حدیث کے اس زیر بحث ٹکڑے میں عبادت کے دو درجوں کی طرف اشارہ کیا ہے: ایک وہ عبادت جو تجلیات الٰہیہ اور انوار صمدیہ کے مشاہدہ کے ساتھ ہو یہ ہے کانك تراه والی عبادت۔ اور دوسری عبادت جس میں نفس احسان کی تو پوری جلوہ گری ہو مگر مذکورہ بالا برکات الٰہیہ کا مشاہدہ نہ ہو اور یہ فانه یراك والی عبادت۔ پہلی عبادت عرفاء کاملین کی ہے اور دوسری عبادت دوسرے درجے کے عارفوں کی۔

(کتاب: ''تعلیم دین وتصدیق جبریل امین'' ص:۸۵)

علامہ سید محمد مدنی میاں قبلہ بیک وقت عالم دین، فقیہ، مفسر قرآن، خطیب، شیخ طریقت اور صوفیانہ صفات کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب طرز انشاء پرداز اور شاعر بھی ہیں آپ کی نازک خیال شاعری سے بہت کم ہی لوگ واقف ہیں آپ اپنا تلخص اخترؔ رکھے ہیں تقریباً تمام بحور واوزان میں طبع آزمائی کی ہے لیکن ''نعت'' ہی ان کی پہچان رہی ہے۔ شیخ الاسلام نے بغرض اصلاح اپنا کلام شفیق جونپوری کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے فرمایا:

'' ایسے ٹھوس اور جامع اشعار کی اصلاح نہیں ہوسکتی ''

علامہ مدنی میاں قبلہ کو شعر گوئی کا ملکہ ورثے میں ملا تھا جس کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر سید امین اشرف بیان کرتے ہیں:

''شعر گوئی کا یہ ملکہ حضرت اختؔر کو ورثے میں ملا ہے۔ دادا علامہ فاضل کچھوچھوی کو داغؔ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا اور وہ با کمال شاعر تھے، والد مرحوم حضرت محدث اعظمؒ ہند صاحب دیوان شاعر، برادر اکبر سید حسن مثنیٰ انور صاحب طرز ادیب اور شاعر اور خود حضرت اختؔر کے جد اعلیٰ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی شاعر۔ آپ کا کلام دیوان اشرف نا پید ہے، مگر تاریخ وسیر کی مختلف کتابوں میں حضرت کے جستہ جستہ اشعار مل جاتے ہیں جو پند ونصائح سے مملو ہیں۔''

(کتاب: تجلیات سخن۔ص:۱۳۷)

تصوف باطنی کیفیات کا اظہار ہے جو سر تا پا ذوق و وجدان کی آواز ہے۔اس کے اظہار کے لئے نثری نگارشات سے زیادہ شعری طرز اظہار متاثر سمجھا جاتا ہے۔حضرت اختؔر کچھوچھوی کی نعتیہ شاعری میں بھی تصوف کے موضوعات واصطلاحات کا ذکر ملتا ہے۔حضرت اختؔر کا وصف خاص ہے کہ سرکارِ دو جہاں ﷺ کی مدحت میں انہوں نے تصوف کے رموز بھی بیان کر دئے ہیں، شعر ملاحظہ ہو:

پوشیدہ راز کو اب ہونٹوں پہ لا رہا ہوں
میں داغہائے دل کو اپنے دکھا رہا ہوں

نعتیہ شاعری کے ساتھ ساتھ رنگ تغزل میں بھی صوفیانہ اشعار ملتے ہیں اور تصوف کے مختلف منازل کا ذکر بھی حضرت اختؔر کی غزلوں میں دکھائی دیتا ہے۔مثلاً ؎

اختؔر تری غزل میں تابانئ ہنر ہے
تم بھی ہو اک ستارے آفاق اہل فن ہے

اور کہتے ہیں:

مجھ کو راس آئی کہاں ہوش و خرد کی بندگی
کیوں نہ میری بات اے اختؔر حکیمانہ رہے
زمانے کو سبق دیتا ہے شعروں کی چلمن میں

ترا دیوانہ اخترؔ کس قدر ہوشیار ہے ساقی

حضرت اخترؔ کی صوفیانہ شاعری کے محرکات اور جن شعراء کے صوفیانہ رنگ حضرت اخترؔ کے کلام میں نظر آتے ہیں جن کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر سید امین اشرف یوں رقمطراز ہیں:

''حضرت اخترؔ کی صوفیانہ شاعری کے محرکات کیا ہیں۔ اول تو یہ کہ جن عنصر سے حضرت اخترؔ کی طبع باطنی مرکب ہے وہ ہیں فقر واستغناء، صبر و توکل، بے نیازی اور دردمندی، دوسرے یہ کہ حضرت اخترؔ ایک کامل شیخ طریقت ہیں اور ظاہر ہے کہ تصوف کی خوبیاں اس کے امکانات وتعینات واوصاف کوانہوں ں نے اپنی قلندرانہ شخصیت میں جذب کر لیا ہے، راقم الحروف کا ذاتی تجربہ ہے کہ حضرت شیخ تصوف کے مختلف مدارج سے گزرے ہیں اور گزر رہے ہیں مثلاً ذکر وفکر، مجاہدہ، محاسبہ، مراقبہ، مشاہدہ اور معائنہ، قاری کی آسانی کے لئے میں اجمالاً وضاحت کرتا چلوں کہ جب شیخ کا ذہن محسوسات سے غائب ہوجاتا ہے تو اس پر غیب کی باتوں کا ظہور ہوتا ہے، یہی واقعہ ہے۔ یہ واقعہ جب عالم بیداری میں میسر ہو تو مکاشفہ، نفس سے جنگ کرنا مجاہدہ اور شیخ کا خود اپنے اعمال کا احتساب کرنا محاسبہ، مراقبہ ہے ذاتِ خداوندی کی یاد میں مستغرق ہو جانا یہاں تک کہ غیر اللہ کا شعور باقی نہ رہے، مشاہدہ ہے ذات باری کو اسماء وصفات کے پردے میں دیکھنا اور معائنہ ہے ذات خداوندی کا دیدار، تجلیات کے پردے کے بغیر کرنا۔ مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ کی اولاد نور العین کے فرزند اور جگر گوشہ محدث اعظم علیہ الرحمہ میں ان صوفیانہ عظمتوں کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں۔ اس لئے یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ تصوف حضرت اخترؔ کی زندگی ہے اور صوفیانہ اشعار اس زندگی اور اس شخصیت کے گوشوں کے عکس ہائے جمیل۔ اس سلسلہ میں جن صوفی شعراء کی صف میں حضرت اخترؔ آتے ہیں وہ ہیں خواجہ میر درد، شاہ نیاز احمد بریلوی، شاہ تراب علی قلندر، بیدم وارثی، مولانا آسی غازی پوری اور شاہ علی حسین اشرفی۔

(کتاب: تجلیات سخن، ص:۱۴۷)

حضرت اختؔر کچھوچھوی کے یہاں عظمت انسانی کا اظہار ''انسان کامل'' سرکار دو جہاں ﷺ کی ذات مقدسہ کے حوالے سے ملتا ہے۔ علامہ حضرت اختؔر کچھوچھوی اپنا ایک خطبہ بعنوان ''مقام انسانیت'' میں بیان فرماتے ہیں:

''خدا کا نائب وخلیفہ ہے انسان (انی جاعل فی الارض خلیفۃ)

ترجمہ: میں زمین پر اپنا خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔ (البقرہ)

حضرت محمد ﷺ ہے انسان' احمد ہے انسان، محبوب ہے انسان، محمود ہے انسان، صاحب قرآن ہے انسان، معلم کتاب وحکمت ہے انسان، صاحب لولاک (مقصد تخلیق کائنات) ہے انسان، عالم ما کان و ما یکون ہے انسان ،اول المسلمین ہے انسان، صاحب مقام محمود ہے انسان، صاحب الشفاء ہے انسان' نوشہ بزم جنت ہے انسان' صاحب حوض کوثر ہے انسان' مالک جنت ہے انسان' رحمۃ اللعالمین ہے انسان' صاحب الوسیلہ ہے انسان' مالک دو جہاں ہے انسان' سیاح لامکاں ہے انسان' صاحب قاب قوسین ہے انسان' آخر ہے انسان' مختار وماذون ہے انسان' اشرف المخلوقات ہے انسان۔

(کتاب: مقام انسانیت، ص:۲۹)

حضرت اختؔر کچھوچھوی ان رموز کو اپنے کلام میں کچھ اس طرح پیش فرماتے ہیں۔

زمانے نے ہماری قوت پر واز دیکھی ہے
اچھل کر روند ڈالا سین ہفت آسماں ہم نے
ہمارے جان و دل میں روح عالم رقص کرتی ہے
خود اپنی ہست کو پایا ہے راز کن فکاں ہم
کہاں تک داستاں اپنی سنائیں مختصر یہ ہے
دیا سارے زمانے کو پیام جاوداں ہم
وجود کون و مکاں ہست ِ کائنات سے پوچھ
مری سرشت میں مضمر ہے راز کن فیکوں

عظمت انسانیت سمجھے کوئی ممکن نہیں
خاک کا ذرہ سہی لیکن فلک آغوش ہے
فرشتہ ہوگیا اختر تو کیا ہے
کہو فرزند آدم بن کے آئے

آدمیت وانسانیت ظاہر و باطن کے امتزاج کا نام ہے اگر یہ نہ ہو تو آدمیت ہی نہیں اس خیال کو حضرت اختر یوں بیان فرماتے ہیں :

آدمی کیا ہے آدمیت کیا
حسن سیرت نہیں تو صورت کیا

حقیقت محمدیہ ﷺ صوفیہ کرام کے نزدیک انتہائی نازک ولطیف موضوع ہے۔اس موضوع پر زبان وقلم کو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔چنانچہ حضرت اختر فرماتے ہیں ؎

بس اسی کو ہے ثنائے مصطفیٰ لکھنے کا حق
جس قلم کی روشنائی میں ہو شامل احتیاط

''حقیقت محمدیہ ﷺ پوشیدہ اسرار و موز ہیں جن کا ادراک وعرفان خود خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل نہیں ۔حضرت اختر کچھوچھوی اپنے خطاب زیر عنوان ''حقیقت نورِ محمدی ﷺ'' میں اس فرمان رسالت ﷺ کو بیان فرماتے ہیں:

''یا ابو بکر لم یعرفنی حقیقۃُ غیر ربی ''۔ترجمہ:''اے ابوبکر ! تم محرم اسرار نبوی ضرور ہو' تم مظہر علوم مصطفوی ضرور ہو' مگر میری حقیقت کو تم نے بھی نہیں سمجھا۔حدیث شریف کے الفاظ ''لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی' ' میرے رب کے سوا کسی نے نہیں سمجھا۔

(کتاب: حقیقتِ نور محمدی ﷺ، ص:۲۴)

حقیقت محمدیہ ﷺ جو ایک پنہاں راز ہے حضرت اختر کچھوچھوی نے اپنے کلام میں کہیں کہیں اس راز کی جانب لطیف اشارے کئے ہیں۔اشعار ملاحظہ ہوں ؎

وہ اور ہی تھا جو قوسین پر نظر آیا
ملک تو اپنی حد بال و پر میں رہتے ہیں
نور و بشریٰ مل گئے اور بن گیا نوری بشر

رہ کے پردے میں وہ بے پردہ نظر آنے لگا
اخترؔ یہ راز فہم بشر کیا سمجھ سکے
کیسے مکان زیب دۂ لامکاں ہوا
ادھر نہیں یا اُدھر نہیں ہے نبی کا جلوہ کدھر نہیں ہے
مگر جمال نبی کو دیکھے بشر کی ایسی نظر نہیں ہے
رب کے سوا دیکھا نہ کسی نے فرشی ہوں یا عرشی ہوں
ان کی حقیقت کے چہرے پر پردہ ہی کچھ ایسا ہے

سرکار دو جہاں ﷺ کا ایک خاص مقام لی مع اللہ وقت کا ذکر حضور ﷺ کے لباس حقیقی کے ذکر میں حضرت سید مدنی میاں قبلہ نے اپنے ایک خطاب میں یوں فرمایا ہے:

''لباس حقیقی کے بارے میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ''لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل''۔ترجمہ۔میرے لئے میرے رب کے ساتھ ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہاں ملک مقرب یعنی قریبی فرشتہ کی گنجائش ہے نہ نبی مرسل کی گنجائش ہے۔

(کتاب: حقیقت نور محمدی ﷺ ،ص:۲۵)

اس حدیث شریف کے مفہوم کو حضرت اخترؔ نے یوں شعری جامہ عطا فرمایا ہے ؎

نے نبی کو ملی وسعتِ دم زدن نہ ملک کی زباں کو مجال سخن
لی مع اللہ وقت سے ظاہر ہوا ہے تمہارے لئے ایک وہ آن بھی

اللہ نے حضور اکرم ﷺ کو اپنے قرب خاص میں بلا کر آپ ﷺ کی حقیقت کو آشکار فرمایا۔جس مقام کو ''مقام اوادنیٰ'' کہا جاتا ہے جہاں تمام فاصلے اور دوریاں مٹا دیئے گئے یہ مقام ،مقام تجرید و وحدت تھا جس کا اشارہ حضرت اخترؔ کچھوچھوی نے یوں کیا ؎

قوسین پر وہ نورِ او ادنیٰ میں چھپ گئے
پھر کیا ہوا ہوا جو ہوا کچھ نہ پوچھئے
آبتا دوں تجھ کو میں ارشاد اوادنیٰ کا راز
ان کے ذکر قرب میں لازم ہے کامل احتیاط

اور اسی قرب کو ''فنا فی الحق'' کی اصطلاح کے ساتھ حضرت اخترؔ نے کیا خوب پیش کیا ہے ؎

تو فنا فی الحق ہوا ، پھر کیا ہوا ، میں کیا کہوں
قطرہ دریا میں گیا دریا نظر آنے لگا

نحن اقرب الیه من حبل الورید کا مراقبہ ہر خانقاہ میں تصور قربِ خداوندی کے لئے کرایا جاتا ہے۔ جس میں سالک راہ حق کو قربِ خداوندی کا احساس دلایا جاتا ہے۔ اسی قربت کو حضرت اخترؔ شعری زبان دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

دور اتنا کہ تخیل کی رسائی ہے محال
اور قربت کا یہ عالم کہ رگِ جاں سے قریب

جو میری جان سے زیادہ قریب ہیں مجھ سے
انہیں کو ڈھونڈ رہا ہوں مجھے ہوا کیا ہے

''فراق ووصال'' کی اصطلاح صوفی شعراء کے یہاں اکثر نظر آتی ہے حضرت اخترؔ نے کچھ انوکھے انداز میں اس اصطلاح کو پیش کیا ہے۔ غلاف کعبہ کا رنگ جو فراق محبوب کی وجہ سے سیاہ ہو گیا ہے اس تصور کو یوں پیش کرتے ہیں۔

غلاف کعبہ کہاں گنبد رسول کہاں
فراق میں ہے کہاں رنگ جو وصال میں ہے

اور کہتے ہیں ۔

وصال یار شاید ہو میسر
فراق دائمی نے مار ڈالا

شاعر کی آرزو وجستجوئے محبوب کے لئے عشق کی بڑی راس آتی ہے۔ شعر دیکھئے ۔

کب کوئی آرزو تھی کب کوئی آرزو کی
بس تیری جستجو تھی بس تیری جستجو کی

گر ہے فرازِ عرشِ محبت کی آرزو
آجاؤ چاہ عشق میں اخترؔ اتر چلیں

اول وآخر دیدار ہی کی آرزو سالک کا مدعا ہونا چاہئے کہتے ہیں۔

تری دید اول تری دید آخر

یہی آرزو تھی یہی آرزو ہے

یہ بات مسلمہ ہے کہ ''مجاز زینۂ حقیقت ہے'' پر حضرت اختؔر کہتے ہیں مجاز کی رنگینی میں کھو جانے کے بجائے عاشقی کی راہ اختیار کریں کہتے ہیں ۔

رنگینیِ مجاز حقیقت نما ہوئی
منزل پہ پہونچے سلسلۂ عاشقی سے ہم

''وحدت الوجود'' و ''وحدت الشہود'' کا اشارہ ایک شعر میں حضرت اختؔر یہاں ملاحظہ ہو۔

کوئی لگا رہا ہے صدائے تمام اوست
اور کوئی کہہ رہا ہے ہمہ چیز را دروست

''جلوت وخلوت'' کی عقدہ کشائی و رمز آشنائی کو حضرت اختؔر یوں شعری جامہ عطا فرماتے ہیں۔

یہاں عقدہ کشائی ہے وہاں رمز آشنائی ہے
یہ جلوت ہوتو کیا کہنا وہ خلوت ہو تو کیا کہنا

شمع پر نچھاور ہونے والے پروانوں کی مثال ہمیں درسِ فناء دیتی ہے حضرت اختؔر نے اسی مثال کو یوں پیش کیا۔

کوئی ہے عقل والا جو سمجھا سکے اس میں کیا درس ہے آدمی کیلئے
شمع اپنا کلیجہ جلاتی رہی کیوں کسی اور کی روشنی کے لئے

فناء کے ذریعے ہی حیات جاودانی حاصل ہوتی ہے جس کو صوفیہ ''مقام بقا'' فرماتے ہیں اس تصور کی عکاسی اس شعر میں ملاحظہ ہو۔

کون کہتا ہے ناداں ہیں اہل وفا سیکھ لو ان سے راز فنا و بقا
ہوگئے با خوشی نذر تیغ جا کس لئے دائمی زندگی کے لئے
جو ہو آفاق میں وجہ نور سحر اس کی آمد کو سمجھو نہ آسان تر
سارے تاروں نے خود کو فنا کر دیا ایک خورشید کی زندگی کیلئے

دیدار کی آرزو میں خود کو فنا کر دینا سالک کا مقصد عین ہے کہتے ہیں۔

جمال روئے روشن اللہ اللہ
تری جلوہ گری نے مار ڈالا

حسن کی جلوہ فرمائی تب ہوتی ہے جب عشق کا اظہار بھی اسی دم ہو، حسن اظہارِ عشق ہے اور عشق مظہر حسن ہے دونوں کے اس سنگم کے مختلف مراحل کا ذکر حضرت اختؔر کچھوچھوی کچھ یوں کرتے ہیں۔ دیکھیے ان کے اشعار:

بجا ہے حسن سے آغاز عشق ہے لیکن
ہے عشق ہی کے مقدر میں شیوہ ٔ مجنوں
عشق کی خود رفتگی بھی حسن سے کچھ کم نہیں
ہے مگر اس حسن کے رخسار کا تل احتیاط
عشق برہم حسن سے اور حسن بر ہم عشق سے
آج اختؔر عشق میں اور حسن میں پیکار ہے
کیوں نہ ہو حسن محو نظارہ
آج ہے عشق کی رونمائی ہے

عشق قربانی چاہتا ہے عشق کا کمال یہ ہے کہ بے خطر نار میں کود پڑتا ہے اور آہ بھی نہیں کرتا بقول علامہ اقبالؔ ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوہ تماشائے لب بام ا بھی

راہ عشق بڑی پُر خطر راہ ہے یہ دل لگی نہیں ہے اس راہِ پُر خطر کا ذکر حضرت اختؔر پُر کیف انداز میں یوں بیان کرتے ہیں ؎

زمانے نے ہمارے عشق کا انجام دیکھا ہے
کیا ہے آتش نمرود کو بھی گل فشاں ہم نے
یہ مانا عشق کا آغاز آتش زار ہے ساقی
مگر انجام اس کا نازشِ گلزار ہے ساقی
سن اے آلامِ شدائد سے ڈرانے والے
عشق تو کھیلتا ہے ساتھ میں طوفانوں کے

میدان عاشقی میں چلنا سنبھل سنبھل کر
یہ دل لگی تمہاری الزام تک پہونچے
ہزاروں زندگی دیکھا کہ استقبال کو آئیں
بجرم عشق جب شمشیر گزری میری گردن سے
نہیں بازیچۂ طفلاں یہ کارِ عشق بھی اخترؔ
یہاں دیکھے ہیں لٹتے حسرتوں کے کارواں میں نے
سہل نہیں یہ عشق بھی خنجر آبدار ہے
اخترؔ بے خبر کوئی دل لگی دل لگی نہیں

اور آگے عشق کی کیفیات کو حضرت اخترؔ نے یوں ذکر کیا ہے۔

عشق کی اصطلاح میں ہمدم
موت کہتے ہیں مسکرانے کو
آنکھ ہے اشکباریوں کے لئے
دل ہے چوٹوں پہ چوٹ کھانے کو

لہٰذا عشق کا تقاضا یہ ہے کہ لب خاموش ہو جائیں اور دل میں محبوب کی یاد باقی رہے کہتے ہیں۔

عشق کہتے ہیں اسے یہ ہے تقا ضا عشق کا
لب پہ خاموشی رہے اور دل میں ان کی یاد ہو

صوفیانہ شاعری میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ رب العزت کے درمیان ہم کلامی کی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں سے ربی ارنی اور وہاں سے لن ترانی کی صدائے بازگشت کو صوفیانہ خیال کے حامل شعراء نے بڑے لطیف پیرائے میں پیش کیا ہے۔ حضرت اختر کے یہاں بھی عاشق ومعشوق سے ہم کلامی کا مظاہرہ ملتا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

ادھر سے ارنی اور ادھر سے لن ترانی
کہیں اصرار ہے ساقی کہیں انکار ہے ساقی
پیش نظر بھی آئے تو مستور ہوگئے
پوشیدہ گو یا جلوے سر طور ہوگئے

کبھی تازیانہ ُ لن ترا کبھی اذن منّی کا گل کدہ
وہ محبتوں کا چناں چنیں تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدعا جو دیدار الٰہی تھا شب معراج میں اس کا حصول ہوا فرماتے ہیں ؎

جب آئے جلوہ گا ربّ میں موسیٰ ہوگئے بے خود
تبسم تھا لبوں پر جب وہاں خیر البشر آیا

خودی ہی مقصود تصوف ہے بقول حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ''من عرفہ نفسہ فقد عرفہ ربہ'' جس نے خود کو پہچانا اس نے خدا کا عرفان حاصل کیا۔ یعنے عرفان خودی میں معرفت خدا مضمر ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

''خودی کی ماہیت کو جاننا عرفان نفس بھی ہے اور عرفان رب بھی، اور اس عرفان میں یہ واضح ہوجاتا ہے کہ زور خودی سے حیات عالم وابستہ ہے اور ہر انفرادی نفس کی استواری اس کی زندگی کی ضامن ہے۔ جو قطرہ شبنم بنتا ہے وہ ٹپک کر ناپید ہوجاتا ہے۔ لیکن جو قطرہ صدف نشین ہوکر اپنی خودی کو مستحکم کرلیتا ہے وہ گوہر بن جاتا ہے۔'' (فکر اقبال، ص:۲۸۹)

اسی رمز خودی کو حضرت اختر کے کلام میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے: ؎

پر ِ پر واز اس کے ہم نے خود ہی کا ٹ ڈالے ہیں
فلک کو بھی نہیں خاطر میں لاتی تھی خودی اپنی

خودی کے راز سے ہوجا ئے با خبر انساں
تو زیرِ خاک وقار منات ہوجائے

ہو مبارک مری خودی مجھ کو
حسن آیا ہے خود منانے کو

خودی کے ہوش کا کھو جانا ہی بندگی کی حقیقت ہے۔ کہتے ہیں ؎

ایسا جھکے جبیں تر ی اپنی بھی کچھ خبر نہ ہو
جس میں ہو اپنا ہوش وہ بندگی بندگی نہیں
اپنے عقل و ہوش کھونے کا صلہ مل ہی گیا

میرا افسانہ سراپا ان کا افسانہ بنا

یہ تمام مقامات بیعت وارادت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے بیعت کا مقصد اپنی انا کو فنا کرنا ہے حضرت اختؔر نے اسی مقصد بیعت کو یوں پیش کیا ہے۔

توڑنا ہے انانیت کا سبو
اور بیعت ہے کیا ارادت کیا

مرید کی آرزو پیر کے در کی خدمت وچاکری ہی ہوا کرتی ہے پیر کی بیڑی اگر پاؤں میں پڑ جائے تو مرید ہمیشہ محکوم رہنا پسند کرتا ہے ان ہی تصورات کو حضرت اختر بیان کرتے ہیں۔

اپنی خدمت میں بس رکھا کیجئے
اس سے بڑھ کے ہے اجر خدمت کیا؟
ان کی بیڑی ہو اور پاؤں مرے
میں کروں گا بھلا حکومت کیا؟

مرید کی حقیقت کا اظہار پیر کی اپنائیت سے ہوا کرتی ہے شعر دیکھئے۔

آپ کا مجھ پہ ہے کرم ورنہ
بے حقیقت کی ہے حقیقت کیا؟

مرید و پیر میں نگاہوں کی گفتگو ہی کمال گویائی ہے حضرت اختر نے کیا خوب فرمایا۔

اسی کا نا ہے ہمدم کمال گویائی
فقط نگاہوں میں بات ہوجائے

سلوک کی ابتدا شیخ کی ذات میں فنا یعنی ''فنا فی الشیخ'' سے ہوتی ہے اور شیخ کی توجہ خصوصی سے مرید منازل کو طے کرتے ہوئے فنا فی الرسول کے مقام تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ ان مقامات کو حاصل کرنے کے لئے شیخ کو خود اس مقام فنا فی الرسول وفنا فی اللہ کا متحمل ہونا چاہئے تبھی مرید اپنے شیخ میں خدا اور سول کے جلوؤں کو حضرت اختر نے اس رباعی میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

جو تم کو دیکھے خدا کو دیکھے
جو تم کو سمجھے خدا کو سمجھے
جو تم کو چاہے خدا کو چاہے
کہ مرأۃ حسن یار ہو تم

فنافی الرسول کے ذریعے حیات جاودانی کے حصول کی تمنا حضرت اختر کے اس شعر میں دیکھیے : ؎

فنا ہو کے رہ عشق نبی میں
حیات جاو دانی چاہتا ہوں

شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں اختر کچھوچھوی قبلہ کے شعری مجموعے ''تجلیات سخن'' میں موجود کلام میں صوفیانہ عناصر کی کثرت تو نہیں ہے لیکن جو اشعار تصوف کی مختلف اصطلاحات کے ضمن میں ہمیں ملتے ہیں ان میں بڑی معنویت گہرائی و گیرائی اور شاعر کے صوفیانہ مزاج کی ترجمسن ہیں۔

شیخ الاسلام اختؔر کچھو چھوی کی غزل گوئی

——ڈاکٹر کہکشاں تبسم بھاگل پور (بہار)

غزل داخلی صنفِ سخن ہونے کے سبب جو شاعر کے باطنی انکشافات اور اس کے جمالیاتی اظہار کے ایجاز و اختصار سے عبارت ہے۔اردو شاعری میں اس کا ہئیتی اور موضوعاتی روپ فارسی شعری جمال و آداب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔عشق اس کا بنیادی عنصر ہے۔جو ''سمٹے تو دلِ عاشق، پھیلے تو زمانہ ہے''۔حسن پرستی، عاشقی،غم واندوہ کے ساتھ تصوف، دردمندی اور عالم گیر انسانی رواداری جیسی قدریں اس کی خمیر میں شامل ہیں۔زندگی میں اسی کے سبب رنگینیاں اور رعنائیاں ہیں۔صوفیائے کرام کا مسلک بھی یہی جذبۂ عشق رہا ہے کہ مظاہرِ کائنات سے انسلاک اور انسانی تعلقات سے ہوکر یہی جذبہ زینہ بہ زینہ سفر کرتا خالقِ کائنات تک جا پہنچتا ہے۔

حضرت سید محمد مدنی اختؔر کچھوچھوی کی پیدائش ۱۹۳۸ء میں محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی جیلانیؒ کے گھر کچھوچھہ میں ہوئی۔برصغیر میں دینِ اسلام کی ترویج واشاعت میں خانوادۂ اشرفیہ کی گراں قدر خدمات جگ ظاہر ہیں۔اسی خانوادے سے تعلق کے سبب اختؔر کچھوچھوی کو دینی علوم کے ساتھ ساتھ شاعری بھی ورثے میں ملی۔ان کے دادا مولانا حکیم سید نذر اشرفؒ فاضلؔ کچھوچھوی نے داغؔ دہلوی کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔والد محدث اعظم ہند کی شعرگوئی کا نمونہ ان کا مجموعۂ کلام ''فرش پر عرش'' ہے۔اسی شعری وراثت اور روایت کو آگے بڑھاتا ہوا اختؔر کچھوچھوی کی غزلوں اور نظموں پر مشتمل مجموعہ ''پارۂ دل'' ہے جو ۲۰۰۴ء میں منظرِ عام پر آیا جو ان کے تخلیقی شعور اور جمالیاتی خیال آرائی کا اظہاریہ ہے۔عشق ایک فطری جذبہ ہے جس کی آماجگاہ انسانی قلب ہے۔فارسی اور اردو کی شعری روایت میں صنف غزل اس جذبہ کے اظہار کے لئے سب سے موزوں قرار پائی ہے۔

عشق کا پہلا مرحلہ کشش ہے جب دل کو کوئی شدت سے بھا جاتا ہے۔پھر اسی کو سوچنا، اس کے خیال میں محو رہنا اور دنیا سے بے خبر ہو جانا شاعر کی تخلیقی قوتِ متخئیلہ کو راہ دکھاتا

ہے۔اسے اپنے اس جذبہ پرفخر ہوتا ہےتو ایسے اشعار کا وجود لازمی ہے۔:

ناصحا! مت چھیڑ اخترؔ کو بس اپنی راہ لے
نشۂ عشق و محبت اس کے آب و گل میں ہے

سن اے آلامِ شداید سے ڈرانے والے
عشق تو کھیلتا ہے ساتھ میں طوفانوں کے

قیس و فرہاد نے کھول کر رکھ دیا عشق آساں نہیں ہر کسی کے لئے
دل لگی کو نہ سمجھے کوئی دل لگی دل بڑا چاہئے دل لگی کے لئے

بجا ہے حسن سے آغاز عشق ہے لیکن
ہے عشق ہی کے مقدر میں شیوۂ مجنوں

حسن کی کشش ہی جذبۂ عشق دل میں پیدا کرتی ہےتو شاعر کو عاشق ہونے اور شیوۂ مجنوں اختیار کرنے کا فخر و انبساط بھی بخشتی ہے۔تخئیل کی اڑان مختلف انداز سے محبوب کی قامت، گیسو، نگاہ اور ادائے خرام کو اشعار کے دلکش پیرہن عطا کرتی ہے۔حسن کی جلوہ گری اور شاعر کی خیال رائی کے سبب شعر میں اثر انگیزی پیدا ہوتی ہے۔اخترؔ کی پروازِ تخئیل کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

دلِ عشق آفریں سے ہے مقام حسن کی رفعت
کیا نظروں میں تجھ کو آسماں اے جانِ جاں میں نے

اتنا مجھ پہ کرم آپ فرمایئے سامنے بے حجابانہ مت آیئے
ورنہ پیمان ہائے شکیب وسکوں آپ کو دیکھتے ہی ابل جائیں گے

دیکھ کر قامتِ زیبا کو قیامت بولی
اب نہیں میری ضرورت مجھے آواز نہ دو

کوئی میرے دل سے پوچھے کہ یہ حسن کیا بلا ہے
یہ خرامِ حشر ساماں یہ ادائے کافرانہ

نہیں بازیچۂ طفلاں یہ کارِ عشق بھی اخترؔ
یہاں دیکھے ہیں لٹتے حسرتوں کے کارواں میں نے

اخترؔ کے نزدیک کارِ عشق بچّوں کا کھیل نہیں کیوں کہ اس مشغلہ میں دل چوٹ پہ چوٹ کھاتا ہے پھر بھی تصورِ محبوب سے باز نہیں آتا۔ وہ دل کی روداد کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

نظر کا چار ہونا تھا نگاہِ ناز سے اخترؔ
مرے ننھے سے دل کا میرے پہلو میں سماں بدلا

نہ پہلو میں میرے نہ زلفوں میں ان کی
خدا جانے کس جا دلِ معتبر ہے

روتا ہے نہ ہنستا ہے سنتا نہ بہلتا ہے
طفلِ دلِ ناداں بھی کیا خوب بہلتا ہے

شگفتہ ہے مرا زخمِ جگر آزار ِ جاناں سے
دلِ شوریدہ بھی اس کے تغافل کی نشانی ہے

اردو غزل کی تاریخ محبوب کے حسن و جمال کا رمزیہ بیان ہے۔ بالخصوص نگاہِ ناز کی

کرشمہ سازیاں اور زلفِ مشک بو کی اٹھکھیلیاں شاعر کے جذبات واحساسات کو مہمیز کرتی ہیں۔ اختؔر نے بھی ان کی ادائے کافرانہ کو دل نشین انداز میں اپنے اشعار میں یوں پیش کیا ہے:

ان کی آنکھوں کو نہ تعبیر کرو آنکھوں سے
سچ جو پوچھو تو نظر آتے ہیں مئے خانے دو

وہ بھی جو ہوسکے نہ خرابِ شرابِ ناب
تیری نگاہِ مست سے مخمور ہو گئے

جس طرف اٹھ گئیں قسمتیں پھر گئیں
تیری آنکھیں بھی ہیں ایک جادو لئے

نگاہِ شوق کی غارت گری کا یہ کرشمہ ہے
اجڑتا ہے دلِ صد چاک جب آباد ہوتا ہے

اور ذرا اب گیسوئے مشک بو کی حشر سامانی ملاحظہ ہو:

کہہ رہی ہے رخ پہ یہ بکھری ہوئی زلفِ حسیں
ابر کے پیچھے کوئی برقِ تپاں روپوش ہے

کیوں دیکھتی صبا ان پھولوں کی شوخیوں کو
لائی مہک اڑا کے گیسو ئے مشک بو کی

سوادِ گیسوئے پرخم بھی لا جواب نہیں
خوشا نصیب کہ میں بھی سیاہ قسمت ہوں

میرے افکارِ پریشاں کا کوئی دوش نہیں
ان کی زلفوں نے سکھایا ہے پریشاں ہونا

سوادِ زلف میں خوابیدہ دل نہ جاگ اٹھے
چلے ہیں آج وہ کرنے سنگار کیا ہوگا

اختؔر کے نزدیک محبوب کے سامنے لفظوں میں عرضِ حال بیان کرنا بڑی بات نہیں بلکہ گویائی کا کمال یہ ہے کہ آنکھیں حکایاتِ دل کا اظہار کریں اور خموشی ہی گفتگو ہو جائے۔ لیکن وہ ستم گر محبوب کے تجاہل سے بھی خوب واقف ہیں اس لیے اپنے احساس وفکر کو کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ:

وہ بے زبانیوں کو آخر سمجھ نہ پائے
تو ہین ہو گئی ہے خاموش گفتگو کی

اسی کا نام ہے ہمدم کمالِ گویائی
فقط نگاہوں میں بات ہو جائے

درج بالا اشعار سے یہ بہ آسانی معلوم ہوتا ہے کہ اختؔر کچھوچھوی کی غزلیں ان کی شوخیٔ طبع کی دلکش عکاسی کرتی ہیں۔ ان میں عشق کے ابتدائی مرحلے یعنی کششِ حسن کا بیان بڑے سنبھلے ہوئے انداز میں ملتا ہے۔ یہ اس عمر کے محسوسات ہیں جب فطری انداز سے یہ چیزیں درک وفہم کا حصہ بنتی ہیں اور دل کے تاروں کو مرتعش کرتی ہیں۔ اشعار میں رومانیت کی سبک لہریں اپنے ادائے خرام سے دل کو چھو لیتی ہیں۔ ان کا اہم شاعرانہ وصف ان کی فصیح البیانی ہے۔ عام فہم مترنم الفاظ و محاورات اور ان کا سہل بیانیہ سادگی اور دل پزیری سے بھرپور ہے۔ انہوں نے روایتی بوجھل تشبیہات و علامات سے گریز کرتے ہوئے رواں، غنائی اور پر آہنگ الفاظ سے اپنا اسلوب سنوارا ہے۔ ان کے طرزِ بیان کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

مجھے مرتے مرتے ملی زندگانی
نگاہِ محبت بڑی کار گر ہے

کیا ادائے نگاہِ ساقی ہے
فرش پہ گر کے جام ٹوٹ گیا

تیرے ستم پہ تجھ کو دعا دوں
دیکھ مرا ارمان ہے کیسا

دل کی دنیا اجاڑنے والے
آج آئے ہیں دل لگانے کو

آنکھ ہے اشک باریوں میں گم
دل ہے چوٹوں پہ چوٹ کھانے کو

یاد ہے صحنِ چمن میں ترا خنداں ہونا
اور پھولوں کا وہ انگشت بہ دنداں ہونا

وہ دیکھ نہیں سکتے آنسو مری آنکھوں میں
شعلے کا جگر گویا شبنم سے دہلتا ہے

غرورِ حسن کے اختؔر حواس اڑ جاتے
جو میرا آئینۂ دل وہ رو برو کرتے

مجموعی اعتبار سے ’’پارۂ دل‘‘ اختؔر کے ابتدائی مشقِ سخن کا نمونہ ہے۔ حسن و عشق کے مضامین اردو شاعری کی طویل تاریخ کا گراں بہا سرمایہ ہیں جس کو ہزاروں شعراء اب تک اپنے تصرف میں لاکر مشقِ سخن کرتے رہے ہیں لیکن ہنرمندی کا کمال یہ ہے کہ ان کو نئے رنگ میں اس

طرح پیش کرنا کہ شاعر کی اپنی شناخت اجاگر ہو۔ایک غزل گو کے اعتبار سے اختؔر کچھوچھوی کی کاوشیں لائقِ تحسین ہیں۔ان کے یہاں نہ صرف قدیم شعری روایت کا عرفان موجود ہے بلکہ تخلیقی شعوراور گہری شاعرانہ بصیرت کی جلوہ نمائی بھی قابلِ ستائش ہے۔

من مرافق الحياة لشيخ الاسلام

——— اعداد:محمد قمرعارف اشرفی ازهری

فـی سیرة العظماء عبرة لمن یرید أن یکون عظیما فی علمه أو فی شرفه وسـمـو هـمـمه أو فی المسارعة الی عمل الخیر مااستطاع.فأعرض علی حضرات السـامـعیـن والـقـارئیـن والـمشـاهـدیـن صـفحة من صفحات حیاة شخص مستقل الـفـکـر،جـریئی فی قول الحق،وهو أول من تجرأ علی القضایا المعاصرة الفقهیة بین أقرانه فألف فی أکثر الفنون المعروفة من الفقه والتفسیر وغیرها،وعدت کتبه فی هذا الـصـدد مـن أمهــات الـکتــب الـمـفیـدة الـمشهـورة.ولـذا اشــادالـمعـاصـرون بذکره،واطنبوافی مدحه والثناء علیه.

مـولـده:انـه قـدولد وفتح عینیه فی سنة ١٣٥٧ من الهجرة الموافقة بسنة ١٩٣٧من الـمیـلاد فـی جـو عـلـمـی ثقافی نظیف متطهر متجنب من الرجس والاوثان.فالتقی بـالـحبـور والحنون لجمیع اعضاء أسرته من الرجال والنساء وقطع اشواطا من عمره البـدائـی فـی هـذاالاطـارالـجـمیـل وأنیـقـه حتـی بلغ الی أن یشتغل بتحصیل العلوم الالهیةوالنبویة.

اسـمـه ولـقبـه:السیـد مـحمد مدنی الاشرف الاشرفی الجیلانی،شیخ الاسلام،حجة الاسلام،رئیس المحققین،فقیه العصر.

نسبه:یصل نسبه من جهة أبویه الی صهر الرسول وبنته صلی الله علیه وسلم.

نشـأتـه:قـد شـب شیـخ الاسـلام فی "کشوشة"قریة من قری مدیریة امبیدکر نغر من ولایة اتـرا بـرادیـش الـوا قعة علی بعد مأتین کیلو متر من عاصمة اترا برادیش .وتلقی الـعـلـم فـی بدایة امره فی عام ١٩٤١م علی کثیر من الشیوخ والأساتذة فی مد رسة "جـامـعة اشرفیة"فی قریته المعروفة المقدسة."جامعة اشرفیة"هی نفس الجامعة التی

تـكـون حتـى الان بـأوسـع شـكـل فى مباركفور اعظم جراه. وقام بارسائها الحجر الاسـاسـى الصوفى العارف الداعى الشاعر المرشد العلامة الشيخ السيد على حسين الاشـرفـى الـجيـلانـى الـمـجـدد فـى عـصـره وأوانـه المعروف بــ "هـم شبيـه غوث اعظم" رحمه الله رحمة واسعة الذى كان جد أبيه.

فـارتـحـل الى هذه المؤسسة الدينية والثقافة المتعددة المعروفة بـ"الجامعة الأشرفية مـصبـاح الـعـلـوم اعـظم جراه" والتحق بهافى سنة ١٩٥١م ومكث بها أربع سنوات وصرف همته فى طلب العلم فلازم عديدا من الشيوخ الى أمد بعيد وأخذ عنهم علما جـمـا وشـارك فـى جـمـيـع الـعـلـوم الاسـلامية واستـمـر فيـه الى أن توفى والده فى سـنة ١٩٦١ مـن الـمـيـلاد الـذى كـان مـولـعا بجمع كتب التفسير والحديث والفقه ومتبـحـرا فيهـا فـاهتـم بـه منذصغره بل كان أبوه صارما فى تربية ابنه وعاقبه العقاب الشـديـد عـلى الخطاء اليسير وفرض عليه برنامجا شاقا فى تلقى دروسه وعوّده على الـقـرأة والا طـلاع والبحث عن الأسرار والغوامض والدقائق العلمية والفنية فنبغ فى أصـول الدين وتخرج فى الجامعة المذكورة اعلاه فى عام١٩٦٣ من الميلاد حاصلا عـلـى شهـادة الـفضيلة بتقدير الدرجة الممتازة. وظهر نبوغه فى التعرف على دقائق الاستـنبـاط، والتـضـلع فى الفقه على المذهب الحنفى. والتفرد بالتفسير، والتعمق فى الـحديث بين الأوساط العلمية فى أقرب وقت وصار من الأعلام المشار اليهم بالبنان بين أيدى رجال العلم والفن.

فذاك هوالشيخ المعظم قدره عليم بأحكام الحرام من الحل

عليم بأحكام الشريعة ظاهرا ويبحث عن علم الحقيقة عن اصل

شـغـفـه بـالعلم: بدأ الشيخ حياته العلمية من مسقط رأسه، وسمع من بعض أكابره "لا تـنـم غـافـلا فـان النوم حرام على قائد القوم" فأكبّ فى حصول العلم وصار برحلاته الـعـلـمية والـفـنية والـكسبية غزيرالعلم، كبيرالهمة، بعيدالنظر وتصدى للافتاء بمسألة الـفـيـديـو والتـلـفـازمـحـاربـا التقليدالاعمى وناعيا على فاعليه وموجبا الاجتهاد فى الـقـضـايا الفروعية على قادره وقدم الى جلة الباحثين تحقيقاته العلمية الطريفة حول الـمـوضـوع "الـفـيـديـو والتـلـفـاز واستـخـدامهـا فـى اطـار الشرع" فاعترفوا جميعا

بهـذاالتـحقيق بل شجعوه عليه واحسنوها. فبالجملة هو قليل النظير وفريد الأوان فى أمـوره وأحـوالـه والـغـالـب عـليـه العلم والفضل والخير والصلاح وحسن الأخلاق ودمث العادات وغيرها من محاسن الحياة.

حـزمـه:الـوقت نفيس ومن لا يقدر قيمته فقديصرف جانبامنه فى لهو أو عمل لأياتى بثـمـره،والـرجـل الـحــازم مـن يـحـرص عـلـى أن لايـذهب شىء من وقتـه فى غير جـدوى،فيـحـرص على أن يقوم بكل عمل فى وقته اللائق به ويقول :ان تاخير بعض الاعـمـال عـن وقتهـا ايثـارا للراحة يوقع الناس فى التخلف والغيار،حيث يكون لكل وقت من الاوقات الآتية عمل يختص به ولايسع ذلك الوقت غيره. ومن حزم الشيخ أنـه لا يؤخر عمل يومه الى غده،ولا يتساهل فى أى نشاط من نشاطاته العلمية والثقا فية والـدعوية والاصلاحية،ولا يتغافل عن التضرع والالحاح والانابة الى الله فى يوم من الايام وفى حال من الاحوال.

بيعته وخلافته:

قـد بـايـع شيـخ الاسـلام بيـد خـالـه الـحـقيـقـى مخدوم المشـايخ،قدوة السـالـكيـن،سـمـاحة الـعـلامة السيـد الشـاه محمد مختار اشرف الاشرفى الـجيلانى رحمه الله رحمة واسعة(١٣٣٣/١٩١٤ - ١٤١٧/١٩٩٦)وقد تـم هـذا الـجـوالـروحـى لـلبيـعة والارشـاد فـى واحد وستين وتسعمائة بعد الألف(١٩٦١).

يـقـول شيـخ الاسـلام عـن شيخه المرشد أننى ذقت من نبيل شمائله وجليل خـصائله ما تغبطه عليه الدنيا،فهو شديد البهجة بيوم لقائه وحريص على متابعته حتى مـمـاته وسخى الدمعة على يوم فراقه لأنه اكتسب منه مالا يكتسب فى أى حلقة من حـلـقـات الـدرس،فمن ثم حصلت له اشارات أهل القلوب ودقائق أصحاب المعرفة ولـطـائف رجـال التـصـوف حتـى بـلـغ فيهـا الى قمة السلوك وذروته فمنحه الشيخ الخلافة والا جازة فى الطرق المختلفة.

زواجـه:امتثـالا بسـنة الـنبـى صـلى الله عليه وسلم قد تزوج ببنت صالحة كان أبوها السيـد اختـر حسيـن(غـفـرالـله له)فى قرية "دوست فور"من مديرية"سلطان فور"من ولاية اتـرا بـراديش فى ستة وعشرين من شعبان المعظم سنة أربع وثمانين وثلث مائة

بـعـد الألف مـن الـهـجـرـة الـمـوافق بسبع وعشرين من ديسمبر فى عام اربع وستين وتسعـمـائة بـعـد الألف مـن الـميـلاد حيث اشترك فى عقده النكاح عدد وجيه من العلماء والمثقفين وغيرهم والقى الشيخ الاكبر مخدوم المشايخ السيد مختار اشرف الاشرفى الجيلانى(اسكنه الله فسيح جناته)بخطبة النكاح فبعد أن تم هذاالعقد قضى حيـاتــه الـزواجية لـكـن لـم تـنـجـب زوجتـه أحدا من الذكور والاناث حتى وافتها المنية(غفرالله لها)

اسـاتذته:انه قد نهل الماء العذب وشرب كأس العلوم المتداولة والفنون المتنوعة من حـانـوت مـجـمـوعة مـن الشيـوخ الأجـلاء والأساتذة الأتقياء وعلى رأسهم هؤلاء المتفوقون.

(١)والـده الـحـنـون فـضيلة الشيخ السيد محمداشرف المعروف ب"محدث اعظم هـنـد"(٢)شـمـس العلماء فضيلة العلامة القاضى شمس الدين جونفورى(٣)جلالة الـعـلـم حـافـظ الـمـلة والـديـن فضيلة العلامة عبدالعزيز مرادابادى(٤)صدرالصدور سـمـاحة الـفـضيـلة الشيـخ غلام جيلانى الاعظمى(٥)فضيلة الشيخ عبد المصطفى الاعــظــمــى(٦)فـضيــلة الـعــلامة فــى الـعـلـوم الـعـقـلية الشيـخ عبـدالـرؤف البـليـاوى(٧)بحرالعلوم فضيلة العلامة المفتى عبدالمنان الاعظمى(٨)مفكرالاسلام الأديـب الأريـب الشيخ مظفر حسن ظفر اديبى(٩)فضيلة الشيخ السيد شمس الحق الاعظمى

(١٠)سـمـاحة الـفـضيـلة الشيـخ السيـد حـامد اشرف الاشرفى الجيلانى المعروف ب"اشـرف العلماء"(١١)شيخ القراء فضيلة العلامة محمد يحيى الاعظمى(رحمهم الله وتغمدهم برحمته الكثيفة وغفرانه الواسعة).

مـؤلـفـاتـه:ان فـى مـؤلـفـاتـه والـله لعلما،وان فيها لجديدامن الفكر المحرك للوعى والمثيربالشعور والوجدان،فامتازت كتبه بدقة التعبير وعمق التحليل والتعليل مع ميله الـى سهـولة الـلـفـظ وبـعـد عـن التعقيد والغموض فألف حوالى عشرين كتابا وقام بـالتـرجـمة والتـحـقيق والتخريج فى كثير من الكتب والرسائل البالية كما شارك مع الاخرين فى تأليف وتحقيق عديد من الكتب والرسائل أيضا.

ويـجـدربـنـا أن اشيـرالـى خـدمـاته فى علم التفسيرفمما يشهد بجلالة قدره فى علم التـفسير كتاب اسمه "سيد التفاسير المعروف بـ تفسير اشرفى"الذى هو أحدالكتب المشهورة من التفاسير الأردوية،وقد تم تأليفه فى أقل وقت مع الرغم أنه يحتوى على عـديـد مـن الـمـجـلـدات الـضـخـمة التـى جـمـعهـا من أكثر من خمسين كتابا أو فـصـاعـداقـديـما وحديثا ورتبها احسن ترتيب ونظمها احسن تنظيم.فلما أتم تأليفه عـرضـه على العلماء المعاصرين فا ستحسن كل واحد منهم حتى قال قائل منهم"قد وجدت هذاالتفسير على منهج الجلالين"فى سهولة تناوله،وتلخيص تفاسيره،وبراعة تـأليـفه واعتنائه بتهذيبه فى هذاالكتاب المبارك.وما عدا هذا قد صنف شيخ الاسلام كتبا قيمة اربت على العشرين كتابا وتنوعت هذه الكتب بين الفقه والتفسير والسيرة والـمـناظرة والمباحث والفتاوى والديوان،فاخترت منها عديدا ووضعت لها فهرسا بأسمائها حسب مايلى.

(١)مسـئـلة حـاضـر ونـاظـر(٢)اسلام كا تصور اله اورمودودى صاحب(٣)فريضۂ دعـوت وتبـليـغ(٤)اسـلام كا نظريۂ عبادت اور مودودى صاحب (٥)دين واقامت ديـن(٦)اشتـراكيـت(٧)اسلام كا نظريۂ ختم نبوت اور تحذيرالناس(٨)كنزالايمان اور ديـگـر تـراجـم قـرآن كـا تـقـابـلـى مـطـالـعة(٩)تـفهيم الحديث شرح مشكوة شـــريف(١٠)خـــطبـــات بـــريـطـــانية(١١)ويـڈيـو اور ٹـــى وى كـــا شـــرعـــى استـعـمـال(١٢)مـحبـت رسـول شـرط ايـمـان(١٣)مسـلـم پرسنل لاء يا اسلامك لاء(١٤)كتـابـت نسـواں اور عصرى تقاضے(١٥)رسول اكرم صلى الله عليه وسلم كـے تشـريعى اختيارات(١٦)تعليم دين وتصديق جبرائيل امين(١٧)تحريك دعوت اسـلامـى(١٨)تجليات سخن(١٩)انما الاعمال بالنيات حديث نيت كى محققانه تشريح(٢٠)شرح التحقيق البارع فى حقوق الشارع.

مـكانته بين أهل العلم:لا غروأن شيخنا أحد العلماء الشامخين،والأعلام البارزين فـى الـبـحـث والتـحـقـيـق والسيـرة والتـاريـخ والـفـقــه والتفسير على طرازالباحثين والـمـؤرخيـن الســابـقيـن،ولا جــرم أنــه مـن أفـذاذالــرجــال فـى هذاالـزمن،ومن كبـارالـمسـاهـميـن فـى اعـدادطائفة من الباحثين،وثلة من المحققين ومجموعة من

المصلحين فى أقطار الهند وغيرها.
وانّ معظم العلماء والأكابر فى شبه القارة الهندية يعترفون بالمقدورات والانتاجات العلمية لشيخ الاسلام ويعربون عن أرائهم ويقولون كلمات تقديرهم عنه.ومن أبرزهم كثيرون لكن أنا أكتفى بهذين الجليلين فقط.

(١)يقول الشيخ سعيداحمد كاظمى:ان شيخ الاسلام كثير الفضل حسباوسريع الادراك علما وقد اعطاه الله تعالى اليد الطولى فى حسن التصنيف والتأليف مع جودة العبارة وسهولة الالفاظ والمعانى وصيره حجة وبرهانا فهو يليق با ن يدعى بـ"رئيس المحققين والمتكلمين".

(٢)ويقول الشيخ تابش منشا قصورى:انه هوالفرد الفريد فى هذاالزمن لانه يحل اعضل المسائل بكل سهولة ويسر ويفك عقداعقدالمسائل بأسرع وقت دون اى تأخير. فجملة القول أن شيخ الاسلام ينتمى الى الأسرة العتيقةالشريفة التى انجبت كثيرامن اللألى والمراجين والأفذاذ والأعلام من رجال الدين والدعوة والاصلاح والارشاد ونورت ظلام الجهل وانقذت من كان يتيه فى غياهب الضلال والكفر فكأن الشيخ يقول معتزابمأثرهم العلمية والدعوية.

أولئك آبائى فجئنى بمثلهم   اذاجمعتنايا جريرالمجامع

AZMATE EHLE-BEITH AUR SHIKH-UL-ISLAM KI HAYATH-PER-EK-TAERANA NAZAR.

[VIRTUE OF AHLE-BAITH and glimpses on life of shaikh-ul-Islam]

Biradarane Millath,

First of all, my infinite thanks to Allahu-taela and my all prayers and favours be on his prophet Muhammed -Mustafa (peace be uponhim) who is the most beautiful and most superior of all in-every respect, and all of those, who love him and follow him.

Aziza-ne-Girami, I have narrated this article (Maqala) as per will and wish of Janabewala Sayed Muneer pasha saheb, one who is the founder of Tahreek-e-Bazme-Basheban, and of Faizan-e-Basheban- trust and the dearest Khalifa of shaikh-ul-Islam Hazrath syed Md.Madani- Miyan saheb and one who is the organizer of this magnificent Noorani -&- Irfani function. i.e. Three Day All India level Conference at Belgaum (Karnataka)

There is something in life which is noble and more & more- Supreme, than fame and wealth, and this something is Divine-Love" i.e. ISHQ-E-RASUL and

EMAN", that invokes fame and Wealth.

Secondly I wish to say as you all know that HOLY-QURAN STARTS (Begins) with "Bismilla-hir -rahama-Nirrahi-M", which means in the name of Allah 'THE -COMPASSIONATE- and MERCIFUL". Compassionate is the highest manifestation of love. Love is the essence of evaluation and it is also the essence of religion.

This divine path has been always followed by the Ehle-Beith and Auliye-kamileen (sufiya-e- Kiram).

Biradarane-Millath, the prophet of Allah (peace-be-upon him) delivered his last sermon.

"O Men Listen well to my words, for I do not know, whether I shall meet you again on such occasion in the future--------.

Further prophet of Allah said that, O'-men and ponder my words, which now convey to you --------- **'veriely I am leaving with you, too weighty (Valuable) things of Allah-o-taela. The Book of Allah, i.e. Holy-Quran and my "Ahle-Baith, i.e. decedents.** So long as you attach your selves to them (and if you follow them) you will never go astray after me.

These two shall never part from one another, until they reach me the Houz (Al-Kousar)".

Biradaram-e-Aziz; today also the hope of

salvation for Moslem's, who are - so-destitute from this whirl -pool of aberration is in the ship of the sons of the Best of Mankind.

It is declared in a Hadithsharif that "My Ahle Baith are like, Hazrath Noah's (Alaihi-ss-alam)- ship. Those, who take refuge- in them, will be saved.

Be-remember, Hazrath Ali, (R.A.), Hazaath Bibi-Fatima (R.A.) and their children, i.e. Hazrath Imame Hasan (Alaihi-ssalam) and Hazrath Imame -Hussain (Alaihi-ssalam) and all their descendents are called as Ehle-Beith.

Azizane Millath, it is well known by you all that, "Hurting our prophet (peace be upon him) and Hazrath Imame Hasan Alai-salam and Hazrath Imame-Hussain (Alai-asslam) is like hurting him. (Sallallahu Alaihi wa sallam).

Further prophet of Allah, declared that "Fear Allahu-taela in hurting my "Aal. After me do not think of them as evil."

"He, who loves them(i.e. Ahle-Baith) Loves them because of me". He who bears hostility against them has born hostility- against- me". and "He, who hurts me, has hurts Allahutala and Allah, will torment him for this."

Further, I wish to state that Alla-Taela declares-in-the holy Quran "Curse upon those, who torture Allahu

taela and his prophet(peace be upon him) in this and the next worlds".

Biradarne-Millath, since we love prophet of Allah, we should love them all. For he said, "He who loves them does so for he loves me. and who is their enemy is so far, he is my enemy".

i.e. Loving of Ahle-Baith, is loving me and hostility against them is hostility against me".

Besides this here I wish to point out that some of our superiors have said that prophet of Allah, linked the Asahab e Kiram "to starts". He who follows the star will find the way and linked the Ahale-Baith to the "Ship". For he who is on the board. The ship should advance under guidance of 'Stars'. The ship will not get to the shore if it does not follow the stars".

As The Imam e Ahle Sunnat says

Ahle sunnat ka hai beda par Ashaab e Rasool
Najam hain Aur Naau hai itrat Rasoolullah ki

As it is seen, since both the ship (i.e. Ahle-Baith) and the stars (i.e, As habe kiram) are indispensable for being saved. It is quite necessary to love and respect all of the "As habe-Kiram" as well as all of the Ahle Baith".

The dislike one of them means to dislike all. For

all of them have the virtue of having been honoured, with the company of the Best of mankind. and the virtue of the company which is called "Sohbat" is superior to all - Virtues.(Quran Says "Ya Ayyuhal Lazeena Aamanu Ttaqullaha Wa Kunu Maa Sadiqeen")

Biradarane Millath it is my pleasure to point out that, the Eminent personality, who is the key of this function, shaikh-ul-Islam Hazrath syed Muhammed Madani miyan belongs to "Aale-Rasool and he is one of the descendent of peerane-peer Hazrath Gousal-Azam-Dastgir (Razi-yallahu-Taela -Anhu). It is also learnt that he is the deciple of silsila-chistiya and Qadariya also.

Silsila e Qadriya :- This silsila-e- Qadariya was found by "Gousul Azam" Al-qutubal-azam peeranepeer-Dastgir, Hazrath Syed Abdul qadir Jeelani (may his soul be sanctified) [470-561 Al-Hijri] of Bagdad Sharif (Iraq). This silsila has been spread not only in India and far and wide in the entire world through number of great sufi saints. A few names of famous deciples of this order are, Hazrath Shaikh Mohiyuddin- Ibne Arabi (R.A), Shaikh sadruddin Bin Ishaq Qunniya)RA),Shaikh Mir Miyan mir (RA), Hazrath shah Nematullah (RA) & Hazrath Syed- Yusuf Haji Al Hurmain , Al maruf Sayed Ruknuddin Tola (RA), Shaikh

Maqdum Muhammed Jeelani (RA), and Hazrath Shaikh Abdul Haq Muheddis Dehlavi (RA), etc............. etc............

They all were worked among the downtrodden people, and spent their life in service of helpless and the poor people, without colour, caste, creed & community They spread the message of humanity, equality, Brotherhood, Love and kindness etc.

The sufi- saints of this silsila e Qadariya , Lead a simple and pious life. These sufisaints are Libral in out-look, rejected political -support, and social -support. Even-today they lived in poverty.

The followers of this Qadri silsila, generally, were green Amama (turbans). This Qadri silsila preserved the true meaning of Islamic-sufism, through these centuries and till -today.

SiLsiLa-e-chistitya :- Similarly this silsila was founded by Hazrath Khawja Abu Ishaq sami chisti (R.A.) in Herath. It was popularized and spread in India, by Hazrath khwaja, Ghareeb-Nawaz, syed Moinuddin chisti -sanjari (R.A.) [527-633 Al Hijri.]

He too worked among the down trodden people and spent his life in -service of the helpless and poor -people without colour, caste, cread and community. His view was that, the greatest form of devotion to Allah

consisted in service of humanity. He won great popularity and even today his Holy-Shrine (Dargasharif) at Ajmer-sharif, attracts everyday -thousands of, and every year lakhs of, Zayareens (i.e. piligrims).

By this virtues and human teachings, he attracted many followers, including, the Hindu, Sikhs Jains Christians etc. He made the chisthi -Order popularized in India. A few names of famous deciples of this order, are, Hazrath Khawja Kutbuddin Bakthiyar kaki (R.A.) [505-633 Al-Hijri] Hazarath khwaja Fariduddin Masuood Ganj-e-shaker (R.A.) (1175-1265 A.D). Pak-Pattan Pakistan).

Hazrath khwaja Nizamuddin Auliya, Mahboobe-Ilahi (R.A.) Delhi[1236-1325 A.D] Hazrath Khwaja Alauddin Ali-Ahmed- sabir (RA) Kaliyar -sharif [608-679 Al Hijri] Hazarth sheikh Nasiruddin chirag - e - (R.A.) Delhi, Hazrath khwja saleem chisthi (R.A.) (Fathepursikri) Hazrath khwaja syed Muhammed Gesudaraz, Banda nawaz (R.A.) Gulbarga Sharif [1320-1422 A.D.] and Hazrath Mir-Maqdum Seyed Ashraf Jahangir Samnani (R.A.) Kichucha-Sharif (720-810 Al Hijri) etc.......

Kachuchai-sharif -A Holy-Place..

Kachucha-sharif is a religious (Islamic) centre of sufism; where thousands of piligrims assemlded from far and near. The Holy Shrine (Darga -Sharif) of Hazrath

Mir-Maqdum syed Ashraf-Jahangir Samnani (R.A.) and Hazrath Syed Abdul-Razzak-Noor-ul Aiyn (R.A.) and Khanqah of this silsil-e-Ashrafiya were -set a very high example of morality and decipline and kept social equili11brium in society.

GLIMPSES ON LIFE -OF -SHAIKHUL-ISLAM

Syed Muhammad Madani Ashrafi Al Jilani, popularly known as Sheikh -ul-Islam, was born in 1938 A.D. August 28 i.e. on 1st Rajjab-ul-Murjjab- 1357 AL -Hijri, at Kachucha-sharif in the district of Faizabad in Uttarpradesh He is the son of Allama Syed Muhammed (Ashrafi-Al jilani) who is well known as Muhaddis-e-Azam-e-Hind, His mother Syeda Fatima, daughter of Moulana Syed Ahmed Ashrfi Al-jilani.His Grand Father was Hazrath Allama Syed Nazar Ashraf (Ashrafi Al Jilani) a noble personality. Syed Muhammed Madanimiya belongs to a Syed and Sadath family. He is one of the descendent of Hazrath Sayed Gousal-Agam Dastagir (Rahamtulla Alai) His ancestors came from Iraq. His father was a reputed person. He was a great -scholar and a famous "Aalim -e-deen". He took all care of the Education of his-son . syed Muhammed Madani miyan was a brilliant student. After completing his education in Jamia Ashrafiya, at Kachucha -Sharif, he was admitted in Dar-ul-Uloom Ashrafiya, Mubarakpur

Azam Gadh, where he studied, Fiq, Hadith, Literture in Arabi, Persian and in Urdu. He has also studied the Islamic philosophy and science etc.

Shaikh-ul-Islam Sayed Muhammed Madani -miya has Sought the spiritual guidance and blessings of Allama-AL- Haj shah sayed Mukthar Ashrafi-al-jilani (His maternal uncle) and of syed Ahmed Ashraf Ashrafi Al-jilani (His Maternal Grand father), and also of Muhaddis-e-Azam-e-Hind. (Belovedfather).This spiritual silsila has been transmitted systematically ; till -today.

As I feel, in this silsila also it is quite essential that, every deciple, should learn self purification and perfection of mind and soul, from his Murshid (Peer) to control the Nafs, So-as to find it easy to walk on the path of Divine -pleasure.

It is also learnt that, Syed Muhammed Madani miyan popularly known as Shaikh-ul-Islam, is living a very simple life. His wants are very few. His whole life can be summed -up in the word, "devotion"

Shaikh-ul-Islam, through -out his life, has delivered religious and moral speeches, in -different places of India and abroad. He has been received every where with great -honour. His name and fame spread far & wide, in the country and abroad. He compromised between Shariyath (Law) and Tariqath (Reason) and

preached spiritual Love towards Allah, He always spent, most of his time in prayers.

He is a very -pious -man.

Syed Muhammed Madanimiyan has also devoted his time to writhing. He has made great and valuable contribution to the field of Muslim -Adab/ Literature/ culture/and religion.

Some of his popularly known works are;

Tafihimul- Hadith/Sharh e Miskath-Sharif

Islam-ka-Nazriya-e-Khatme-Nubuwwath/Tah-zi-runnas/ Khutubate Bartaniya /Masaele Hazir-wa-nazir /Mohabb ate Rasul (Peace be upon him) /Ruhe -Iman/Tali me-Deen -wa Tasdiq -jbraile-Amin/Maqa la-e-Shaikhul-Islam/Deen-e-Kamil/and **Syed ul Tafaseer Al Maroof "TAFSIRE- ASHRAFI".**

He took as I came to know, four to five years to complete this work (of Tasfir). It is the most important and valuable work of Madanimiyan, which has given him much fame and honour and popularity.

It is a work of paraphrase of highly valuable Arabic Ayaths (verses).This has been completed in six (VI) volumes in a simple urdu language.

Besides-this he has translated the sharah - (i.e. the precepts of Muhammed sallallahu -Alaihiwasallam) of Marif-ul-Quran, in Gujarathi and Hindi languages.

From this it reveals that, his range of work is very wide. He has dealt -with various subjects of religion of Islam.

Dear followers of Ahle-Bith and of Auliyae Kamileen as a last gesture, I wish to point out that, the Sufi mystic (Aarif-Kamil) Hazrath PEERE Rumi i.e. Moulana Jalaluddin Rumi (Rahmatullahi Alaih) says that, If you wish to meet the Allahu taela then go and sit at the lotus feet of Aarif kamil-sufi saint. Because his company even for a moment, is better than a hundred years of sincere prayer. Further he says that, "the desires of the mind will never die, without perfecting hands of the master",(i.e. Kamil-peer-o-murshid).

May Allahutaela, accept these few-words and make them beneficial to one & all. "Ameen".

This humble Fakir prays to Allahu-taela for prosperious long life of Hazrat sheikh-ul-Islam.

Lastly I Pray the Almighty Allah to show mercy on us and rescue us all from empty words and bless us with the lot of doing for the sake of the best of all people. May Allahutaela give safety to those who follow Harath Muhammed Sallallahu Alaihi wa Sallam's Way. "Aameen" Wa-Aqir-u-ddawana- Anil-Hamdu-Lilla-hi -Rabbul-Aal-men.

TALIB E DUA

REFERENCE (HAWALA)

1. Holy Quran.

2. Hadith Books.

3.Masnavi Manavi by Maulana Jalaluddin Rumi (RA)

4. Maktubath Hazrath Mujaddid Alfe Sani (RA)(Urdu Version by Maulana Naseem Ahmed Faridi Amrohi) Luknow.

5. Syedul Tafaseer Al Maroof Tafseere Ashrafi By Shaikul Islam.

6. Khutbate Bartaniya By Shaikul Islam. (In This Book Birth date of Shaikul Islam on page 8 has shown as 1937 AD.Where as on page 57 of Tafseere Ashrafi has shown as 28 August 1938 AD.

7. Urdu and English Dictionaries.